

تفسیر مظہری

جلد ہشتم

سورۃ الحج سے سورۃ الشعراء تک
پارہ ۱۷ رکوع ۸ تا پارہ ۱۹ رکوع ۱۵ تک

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبد الدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین

ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۱۳۷۸

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر
اس ترجمہ و کمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں عن در الا شاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی در الا شاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء فکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

﴿..... ملنے کے پتے﴾

لوہرہ تصارف جامعہ دارالعلوم کراچی
لوہرہ اسلامیات ۱۹۰، اہر گل لاہور
کتبہ سید احمد شہید کوہہ در لاہور
کتبہ اہل لویہ ٹیلی ہسپتال روڈ ملتان
کتبہ رحمانیہ ۱۸، لوہرہ در لاہور

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26-۲۷، روڈ لاہور
کشمر بک ڈپو، بیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ واجد بازار روڈ پٹنڈی
یونورسٹی بک انجمنی خیبر بازار پشاور

فہرست مضامین تفسیر منظری اردو جلد ہشتم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۷	کرنے والے کے لئے کھانا جائز نہیں مسئلہ: عام قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔	۱۳	سورۃ الحج زلزلہ ساعت کا بیان
۳۸	مسئلہ: تمتع اور قرآن کی قربانی کے بارے میں اختلاف ہے۔	۱۴	حدیث، البعث بعث النراد (اپنی نسل میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو) کا مطلب
۳۹	مسئلہ: رومی جہاد صاحب قرآن کی قربانی اور حلق راس اور طواف کرنے میں ترتیب واجب ہے۔	۲۴	بر کے حضرت علیؓ اور حضرت خنزہؓ کا کافروں کا مقابلہ (دوزخ کے اندر) آگ کا لباس۔
۴۰	ایک شبہ شبہ کا ازالہ سر منڈانا واجبات احرام سے بے حج کارکن نہیں	۲۵	فصل: تم ریشم و ویبانہ پہنو، نہ سونے چاندی کے برتن میں کھاؤ۔ اہل جنت کا زیور اور لباس
۴۱	سر منڈانے کا ابتدائی وقت کون سا ہے۔ مسئلہ: حلق یا قصر کی واجب مقدار کتنی ہے اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔	۲۸	فصل: ریشم پہننے کے بارے میں احادیث حرم اور حدود حرم کے مسائل
۴۲	مسئلہ: منڈانا بال ترشوانے سے افضل ہے نذر ماننے کا بیان۔ نذر کی اقسام	۲۹	مسئلہ: کیا مکہ کی زمین کی فروخت یا ٹھیکہ پر دنیا جائز ہے؟ کیا مکہ کی زمین اہل مکہ کی ملک ہے؟
۴۳	ہر قسم کی نذر کے مسائل اور اس کے متعلق احادیث	۳۰	مسئلہ: مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہنے والوں کی دلیل۔
۴۴	مسئلہ: کیا نذر طاعت کی قضا اور کفارہ عینین واجب ہے تین باتیں مذاق سے بھی کہی جائیں تو حقیقت ہی مانی جائیں گی۔	۳۱	مسئلہ: مکہ کے مکانوں کے استدلال کا جواب حرم کے اندر بیدنی اور الجلو کے متعلق احادیث
۴۵	فصل نذر معصیت اور اس کے احکام و اقسام نذر مباح کے احکام و مسائل۔	۳۲	مسئلہ: کیا پیادہ پانچ افضل ہے حدیث: من حج لله تعالیٰ ولم یرفت
۴۶	توضیح اقوال کے لئے چند احادیث کا بیان۔ مسئلہ: نذر مان کر پوری نہ کر سکنے کا بیان نذر طاعت کا بیان	۳۳	مسئلہ: کیا مکہ کی زمین کی فروخت یا ٹھیکہ پر دنیا جائز ہے؟ کیا مکہ کی زمین اہل مکہ کی ملک ہے؟
۴۷	مسئلہ: نذر طاعت کو قیود سے مقید کرنے کا بیان۔ مسئلہ: بلا قیود قیام و قعود نماز پڑھنے کی نذر کا بیان	۳۴	مسئلہ: مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہنے والوں کی دلیل۔
۴۸	مسئلہ: حجت لیث کر یا کروٹ سے لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر ماننا۔	۳۵	مسئلہ: مکہ کے مکانوں کے استدلال کا جواب حرم کے اندر بیدنی اور الجلو کے متعلق احادیث
۴۹	مسئلہ: کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے کا بیان گھر کی مسجد یا کعبہ میں یا مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے	۳۶	مسئلہ: کیا پیادہ پانچ افضل ہے حدیث: من حج لله تعالیٰ ولم یرفت
۵۰		۳۷	مسئلہ: کیا مکہ کی زمین کی فروخت یا ٹھیکہ پر دنیا جائز ہے؟ کیا مکہ کی زمین اہل مکہ کی ملک ہے؟
۵۱		۳۸	مسئلہ: مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہنے والوں کی دلیل۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
	ہو جاؤں توجہ کروں گا یہ نذر ہو گئی۔		کے ثواب کا بیان۔
۶۱	مسئلہ : کسی نے کہا کہ اگر زید چاہے تو مجھ پر حج واجب ہے پس اگر زید نے کہا میں چاہتا ہوں تو حج نذر واجب ہوگا۔	۵۱	مسئلہ : نذر صوم کو بیمار کے تندرست یا مسافر کے واپس آنے سے مشروط کرنے کا بیان
۶۲	مسئلہ : اپنا تمام مال خیرات کرنے کی نذر ماننے کا بیان	۵۲	مسئلہ : وجوب ادا کی نسبت کسی خاص وقت یا زمانہ کی طرف کر کے نذر ماننے کا بیان۔
۶۳	مسئلہ : میرا مال غریبوں کیلئے خیرات ہے کہنے کا بیان	۵۳	مسئلہ : پیدل حج کرنے کا بیان
۶۴	مسئلہ : موجودہ مملوک مال اور آئندہ ملک میں آنے والے مال کو خیرات کرنے کی نذر کا بیان۔	۵۴	مسئلہ : پیدل حج کی نذر کر کے بلا عذر یا عذر سے سوار ہو کر حج کرنے کا بیان۔
۶۵	مسئلہ : اگر کسی نے یوں کہا کہ ایک بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرے گا یا اس کو کسی شرط سے مشروط کر دیا تو کیا حکم ہے۔	۵۵	ایک سوال۔ جواب
۶۶	مسئلہ : بکری کی نذر مان کر اونٹ ذبح کرنے کا بیان	۵۶	مسئلہ : پیدل حج کرنے کی نذر کر کے سوار ہو کر حج کرنے پر کیا قربانی واجب ہوگی؟
۶۷	مسئلہ : معین بکری کے ذبح کرنے کی نذر کا بیان	۵۷	وجوب قربانی کی سند پر شبہ اور اس کا جواب
۶۸	مسئلہ : کپڑا خیرات کرنے کی نذر کا بیان	۵۸	مسئلہ : بیت اللہ یا کعبہ کو پیدل جانے کی نذر اس طرح ماننا کہ اس میں حج یا عمرہ کا ذکر نہ ہو۔
۶۹	مسئلہ : متعین جانور کو بیت اللہ یا کعبہ یا مکہ بھیجنے کی نذر ماننے کا بیان۔	۵۹	مسئلہ : کسی طاعت کی اس کے واجبات کو ترک کر کے نذر ماننے کا بیان۔
۷۰	ایک شبہ اور جواب	۶۰	مسئلہ : پیدل حج کی نذر کے خلاف عمل کر کے قربانی کر دی تو کیا کفارہ واجب ہوگا۔
۷۱	مسئلہ : کپڑے کو بیت اللہ یا حطیم کا ستر کر نیکی نذر کا بیان	۶۱	مسئلہ : صرف اعتکاف کی نذر ماننے سے کیا روزہ رکھنا بھی واجب ہے (متفرق مسائل)
۷۲	مسئلہ : کسی بکری کے بارے میں یوں کہنا کہ اگر اس کو خریدوں گا تو کعبہ کو ہدیہ کروں گا کیا یہ نذر ہوگی؟	۶۲	ایک شبہ۔ ازالہ شبہ
۷۳	مسئلہ : اپنے آپ کو یا بیٹے کو یا غلام کو ذبح کرنے کی نذر کا بیان۔	۶۳	مسئلہ : رمضان المبارک میں اعتکاف کی نذر مانی تو رمضان میں ہی اعتکاف ضروری ہے۔
۷۴	مسئلہ : کسی کے مال سے جو نفع ہو اس کے خیرات کرنے کی نذر کا بیان۔	۶۴	مسئلہ : اگر مقررہ رمضان میں نذر پوری نہ کی تو دوسرے ایام میں قضا میں روزے کے ضروری ہے
۷۵	مسئلہ : جو کچھ کھاؤں یا جو کچھ پیوں اس کے مقابل خیرات کرنے کا بیان۔	۶۵	ایک شبہ مع ازالہ شبہ
۷۶	مسئلہ : کسی کے آنے والے دن بطور شکرانہ روزہ رکھنے کو لازم کرنے کا بیان۔	۶۶	مسئلہ : حالت کفر میں نذر ماننے کا ذکر
۷۷	مسئلہ : بیمار کی نذر کا بیان	۶۷	مسئلہ : نذر طاعت ماننے کے بعد ایقائے نذر سے قفل مرتد ہو جانے کا بیان۔
۷۸	مسئلہ : کسی سال یا ماہ کی معین تاریخ کو روزہ رکھنے کی نذر کا بیان۔	۶۸	بیمش روزہ رکھنے کی نذر ماننے کا بیان
۷۹	مسئلہ : کسی خاص دن مثلاً پیر یا جمعرات کے روزہ کی نذر ماننا۔	۶۹	دس یا سو حج کرنے کی نذر ماننے کا بیان
۸۰		۷۰	مسئلہ : کسی نے کہا میں حج کروں گا کیا یہ نذر ہو گئی؟
۸۱		۷۱	مسئلہ : کسی نے اگر کہا کہ میں بیماری سے شفاء یاب

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۷۵	رکن یمانی کو چھونا مستحب ہے، سنت نہیں	۶۵	مسئلہ: سال بھر کے روزوں کی نذر ماننا۔
"	طواف قدوم کا طریقہ	"	مسئلہ: گزرے سال کے روزے کی نذر ماننے کا بیان
۷۶	جھوٹی شہادت شرک کے برابر ہے۔	"	مسئلہ: نذر کے الفاظ بلا ارادہ زبان پر آجانے کا بیان
۷۸	مسئلہ: کیا حرم میں قربانی ہونے والے جانور پر سوار ہونا یا اس کا دودھ دوہنا اور پینا، یا اسی طرح کے دوسرے فائدے حاصل کرنا جائز ہے۔	"	مسئلہ: سال بھر کے روزوں کی نذر ماننے کا بیان
۷۹	مسئلہ: کیا قربانی کا جانور حرم کے اندر ہر جگہ ذبح کیا جاسکتا ہے؟	"	سال بھر کے روزے کی نذر ماننے میں ایام ممنوعہ کے روزے مستثنیٰ ہوں گے۔
۸۰	مسئلہ: اللہ کا ذکر ذبح کے وقت ضروری ہے	"	ایام ممنوعہ میں روزہ رکھنے کی نذر کا بیان
۸۱	مسئلہ: لونٹ، گائے، بھینس وغیرہ قربانی کے جانور کو بدنتہ بنانا۔	۶۶	طواف کا بیان
۸۱	لونٹ کو نخر کرنے اور دوسرے جانوروں کو ذبح کرنے کے وقت کیا کہا جائے۔	"	مسئلہ: طواف قدوم کے احکام و احادیث
۸۳	کفار سے جنگ کرنے کی اجازت کب دی گئی	"	تعبیر: طواف کے اقسام شرائط اور ارکان کا بیان (احادیث)
۸۴	حربی کافروں کی عورتوں کو بوڑھوں کو راہبوں کو اندھوں اور ذمیوں یا مرتد عورت کو قتل کرنا جائز نہیں	۶۸	مسئلہ: طواف نفل نذر سے واجب ہوتا ہے۔
۸۶	مسئلہ: اگر کسی مصلحت کی بنا پر حاکم اسلام کسی حربی یا مرتد عورت کو قتل کرنے کا حکم دیدے تو کوئی ہرج نہیں۔	"	مسئلہ: طواف صدر رکن حج نہیں ہے۔
۸۹	آیت: فانہا لاتعمی الابصار الا یہ میں اندھا ہونے کا مطلب (احادیث)	۶۹	فصل طواف کے شرائط، ارکان و واجبات و سنن کا ذکر
۹۱	فقراء دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے (حدیث)	"	ایک سوال۔ جواب
"	قیامت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے (احادیث)	۷۰	کسی شخص نے دوسرے کو کندھے پر اٹھالیا اور اسی حالت میں طواف کیا اس کے احکام مختلف ہیں۔
"	رسول اللہ ﷺ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی، پھر صرف نذیر ہونے کا حکم کیوں دیا گیا۔	"	مسئلہ: شرائط طواف میں سے حدیث اکبر و اصغر سے پاک ہونا شرط ہے وغیرہ احادیث۔
"	حدیث: انما مثلی و مثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوما الخ	۷۱	مسئلہ: طواف زیارت کی ایک ضروری شرط وقت ہے
"	اسلام پہلے کے (یعنی حالت کفر کے) جرائم کو ڈھارتا ہے۔	۷۲	مسئلہ: کیا طواف کی شرائط میں ترتیب بھی ہے
۹۲	حدیث: مثلی کمثل رجل استوقد ناراً الخ	"	طواف کس جگہ کیا جائے
۹۳	انبیاء اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث	"	فصل: طواف کے سات چکر رکن ضرورتی ہیں
		"	مسئلہ: اگر چار پھیرے طواف کیا تو کیا طواف ہو جائے گا۔
		"	مسئلہ: طواف میں حطیم کعبہ کا حکم اور اس کی تحقیق
		"	مسئلہ: حطیم کو چھوڑ کر طواف کرنے کا بیان
		"	طواف زیارت معذور ہو تو سوار ہو کر جائز ہے۔
		"	مسئلہ: بغیر وقفہ کے مسلسل طواف کرنے کا بیان
		"	مسئلہ: فرض طواف کو درمیان میں منقطع کرنے کا حکم
		"	مسئلہ: نماز فرض کی اقامت ہونے پر طواف نفل منقطع کرنے کا حکم۔
		"	سات چکروں کے بعد نماز نفل دور کعت پڑھنا واجب ہے۔
		"	فصل: آداب طواف یعنی مسجبات کا بیان

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۱۷	حدیث: لول نماز، اگر فرض میں کچھ نقصان لور کی ہو جائے تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔	۹۳	ایک قوی شبہ
۱۱۸	حدیث: زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہے	۹۴	علماء نے مختلف طور پر اس شبہ کا جواب دیا ہے۔
۱۱۹	حدیث: ہر آدمی کا ایک گھر جنت کے اندر اور ایک گھر دوزخ کے اندر ہوتا ہے جو دوزخی ہو گا اس کا جنت والا گھر اہل جنت کو دیدیا جائے گا۔	۹۷	جنت میں داخلہ اللہ کے فضل سے ہو گا اعمال جنت میں نہیں لے جائیں گے ہاں اہل جنت کے مراتب کا فرق اعمال کی وجہ سے ہو گا۔ (احادیث)
۱۲۰	حدیث: جو وارث کو میراث دینے سے بھاگتا ہے اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دیتا ہے، نفخ روح کیا ہے؟	۱۰۵	ایک شبہ - جواب شبہ
۱۲۱	حدیث: ہر شخص کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز بصورت نطفہ جمع رہتا ہے اللہ ایک سوال لور جواب	۱۰۶	حدیث: ہر آدمی کے تین رجسٹر نکالے جائیں گے
۱۲۲	مسئلہ: انڈا انجھب کرنے کے بعد بچہ نکل آئے لور پھر بچہ مر جائے تو کیا ضمان واجب ہو گا۔	۱۰۷	حدیث: ایک نبی کے پاس وحی آئی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہو کہ اپنے اعمال پر یقین لور بھروسہ نہ کر لیں اور نراس بھی نہ ہو جائیں۔
۱۲۳	معتزلہ کا قول خلق افعال کے بارے میں معتزلہ کا جواب	۱۰۸	سورۃ حج کے دوسرے سجدے کے متعلق روایات و کھاد اور شہرت طلحی کے متعلق احادیث
۱۲۴	حدیث: اللہ نے جنت سے پانچ دریا نازل فرمائے، سیحون، جیحون وغیرہ اللہ عیض۔	۱۰۹	فائدہ
۱۲۵	بعثت نوح کا ذکر	۱۱۰	اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے صحابہ کو جن لیا تھا (برگزیدہ کر لیا تھا)
۱۲۶	حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کی بعثت کا ذکر	۱۱۱	حکام شریعیہ کی پابندی سے کوئی تکلیف ان حضرات کو نہ ہوتی تھی برگزیدہ ہونے کی یہ ایک خاص نشانی تھی۔
۱۲۷	حدیث: کونسی اور اس کا جواب	۱۱۲	حدیث: تمام لوگ قریش کے تابع ہیں
۱۲۸	حدیث: کونسی اور خسرالی رشتہ کام نہیں آئے گا سوائے میرے نبی اور خسرالی رشتے کے	۱۱۳	حدیث: میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں۔
۱۲۹	آیت: فلا انساب بینہم ولا یتساء لون لور دوسری جگہ آیا ہے واقبل بعضهم علی بعض یتساء لون دونوں میں تعارض کا شبہ اور اس کا جواب	۱۱۴	آیت و حدیث: امت محمدیہ قیامت کے دن لوگوں پر شہادت دے گی۔
۱۳۰	میزان کیا ہے؟ اس کے متعلق آیات و احادیث	۱۱۵	قرآن اور حدیث کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے اور بدعت سے بچنے کا حکم۔
۱۳۱	فصل: وزن کشی کی کیفیت کا بیان	۱۱۶	سورۃ المؤمنون
۱۳۲	حدیث: دوزخیوں کی پانچ پکاریں ہوں گی اللہ عیض۔	۱۱۷	حدیث: جنت نے کہا قافلح المؤمنون الخاشعون سے کون لوگ مراد ہیں؟
۱۳۳	سورۃ نور	۱۱۸	نماز میں خشوع کرنے اور سجدہ گاہ پر نظر رکھنے لور لور نہ دیکھنے کا بیان
۱۳۴	حدیث: جس کی گھنڈی نہ ہو لور درمیانہ سا تڑ ہو۔	۱۱۹	فصل: حضرت انس کی حدیث سجدہ میں نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔
۱۳۵	حدیث: جس کی گھنڈی نہ ہو لور درمیانہ سا تڑ ہو۔	۱۲۰	عورتوں سے متعہ کرنے کا بیان
۱۳۶	حدیث: قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے کس چیز کا حساب ہو گا۔	۱۲۱	حدیث: قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے کس چیز کا حساب ہو گا۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۶۸	مسئلہ: محرم عورت سے نکاح کرنے کے حجت کر لینے کا حکم	۱۵۶	زانی کی سزا ۱۔ تازیانہ ۲ جلا وطن کرنا اور ۳ سنگسار کر دینا۔
۱۷۰	مسئلہ: اجرت ٹھہرا کر زنا کرنے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک حد جاری نہ ہوگی	۱۵۸	سنگسار کرنے کیلئے زانی کے کنوارے نہ ہونے کی شرط وغیرہ ایک شبہ: آیت متواتر قطعی ہے اور اس کا مرادی معنی تلتنی ہے الخ۔
۶	مسئلہ: زنا کے ثبوت کیلئے شہادت شرعی یا اقرار ضروری ہے چار مردوں کی شہادت پر اتفاق ہے۔	۱۵۹	ازالہ شبہ
۶	مسئلہ: اگر چار مردوں نے شہادت متعدد اوقات یا متعدد مجالس میں دی تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔	۶	فائدہ شوافع کے نزدیک حدیث تخریب کی ترجیح کیلئے توجیہ۔
۶	مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں تعدد اقراری ضروری ہے۔	۶	خلیفہ کے لئے زانی کو شہر بدر کر دینا جائز ہے بلکہ ہر حاکم مصلحت عامہ کے پیش نظر کسی کو جلا وطن کر سکتا ہے۔
۱۷۲	مسئلہ: کیا حاکم کیلئے مناسب ہے کہ اقرار سے لوٹ جانے کی تلقین کرے۔	۱۶۰	قید کر دینا بھی جلا وطنی کی ایک صورت ہے اسی سے مشائخ طریقت نے نفس کی قوت کو توڑنے کے لئے خانہ بدوشی کو جائز قرار دیا ہے۔
۶	اقرار زنا کے بعد اقرار سے لوٹ جانا حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے۔	۶	مسئلہ: زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو سنگسار کرنا صحابہ کے نزدیک متفق علیہ علماء کا اس پر اجماع ہے۔
۶	فصل: مسئلہ: بیمار زانی پر حد زنا کب جاری کی جائے	۱۶۲	مسئلہ: کیا شادی شدہ زانی کو سزائے تازیانہ بھی دی جائے گی مسئلہ میں اختلاف ہے۔
۱۷۳	مسئلہ: بیمار عورت پر حد کیسے جاری کی جائے	۶	مسئلہ: زانی و زانیہ میں ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا غیر شادی شدہ ہو تو شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگائے جائیں گے۔
۶	مسئلہ: کیا آقا اپنے غلام پر حد جاری کر سکتا ہے؟	۶	آیت کا حکم منسوخ ہے، ناکتھا کے ساتھ اس کی خصوصیت ہے یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہے؟
۶	آیت فاجلدوا میں خطاب حاکم کو ہے؟ کیا حدود میں رعایت جائز نہیں؟	۱۶۳	فائدہ احسان کے معنی
۱۷۵	اجرائے حدود کے موقع پر مسلمانوں کی ایک جماعت کے موجود ہونے کا حکم	۱۶۵	مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک رجم کے لئے محصن کی شرط
۱۷۶	زانی اور زانیہ سے نکاح کرنے کے احکام	۶	مسئلہ: محصن اور غیر محصن زانی و زانیہ کی سزا کے بارے میں علماء کا اتفاق۔
۱۷۸	فائدہ: حدیث میں بیوی کے بارے میں یہ شکایت کہ وہ کسی چھونے والے کو نہیں دفع کرتی کا مطلب تہمت زنا لگانے کے متعلق مسائل۔	۱۶۶	مسئلہ: زانی و زانیہ میں ایک پاگل ہو تو اس صورت میں حد شرعی قائم کرنے میں اختلاف ہے۔
۱۷۹	احسان (محصن) ہونے کے معنی	۶	فصل: زنا کیا ہے؟
۱۸۰	حد قذف جاری کرنے کے مسائل	۶	ملکیت کا اگر شبہ ہو تو کیا زنا کا حکم جاری ہوگا؟
۶	ایک شبہ: لا تقبلوا لہم شہادۃ ابداء آیہ کا کیا معنی ہے؟	۱۶۷	فرقہ مظاہریہ کا اختلاف
۱۸۱	ازالہ شبہ	۶	مسئلہ: شبہ دو طرح کا ہوتا ہے اشہر اشتباہ ۲ شبہ ملکیت
۱۸۲	ایک شبہ: واؤ عطف سابق کلام کو لاحق کلام سے ملانے کیلئے آتا ہے تو کیا سابق کے تمام جملوں کا استثناء میں اشترک ہونا چاہئے۔	۱۶۷	۶
۱۸۳	فائدہ: حد قذف سے اللہ تعالیٰ کے حق کا بھی تعلق ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے۔	۱۶۷	۶

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۰۶	امر (دین) کی چوٹی اور ستون کیا ہے؟ ان تمام امور کا مدار زبان کو روک رکھنے پر ہے	۱۸۳	لعان کے مسائل
۲۰۹	حدیث: برابر کا بدلہ لینے والے کو صلہ رحم کرنے والا نہیں کہا جاسکتا۔	۱۸۸	مسئلہ: چونکہ آیت والذین یرسون ازواجہم لآیہ عام ہے اسلئے تین اماموں کے نزدیک میاں بیوی میں طلاق ہو سکتی ہو تو لعان کا حکم بھی جاری ہوگا مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو شرطوں کے بغیر لعان کا حکم جاری نہ ہوگا۔
۲۱۰	حدیث: قیامت کے روز اعضائے جسم شہادت دیں گے	۱۹۰	مسئلہ: اگر کوئی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا حمل سے انکار کرے تو دونوں میں لعان ہو تو کیا حکم ہے؟
۲۱۱	ایک شبہ: فرمان الہی کہ زبان شہادت دیگی، اور کہ ہم نے ان کے منہ پر مہر لگادی بظاہر، دونوں میں اختلاف ہے۔	۱۹۲	مسئلہ: اگر عورت خاوند کی تہمت کی تصدیق کر دے تو کیا حکم ہے؟
۲۱۲	ازالہ شبہ	۱۹۳	ایک شبہ، شوہر کی چار شہادتیں چار مرد گواہوں کی شہادت کے قائم مقام ہونے کے معنی۔ ازالہ شبہ
۲۱۳	حدیث: حضرت عائشہؓ چند ایسی باتوں پر ناز کرتی تھیں جو کسی دوسری عورت کو نہیں دی گئیں۔	۱۹۵	مسئلہ: کیا مرد کے لعان کرتے ہی زوجین میں فرقت ہو جاتی ہے؟ آئمہ کا اختلاف ہے۔
۲۱۴	حدیث: اللہ کا حکم نہیں کہ اہل جنت یعنی مسلمانوں کے سوا میں کسی سے نکاح کروں یا کراؤں۔	۱۹۶	مسئلہ: اگر لعان کے بعد شوہر اپنی تکذیب کرے تو کیا دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔
۲۱۵	حضرت عائشہؓ کے فضائل	۱۹۷	قاضی لعان کے بعد اس بچہ کا نسب لعان کرنے والے سے نہیں جوڑے گا۔
۲۱۶	کسی کے گھر اجازت لیکر جانے کا حکم اور سلام کرنا	۱۹۸	اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں تو اس کا حکم
۲۱۷	اگر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو داخلہ کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔	۱۹۹	مسئلہ: اگر شوہر کہے کہ تیرا یہ حمل زنا کا ہے تو با اتفاق لعان ہوگا، اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد شوہر انکار کرے تو اس کا حکم۔
۲۱۸	طلب اجازت کے بعد داخلہ کی اجازت نہ ملے تو واپس جانا چاہئے۔	۲۰۰	مسئلہ: پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا واپس آکر انکار کیا تو اس کی مدت اور احکام کیا ہیں؟
۲۱۹	اجازت لینے کی بجائے صاحب خانہ کے باہر آنے کا انتظار کرنا ہے۔	۲۰۱	مسئلہ: شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کرنے کا یقین ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟
۲۲۰	مسئلہ: اگر دروازہ پر پردہ نہ ہو تو سامنے کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔	۲۰۲	مسئلہ: باپ ہونے سے انکار کرنا کن حالات میں حرام ہے؟ قصہ اقل
۲۲۱	چینی نظر رکھنا۔ ستر عورت		واقعہ اقل میں حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان
۲۲۲	کیا غیر مرد کو عورت دیکھ سکتی ہے؟		حدیث: مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنا چاہئے کوئی چیز دخول جنت کی موجب ہے ابواب خیر کونے ہیں۔
۲۲۳	مرد مرد کے عورت عورت کے کونے حصے بدن کے دیکھ سکتے ہیں۔		
۲۲۴	ناف کے نیچے سے زانو تک نہ عورت عورت کو دیکھ سکتی ہے اور نہ مرد مرد کو۔		
۲۲۵	ماظہر منہا سے کیا مراد ہے؟		
۲۲۶	حرف عورت کا کونسا حصہ واجب الستر ہے؟ اور اجنبی شخص اجنبی عورت کے کس حصہ کو دیکھ سکتا ہے؟ اور کیسے؟		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۳۳	پینا اور دیگر جائز معاملات بھی عبادت بلکہ فرض ہو جاتے ہیں۔	۲۲۰	آیت قل للمومنات یغضضن الخ یہ حکم بالاجماع آزاد عورتوں کے لئے ہے۔
	فائدہ: غلام آقا سے نکاح کی درخواست کرے تو آقا کو نکاح گزار دینا چاہئے۔	۲۲۲	باندی کا کونسا حصہ جسم ستر ہے
۲۳۴	حدیث: تزوجوا فانہن یا تین بالمال کی تشریح	۲۲۳	اپنی بیوی کی شرمگاہ کو دیکھنا مکروہ ہے؟
۲۳۵	حدیث: نکاح کے ذریعے رزق طلب کرو کا مطلب جو نکاح کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے	"	عورت اپنے محرم کے سامنے اپنے بدن کا کون سا حصہ کھول سکتی ہے اور مرد محرم عورتوں کے کس حصہ بدن کو دیکھ یا چھو سکتا ہے بشرطیکہ جذبہ شہوت نہ ہو۔
۲۳۶	غلام کو مکاتب بنانے کے مسائل بدل کتابت کے بارے امام صاحب اور دوسرے آئمہ کے اقوال	۲۲۴	کیا کافر عورتوں کے سامنے مومن عورتیں بے پردہ ہو سکتی ہیں؟
	کیا عقد کتابت کے بعد غلام پر آقا کا قبضہ رہتا ہے؟ مسئلہ	"	کیا غلام اپنی آقا عورت کا محرم ہے؟
	عقد کتابت کے بعد آقا غلام کو آزاد کر سکتا ہے؟ مسئلہ	۲۲۵	مفقود الشہوت لوگ یعنی بوڑھے اور فطری نامرد کیا جنسی عورت ان کے سامنے بے پردہ ہو سکتی ہے؟
	عقد کتابت کے بعد کیا آقا غلام کو فروخت کر سکتا ہے؟ آئمہ کے مسلک اور دلائل	۲۲۶	مسلکہ: خصی اور مقلوع الذکر کے حکم میں ہے بچوں کے سامنے عورتیں کونسا حصہ بدن کھول سکتی ہیں اور عورت کے کس حصہ بدن کو بچے دیکھ سکتے ہیں؟
۲۳۷	پورا بدل کتابت ادا کرنے کے بعد ہی مکاتب آزاد ہوتا ہے۔	۲۲۷	عورت کی آواز بھی عورت ہے عورت جبری قرأت سے اگر نماز پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
۲۳۸	مسئلہ: اگر مکاتب قسط مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے تو حاکم معاملہ پر غور کرے۔	"	ہر آدمی خطا کار ہے اور سب سے اچھا خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لے استغفار اور توبہ کی احادیث۔
	مسئلہ: مکاتب نے زکوٰۃ کا مال لے کر بدل کتابت کا ایک حصہ ادا کر دیا بعد میں عاجز عن الادا ہوا تو اس کا حکم	۲۲۸	مسلکہ: بعض حالتوں میں نکاح فرض یا واجب اور بعض میں حرام یا مکروہ ہے اور اکثر حالات میں سنت ہے نکاح کے مسائل میں آئمہ کا اختلاف
	مسئلہ: مقررہ معاوضہ ادا کرنے سے پہلے اگر مکاتب مر جائے تو اس کی موت غلامی کی موت ہوگی۔	۲۲۹	فریقین کے اختلاف کا خلاصہ
۲۳۹	مسئلہ: بچے اور کمائی نہ کرنے والے غلام کو مکاتب بنانا بلا کراہت درست ہے۔	"	تحقیق موضوع: توجہ الی اللہ میں خلل ہو تو نکاح نہ کرے اور کمال توجہ الی اللہ میں خلل نہ ہو تو نکاح افضل ہے۔
	مسئلہ: تنگمی غیر ہنرمند کمائی کے ناقابل باندی کو مکاتب بنانا بافتاح مکروہ ہے۔	۲۳۰	ایک شبہ: النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی الخ سے معلوم ہوا کہ نکاح سنت ہدی ہے۔
۲۴۰	ایک شبہ جس باندی کو زنا پر مجبور کیا گیا وہ گناہ گار نہیں، پھر مغفرت کی کیا ضرورت؟ جواب شبہ	"	جواب شبہ حضور ﷺ کا فرمان کہ دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں ان پر ایک شبہ اور اس کا جواب
۲۴۱	اللہ نور السموات والارض الایہ کی تفسیر	۲۳۱	ہیں ان پر ایک شبہ اور اس کا جواب
۲۴۲	ایک شبہ ازالہ شبہ	۲۳۲	اگر نیت اچھی ہو تو نکاح عبادت ہو جاتا ہے بلکہ کھانا
"	ذمت سے کیا مراد ہے۔	"	
"		"	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۲۴۷	کھانا کھلانے، سلام (کارواج) پھیلانے بیمار کی عیادت کرنے اور جنازہ میں شریک ہونے کا حکم حدیث	۲۴۵	نصل: نبوت سے پہلے کے معجزات کا بیان
۲۴۹	اگر کسی امر پر تمام مسلمان امام (حاکم) کے ساتھ متفق ہو جائیں تو پھر امام کی مخالفت نہ کریں نہ ساتھ چھوڑیں اور جب تک امام اجازت نہ دے ساتھ نہ چھوڑیں۔	۲۵۲	آیۃ النور کی تفسیر پہلی ولادت کے اعتبار سے خاص ہدایت
۲۵۰	ہاں اگر بیماری وغیرہ کوئی شرعی رکاوٹ ہو تو ساتھ چھوڑ کر چلا آنا مجبوری جائز ہے۔	۲۵۳	آیت نور کی تفصیل دوسری ولادت یعنی بقاء بعد الفناء
۲۵۱	اجازت طلب کرنے پر اگر امام چاہے تو اجازت دیدے مسئلہ: مطلق امر کا صیغہ (یعنی کسی قرینہ مانعہ کے بغیر) وجوب کے لئے ہوتا ہے)	۲۵۶	حدیث نماز مومن کی معراج ہے
۲۵۸	انسواں پارہ	۲۶۰	حدیث: آدمی دہر کو گالی دے کر اللہ تعالیٰ کو دکھ دیتا ہے۔
۲۵۹	مسائل پانی کس چیز سے نجس ہوتا ہے اور کس چیز سے نجس نہیں ہوتا، ماء مستعمل کا بیان	۲۶۰	خلفائے راشدین کی خلافت پر استدلال
۲۶۰	ایک شبہ، ازالہ شبہ	۲۶۰	خلافت تیس سال رہے گی، اگر تیری زندگی کچھ اور رہے تو تو دیکھ لے گا کہ عورت تنہا حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف بلا کسی خوف و خطر کے کرے گی۔
۲۶۱	ایک اور شبہ اور اس کا ازالہ	۲۶۰	کسریٰ بن ہرمز کے خزانے تم لوگ فتح کرو گے۔
۲۶۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۶۸	آیت من کفر یعد ذلک میں حضرت عثمان کے قاتلوں اور یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ ہے۔
۲۶۱	دوسرا شبہ حدیث میں قلتین کا لفظ مشکوک ہے اس کا جواب	۲۶۹	مسئلہ: باشعور لڑکوں اور غلاموں کو مردوں کے پاس تین اوقات میں اجازت لے کر آنا چاہئے باندیاں بھی ان اوقات میں عورتوں کے پاس آئیں تو اجازت لے کر آئیں۔
۲۶۱	مزید شبہ اگر قلدہ کا لفظ مشترک ہے گھڑا مشک ڈول وغیرہ پر تو قلدہ کے معنی کا تعین کیسے ہو۔	۲۷۱	مسئلہ: کوئی مرد اپنی محرم عورتوں کے پاس آئے تو اجازت لے۔
۲۶۲	ایک قوی معارضہ حدیث قلتین پر اور اس کا جواب	۲۷۲	مسئلہ: بوڑھی عورتیں پردہ سے مستثنیٰ ہیں لیکن پردہ بہتر ہے۔
۲۶۲	مسئلہ: وضو اور غسل پانی کے علاوہ کسی اور سیال چیز سے بالاتفاق ناجائز ہے۔	۲۷۲	مسئلہ: اگر کسی عزیز قریب یا دوست کے گھر میں داخل ہو اور بلا اجازت کھاپی لے تو جائز ہے۔
۲۶۳	مسئلہ: پانی میں نجاست پڑے یا نجاست پانی پر پڑے پانی تپاک ہو جائے گا۔ وجہ اور دلیل	۲۷۳	تاہم اور لنگڑے کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی ہرج نہیں اگر ساتھ کھانے میں کوئی اذیت محسوس نہ ہو۔
۲۶۳	مسئلہ: ازالہ حدث کے لئے پانی کا استعمال کیا گیا ہو یا صرف حصول ثواب کے لئے وضو کیا گیا ہو ایسا مستعمل پانی جمہور کے نزدیک پاک ہے۔	۲۷۳	مسئلہ: قریبی محرم رشتہ دار کے گھر کے اندر سے کچھ چوری کر لیا تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہوگی۔
۲۶۳	مسئلہ: ازالہ حدث یا حصول ثواب کی خاطر جس پانی کو (غسل یا وضو کی شکل میں) استعمال کیا گیا ہو کیا اس سے نجاست حقیقہ کو دور کیا جاسکتا ہے؟	۲۷۳	دوست کے گھر سے اگر اس کا یا کسی غیر کا کچھ مال چرایا یا قریبی محرم کا مال کسی غیر کے گھر سے چرایا تو قطعاً یہ ہوگا
۲۶۳		۲۷۳	ایک شبہ، ازالہ شبہ
۲۶۳		۲۷۳	اپنے یا کسی غیر کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے حدیث۔

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۴۸	فرعون کا شہروں سے لشکر جمع کرنے کا حکم	۳۱۶	مطلق پانی اور مستعمل پانی میں فرق اور اس کے احکام پر تفصیلی بحث
۳۴۹	حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا تعاقب	۳۱۶	مسئلہ: پانی میں کوئی پاک چیز گر جائے اور پانی کے اوصاف ثلاثہ باقی رہیں تو کیا حکم ہے۔
۳۵۰	فرعون تعقب کرتے ہوئے معہ اپنے لشکر کے غرق ہو گیا۔	۳۲۰	مسئلہ: آیت قل ما اسئلكم عليه من اجر سے استنباط کیا گیا کہ طاعت پر اجر لینا جائز ہے۔
۳۵۱	حضرت ابراہیم کا واقعہ اپنے باپ و قوم سے خطاب اور دعوت توحید۔	۳۲۳	قیام شب کی فضیلت۔ حدیث خوف اور امید۔ حدیث
۳۵۲	خطبہ نبوی یوم الدین الایہ میں خطا کا معنی	۳۲۵	کون سا گناہ سب سے بڑا ہے حدیث غی و اناہم کا بیان حدیث
۳۵۳	حضرت ابراہیم کی دعا اپنے باپ کے لئے اور برأت	۳۲۶	ایک شبہ، ازالہ شبہ، مزید شبہ، ازالہ گناہ بدل کر نیکیاں بن جائیں گے قرآن مجید و حدیث
۳۵۴	قلب سلیم کا مطلب	۳۲۶	ایک شبہ، ازالہ شبہ
۳۵۵	جنت جنتیوں کے قریب اور دوزخ دوزخیوں کے سامنے کر دی جائے گی۔	۳۳۰	جموٹی گواہی کا بیان قرآن جموٹی شہادت پر تزییر
۳۵۵	دوزخیوں کو اوندھے منہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔	۳۳۲	جنت کے بالا خانے اور ان کے اندر رہنے والے سورۃ الشعراء
۳۵۶	حضرت نوح کی قوم نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔	۳۳۸	ایک شبہ، ازالہ شبہ
۳۵۶	مسئلہ: طاعت کی اجرت لینا جائز نہیں	۳۴۰	حضرت موسیٰ کو قوم فرعون کی ہدایت کے لئے حکم حضرت موسیٰ کی حضرت ہارون کو تبلیغ و رسالت میں
۳۵۹	ضرورت سے زائد تعمیر مکان کیلئے روپیہ خرچ کرنا جائز نہیں (حدیث)	۳۴۰	توت بازو بنانے کی درخواست، حضرت موسیٰ کو قبلی کے قتل کے جرم میں اپنے قتل کئے جانے کا خطرہ
۳۶۰	حضرت مصنف کی رائے	۳۴۱	فاخاف ان یقتلون اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ فرعون ایسا نہیں کر سکے گا۔
۳۶۰	مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنا مکروہ ہے اور آرزو کی کمی مستحب ہے۔	۳۴۱	حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم۔ الآیہ
۳۶۱	حضرت صالح کی دعوت و تبلیغ اور قوم ثمود کا انکار اونٹنی کا بطور معجزہ پتھر سے برآمد ہونا اور اونٹنی کی	۳۴۲	حضرت موسیٰ کا فرعون سے مکالمہ
۳۶۲	کو نچیں کاٹ کر ہلاک کرنے پر قوم ثمود پر عذاب	۳۴۲	فرعون کی دھمکی دینے پر حضرت موسیٰ کا معجزہ پیش کرنے کی پیش کش اور فرعون کا معجزہ طلب کرنا۔ الآیہ
۳۶۳	حضرت لوط کا ذکر اور ان کی دعوت تبلیغ اور قوم کی تباہی	۳۴۵	فرعون کا حضرت موسیٰ کے مقابلے کیلئے جادو گروں کو جمع کرنا جادو گروں کا ایمان لانا اور اعتراف شکست، جادو کی حقیقت
۳۶۵	حضرت شعیب کی دعوت اصحاب الایکہ کو	۳۴۶	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۶۶	اصحاب الایکہ کی سرکشی اور طلب عذاب کیا قرآن صرف معافی کا نام ہے	۳۴۶	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۶۷	امام ابو حنیفہ کے نزدیک صرف نماز کی قرأت فارسی میں کرنا جائز ہے فتویٰ عدم جواز پر ہے۔	۳۴۷	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۶۸	مسئلہ: قرآن کے ترجمہ کو اجنبی آدمی پڑھ سکتا ہے اور چھو بھی سکتا ہے۔	۳۴۷	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۶۹	علماء بنی اسرائیل سے کون لوگ مراد ہیں۔	۳۴۷	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۷۰	حضور ﷺ نے تبلیغ کی ابتداء اپنے گھر والوں سے کی	۳۴۷	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم
۳۷۰	وانذر عشیرتک الاقربین	۳۴۷	حضرت موسیٰ کو مصر سے اپنی قوم سمیت نکل جانے کا حکم

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
		۳۷۲-۳۷۱	اہل جنت تین ہیں اور اہل دوزخ پانچ، قلبک فی الساجدین کا مطلب صحابہ اور اہل علم کے اقوال
		۳۷۳	رسول اللہ ﷺ کے باپ دادا اور ماں نانی یعنی سارے اصول مومن تھے۔
		"	شیاطین چوری چھپے فرشتوں کی گفتگو کا کچھ حصہ سن کر بھاگتے ہیں۔
		۳۷۴	کاہنوں کے بارے میں حضور سے سوال حدیث عائشہؓ حضرت عائشہؓ کی دوسری حدیث
		۳۷۵	شعراء کا راستہ بے راہرہ لوگوں کا راستہ ہے۔ قرآن
		۳۷۶	بامقصد اور اسلام کے دفاع کے لئے شاعری جہاد ہے
		۳۷۸	فائدہ اگر شاعری جھوٹ اور ناجائز باتوں سے پاک ہو یا
		"	شعر میں اللہ کا ذکر ہو تو شاعری جائز ہے (احادیث)
		۳۷۹	حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ایک وصیت
			تمت

ستر ہواں پارہ شروع

سورة الحج

اس سورۃ کی ۸ آیات ہیں، زیادہ آیت مکی ہیں بعض مدنی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ
اور اطاعت کرو۔

بِإِنَّ زَلْزَلَةً السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ①
بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ قیامت کا
زلزلہ یعنی قیامت میں یا قیامت کے لئے ساری چیزوں کا اہل جانا جھنجھوڑا جانا۔

اور پر کی آیت میں عذاب سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اس آیت میں اس کی علت بیان کر دی مطلب یہ کہ قیامت کے
بھونچال کا تصور کرو۔ اس کی ہولناکیوں پر غور کرو اور سمجھ لو کہ اس سے محفوظ رکھنے والا سوائے تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری
کے اور کوئی نہیں اس لئے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

علقہ اور شعبی کے نزدیک یہ زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا اور قیامت کی خصوصی نشانی ہوگا۔ جلال الدین محلی نے
لکھا ہے کہ مغرب سے آفتاب کے طلوع کرنے سے پہلے یہ زلزلہ آئے گا۔ ابن عربی اور قرطبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ
آئندہ آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

يَوْمَ تَرْوِيهَا تَدَأَلُّ كُلُّ مُرْسَعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

جس روز تم اس کو دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی عورت (زلزلہ کی دہشت کی وجہ سے) اس بچے سے غافل ہو جائے
گی جس کو دودھ پلا رہی ہوگی اور ہر حمل والی عورت اپنا حمل ساقط کر دے گی۔

مر ضعت وہ عورت جو دودھ پلا رہی ہو، مر ضع وہ جو دودھ پلاتی ہو خواہ اس وقت نہ پلا رہی ہو۔ دودھ پلانے کی صفت اس
کے اندر موجود ہو۔ جیسے خائض اور حامل ہر حیض والی اور حمل والی عورت خواہ اس وقت اس کو حیض نہ آ رہا ہو اور حمل نہ ہو۔ (اور
حاملہ وہ عورت جس کو حیض آ رہا ہو اور حمل موجود ہو) یعنی زلزلہ کی دہشت کی وجہ سے ہر وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلا رہی
ہوگی اپنے بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے گی۔

حسن نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ مر ضعت اپنے شیر خوار بچے کے دودھ چھڑانے سے غافل ہو جائے گی اور

حاملہ کو ناقص اسقاط ہو جائے گا۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ⑤ اور (اے مخاطب) تجھ کو لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی سخت چیز۔

اس آیت کی تفسیر میں حسن نے کہا خوف کی وجہ سے تم کو لوگ سکر کی حالت میں نظر آئیں گے وہ شراب کا نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا جس کی وجہ سے لوگوں کی یہ حالت ہوگی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ ترون بصیغہ جمع اور تری بصیغہ واحد اس لئے ذکر کیا کہ ساعت یعنی قیامت کو دیکھنے والے تو سب ہی ہوں گے سب ہی قیامت کو دیکھیں گے اور سکر کی حالت میں ہر شخص دوسرے کو دیکھے گا (اپنی حالت سکر اس کو دکھائی نہ دے گی) عذاب کا ہول، ہوش پر اگندہ کر دے گا، اوسان خطا ہو جائیں گے۔ جو لوگ زلزلہ قیامت کو علامات قیامت میں سے کہتے ہیں اور قیامت سے قبل اس کا وقوع مانتے ہیں وہ اپنے قول کے ثبوت کے لئے ان آیات کو پیش کرتے ہیں ان آیات میں ہر مرضعہ کا اپنے شیر خوار بچے سے غافل ہو جانا اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جانا اور ہر شخص کا نشہ کی حالت میں دکھائی دینا بیان کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ زلزلہ کا واقعہ قیامت کے وقوع سے پہلے ہوگا مردوں کے جی اٹھنے کے بعد تو نہ کوئی دودھ پلانے والی ہوگی نہ دودھ پینے والا بچہ نہ کوئی حاملہ نہ اس کا حمل حضرت مفسر نے اس استدلال کی تردید میں فرمایا کہ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مِّنْ أَهْلِهَا يَوْمَ تَأْتِي السُّحُبُ عَافِئًا لِّرِجَالٍ مِّنَ النَّاسِ وَفَاجِرًا لِّأُخْرَىٰ ۚ وَذَٰلِكَ يَوْمَ تَصِفُّ أَعْيُنُ النَّاسِ لِمَن كَانُوا لَا يَشْعُرُونَ ۚ فَمَن ذُكِّرَ بِعَذَابِهِ فَعَسَىٰ أَن يَرَىٰ فِيهَا عِزًّا ۚ وَمَن يُزَكِّهْهُ اللَّهُ فَمَا لَهُ مَدِينًا ۚ

یٰٰایہٰنا الناس اتقوا اللہ میں خطاب عام قرار دیا جائے یا خاص اس وقت میں موجود لوگوں کے لئے بہر حال تقویٰ کی علت زلزلہ ساعت کی ہولناکی اور شدت کو قرار دینا صحیح نہ ہوگا کیونکہ زلزلہ کی دہشت تو انہیں لوگوں پر ہوگی جو زلزلہ کے وقت موجود ہوں، انہیں کو ڈرانا اور اللہ کی فرماں برداری کا حکم دینا صحیح ہوگا۔ جو لوگ زلزلہ سے پہلے گزر گئے خواہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں خطاب کے وقت موجود تھے یا آئندہ پیدا ہونے والے تھے کوئی فریق بھی زلزلہ سے دہشت زدہ نہیں ہو سکتا جب زلزلہ ساعت کو دیکھا ہی نہیں تو اس کی ہولناکی سے دہشت زدہ ہو کر تقویٰ اختیار کرنے کا مفہوم ہی کیا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا زلزلہ ساعت تھے بعثت اور مردوں کے قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا علیؓ نے بھی اسی تفسیر کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ آیت میں مرضعہ کا بچہ کی طرف سے غافل ہو جانا اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جانا بطور مجاز صرف تمثیلی شکل میں کہا گیا ہے حقیقی معنی مراد نہیں زلزلہ کی ہولناکی اور دہشت کی بطور تشبیہ تصویر کشی کی گئی ہے یہ مطلب نہیں کہ واقع میں زلزلہ کے وقت ایسا ہوگا بھی۔ اسی طرح دوسری آیت ہے یَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ظاہر ہے کہ قیامت کا دن کسی بچے کو بوڑھا نہیں کر دے گا بلکہ یکدم غمناک شدت آگے دن کے وقوع کی تمثیلی تعبیر ہے۔ اس تفسیر کی تائید حدیث مبارک سے بھی ہوتی ہے امام احمد اور ترمذی نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کی سند کو صحیح بھی کہا ہے حضرت عمران نے فرمایا ہم رسول اللہ کے ساتھ تھے کہ آیت يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا... عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدًا تک نازل ہوئی حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ دن کون سا ہوگا صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانتے۔ فرمایا یہ دن وہ ہوگا جس میں اللہ حضرت آدم سے فرمائے گا (اپنی نسل میں سے) دوزخ کا حصہ بھیجو۔ الحدیث

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں غزوہ بنی مصلوق کے دوران رات کے وقت نازل ہوئیں حضور نے ندا کرا کے سب کو بلوایا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں آیات کو سن کر لوگ اتاروئے کہ اس رات سے زیادہ رونے والے کبھی نہیں دیکھے گئے صبح ہوئی تو لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اتاریں نہ ڈیرے لگائے نہ ہانڈیاں پکائیں کچھ لوگ روتے رہے کچھ عمکین پریشان سوچ میں بیٹھے رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانتے فرمایا یہ وہ دن ہوگا جب اللہ آدم سے فرمائے گا اپنی لولاد میں سے دوزخ کا حصہ بھیجو حضرت آدم عرض کریں گے کیا سب میں سے۔ کتنا کتنا۔ اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔ اس بات کی ضرب صحابہ پر بہت سخت پڑی وہ رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ پھر کون نجات

پائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم خوش ہو جاؤ اور سیدھی چال رکھو تمہارے ساتھ دو مخلوقیں اور بھی ہوں گی جو ہر قوم سے زائد ہوں گی یعنی یاجوج ماجوج پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے یہ سن کر لوگوں نے اللہ اکبر کہا، اور اللہ کی حمد کی، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہو گے، صحابہ نے یہ (بشارت) سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم کل اہل جنت میں آدھے ہو گے۔ صحابہ نے یہ (بشارت) سن کر اللہ اکبر کہا اور اللہ کا شکر ادا کیا پھر حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تو (اب) یہ امید ہے کہ تمہاری تعداد اہل جنت کی دو تہائی ہوگی اہل جنت کی بیس قطاریں ہوں گی جن میں اسی میری امت کی ہوں گی اور کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی (کم) ہوگی جیسے اونٹ کے پہلو پر تل یا گھوڑے کے پاؤں پر دوسرے رنگ کی لکیر (یا دھبہ) بلکہ جیسے سفید تیل کی پشت پر ایک سیاہ بال یا سیاہ تیل کی پشت پر ایک سفید بال پھر فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے حضرت عمر نے (بطور تعجب) کہا ستر ہزار فرمایا ہاں اور ہر ایک کے ساتھ ستر (ستر) ہزار یہ سن کر عکاشہ بن محسن کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے فرمایا تم ان میں سے ہو اس کے بعد ایک انصاری کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) اللہ سے دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے، فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گئے۔

جو لوگ زلزلہ ساعت کو تفریح اول سے پہلے مانتے ہیں ان کی طرف سے اس حدیث کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جس روز حضرت آدم کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا حصہ نکالو، اسی روز زلزلہ بھی آئے گا۔ یہی حدیث کا مفہوم ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس حکم اور وقوع زلزلہ کا وقت ایک ہی ہوگا تو اسی کے ساتھ دوسرے ہولناک واقعات کا بھی ذکر فرمایا جو اس روز نمودار ہوں گے ان واقعات میں ایک دہشت ناک بات اولاد آدم میں سے دوزخ کا حصہ نکالنا بھی ہوگا جس کا حضور نے ذکر کر دیا۔ حضرت مفسر نے فرمایا یہ جواب کمزور ہے کیونکہ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت ان الفاظ کے ساتھ لائی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ فرمائے گا۔ آدم! حضرت آدم جو اب دیں گے حاضر، حاضر اور ساری خیر تیرے ہاتھوں میں ہے اللہ فرمائے گا دوزخ میں بھیجا جانے والا حصہ نکالو آدم عرض کریں گے دوزخ کا کتنا حصہ ہے اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو تانے، اس وقت بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ عورت اسقاط حمل کر دے گی، تم لوگوں کو متوالادیکھو گے حالانکہ وہ (شراب کے) نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ ہزار میں سے ایک ہم میں سے کون ہوگا، فرمایا تم میں سے (ایک دوزخی) ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں امید رکھتا ہوں کہ تم جنت والوں کا چہارم حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور ﷺ نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے ہم نے یہ سن کر تکبیر کہی، حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ اہل جنت کے آدھے ہو گے۔ ہم نے اللہ اکبر کہا فرمایا تم لوگ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت (دوزخ کے اندر) اتنے ہو گے جیسے ایک کالا بال سفید تیل کی کھال پر یا جیسے ایک سفید بال کالے تیل کی کھال پر۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ بچہ کا بوڑھا ہو جانا، حاملہ کا حمل گر جانا اور دوزخ کا حصہ نکالنے کا حکم ایک ہی وقت میں ہوگا بلکہ مردوں کا قبروں سے اٹھایا جانا زلزلہ سے پہلے ہوگا۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی ذات صفات اور

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
احکام) میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں۔

یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی نضر بڑا جھگڑالو تھا کتنا تھا ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں قرآن گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی (داستان) ہے یہ شخص حشر جسمانی کا منکر تھا اور کتنا تھا جو چیز خاک ہو گئی اس کو زندہ کرنا ناممکن ہے۔ رواہ ابن ابی حاتم عن ابی مالک۔

وَيَسْتَعِزُّ كُلُّ شَيْطَانٍ مُّرِيدٍ ۝

اور جھگڑا کرنے میں یا عام احوال زندگی میں) ہر شیطان شریکی پیروی کرتا

ہے۔ شیطان کا لفظ انسان اور جن دونوں کو شامل ہے۔ مرید خیر سے خالی شر میں ڈوبا ہوا مرد کا معنی ہے خالی ہونا۔ امر دے داڑھی مونچھ کا لڑکا جو چہرے کے بالوں سے خالی ہوتا ہے۔ مرید لور مار دونوں ہم معنی ہیں۔ قاموس میں ہے مرد (باب نصر د کرم) مردود (مصدر) مرید مار مترد (صفات کے صیغے) اقدام کیا یا سرکش ہو گیا۔ مردہ اس کو کاٹ دیا۔ مرد علی اکبری اس چیز کا مشتاق ہو گیا۔

كُتِبَ عَلَيْهِنَّ أَنْهَ مَنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

اللہ نے شیطان کے متعلق یہ لکھ دیا ہے یعنی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص اس کے پیچھے چلے گا شیطان ضرور اس کو راہ سے بھٹکادے گا اور عذاب دوزخ کی راہ اس کو دکھادے گا (یا عذاب دوزخ تک اس کو پہنچادے گا) یعنی شیطان کی سرشت یہی ہے کہ وہ اپنے پیچھے چلنے والے کو سیدھے راستے سے بھٹکادیتا ہے اور ایسی راہ چلنے پر آمادہ کرتا ہے جو عذاب دوزخ تک لے جاتی ہے۔
زجاج نے کہا کہ انہ کی ضمیر شیطان کی طرف راجع ہے اور تولی کا معنی دوستی کی محبت کی یا تسلط اور غلبہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے اور شیطان کی یہ فطرت ہے کہ جس شخص سے وہ محبت لور دوستی کرتا ہے یا جس شخص پر تسلط جماتا ہے اس کو بھٹکادیتا ہے۔

اے لوگو! اگر تم کو (حشر جسمانی اور دوبارہ) جی اٹھنے

يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ
(کے امکان) میں کوئی شک ہے۔

فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو خاک سے بنایا پھر ایک بوند سے پھر خون کے جسے ہوئے تو تھڑے سے پھر مکمل اور نامکمل بوٹی سے یعنی اگر دوبارہ جی اٹھنے کے امکان میں تم کو شک ہے تو اپنی ابتدائی تخلیق پر غور کرو تمہارا شک دور ہو جائے گا۔

خلاقنکم ہم نے تمہاری جنس کو یعنی آدمی کو پیدا کیا۔ لفظ کم اس بچے کو بھی شامل ہے جو گر جاتا ہے، ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ آدمی بننے کی اس میں بھی صلاحیت ہوتی ہے من تراب یعنی تمہارے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا یا یہ مطلب ہے کہ تم کو مادہ منویہ سے پیدا کیا لور مادہ منویہ تمہاری کھائی ہوئی غذاؤں میں سے پیدا ہوتا ہے لور غذائیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں من نطفہ نطفہ سے مراد ہے مٹی یہ لفظ نطفہ سے مشتق ہے۔ علقہ خون کا جما ہوا تھڑا۔ مضغہ گوشت کا ٹکڑا۔ اصل میں معنی کسی چیز کے اتنے جسے کوکتے ہیں جو چایا جاتا ہے۔

مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مکمل بناوٹ والا اور نامکمل بناوٹ والا مجاہد نے کہا مصورہ اور غیر مصورہ (یعنی جس کی صورت بنا دی گئی یا وہ جس کی صورت ابھی بنائی گئی) بعض علماء نے کہا مخلقہ سے وہ بچہ مراد ہے جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے لور غیر مخلقہ سے مراد ہے وہ بچہ جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض نے کہا مخلقہ وہ بچہ جو ٹھیک درست حالت میں پیدا ہونہ اس کے اعضاء میں کوئی کمی ہونہ عیب لور غیر مخلقہ وہ بچہ جو ناقص الخلقہ یا عیب دار ہو گیا بچہ جب بوٹی ہونے کی حالت میں ہوتا ہے اسی وقت اس کی سرشت میں تفاوت ہوتا ہے کوئی کامل الخلقہ چکنا پے عیب ہوتا ہے لور کوئی اس کے خلاف ہوتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کی بناوٹ صورتوں نقوشوں قد کی لمبائی اور پستی لور جسمانی اعضاء کی تکمیل یا کمی کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے اس تفسیر پر غیر مخلقہ سے مراد وہ بچہ نہ ہوگا جو وقت سے پہلے گر جاتا ہے اور نہ اس توجیہ کی ضرورت ہوگی کہ ساقط ہو جانے والے بچے میں بھی آدمی بننے کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے لفظ کم اس کو بھی شامل ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ غیر مخلقہ سے مراد ہے قبل از وقت گرنے والا بچہ اس لئے مؤخر الذکر قول غلط ہے اور مذکورہ بالا اقوال صحیح ہیں۔

بغوی نے بروایت علقمہ حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ رحم کے اندر جب نطفہ کا ٹھہراؤ ہو جاتا ہے تو ایک

فرشتہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق اگر اللہ فرماتا ہے غیر مخلوق تو رحم اس کو خون کی شکل میں (باہر) پھینک دیتا ہے اور وہ سسمہ (جان دار) نہیں بن سکتا اور اگر اللہ مخلوق فرماتا ہے تو فرشتہ عرض کرتا ہے نہ باہر نہ بد بخت یا سعید اس کی مدت زندگی کتنی ہے۔ اس کا عمل کیسا ہے اس کا رزق کیا ہے۔ حکم ہوتا ہے جالوح محفوظ کو جا کر دیکھ تجھے سب کچھ اس میں مل جائے گا، فرشتہ جاتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا پاتا ہے اور اس کی نقل کر لیتا ہے اور وہ نقل اس کے پاس رہتی ہے۔

لَبَّيْنَكَ كَوْمًا
تاکہ ہم تمہارے سامنے واضح کر دیں۔ اس تدریج سے تم پر اپنی قدرت و حکمت کے کمال کو ظاہر کر دیں اور تم وجود حشر پر اس سے استدلال کر سکو اور سمجھ جاؤ کہ جو چیز ابتدائی تخلیق میں تغیر کی قابل ہے اور اولین خلقت جس اللہ نے اس کی ہے وہ دوبارہ بھی تغیر کو قبول کر سکتی ہے اور خدا اس کو دوبارہ بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے۔

بعض علماء نے لَبَّيْنَكَ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ ہم تمہارے سامنے کھول کر بیان کر دیں کہ تم کیا کرو اور کیا نہ کرو اور تم اپنی عبدیت میں کن چیزوں کے ضرورت مند ہو یعنی احکام تکلیف کا مامور بنانے کے لئے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے۔

وَيُقَرِّبُنِي إِلَىٰ آجَلِ مُسْتَوِي
اور رحم کے اندر ہم جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں ایک عین مدت تک (یعنی وضع حمل کے وقت تک) ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ یعنی ہم ہی رحموں کے اندر جتنی مدت ٹھہرانا اور رکھنا چاہتے ہیں اس مدت تک جو اللہ کے نزدیک مقرر اور معلوم ہے ٹھہرائے رکھتے ہیں اس مدت کے اندر رحم بچہ کو باہر نہیں بھینکتے اور نہ اسقاط حمل ہوتا ہے۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ
پھر ہم تم کو باہر لاتے ہیں یعنی ماں کے پیٹ سے باہر لاتے ہیں۔
طِفْلًا
ایسی حالت میں کہ تم چھوٹے بچے ہوتے ہو۔

ثُمَّ لَتَبْلُوُنَّوْا شَدَّكُمْ
پھر (ہم تمہاری پرورش کرتے رہتے ہیں) تاکہ تم اپنی پوری قوت کو پہنچ جاؤ۔
اشد شدت کی جمع ہے جیسے انعم نعمۃ کی یعنی تم اپنی عقلی اور جسمانی طاقت کے اس کمال کو پہنچ جاؤ جو اللہ کی طرف سے تمہارے لئے مقرر کر دیا گیا ہے علماء نے کہا ہے کہ ذہنی و جسمانی طاقتوں کا کمال ۳۰ برس اور ۳۰ برس کی عمر کے درمیان پورا حاصل ہو جاتا ہے۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يَتُوفَىٰ
اور تم میں سے کچھ لوگ (تو بھر پور طاقت پر پہنچ کر یا اس سے پہلے ہی) وفات پا جاتے ہیں۔

وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ آرْوَاحِ الْعُمُرِ
اور کچھ لوگوں کو بالکل ناکارہ عمر تک پھیر دیا جاتا ہے یعنی انتہائی پیری اور سن خرافت تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

لَكِنَّا لَا نَبْعَثُكُمْ فِيهِ مِنْ بَشَرًا
اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جان کھنے کے بعد پھر نادان ہو جاتا ہے۔ لکیلا میں لام عاقبت کا ہے (عاقبت بمعنی نتیجہ) یعنی جس طرح ابتداء طفولیت میں فہم کی کمی اور دانش کی کمزوری کی وجہ سے کچھ نہیں جانتا تھا انتہائی بوزھا ہونے کے بعد بچپن کی ہیئت پر ہو جائے اور زندگی میں جو کچھ جانتا تھا اسکو بھول جائے۔
تکرار نے کہا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ امکان حشر کی یہ دوسری دلیل ہے مختلف حدود عمر میں انسان کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور متضاد امور کا اس پروردگار ہوتا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو جو ذات ان تبدیلیات و تغیرات پر قادر ہے وہ ان جیسی تبدیلیات دوبارہ بھی کر سکتی ہے (یعنی انسان کی پوری زندگی موت و حیات اور فناء و پیدائش کی کشمکش کا نام ہے ہر آن احوال کا تغیر اور زندگی کے بعد موت کا درد اور موت کے پیچھے زندگی کا ظہور ہے۔ جمالت کے بعد علم اور علم کے بعد جمالت آتی ہے جسمانی اور ذہنی قوتوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے مبداء آفرینش اور مہتاء حیات کے درمیان تغیرات، تبدیلیات اور ترقیات و تنزلات کا ایک جہان ہے جو اللہ کی قدرت کے زیر اثر رواں دواں ہے پس بعث بعد الموت بھی اگر ظہور پذیر ہو جائے تو

امکان سے باہر نہیں اور قدرت الہیہ اس سے عاجز نہیں۔ (مترجم)

و تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ نَوْحٍ بَهيجٍ ۝

اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی اور

پھولتی ہے اور ہر قسم کے خوشنباتات اگاتی ہے۔

کھامیدۃ مردہ خشک ہمدت النار آگ راکھ ہو گئی۔ اهتزت سبزہ کی روئیدگی کے سبب ملنے لگی (لہلہانے لگی) ربت بڑھ گئی، ابھر آئی پھول گئی۔ مردنے کما زمین کی طرف لہلہانے اور ابھرنے کی نسبت بطور مجاز کی گئی ہے مضاف محذوف ہے (یعنی مجاز بالحدف ہے۔ مترجم) مراد ہے سبزہ کا لہلہانا اور ابھرنا۔ من کل زوج میں من زائد ہے اور زوج کا معنی ہے ہر صنف ہر قسم بھیج خوبصورت۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے بھجة خوشی۔ بہج (باب کرم) سے (صیغہ صفت) بہج اور سبہاج (آتا ہے) اور بہج (باب سمع) خوش ہوا (اس سے صیغہ صفت) بہج اور بہج (آتا ہے) اور بہج (باب رخ سے نیز ابہج (باب افعال سے) خوش کیا۔ ابسہاج (افعال) خوشی۔ انزلنا اور ابهتزت اور ربت اور انبتت سب افعال استعمال کئے اور (بجائے جملہ اسمیہ کے) اس جگہ جملہ فعلیہ ذکر کرنا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ وقتاً فوقتاً یہیم ایسا ہوتا رہتا ہے ثبوت حشر کی یہ تیسری دلیل اللہ نے بیان فرمائی ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ذلک سے اشارہ مذکورہ بالا تفصیل کی طرف ہے یعنی انسان کی تخلیقی نیرنگیاں اور تضاد احوال اور مردہ ہونے کے بعد زمین کا زندہ ہونا اور سبز ہو کر لہلہا جانا اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے بذات خود متحقق ہے واجب الوجود ہے اسی کی وجہ سے دوسری تمام چیزوں کا وجود ہے اگر وہ نہ ہوتا تو کسی ممکن کا پردہ عدم سے نکل کر سطح وجود پر آنا ممکن نہ ہوتا۔ اور وہ ہی بے جان نطفہ اور مردہ زمین کو زندگی عطا فرماتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے کیونکہ اس کی قدرت بذات خود ہے اور اس کی قدرت کی ہر چیز سے نسبت برابر ہے۔ اس لئے کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں اور مشاہدہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ بعض مردوں کو زندہ کرتا ہے اور یہ اس کی قدرت سے خارج نہیں ہو سکتا، وہ ہر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے خواہ وہ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈی ہو جائے۔

وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا ۝
اور یقیناً (دنیا کے ختم ہونے کی) ساعت ضرور آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ گونا گوں تغیرات کا ظہور اختتام دنیا کا پیش خیمہ ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝
اور یہ بات قطعی ہے کہ اللہ قبروں والوں (یعنی مردوں) کو زندہ کر کے اٹھائے گا کیونکہ اس نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔

اول الذکر تینوں جملے علت فاعلہ کو ظاہر کر رہے ہیں یعنی انسان کی تخلیقی نیرنگیاں اور متضاد احوال میں نوبت تبدیلیاں اور مردہ زمین کو زندہ کرنا علت فاعلہ کی حیثیت میں ہے اور آخر کے دونوں جملے نتیجہ دلیل یا علت غائیہ کی طرح ہیں انسان وغیرہ کی تخلیق بیکار نہیں ہے آدمی کی تخلیق کا مقصد اللہ کی معرفت و عبادت ہے معرفت پر عبادت مرتب ہوتی ہے اور عبادت پر جزا سزا کی بنا ہے اگر قانون جزا سزا نہ ہو تو مومن و منکر اور فرماں بردار و مجرم مساوی ہو جائیں گے اور عدل کا تصور ختم ہو جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے کیا ہم اہل اطاعت کو مجرموں کی طرح کر دیں گے تمہارا یہ کیا فیصلہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّذُنَّبِرٍ ۝
اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم (بدیہی) کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں علم سے مراد ہے علم بدیہی

اور بدئی سے مراد ہے علم استدلالی و نظری جو معرفت الہیہ تک پہنچانے والا ہو اور کتاب روشن سے مراد کسی آدمی پر اللہ کی اتاری ہوئی کتاب جو حق کی مظہر ہو انسانی علم کے یہی تین ذرائع ہیں (علم ضروری یعنی علم بدیہی جو نظر و فکر اور سوچ بچار کا محتاج نہیں ہے محض حس ہے، دوسرا علم نظری و استدلالی جو غور و فکر اور ترتیب معلومات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا عقلی علم جو اللہ کی نازل کردہ کتاب سے حاصل کیا گیا ہو۔ مترجم)

کافی عطفہ لیضلل عن سبیل اللہ
تکبر کرتے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ (یعنی دین حق) سے (لوگوں کو) بے راہ کر دیں۔

عطف پہلو۔ جانب عطفین دونوں پہلو، دلیاں بایاں۔ روگردانی اور اعراض کے وقت جس حصہ بدن کو آدمی موڑ لیتا اور گھماتا ہے اس کو عطف کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا اس سے مراد ہے گردن نیوڑا اتا اور رخ پھیر لیتا ہے کذا قال ابن عطیہ وابن زید وابن جریر۔

کہ فی الدنیا خزئی و ندب یقہ یوم القیامۃ عذاب الحدیثی ①
اس کے لئے دنیا میں رسوائی (ذلت) ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلانے والی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ خزئی سے مراد ہے قتل و قید چنانچہ (اس پیشین گوئی کے موافق) نصر بن حارث اور قصبہ بن ابی معیط قتل کئے گئے اور ستر دوسرے کافر جنگ بدر میں مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ جلال الدین محلی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابو جہل کے متعلق ہوا ابو جہل غزوہ بدر میں مارا گیا۔ حریق بمعنی محرق جلانے والا۔ مراد آگ۔

ذٰلک بما قذمت یدک و ان اللہ لیس بظالم للعٰبِد ②
تیرے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔
یعنی قیامت کے دن جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کفر و گناہ کیا تھا یہ تمہارے اسی کرموت کی سزا ہے اور اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے یعنی انصاف کرنے والا ہے اور عدل کا تقاضا ہے کہ کفر و گناہ کی سزا دی جائے ظالم نہ ہونے سے بطور کنایہ مراد عادل ہونا جیسے آیت لایحب اللہ الجہر میں عدم محبت سے مراد ہے نفرت اور ناپسندیدگی۔

بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض لوگ مدینہ میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے اسلام کے بعد اگر اس کی بیوی کے لڑکا ہو تا اور گھوڑیوں کے بچے پیدا ہوتے تو کتایہ مذہب اچھا ہے اور عورت کے لڑکانہ ہوتا اور گھوڑیوں کے بچے نہ پیدا ہوتے تو کتایہ دین برا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَوَیْہِ
کنارہ پر کھڑا ہو۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے حرف کا معنی ہے کنارہ مراد ہے شک۔ شک کرنے والا منافق دونوں گروہوں کے کنارے ہر ہوتا ہے مومنوں کے گروہ کے بھی کنارے پر اور کافروں کے گروہ کے بھی کنارے پر کبھی ادھر مڑ جاتا ہے کبھی ادھر گویا منافق فوج کے آخری کنارے پر ہوتا ہے اگر فتح محسوس کرتا ہے تو ٹھہرا رہتا ہے اگر شکست محسوس کرتا ہے تو بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بنو نعیم نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ان بدوی دیہاتیوں کے متعلق ہوا جو صحرا کو چھوڑ کر مدینہ میں آکر مسلمان ہو جاتے اور وہیں رہ پڑتے تھے، اگر قیام مدینہ کے زمانے میں ان کی صحت درست رہتی بیویوں کے لڑکے پیدا ہوتے اور گھوڑیوں کے خوبصورت چھیرے ہوتے تو کہتے یہ اچھا مذہب ہے اور اس سے مجھے بڑا فائدہ ہو اور اگر اسکے خلاف ہوتا یعنی ان کی صحت بگڑ جاتی عورتوں کے لڑکیاں پیدا ہوتیں اور گھوڑیاں حاملہ نہ ہوتیں اور مال کم ہو جاتا تو کہتے جب سے ہم اس مذہب میں داخل ہوئے ہیں ہم کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی یہ کہہ کر اسلام سے مرتد ہو جاتے اور ایمان سے منہ موڑ لیتے۔ آیت مذکورہ

نیں علی حرف کا یہی مطلب ہے اور ذیل کی آیت میں اسی کی تشریح فرمائی ہے۔

فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ⑩

اب اگر اس کو کوئی دنیوی نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پایا اور اگر اس پر کوئی آزمائشی مصیبت آگئی تو منہ اٹھا کر کفر کی طرف چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کھو بیٹھا یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

یعنی اگر اس کو کوئی بھلائی (دنیوی منفعت) پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی عبادت اور اسلام پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اس کو کچھ دکھ پہنچ جاتا ہے اور کوئی تکلیف اور سختی آجاتی ہے تو وہ دین سے پھر کر کفر کی جانب ایزویوں کے بل پلٹ پڑتا ہے۔ ابن مردویہ نے بوساطت عطیہ حضرت ابو سعید کی روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہو گیا اسلام لانے کے بعد اس کی آنکھیں جانی رہیں اور مال و اولاد کا بھی نقصان ہو گیا اس نے اسلام سے براشگون لیا اور خیال کیا کہ یہ ساری مصیبت مجھ پر مسلمان ہونے کی وجہ سے آئی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (میری بیعت) مجھے واپس کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسلام واپس نہیں کیا جاتا۔ کئے لگا میں نے تو اپنے اس مذہب میں کوئی بھلائی نہیں پائی میری نظر جانی رہی اور مال بھی جاتا رہا اور بچہ بھی مر گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے یہودی اسلام لوگوں کا میل صاف کرتا ہے جیسے آگ سے لوہے سونے اور چاندی کا میل صاف ہوتا ہے۔

خَسِرَ الدُّنْيَا الخ یعنی دنیوی مصائب کی وجہ سے دین سے مرتد ہونے والے کی دنیا بھی تباہ ہو گئی مال اور اولاد کا نقصان ہو گیا اور جو امیدیں اس نے باندھی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت میں خسران نصیب ہو کہ سارے اعمال برباد گئے اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا پڑے گا یہ ایسا کھلا ہوا خسران ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی گھاٹا نہیں۔

يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَمَا لَا يَنْفَعُهُمْ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ⑪

وہ اللہ کے سوائے کی عبادت کرتا ہے جو نہ اس کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ یہ ہی پر لے درجے کی گمراہی ہے۔ یعنی وہ ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے کہ اگر اس کی پوجا نہ کرے تو وہ چیز اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتی اور اس کو پوجے تو وہ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ایسی چیز کی پوجا ایک بھٹکاوا ہے حق سے دور۔ فحلال کا اس جگہ معنی بھٹکانا حق کا راستہ نہ ملنا، راہ مستقیم سے دور ہو جانا ہے ضل فی التیہ وہ بیابان میں بھٹک گیا سیدھے راستے سے دور ہو گیا۔

وہ عبادت کرتا ہے ایسے کی جس (کی عبادت) کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے۔ یعنی کافر جس کی پوجا کرتا ہے اس کی عبادت کا ضرر اس موہومی فائدے سے زیادہ قریب ہوتا ہے جس کی تمنا کافر کے دل میں ہوتی ہے۔ نفع سے مراد بے امید سفارش اور بارگاہ الہی تک پہنچنے کا وسیلہ بنانا۔ عرب کا محاورہ ہے کہ جو چیز بالکل موجود نہ ہو اس کے متعلق بعد کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں چیز بعد ہے یعنی معدوم ہے اللہ نے فرمایا ہے ذلک رجوع بعید یہ لوٹنا بعید ہے یعنی ہو نہیں سکتا چونکہ بتوں سے فائدہ حاصل ہونا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے ضرر اقرب من نفعہ فرمایا مطلب یہ ہے کہ بت پرستی کا ضرر ضرور ہو گا۔

ایسا کار ساز بھی بہت برا اور ایسا رفیق بھی بہت برا۔

لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَكَيْسَ الْعَشِيرِ ⑫

سولی بمعنی مددگار، بعض نے کہا اس جگہ بمعنی معبود ہے۔ عشیر سا بھی، رفیق مراد بت، شوہر کو عشیر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر وقت کا ساتھی اور رفیق معاشرت ہوتا ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ دوسرا بدعو پہلے بدعو کی تاکید ہے اور لفظی تکرار ہے اور لمن سے دوسرا کلام شروع ہوتا ہے یہ محذوف قسم کا جواب ہے اور من موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتداء ہے اور لَيْسَ الْمَوْلَىٰ الخ خبر ہے بعض کے نزدیک لمن کا لام بدعو سے متعلق ہے اور بدعو کا معنی ہے وہ گمان رکھتا ہے اس کا زعم ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤِيدُ ⑬

بلاشبہ اللہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے

کام کئے بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی بیشک اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔
یعنی اللہ مومن کو جزا اور مشرک کو سزا دینا چاہتا ہے اور کوئی اس کے فیصلہ کو روک نہیں سکتا اور اس کی منشاء کو رد نہیں کر سکتا۔

جو شخص یہ خیال یا گمان کرتا ہو

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

کہ اللہ اس (نبی محمد ﷺ) کی مدد دینا و آخرت میں ہرگز نہیں کرے گا۔ اس کلام میں کسی قدر اختصار ہے پورا کلام اس طرح تھا، اللہ
دینا و آخرت میں اپنے رسول کی مدد ضرور کرے گا۔ اب جو شخص رسول اللہ ﷺ سے بغض رکھنے کی وجہ سے یہ خیال کرتا ہے کہ
اللہ اپنے رسول کی نصرت نہ دینا میں کرے گا نہ آخرت میں۔

فَلْيَمْدُدْ سَبَبَ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُدْهِبُ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ⑭

تو اس کو چاہئے کہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس کے ذریعے سے آسمان تک پہنچ کر اس وحی کا سلسلہ ہی کاٹ
دے پھر غور کرے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس کی ناگواری کی چیز کو (یعنی وحی کو) موقوف کر سکتی ہے۔

لیقطع یعنی اس کو چاہئے کہ خود اپنا گلا گھونٹ لے۔ قطع اس نے اپنا گلا گھونٹ لیا۔ محنتی وہ شخص جس نے اپنی
سانس کے آمد و رفت کے راستے کاٹ دیئے ہوں، بند کر دیئے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خود اپنے غصہ میں دانت پیتا رہے اور
غضب آلود آدمی جو کچھ کرتا ہے وہ سب کچھ کر گزرے یہاں تک کہ مر جائے۔ حاسد سے کہا جاتا ہے اگر تو اس پر راضی نہیں تو
اپنا گلا گھونٹ کر خود مر جا۔ آیت میں امر تجیز کے لئے ہے ابن زید نے کہا آیت میں السماء سے مراد آسمان دینا ہے مطلب یہ
ہے کہ جو شخص خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اس کو چاہئے کہ اس سلسلہ کو جڑ سے ہی کاٹ دے اور رسی تان
کر آسمان دنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے آنے والی خداوندی نصرت کو روک دے یا یہ مطلب ہے کہ آسمان دنیا تک پہنچ کر وہاں
سوحی کا آنا بند کر دے۔

بنغوی نے لکھا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی عطفان کے حق میں ہوا، ان
دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمارے
لئے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ اللہ محمد کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے
معاہدہ ٹوٹ چکا ہو گا وہ ہم کو غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کو جبکہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا نصیر کا معنی سے رزق عرب
کہتے ہیں من نصرنی نصرہ اللہ جو مجھے دے گا اللہ اس کو دے گا (یا جو مجھے دے اللہ اس کو دے) ابو عبیدہ نے کہا عربی میں
ارض منصورہ اس زمین کو کہتے ہیں جس پر بارش ہو گئی ہو اس صورت میں منصورہ کی مفعولی ضمیر من کی طرف راجع ہوگی
مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص اللہ پر بدگمانی رکھتا اور خیال کرتا ہو کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ اس کو رزق نہیں دے گا وہ اپنے گھر کی
چھت میں رسی باندھ کر اپنے گلے میں پھندا ڈال کر مر جائے یا یہ مطلب ہو گا کہ ایک رسی تان کہ اس کے ذریعہ سے قطع
مسافت کر کے آسمان دنیا تک پہنچ جائے اور وہاں سے اپنے رزق لے آئے۔

فلینظر یعنی اپنا گلا گھونٹنے یا قطع مسافت کرنے یا رسی تاننے کا ارادہ کرنے کے بعد اپنے دل میں سوچے۔

ہل یدھین کیدہ کہ اس کی یہ تدبیر اور یہ عمل اس کے غصے کی آگ کو فرو کرتا ہے یا اللہ کی اس مدد کو جو اللہ کے رسول
کو حاصل ہے اور جو اس (حاسد) کو غضبناک بنا رہی ہے دفع کر سکتا ہے۔ حاسد کے عمل کو کید (تدبیر) فرمایا کیونکہ حاسد کافر کی
کوشش کا آخری تصور بس یہی ہو سکتا ہے۔ سوال انکاری ہے اور مَنْ كَانَ يَظُنُّ الْخَيْرَ أَنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُؤِيدُ کی تاکید ہے یعنی
جس طرح حاسد کا غصہ اور غضب اللہ کی اس نصرت کو نہیں روک سکتا جو خدا کی طرف سے اللہ کے رسول اور مومنوں کو حاصل
ہے اسی طرح اس ملعون کا حسد اللہ کے کسی حکم اور ارادے کو نہیں دفع کر سکتا۔

وَكُلِّ لَكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّا دُونَكَ إِلَهٌ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۝۱۷

اور ہم نے اس (قرآن) کو اسی طرح اتارا ہے جس میں کھلی کھلی دلیلیں (حق کی) ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے حق کی ہدایت کرتا ہے۔

کذلک یعنی جس طرح ہم نے وہ آیات نازل کیں جن سے امکان حشر توحید صداقت رسول اور نصرت رسول کے وعدے کی سچائی ثابت ہو رہی ہے اسی طرح ہم نے ایسی آیات نازل کی ہیں جن کے اندر رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کی صداقت کا واضح بیان ہے۔

لفظ آیات بینات سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ قرآن کی کچھ آیات محکمات ہیں جن کی مراد کھلی ہوئی ہے اور کچھ متشابہات ہیں جن کی مراد واضح نہیں اور اس جگہ تمام آیات کو بینات (واضحات) کہا گیا یہ بیان کا تضاد ہے لیکن بینات کی جو تفسیر ہم نے کی ہے اس سے یہ شبہ زائل ہو جاتا ہے کیونکہ متشابہات کی مراد اگرچہ مخفی ہوتی ہے مگر ان کا معجز ہونا اور صداقت رسول پر دلالت کرنا تو واضح ہوتا ہے۔

وان اللہ یهدیٰ اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو بصورت آیات بینات نازل کیا اور یہ بھی نازل کیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے۔ (اس صورت میں اَنَّ اللہَ یَهْدِیْ کَاَنْزَلْنَاهُ عَلَیْ عَطْفٍ ہُوَ کَا اور مفعول ہونے کی وجہ سے جملہ محل نصب میں ہوگا) دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ قرآن مصالح عباد کے لئے نازل کیا اور اس لئے نازل کیا کہ اس کے ذریعہ سے اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دے یا ہدایت پر قائم رکھے (اس صورت میں اس جملہ کا عطف محذوف لفظ پر ہوگا اور حرف جر محذوف ہوگا اور جملہ محل جر میں ہوگا)۔

إِنَّ الدِّينَ أُمَّتُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالطَّيِّبِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہودی اور صابی اور عیسائی اور مجوسی اور مشرکین، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔

الذین اشركوا سے مراد ہیں بت پرست یفصل بینہم یعنی حق پرست کو باطل پرست سے الگ کر دے گا جن پرست کی حق پرستی اور باطل پرستی کی باطل پرستی ظاہر کر دے گا یا یہ مراد ہے کہ اللہ ہر ایک کو اس کے مناسب بدلہ دے گا کسی فریق کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں بھیجوا دے گا۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۸

نگہراں ہے ممکن نہیں کہ اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی طرح یا اہل حق کو باطل پرستوں کی مثل کر دے کیونکہ سب کے ظاہری اور باطنی احوال کا اس کو کامل علم ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّٰوَابُّ ۚ

کیا آپ نہیں جانتے کہ جو (ملائکہ) آسمانوں میں ہیں اور جو مومن جن و انس (زمین میں ہیں وہ) اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے بھی من کا استعمال اہل عقل کے لئے ہوتا ہے اس لئے مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں صرف ملائکہ اور مَنْ فِي الْأَرْضِ سے مراد ہیں جن و انس۔ اور جن و انس میں سے بھی صرف اہل ایمان مراد ہیں لفظ مَنْ اگرچہ عام ہے کافرو مومن دونوں کو شامل ہے لیکن آئندہ آیت و کثیر حق علیہ العذاب سے کافروں کو سجدہ کرنے والے جن و انس سے الگ کر لیا گیا اس لئے اس جگہ مَنْ فِي الْأَرْضِ سے صرف مومن جن و انس مراد ہیں۔

لفظ مَنْ کا استعمال بھی بطور عموم بھی ہوتا ہے (اہل عقل اور بے عقل دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَغَيْرُهُ کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں مغایرت (معطوف علیہ سے معطوف کی مغایرت) ہوتی

عطف کا حقیقی استعمال ہے اس لئے من سے مراد صرف اہل عقل ہیں۔

بیضادی نے لکھا ہے کہ من کا لفظ اہل عقل اور بے عقل دونوں کو شامل ہے یا بے عقل پر اہل عقل کو غالب قرار دے کر لفظ من استعمال کیا۔ اکثر اہل تحقیق کا قول ہے کہ غیر باطن کے لئے من کا استعمال نہیں کیا جاتا۔ ہاں اگر باطن اور غیر باطن دونوں مراد ہوں تو من کا استعمال ہو جاتا ہے۔ اب اگر لفظ من کے اندر اہل عقل اور بے عقل دونوں کو داخل قرار دیا جائے تو الشمس وغیرہ کا اس پر عطف ایسا ہی ہے جیسے اہمیت کے پیش نظر خاص کا عطف عام پر ہوتا ہے خصوصیت کے ساتھ چاند و سورج وغیرہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان کو شہرت حاصل تھی اور سجدہ کرنا ان کی شان سے بعید تھا۔ آیت میں محدثین اور علماء سلف کے نزدیک سجدہ سے مراد ہے طاعت اختیار کی کیونکہ جمادات اگرچہ بے جان ہیں لیکن کسی قدر حیات (شعوری) کا حصہ ان کو بھی حاصل ہے اور وہ بھی اپنے اختیار و ارادہ سے اللہ کی طاعت میں سرگرم ہیں اللہ نے آسمان و زمین کے متعلق فرمایا قَالَتَا اتَيْنَا طَائِعِينَ پتھروں کے متعلق فرمایا وَإِن يَشَأْ لَمَّا يَهْبِطُ مِن خَشْيَةِ اللَّهِ أَلَّا يَكُونَ لَهَا فُجُورٌ وَلَا عِبَادَةٌ وَآيَاتٍ بَعْضٌ لِّبَعْضٍ يَتَّبِعُونَ لِيُذَكَّرُوا بِهَا لَأَلَّا يُغْتَبَرَ بِحُجَّتِهِمْ أَنِ انْتَهَوْا عَنْ عِبَادَةِ اللَّهِ إِنَّهُمْ عَلِمُوا خُرُوجَهُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِن يَعْتَدُوا لَتَجِدَنَّ أُمَّةً تُدْعَىٰ إِلَىٰ عِبَادَةِ اللَّهِ فَاسْتَجَابُوا لَهُمْ فَسَاءَ جَزَاءً لِّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ أَجْرَهُمْ كَانَ كَلْبًا لِّمَا كَانُوا فِي شَكٍّ مِّنْهُ وَلَئِن لَّمْ يَكُن لِّلْإِنسَانِ إِذْ أَخْرَجْتَهُ مِنَ بَطْنِ أُمِّهِ كَيْفَ يَعْلَمُ سَوَاءً أَدَّبْتُمُوهُ أَمْ لَمَّا لَمْ يَكُن لَّهُ سَمْعٌ وَبَصَرٌ وَنَفْسٌ يَحْسِبُ أَنَّ إِنسَانًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَوَافِئِكُمْ وَاتَّخَذَتْ وَجَهَا رَبْعًا أَبْوَعًا أَبْوَعًا لِّمَاءٍ فَكَفُرَتْ بَعْدَ إِيمَانِهَا فَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيُنذَرُوا أَلَّا يَخْلَتُوا أَيَّامَ عِبَادَتِهِمْ لِيَرْجِعُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ فَمَا يَكْفُرُوا لِمَ كَفَرُوا لِيُذَكَّرُوا إِنَّهُمْ إِذَا صَلُّوا لَأَخْلَعُوا وُجُوهَهُمْ لِيُكْفَرُوا بِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ

سنت کے قول کے موافق ہے۔

اور بہت سے لوگ بھی اور بہت ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے، دوسرا کثیر پہلے کثیر کی تاکید ہے یا کثرت میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے لفظ کثیر دوبارہ ذکر کیا ہے۔ اس کثیر سے مراد ہیں کافر، یہ سجدہ کرنے والوں کی فرست میں شامل نہیں ہیں۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ مَنْ فِي الْأَرْضِ میں من عموم کے لئے ہے اور بمعنی ما ہے اور سجود سے مراد اطاعت تسخیری ہے یعنی تمام ممکنات قدرت کے مسخر ہیں حکم خداوندی سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کی ذات مدبر قدر کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے اور کثیر بمن الناس مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے یعنی بہت لوگوں کے لئے۔ اللہ کے نزدیک ثواب ثابت ہے، بائوں کہا جائے کہ کثیر من الناس فعل محذوف کا فاعل ہے۔ یعنی بہت سے لوگ اللہ ہی کو سجدہ اطاعت کرتے ہیں، زمین پر پیشانی رکھتے ہیں، دونوں صورتوں میں کثیر من الناس مستقل جملہ ہوگا اور کثیر حق علیہ العذاب دوسرا جملہ ہوگا۔

بعض علماء فقہ کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے یعنی ایک لفظ جس کے دو معنی ہوں ایک ہی وقت میں اس لفظ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں پھر ایک معنی کے اعتبار سے اس کی نسبت ایک امر کی طرف کی جاتی ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دوسرے امر کی طرف۔ مثلاً اسی مقام میں کثیر من الناس کا عطف کلام سابق پر ہے اور سجود کے دو معنی ہیں۔ (۱) زمین پر پیشانی رکھنا (۲) فطری طور پر فرماں بردار اور عاجز ہونا حکم سے سرتابی نہ کرنا۔ اس جگہ سجود کے دونوں معنی مراد ہیں کثیر من الناس کی طرف جب سجدے کی نسبت کی گئی تو سجدے سے مراد ہے زمین پر پیشانی رکھنا اور دوسرے ممکنات کی طرف جب سجدے کی اسناد کی گئی تو سجدے سے مراد ہے فطری فرماں برداری اور مسخر حکم ہونا۔ اس کے بعد کثیر حق علیہ العذاب مستقل علیحدہ جملہ ہے یعنی بہت سے لوگ جنہوں نے سجود و اطاعت سے انکار کیا وہ عذاب کے مستحق ہو گئے اور عذاب ان پر ثابت ہو گیا۔

اور جس کو خدا ذلیل کر دے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں

وَمَنْ يُؤْمِن بِاللَّهِ فَمَالَهُ مِنَ الْعُزَّةِ

یعنی اللہ جس کو بد بختی کی ذلت دے اس کو خوش بختی کی کوئی عزت نہیں دے سکتا۔

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُشَاءُ

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ یعنی ذلت دے یا عزت دے جو کچھ کرے وہ مختار ہے۔ سعادت اور شقاوت دینا اس کی مشیت کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ دونوں (مذکورہ بالا) دو فریق ہیں جنہوں

هٰذَانِ خَصْمَيْنِ اِخْتَصَمُوْا فِي رَيْبِهِمْ

نے اپنے رب کے (دین کے) بارے میں اختلاف کیا۔

ہذاں یعنی یہ دو فریق ہیں ایک فریق مومنوں کا دوسرا فریق مذکورہ بالا پانچوں اقسام کے غیر مسلموں کا ان کا باہم جھگڑا ہے اس بات میں کہ اللہ کا دین کون سا ہے یا اللہ کی ذات و صفات اور احکام کے سلسلہ میں ان کا اختلاف ہے شیخین نے شیخین میں حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت هٰذَانِ خَصْمَيْنِ اِخْتَصَمُوْا فِي رَيْبِهِمْ کا نزول حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ، حضرت علیؓ اور عتبہ شیبہ اور ولید بن عتبہ کے متعلق ہوا۔ اول تینوں حضرات مومن تھے اور مؤخر الذکر تینوں اشخاص کافر۔ اس شان نزول کی بنا پر فریق عام مومنوں کا نہ ہو گا اور نہ فریق دوئم اقسام مندرجہ آیت کافروں کا بلکہ شان نزول خاص ہے۔ (مترجم)

بخاری اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق اور بدر کے دن کافروں سے ہمارے مقابلے کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ حاکم نے دوسری سند سے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو جنگ بدر کے دن باہم مقابل تھے (ایک طرف علیؓ، حمزہؓ، عبیدہؓ، تھے (دوسری طرف) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے۔

بغوی نے قیس بن عباد کی وساطت سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قیامت کے دن (کافروں سے) جھگڑا کرنے کے لئے سب سے پہلے میں ہی رحمت (الہی) کے سامنے دوزانو بیٹھوں گا۔ قیس نے کہا انہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جن لوگوں نے بدر کے دن باہم مقابلہ کیا تھا۔ علی حمزہ، عبیدہ، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ انہی کے سلسلہ میں اس آیت کا نزول ہوا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے بدر کے دن (میدان میں) عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر آئے اور صف تک پہنچ کر انہوں نے اپنے حریفوں کو میدان میں نکل کر آنے کی دعوت دی ان کے مقابلہ میں عبد اللہ بن رواحہ اور تین انصاری جو ان عوف، معاذ اور معوذ نکل کر سامنے آئے مؤخر الذکر تینوں جو ان حارث کے بیٹے تھے اور ان کی ماں کا نام عفرہ تھا۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو فریق دوئم نے کہا ہم انصاری ہیں اور نسب میں تمہارے ہمسر اور شرفاء ہیں، فریق اول کے منادی نے پکارا محمد ہمارے مقابلے کے لئے ہمارے ہمسر کو بھیجو جو ہماری قوم میں سے ہوں۔ (یعنی قریشی ہوں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبیدہ بن حارث اٹھو حمزہ بن عبد المطلب اٹھو، علی بن ابی طالب اٹھو (یعنی تم تینوں میدان میں جاؤ) حسب الحکم تینوں حضرات نکل کر میدان میں پہنچے۔ فریق اول نے پوچھا تم کون لوگ ہو، فریق دوئم نے اپنے نام بتائے۔ فریق اول نے کہا ہاں تم ہمسر اور شرفاء ہو۔ عبیدہ سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھے انہوں نے عتبہ کو لٹکا اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ پر نکلے اور علی ولید بن عتبہ کے مقابلہ میں پہنچے، حمزہ نے تو دم ہی نہیں لینے دیا۔ فوراً ہی شیبہ کو قتل کر دیا اور علی نے ولید کا کام تمام کر دیا۔ البتہ عبیدہ اور عتبہ کے درمیان چو میں رہیں دونوں جھے رہے یہ دیکھ کر حمزہ اور علی اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور قتل کر دیا اور عبیدہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے کر خدمت گرامی میں پہنچے تو عبیدہ نے کہا کیا میں شہید نہیں ہوں گا، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، عبیدہ نے کہا اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا میں ہی زیادہ مستحق ہوں۔

ابوطالب نے کہا تھا۔

كذبتہ وبيت اللہ بيزی محمد
ونسلہم حتی نصرع حوله
ولما لظاعن دونہ و نناصل
ونذهل عن ابناء ناو الحلائل

کعبہ کی قسم تم جھوٹے ہو کہ محمد کی طرف جب تک ہم پورے طور پر نیزہ بازی اور تیر اندازی نہ کر لیں گے محمد کو تم

مغلوب کر سکو گے ہم اس وقت تک ان کو (تمہارے) سپرد نہیں کر سکتے جب تک اپنے اہل و عیال کی طرف سے بے پرواہ ہو کر ان کے گرد ہماری لاشیں نہ پڑی ہوں۔

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول اور ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے اور اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی اہل کتاب نے کہا تھا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قرب رکھتے ہیں ہماری کتاب تمہاری کتاب سے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے مقدم ہے مسلمانوں نے کہا ہم قرب الہی کے زیادہ مستحق ہیں ہم اپنے نبی محمد ﷺ پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور تم ہمارے نبی کو بھی پہچانتے ہو اور ہماری کتاب کو بھی اور محض حسد کی وجہ سے انکار کرتے ہو۔ فریقین کا اللہ کے معاملہ میں یہی جھگڑا تھا۔ مجاہد اور عطاء بن رباح نے کہا ہذا ان خصمن سے تمام مسلمان مراد ہیں (یہ دو فریق ہیں)۔

بعض علماء نے کہا کہ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا اِلٰلٰحٰدٍ مِّنْ دِيْنٍ مَّذٰبٍ مَّا كُنُوْا فِيْهَا يَحْتَدُوْنَ اَيْتِ الْاِسْلَامِ كُوْجِيْتِيْ اور پانچ مذاہب والوں کو دوزخی قرار دیا گیا ہے یہی دو فریق ہیں ایک مومنوں کا اور دوسرا باقی پانچ مذاہب والوں کا (ایمان و اسلام ایک دین ہے اور کفر کسی قسم کا ہو) ایک ملت ہے۔

مؤخر الذکر دونوں تفسیری قولوں میں عموم الفاظ کا لحاظ کیا گیا ہے شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا گیا اور (تفسیری لحاظ سے) یہ بات ہے بھی صحیح عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ خصوصیت قصہ کے اندر حکم کو محصور نہیں کیا جاتا۔ عکرمہ نے کہا باہم جھگڑا کرنے والی دو چیزیں جنت اور دوزخ ہیں تخمین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت اور دوزخ کا باہم جھگڑا ہو اور دوزخ نے کہا (میں اعلیٰ ہوں) مجھے تکبر کرنے والوں اور مغروروں کے لئے پسند کیا گیا ہے، جنت نے کہا میری کیا حالت ہے میرے اندر تو سوائے کمزوروں، گرے پڑے لوگوں اور مسکینوں کے اور کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ اللہ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں اپنے جس بندے پر چاہوں گا تیرے ذریعہ سے رحم کروں گا (یعنی میرے رحم کی مجسم شکل تو ہے میں جس پر رحم کرنا چاہوں گا اس کو اپنی رحمت یعنی جنت عطا کر دوں گا) اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا تم دونوں میں سے ہر ایک کو ضرور بھرا جائے گا دوزخ تو اس وقت تک نہ بھرے گی جب اللہ اس میں اپنا قدم نہ رکھ دے گا۔ جب اللہ اس کے اندر اپنا قدم رکھ دے گا تو دوزخ بھر جائے گی اور کسے گی بس اور (اس کے اجزاء) باہم سمٹ جائیں گے۔ اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا (کہ دوزخ کو بھرنے کے لئے بے قصور لوگوں کو بھی اس میں ڈال دے) اور جنت (کو بھرنے) کے لئے اللہ دوسری مخلوق پیدا کر دے گا۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرَ وَا قَطَعْتَ لَهُمْ شِيَابًا مِّنْ نَّارٍ

سو جو لوگ کافر تھے ان (کے سینے) کے لئے

(قیامت کے دن) آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے یعنی کافروں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے آگ کے کپڑے باندازہ جتہ درجہ دیئے جائیں گے اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جِسْمٌ مِّنْ نَّارٍ اَيْتِ الْاِسْلَامِ اس آیت میں اظہار کیا گیا ہے وہ یہی فیصلہ ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا پچھلائے ہوئے تانبے کے کپڑے ہوں گے کوئی دھات بھی ایسی نہیں کہ تپانے کے بعد اس لباس سے زیادہ گرم ہو چونکہ لباس کی طرح پچھلا ہوا تانبہ کافروں کے جسم کو محیط ہو گا اس لئے اس کو لباس قرار دیا۔

بعض علماء نے کہا دوزخیوں کو آتش پارے (بطور لباس) پہنائے جائیں گے امام احمد نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جویریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا قیامت کے دن اللہ اس کو آگ کا لباس پہنائے گا۔ بزار ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے آگ کا جوڑا (پورا لباس) ابلیس کو پہنایا جائے گا وہ اس کو اپنی دونوں بھوؤں پر رکھے گا پھر اس کو گھسیٹا جائے گا اور ابلیس کے

پچھے اس کی ذریات آگ کا لباس چھتی چلی گی ایلیس بھی ہلاکت کو پکارے گا اور اس کی ذریات بھی آخر دوزخ پر جا کر یہ سب کھڑے ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا ایک ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ کثیر ہلاکتوں کو پکارو۔

ابو نعیم نے وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخیوں کو لباس پہنایا جائے گا (لیکن اس لباس سے تو) ان کا ننگار ہنا چھا ہو گا اور ان کو زندگی دی جائے گی (لیکن اس زندگی سے تو) موت ان کے لئے بہتر ہوگی۔ حضرت ابو مالک اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوحہ کرنے والی نے اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کر لی ہوگی تو قیامت کے دن اس کا حشر اس حالت میں ہوگا کہ قطر ان (صنوبر وغیرہ کا روغن سیال) کا گرتا اور جرب (تلوار کا زنگ) کی ٹیس اس کے بدن پر ہوگی۔ ابن ماجہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ نوحہ کرنے والی اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کرے گی تو (قیامت کے دن) اس کے کپڑے قطر ان کے ہوں گے اور کربہ آگ کے شعلوں کا تراشا یعنی بدن کے مطابق بنایا جائے گا۔

يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ⑩
ان کے سروں کے اوپر اتھنی گرم پانی ڈالا جائے گا۔ حمیم اتھنی گرم مہانی۔

يُصَهَّرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ⑪
جس کی وجہ سے جو کچھ ان کے پیٹوں کے اندر (جرب) اتھنیاں، جگر تلی وغیرہ) ہوگا پگھل جائے گا اور کھالیں بھی (پگھل جائیں گی) مراد یہ ہے کہ گرم پانی کی حرارت دوزخیوں کے بیرونی بدن پر بھی اثر انداز ہوگی اور اندرونی اعضا و احشاء پر بھی۔

ترمذی نے ایک حدیث۔ حسن حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گرم پانی ان کے سروں کے اوپر سے ڈالا جائے گا اور بہ کر پیٹ کے اندر داخل ہو کر دونوں قدموں کے درمیان سے نکل جائے گا۔ صہر کا بھی معنی ہے پھر بار بار ایسا ہی کیا جائے گا۔

وَلَهُمْ مَقَامٌ مِّنْ حَدِيدٍ ⑫
اور ان کو (کوٹنے) کے لئے (مخصوص طور پر) لوہے کے گرز ہوں گے۔ مقامع مقمعة کی جمع ہے مقمعة حقیقت میں اس آلہ کو کہتے جس کی سخت ضرب کی وجہ سے کسی چیز کو روکا جائے۔ لیٹ نے کہا مقمعة گرز کو کہتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے یہ لفظ قمعت راسہ کے محاورے سے ماخوذ ہے۔ قمعت میں نے سخت ضرب رسید کی۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا، دوزخیوں کو گرزوں سے مارا جائے گا اور گرز کی ضرب مستقل طور پر ہر ہر عضو پر پڑے گی۔ اور (ہر ضرب پر) وہ موت کو پکاریں گے۔

ابو یعلیٰ، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر لوہے کا وہ گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور سارے جن و انس اس کو اٹھانا چاہیں تو اٹھانہ سکیں اور اگر اس کی ایک ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے (یہ گرز دوزخی پر پڑے گا) پھر دوزخی ویسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا اور بار بار ایسا ہی ہوتا رہے گا)

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا ⑬
وہ جب بھی دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی وہ نکلنا چاہیں گے (نکلنے کے قریب ہوں گے) فوراً اندر ہی کو لوٹا دیئے جائیں گے اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ دوبارہ لوٹایا جانا اسی وقت ہوتا ہے جب باہر نکل آئیں (اور اہل جہنم کا آگ سے باہر نکلنا ممکن نہیں یہ نص قطعی ہے اس لئے اعادہ کو ارادے پر مرتب کیا اور قرب خروج کی قید کا اضافہ کیا گیا)

ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں فضیل بن عیاض نے فرمایا واللہ ان کو دوزخ سے نکلنے کی امید بھی نہیں ہوگی، کیونکہ ان کے پاؤں مضبوطی کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے بلکہ آگ کی لپیٹ (اپنے جوش کی وجہ سے) ان کو اٹھا کر اوپر لے جائے گی اور (وہاں سے فرشتوں کے) گرز پھر ان کو لوٹا دیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید آگ سے باہر نکل جانے کا ارادہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آگ کی لپیٹ جب ان کو اٹھا کر اوپر لے جائے گی تو ان کو خیال پیدا ہو جائے گا کہ آگ سے باہر جاؤں گے لیکن ایسا نہ ہو سکے گا بلکہ گرز ان کو پھر نیچے لوٹا دیں گے، یہی نبی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ میں کسی کا فر آدمی کو پھینکا جائے گا تو گڑھے کی تک پہنچے بغیر وہ نہیں نہیں ر کے گا پھر جنم کی آگ کا جوش اس کو اٹھا کر جنم کے بالاترین کنارے تک لے جائے گا اس وقت اس کی ہڈیوں پر گوشت کی بوٹی نہ ہو گی (سب کو آگ کھا چکی ہو گی صرف پتھر بانی ہو گا) پھر ملائکہ اس کو گرزوں سے ماریں گے اور وہ لڑھکتا ہوا آگلی تک پہنچ جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ بغوی نے بھی یہی تفسیر کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ دوزخ کے فرشتے اس کو لوہے کے گرزوں سے ماریں گے اور وہ ستر سال تک لڑھکتا چلا جائے گا۔

اور جلنے کا مزہ چکھو۔

وَذُقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۷﴾

الحریق آتش سوزاں، بہت زیادہ سوختہ بنا دینے والی آگ، حریق (صفت مشبہ) بروزن فعلیل یعنی فاعل (یعنی بمعنی محرق) جسے الیم بمعنی مولم اور وجیع بمعنی موجع، زجاج نے کہا یہاں تک ایک فریق کا ذکر تھا دوسرے فریق کا تذکرہ اہل آیت میں آ رہا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ یقیناً ان کو جنتوں میں داخل فرمائے گا۔ جن کے (درختوں اور کوٹھیوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، اس آیت میں اسلوب بیان بدل دیا اور مؤمنوں کی قابل ستائش حالت کی قدر دانی اور برتری کو ظاہر کرنے کے لئے جنت کے داخلے کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا اور لفظ ان ذکر کر کے کلام میں زور پیدا کر دیا۔

مُحْكَمُونَ فِيهَا مِنْ آسَاوَرِينَ دَهَبٍ وَقُلُوبًا مَوْتِيوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا قول ہے کہ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن پہنائے جائیں گے۔ ایک سونے کا دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا۔

ترمذی اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّقُونَ فِيهَا مِنْ آسَاوَرِينَ دَهَبٍ وَقُلُوبًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ۔ تلاوت فرمائی پھر فرمایا ان (کے سروں) پر تاج ہوں گے جن کے ادنی موتی کی چمک سے مشرق سے مغرب تک جگمگا جائے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ادنی جنتی کے زیور کا تمام دنیا والوں کے زیور سے موازنہ کیا جائے تو ادنی جنتی کو جس زیور سے اللہ آراستہ کرے گا وہ ساری دنیا والوں کے زیور سے اعلیٰ ہو گا۔

ابو الشیخ نے العظمتہ میں کعب بن احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ اپنے روز پیدائش سے اہل جنت کے لئے زیور ڈھالنے میں مشغول ہے اور روز قیامت تک مشغول رہے گا اور اگر اہل جنت کا کوئی ایک زیور بھی برآمد ہو جائے تو سورج کی روشنی کو ماند کر دے گا۔

شینخین نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کا زیور (اس کے ہاتھ اور پاؤں میں) اس حد تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

الزبد میں عمران بن خالد کی وساطت سے ایک تابعی کی روایت آئی ہے کہ صحابہ کرام نے فرمایا کہ باوجود قدرت رکھنے کے جس نے سونا پہننا چھوڑا اللہ خطیرہ القدس میں اس کو سونا پہنائے گا اور جس نے باوجود قدرت رکھنے کے شراب ترک کی اللہ اس کو خطیرہ القدس کی شراب پلائے گا۔ نسائی اور حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (سونے کا) زیور اور ریشم پہننے والوں کو ممانعت فرماتے تھے اور فرماتے تھے اگر تم جنت کا زیور اور جنت کا ریشم پسند کرتے ہو تو دنیا میں اس کو

نہ پہنو۔ حضرت عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں (جنت کا) ریشم نہیں پہنے گا۔

وَلِبَاسًا مِّمَّنْ فِيهَا حَوِيْرٌ ﴿۱۶﴾
 اور جنت کے اندر ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ بزیر۔ ابو یعلیٰ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی وساطت سے حضرت مرثد بن عبد اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس (باریک ریشمی لباس) پیدا ہوتا ہے اسی کے اہل جنت کے کپڑے ہوں گے۔ نسائی طیالسی، بزیر اور بیہقی نے کھری سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے (یعنی درخت سے) پھٹ کر نکلیں گے یعنی اہل جنت کے کپڑے درخت کے پھل کے پھٹنے سے نکل آئیں گے۔

ابن مبارک نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا مومن کا مکان ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کے اندر ستر کمرے ہوں گے اور موتی کے وسط میں ایک درخت ہوگا جس کے اندر کپڑے آئیں گے۔ مومن جا کر اپنی انگلی سے ستر جوڑے کپڑوں کے لے لے گا اور ہر جوڑے میں زمرہ کی اور موتیوں کی اور موتیوں کی لڑیاں پروئی ہوئی ہوں گی۔

فصل : شیخین (بخاری و مسلم) نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرمادے تھے تم لوگ نہ ریشم پہنو نہ دینہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں رکابیوں میں کھاؤ، یہ چیزیں ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہیں اور تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہوں گی۔

شیخین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس (مرد) نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا (یعنی ریشمی لباس سے محروم رہے گا) ایسی ہی حدیث حضرت انسؓ اور حضرت زبیرؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ نسائی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مرد نے دنیا میں ریشم پہنا آخرت میں وہ ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ جس نے دنیا میں شراب پی آخرت میں وہ شراب (طہور) نہیں پئے گا اور جس نے سونے چاندی کے برتنوں میں (کچھ) پیا آخرت میں وہ سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں پئے گا۔ (محروم رہے گا)۔

طیالسی نے صحیح سند سے اور نسائی نے اور ابن جان نے اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تب بھی اس کو ریشمی لباس نہیں ملے گا۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیاء نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے ہر ایک کو ہونہی کے پاس لے جایا جائے گا۔ طوبی کے شکوے اس کے لئے کھل جائیں گے (اور شکوؤں کے اندر سے لباس برآمد ہوگا) جو کوئی جس طرح کا لباس لینا چاہے گا لے لے گا۔ خواہ سفید کا خواہ سیاہ ہو یا سرخ کا یا سبز کا یا زرد کا یا سیاہ کا (یہ لباس خوبصورتی میں) گل لالہ کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ نرم اور حسین۔

حضرت کعب کا بیان ہے اگر جنت کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا دنیا میں پہن لیا جائے تو جو کوئی اس کو دیکھے گا بیہوش ہو جائے گا۔ صابونی نے الماتین میں بیان کیا ہے کہ جنتی آدمی جب جلد بہتی پہنے گا تو فوراً ایک ساعت میں اس کے ستر رنگ بدل جائیں گے۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جنت میں داخل ہو کر وہاں کی نعمتوں سے راحت اندوز ہو گا تو نہ اس کا لباس کبھی پرانا (فرسودہ) ہوگا نہ شباب فنا ہوگا۔

وَهَذَا وَإِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهَذَا وَإِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۱۷﴾
 اور (جنت میں یہ نعمتیں اس لئے ملیں گی کہ دنیا میں) ان کو کلمہ طیب (پر ایمان کی) ہدایت ہو گئی تھی اور اس (خدا) کے راستے پر چلنے کی توفیق مل گئی تھی جو مستحق حمد ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طیب قول سے مراد ہے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر والحمد للہ کی شہادت۔ جس کی

ہدایت ان کو دنیا میں مل گئی تھی۔ سدی نے کہا پاکیزہ قول سے مراد ہے قرآن مجید، بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں ماضی بمعنی مستقبل ہے یعنی جنت کے اندر ان کو پاکیزہ کلام کی ہدایت ملے گی مطلب یہ کہ وہ جنت میں پہنچ کر الحمد للہ الذی صدقنا وعده الخ پڑھیں گے۔

صراط الحمید سے مراد ہے اللہ کا راستہ یعنی اسلام اور حمید سے مراد اللہ کی ذات ہے جو فی نفسہ مستحق ستائش ہے یا صراط الحمید سے راہ جنت مراد ہے یعنی آخرت میں ان کو جنت کے راستہ پر چلنے کی توفیق دی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ

فِيهِ وَالْبَادِ (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے لئے مقرر کر دیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس میں رہنے والا بھی اور باہر سے آنے والا بھی۔ یعنی لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ یصدون مضارع کا صیغہ ہے لیکن اس سے مراد نہ حال ہے نہ استقبال بلکہ استمرار مراد ہے اسی لئے اس کا عطف ماضی پر کیا گیا ہے عرب بولتے ہیں فلان يعطى ويمنع فلاں شخص دیتا ہے اور منع کرتا ہے یعنی اس کی یہ عادت ہی ہے وہ ایسا کرتا ہی رہتا ہے۔ المسجد الحرام کا عطف سبیل اللہ پر ہے یا لفظ اللہ پر (یعنی اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور مسجد حرام کے راستے سے)

مسجد حرام سے امام شافعی کے نزدیک صرف مسجد (کعبہ) مراد ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک سارا حرم جیسے دوسری آیت میں آیہ سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا بَيْنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الْخ بعض (قوی) روایات میں آیا ہے کہ معراج کا واقعہ حضرت ام ہانی کے مکان سے ہوا (جو حرم کے اندر تھا کعبہ کے اندر نہیں تھا) پس جس طرح آیت سبحان الذی میں مسجد حرام سے مراد حرم ہے، اسی طرح والمسجد الحرام میں بھی حرم ہی مراد ہے۔ اگلی آیت الذی جعلناه الخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ اس آیت میں مقیم اور مسافر کو برابر کا حق دیا گیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اگرچہ اس آیت میں مسجد حرام سے مراد مسجد ہی ہے لیکن آیت إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَابِهِمْ هَذَا میں مسجد حرام سے عام حدود حرم ہی مراد ہیں کیونکہ امام شافعی کا قول ہے کہ حدود حرم کے اندر داخل ہونے سے غیر مسلموں کو روکا جائے۔ عاکف سے مراد ہے مقیم اور بادی سے مراد ہے مسافر۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے بدو۔ بداءة اورد بادیتہ کا مفہوم شہریت کے برعکس ہے (یعنی دیہاتیت یا جنگلیت یا خانہ بدوشی) آیت کا مطلب یہ ہے کہ حرم کے اندر ٹھہرنے اور اترنے میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔ جو شخص بھی حرم کے اندر کسی جگہ پہلے ٹھہر جائے اس کو پیچھے آنے والا نکال نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے، ان بزرگوں نے کہا کہ مقیم ہو یا مسافر حرم کے اندر مکانوں اور فرودگاہوں پر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرحمن بن سابط کا بیان ہے کہ حاجی جب مکہ میں آتے تھے تو مکہ کے باشندوں کو بھی اپنے مکانوں پر ترجیحی حقوق باقی نہیں رہتے تھے۔ حضرت عمر موسیٰ بن نجیح میں لوگوں کو اپنے گھروں کے دروازے بند رکھنے سے منع فرماتے تھے۔ بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت عمر کا یہ قول عبدالرحمن بن عبد حمید نے بوساطت نافع حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء کی ایک روایت ہے کہ مردہ کے قریب ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المؤمنین میرے لئے کچھ جگہ کاٹ دیجئے (یعنی کوئی خاص جگہ مقرر فرمادیں) حضرت عمرؓ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس کو پیچھے چھوڑ کر (آگے بڑھ گئے اور) فرمایا یہ تو اللہ کا حرم ہے اس میں مقیم و مسافر سب کا حق برابر ہے۔ عبدالرزاق نے بروایت معمر از منصور مجاہد کا قول نقل کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مکہ والو اپنے گھروں کے دروازے بند نہ رکھو تاکہ باہر سے آنے والے جہاں چاہیں اتر سکیں۔ عبدالرزاق نے ابن جریر کی روایت سے بیان کیا کہ عطا حرم کے اندر گھوڑوں کے داخلے سے منع کرتے تھے۔ اور مجھے

یہ بھی روایت پہنچی ہے کہ حضرت عمر نے مکہ کے گھروں کو در بند کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ تاکہ حاجی گھروں کے صحنوں میں اتر سکیں سب سے پہلے سہیل بن عمرو نے اپنے گھر کا دروازہ قائم کیا اور حضرت عمر سے اپنے اس فعل کی معذرت کی۔ لیکن بیہوشی کی یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت عمر نے مکہ میں چار ہزار درہم سے ایک مکان جیل خانہ بنانے کے لئے خریدا تھا۔ اور ابن الزبیر کی یہ روایت بھی صحیح ہے کہ آپ نے حضرت سودہ کا حجرہ خریدا تھا۔ اور یہ بھی روایت آئی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے دار الندوہ فروخت کر دیا تھا۔ اور یہ بھی صحیح بات ہے کہ توسیع مسجد کے لئے حضرت عمر نے کچھ مکان انکے مالکوں سے خریدے تھے اور حضرت عثمان کے سلسلہ میں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے اس وقت رباط میں بکثرت صحابی موجود تھے اور کسی نے اس سے انکار نہیں کیا یہ تمام روایات بتا رہی ہیں کہ حرم کے اندر بلکہ مکہ کے اندر مکانوں کی خرید و فروخت جائز ہے۔

میں کہتا ہوں یہ سب خرید و فروخت عمارت کی تھی عمارتیں مختلف مالکوں کی تھیں یہ زمین کی خرید و فروخت نہ تھی اور ممانعت زمین کی فروخت و خرید کی تھی۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور قوی ترین روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ مکہ کی زمین کی فروخت اور مکہ کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا جائز ہے کیونکہ حرم کی زمین آزاد ہے کسی کی ملک نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے ثم محلها الی البیت العتیق اللہ نے اس آیت میں بیت کو عتیق (آزاد) فرمایا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ بیت عتیق سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ صرف حدود حرم کے اندر ہی قربانی جائز ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو کعبہ کے قریب ہو۔ یہ تاویل خود ساختہ اور ناقابل قبول ہے۔

امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے لیکن انکے اس مسلک کی بناء ایک اور نظریہ پر ہے امام مالک کے نزدیک مکہ کی فتح زبردستی اور جبری ہوئی تھی اور جس بستی کو جبراً فتح کیا گیا ہو وہ ساری بستی وقف ہو جاتی ہے اس کی زمین کو فروخت نہیں کیا جاسکتا۔

امام شافعی کے نزدیک مکہ کے مکانوں کا بیچنا اور کرایہ پر اٹھانا جائز ہے کیونکہ وہ مکانداروں کی ملک ہیں (وقف نہیں ہیں) حسن، طاؤس، عمرو بن دینار اور علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور آیت میں امام شافعی کے نزدیک مسجد (کعبہ) مراد ہے۔ تفسیری مطلب یہ ہے کہ ہم نے کعبہ کو تمام لوگوں کی نمازوں اور عبادتوں کے لئے قبلہ بنا دیا ہے کعبہ کی تعظیم اس کے اندر نماز کی فضیلت اور اس کے طواف کرنے کا حکم سب کے لئے ایک ہے، مقیم ہو یا کوئی صحرائی مسافر سب اس میں برابر ہیں، مکہ کو آباد کرنے کی اصل غرض ہی وہاں نماز کا قیام تھا۔ حضرت ابراہیم کے قول کو نقل کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے رَبِّ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ بَیْنَ ذُرِّیَّتَیْ بِوَادِیْ غَیْبٍ ذِیْ زُرُوعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لَبِقِیْمُوْا الصَّلٰوۃ۔

میں کہتا ہوں (اگر مسجد حرام سے صرف کعبہ مراد ہو تو) مقیم و مسافر کے لئے صرف کعبہ کے معاملہ میں مساوات ثابت ہوگی۔ باوجودیکہ اس خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں، تمام مساجد کا یہی حکم ہے ہر مسجد کی ہر شخص پر تعظیم واجب ہے۔ ہر مسجد کے اندر ثواب کا جو درجہ مقرر ہے وہ سب کے لئے یکساں ہے سفر و حضر سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد اور علماء کی ایک جماعت کا قول بھی شافعی کے قول کے موافق ہے میں کہتا ہوں ایسا تو نہیں ہے بلکہ مجاہد کا قول تو روایت میں وہی آیا ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے طحاوی نے ابراہیم بن مہاجر کے طریق سے بیان کیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا مکہ (ہر ایک کے لئے) مباح ہے نہ اس کی زمینوں کی فروخت درست ہے نہ کرایہ پر دینا۔

عبدالرزاق نے بطریق ابراہیم بن مہاجر بروایت مجاہد حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ مکہ کے گھروں کو نہ بیچنا جائز ہے نہ کرایہ پر دینا۔ اس قول کی تائید اس روایت سے بھی ہوئی ہے جو امام محمد نے کتاب الا آثار میں بیان کی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے بروایت عبداللہ بن زیاد بحوالہ صحیح بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے مکہ کو حرم بنا دیا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔ ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ التحقیق میں امام ابو حنیفہ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا جس کے الفاظ اس طرح ہیں، مکہ حرام ہے اس کی زمینیں حرام ہیں اس کے گھروں کا کرایہ حرام ہے۔

دار قطنی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا اس حدیث کو مرفوع قرار دینا وہم ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ ابو حنیفہؒ کی طرف وہم کی نسبت کرنا نفی پر دلالت کر رہی ہے اور دار قطنی کا قول نفی پر شہادت ہے اور شہادت علیٰ النفسی قابل قبول نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ثقہ ہیں اور ثقہ کا کسی حدیث کو مرفوعاً ذکر کرنا قابل قبول ہے امام محمد نے اسی سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مکہ کے مکانوں کا کچھ بھی کرایہ کھلایا اس نے آگ کھائی۔ دار قطنی نے اپنی سند سے اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر کی روایت سے بحوالہ حضرت ابن عمر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکہ مباح ہے (ہر ایک کا حق اس کی زمین اور مکان پر برابر ہے) اس کی زمینیں نہ بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرایہ پر دیئے جائیں۔

میں کہتا ہوں اسماعیل بن ابراہیم کو صحیحی اور نسائی نے اور اسماعیل کے باپ ابراہیم کو بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابو حاتم نے ابراہیم کو منکر الحدیث کہا ہے ابن المدینی اور نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ لیکن سفیان (بن عیینہ) اور احمد اور صحیحی بن معین اور ابن ہدی نے اس کو لایا ہے کہ زمرہ میں شمار کیا ہے۔ ابو بکر بیہقی نے کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ ابن جوزی نے اپنی سند سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکہ حرام ہے اللہ نے اس کو حرمت والا بنایا ہے اس کی زمینوں کو بیچنا حلال نہیں اور نہ اس کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھانا جائز ہے۔ یہ روایت مرسل ہے (صحابی کا اس میں ذکر نہیں) اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔

جو لوگ مکہ کے مکانوں کو مکان والوں کی ملک کہتے ہیں

ان کی دلیل حسب ذیل ہے

(۱) اللہ نے فرمایا ہے الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ أَوْ رُحُلِهِمْ لِيُحِثُّوا عَلَيْهِمْ نَارًا كَبِيرًا اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا جو ابو سفیان کے مکان میں چلا گیا وہ مومن ہے آیت اور حدیث دونوں میں مکان کی اضافت مکان والوں کی طرف کی گئی جو ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر مکانوں کے مالک مہاجرین نہ ہوتے تو ان کو مظلوم نہ قرار دیا جاتا (کیونکہ جن مکانوں سے ان کو نکالا گیا ان کے مالک وہ تھے ہی نہیں تو پھر ان پر ظلم ہی کیا ہوا)

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ سکونت یا تعمیر کی وجہ سے اضافت کی گئی یہ ضروری نہیں کہ اضافت مفید تملیک ہی ہو، مسجد النبوی ﷺ اور مسجد فلان کا مستحق ہی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا فلان شخص کی بنائی ہوئی مسجد (مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی اور یہ ضروری نہیں کہ مملوک مکانوں سے نکالا جاتا ہی ان پر ظلم ہو (مقبوضہ اور معمورہ مکان سے کسی کو نکال دینا بھی ظلم ہے) دیکھو مسجد حرام میں عبادت کرنے کا مہاجرین کو بھی برابر حق تھا اور یہ حق ان سے چھین لیا گیا اور کعبہ میں ذکر خدا کرنے سے ان کو روک دیا گیا۔ یہ بڑا ظلم تھا۔

(۲) حضرت اسامہ بن زید کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کل آپ کہاں اتریں گے فرمایا کیا عقیل نے کوئی اترنے کی جگہ (ہمارے لئے) چھوڑ دی ہے پھر فرمایا انشاء اللہ ہم کل کو خیف بنی کنانہ میں اتریں گے۔ پھر فرمایا کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مسلمان کا فر کا۔ متفق علیہ۔

ابن جوزی نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور مکہ میں اپنے مکان میں اتریں گے فرمایا کیا عقیل نے (ہمارے لئے) کوئی زمین یا مکان چھوڑا ہے۔ زہری نے کہا عقیل اور طالب ابو طالب کے وارث ہوئے اور جعفر و علی چونکہ مسلمان ہو گئے تھے اس لئے ابو طالب کے وارث نہیں ہوئے۔ مراد یہ ہے کہ ابو طالب کے مرنے تک عقیل اور طالب کافر رہے (اس لئے وارث ہوئے)

کہا جاتا ہے کہ جس مکان کی طرف رسول اللہ ﷺ کے کلام میں اشارہ ہے وہ اصل میں ہاشم بن عبد مناف کا مکان تھا۔ ہاشم کے بعد ان کے بیٹے عبد المطلب کا ہو جب عبد المطلب زیادہ بوڑھے ہو گئے تو انہوں نے وہ مکان اپنے بیٹوں کو تقسیم کر دیا اور

عبداللہ بن عبدالمطلب کا حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملا اسی میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر لی تو عقیل و طالب نے پورے مکان پر قبضہ کر لیا کیونکہ اس وقت تک یہ دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ اپنا حصہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، طالب بدر میں مارے گئے اس لئے عقیل نے پورا مکان اس کے بعد فروخت کر دیا۔

فاکسانی کی روایت میں آیا ہے کہ عقیل نے مکان فروخت نہیں کیا تھا اور عقیل کی اولاد اس پر قابض رہی یہاں تک کہ تاج کے بھائی محمد بن یوسف نے ایک لاکھ دینار میں اس کو خرید لیا۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ عقیل نے اگر کافر ہونے کی حالت میں مکان کو فروخت کر دیا تھا تو اس سے مکہ کے

مکانوں کی بیع کا اسلامی جواز ثابت نہیں ہوتا۔

میرے نزدیک حدیث کا مطلب اس طرح ہو سکتا ہے کہ مکان کو فروخت کرنے سے پہلے عقیل کا اس پر تصرف تھا اور فروخت کرنے کے بعد خریدار نے اس کو اپنے کام میں لے لیا۔ ہر حال وہ مکان خالی نہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو خالی نہ پایا تو فرمایا عقیل نے کیا ہمارے ٹھہرنے کے لئے کوئی مکان (خالی) دینا ہے۔ اس مطلب پر راوی کا یہ کہنا کہ عقیل ابو طالب کے وارث ہوئے صرف ایک خیال ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مومن کافر کا۔ شاید اس کا تعلق کسی اور واقعہ سے ہے (عقیل کے واقعہ سے اس کا تعلق نہیں ہے) راوی نے دونوں حدیثوں کو یہ خیال کر کے ملا دیا کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان کافر مومن کے درمیان عدم توارث کا ہے اسی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عقیل نے کیا ہمارے اترنے کے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں کا تعلق الگ الگ واقعات سے ہو گا اور اس حدیث سے مکہ کے مکانوں کا کسی کی ملک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس حدیث سے مکہ کے مکانوں کی بیع کا جواز مستحب ہوتا ہے تب بھی حرمت مکہ کی حدیثیں صراحتاً اور عبارتاً عدم جواز پر دلالت کر رہی ہیں اور یہ حدیث جواز بیع کی طرف صرف اشارہ کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ صراحت و عبارت کا درجہ اشارہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اگر ہم دونوں حدیثوں کو ہم مرتبہ بھی مان لیں اور کسی کو قوی نہ کہیں اور دونوں میں تعارض تسلیم کر لیں تب بھی تحریم و تحلیل کے تعارض کے وقت حرمت کو حلت پر ترجیح دی جائے گی (کیونکہ حرمت و حلت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہونی ہے یہ عام ضابطہ ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہ نے مکہ کی زمینوں اور مکانوں کی بیع کو مکروہ تحریمی کہا ہے (حرام نہیں کہا) مزید برآں یہ بات بھی ہے کہ اگر عبداللہ کا میراث حصہ رسول اللہ ﷺ کا تھا تو لامحالہ عقیل نے (آپ کی ہجرت کے بعد) اس پر جابر نہ قبضہ کیا ہو گا اور امام ابو حنیفہ قائل ہیں کہ اگر کافر مسلمان کے مال کا بابلجبر مالک ہو جائے تو وہ مال مسلمان کی ملک نہیں رہتا (شافعی اس کے قائل نہیں ہیں) اور جب عقیل زبردستی رسول اللہ ﷺ کے میراث حصہ پر قابض ہو گئے تو پھر اس بیان میں رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کوئی معنی نہیں کہ کافر مومن کا وارث نہیں ہوتا اور نہ مومن کافر کا۔ اگر وہ پورا مکان ابو طالب کا تھا تو رسول اللہ ﷺ کا اس میں حصہ ہونا قابل تصور ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے تب بھی رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے وارث نہیں ہو سکتے (و ادا کے مال کا پورا وارث نہیں ہوتا جبکہ اس کے بیٹے موجود ہوں) ہر حال رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث کہ کیا عقیل نے ہمارے اترنے کے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے تاویل طلب ہے اور جو تاویل ہم نے بیان کی اس سے بہتر تاویل ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر بالفرض علی اور جعفر کو ابو طالب کا وارث نہ ہونا مان بھی لیا جائے تب بھی عاریتہ اور عارضی طور پر آپ علی یا جعفر یا عقیل کے حصہ میں اتر سکتے تھے۔

اور جو شخص اس میں

وَمَنْ يُؤَدِّ فِيهِ بِالْحَادِ يُظَلِّمُ نَفْسَهُ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ﴿۱۷﴾

یعنی حرم میں کسی خلاف دین کام کا قصد ظلم (یعنی شرک و کفر) کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ فیہ کی ضمیر مسجد حرام کی طرف راجع ہے خواہ اس سے کعبہ مراد ہو یا عام حرم الحاد مفعول ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے اور ب زائد ہے جیسے نسبت بالمدھن میں ب زائد ہے (کیونکہ انبات خود متعدی ہے) عیش شاعر کا قول ہے

ضمنت بوزق عیالنا اور ماحلتان میں بھی بے زائد ہے بظلم کا تعلق یہ ہے۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مستحقِ قنوت تین آدمی ہیں۔ (۱) حرم میں بے دینی کرنے والا۔ (۲) اسلام (کے دور) میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا۔ (۳) کسی کا ناحق خون بہانے کا طلب گار۔

زرین نے اپنی کتاب میں اور بیہقی نے المدخل میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ (طرح کے لوگ) ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی اور ہر مقبول الدعا پیغمبر نے بھی۔ (۱) اللہ کی کتاب میں اپنی طرف سے اضافہ کرنے والا۔ (۲) تقدیر الہی کا انکار کرنے والا۔ (۳) زبردستی حاکم بن جانے والا کہ جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہے اس کو عزت دیدے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اس کو ذلیل کر دے۔ (۴) اللہ کے حرم کو حلال بنانے والا۔ (۵) میری عترت (اولاد و نسل کے قتل و غارت و تذلیل) کے تعلق سے جو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو حلال قرار دینے والا۔ (۶) میرے طریقے کو ترک کرنے والا۔

حاکم نے حضرت علیؑ کی روایت سے بھی مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ مسجد حرام سے مراد حرم ہے کیونکہ حرم کو حلال سمجھنا اور وہاں بے دینی کرنا مطلقاً

حرام ہے خواہ مسجد کعبہ کے اندر ہو یا باہر۔

الحاد لغت میں کبھی ایک جانب کو جھکاؤ اور سیدھے راستے سے کٹ جانے کو کہتے ہیں مجاہد اور قتادہ کے نزدیک اس جگہ شرک اور غیر اللہ کی پرستش مراد ہے بعض علماء نے کہا کہ تمام ممنوعات کا ارتکاب مراد ہے خواہ قولی ہو یا فعلی یہاں تک کہ خادم کو گالی دینا بھی اس میں داخل ہے۔ عطاء نے کہا بغیر احرام کے حرم میں داخل ہونا اور حرم کے اندر خلاف حرمت حرم مکوئی کام کرنا (مثلاً شکار کرنا یا حرم کے درخت کو کاٹنا) مراد ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا حرم میں الحادیہ ہے کہ جو شخص تم کو قتل نہ کر رہا ہو تم اس کو قتل کر دو اور جو شخص تم پر ظلم نہ کر رہا ہو تم اس پر ظلم کر دو۔ ضحاک کا قول بھی یہی ہے۔

مجاہد نے کہا کہ کے اندر گناہ کا درجہ بھی (باہر کے گناہ کے مقابلے میں) چند گناہ ہو جاتا ہے جیسے حرم کے اندر نیوٹوں کا درجہ چند گناہ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا وہ (یعنی صحابہ) کہتے تھے کہ اگر کسی شخص نے آناہ صرف ارادہ کیا اور ارتکاب نہیں کیا تو اس کے اعمال نامے میں گناہ نہیں لکھا جائے گا لیکن اگر کسی شخص کو ملے میں قتل کرنے کا ارادہ کسی نے کیا اور جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے وہ عدن میں ہے یا کسی اور شہر میں ہے تو ایسا ارادہ کرنے والے کو اللہ عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا (گویا کہ کے اندر گناہ کا ارادہ بھی گناہ کے حکم میں ہے اور مستوجب سزا ہے) سدی نے کہا اللہ ان لوگوں کو عذاب الیم کا مزہ چکھائے گا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے (تو ارادہ گناہ پر مواخذہ نہ ہوگا)

حضرت عبداللہ بن عمرو کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ آپ کے دو خیمے تھے ایک محل میں اکابہ تھا اور دوسرا حرم کے اندر جب گھروالوں کو آپ کچھ سخت ست کہنا چاہتے تھے تو محل والے خیمہ میں جا کر کہتے تھے لوگوں نے اس کی وجہ دریافت لی تو فرمایا ہم اپنی گفتگو میں کہا کرتے تھے کہ حرم کے اندر کلاوا اللہ اور ملی واللہ کہنا بھی الحاد (بے دینی) ہے۔

وَأَذِّنُوا ثَلَاثَ أَيَّامٍ مِّنَ الْبَيْتِ

اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ لی جگہ معین اور یہ ترجمہ زجاج کے قول کے موافق کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ابراہیم میں امام زائد ہے اس صورت میں توبہ اس طرح ہو گا اور جب ہم نے ابراہیم کو کعبہ کے مقام پر ٹھہرایا، استرا۔

قاموس میں ہے بواؤ منزلاً اور فی المنزل کسی جگہ اس کو استرا۔ الحباء منزل۔ (۱۰۰ گاہ ۱۰۰ سالہ مقام) اللہ

(تاریخی) یہ ہوا کہ حضرت نوح کے طوفان کے زمانے میں کعبہ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا، پھر جب اللہ نے حضرت ابراہیم کو تعمیر کعبہ کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم حیران ہوئے اور آپ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کعبہ کا مقام کہاں ہے اور کہاں بناؤں بحکم خدا ایک تند آندھی آئی جس کی وجہ سے کعبہ کے خطوط اساسی پر پڑی ہوئی ریت اور مٹی ہٹ گئی اور آپ کو کعبہ کی بنیادیں معلوم ہو گئیں۔ کذا قال البغوی۔

یہی نے دلائل میں اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہوا بھیجی تھی جس کو ریح خجوج کہتے ہیں، اس ریح خجوج کے دو بازو (اڑنے والے) اور ایک سر تھا اور سانپ جیسی شکل تھی اس ہوانے نے کعبہ کے گرد اگرد زمین کو الٹ دیا اور کعبہ کی اساس اول برآمد ہو گئی۔

بغوی نے کلبی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے مسافت کعبہ کے بقدر ایک ہوا بھیجی، جو کعبہ کے مقام پر آکر کھڑی ہو گئی، اس کے اندر ایک سر تھا جو کہہ رہا تھا ابراہیم میری مقدار کے برابر عمارت بناؤ۔ حضرت ابراہیم نے اسی مقدار کے بموجب تعمیر کی۔

أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا وَطَهَّرَ سَبْعَ لَلَطَّافِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكْعَ السُّجُودَ ﴿۲۰﴾

کہ سا جھمی نہ بنانا میرا کسی چیز کو اور پاک کر دینا میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور قیام کرنے والوں کے لئے اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے۔

ہوانا کے اندر قول کا معنی ہے یعنی ہم نے حکم دیا کہ میری عبادت میں کسی بت وغیرہ کو سا جھمی نہ بنانا۔ بیستی میں اضافت بیت کی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے (ورنہ اللہ کا کوئی گھر نہیں وہ ہر مکان سے پاک ہے) وہ تجلیات خداوندی کی خصوصی فرود گاہ ہے۔

مجدد الف ثانی نے فرمایا کعبہ اگرچہ ایک جسمانی چیز ہے لیکن ایسی حقیقت کے مشابہ ہے جو بے کیف ہے کیونکہ کعبہ کی دیواریں، چھت انتہائی گہرائی تک زمین اور انتہائی چوٹی تک آسمان کوئی بھی قبلہ نہیں ہے اگر اس مٹی چھت اور دیواروں کو ہٹا کر کہیں اور لے جائیں تب بھی قبلہ وہی رہے گا جو اب ہے جہاں دیواروں اور پتھروں کو منتقل کر کے پہنچایا جائے گا وہ قبلہ نہیں بن جائے گا۔ حقیقت میں قبلہ ایک بے کیف اور بے جسم چیز ہے جہاں انوار الہیہ کا نزول ہوتا ہے اور تجلیات کا پرتو پڑتا ہے۔

الْقَائِمِينَ وَالرُّكْعَ السُّجُودَ سے مراد ہیں نمازی، یہ تینوں نماز کے اجزاء ہیں اور چونکہ ہر جز کے لئے طہارت مقام ضروری ہے اسلئے ہر جز کا مستقلاً ذکر کر دیا اور بغیر سجدے کے رکوع شرعاً عبادت میں شمار نہیں کیا جاتا اس لئے الرُّكْعَ السُّجُودَ کے درمیان حرف عطف نہیں ذکر کیا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ نماز کے اندر صرف پیشانی رکھنے کی جگہ کا پاک ہونا کافی ہے۔

وَإِذْ نَفَخْنَا فِي السَّمَاءِ بِالسَّحَابِ

بغوی نے لکھا ہے ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا کہ حضرت ابراہیم کو جب اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے عرض کیا میری آواز کیسے پہنچے گی۔ اللہ نے فرمایا تمہارا کام اعلان کرنا اور پکارنا ہے اور پہنچانا میرا ذمہ ہے۔ حضرت ابراہیم مقام ابراہیم پر کھڑے ہوئے فوراً وہ مقام اٹھ کر بلند ترین پہاڑ کے برابر ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ کر چہرے کو دائیں بائیں اور مشرق کی طرف گھماتے ہوئے کہا لوگو! تمہارے رب نے ایک مکان بنایا ہے اور تم پر اس کا حج کرنا فرض کر دیا ہے، اپنے رب کی دعوت کو قبول کرو (قیامت تک جو حج کرنے والے ہیں) سب نے باپوں کی پشت اور ماؤں کے پیٹوں کے اندر سے لیبیک اللہم لیبیک کہا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سب سے پہلے لیبیک کہنے والے اہل یمن تھے، اسی لئے یمنی لوگ سب سے زیادہ حج کرتے ہیں۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کوہ بوقریس پر چڑھ کر ندا دی تھی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت میں الناس سے مراد اہل قبلہ ہیں۔

بعوی نے لکھا ہے حسن کا خیال ہے کہ اَذِنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ عَلَيْهِ كَلَامٌ هُوَ (حضرت ابراہیم اس میں مخاطب نہیں ہیں بلکہ) اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ حجۃ الوداع میں لوگوں کو حج کے لئے بلائیں۔ حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا اور فرمایا، لوگوں تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے حج کرو۔ رواہ مسلم۔ احمد اور نسائی اور دارمی نے یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (نداکر دو گے تو) لوگ پیدل چل کر حج کو آئیں گے۔ یہ آئندہ واقعہ کا بیان ہے اس سے ان لوگوں پر حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی جن کو سواری میسر نہیں ہے۔ داؤد ظاہری وغیرہ اپنے قول پر اس سے استدلال نہیں کر سکتے داؤد ظاہری اور مالکیوں کے نزدیک اس شخص پر بھی حج فرض ہے جس کو سواری نہ مل سکے۔ سورۃ آل عمران کی آیت وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا کی تفسیر کے ذیل میں سواری اور زاوراہ کی تفصیل دہانے کر دی ہے۔

مسئلہ: جو شخص پیدل چل سکتا ہو اس کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک پیدل چل کرنا افضل ہے کیونکہ پیدل چل کر آنے کا ذکر سوار ہو کر آنے سے پہلے کیا پھر پیدل چل کر آنے میں جسمانی دکھ بھی زیادہ اٹھانا پڑتا ہے اور خضوع و عجز کا مظاہرہ بھی ہوتا ہے۔ اگر کسی نے پیدل چل کر حج کرنے کی منت مانی ہو تو رسول اللہ ﷺ نے پیدل حج کرنا اس پر واجب قرار دیا ہے اور اگر پیدل حج نہ کر سکے تو قربانی کو واجب قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیدل حج (اصل) طاعت ہے اور طاعت کا ادنیٰ درجہ احتیاب و فضیلت ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حج کے لئے سوار ہو کر آنا افضل ہے کیونکہ پیدل آنے میں بہت سی عبادتوں میں خلل پیدا ہو جائے گا اور اسلام میں رہبانیت کا جواز نہیں) اور ہر مشاق سفر اوٹنی پر سوار ہو کر ضامنر دبلا لاغر جو کثرت سفر کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو مر او مشاق سفر۔

ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ حاجی سوار نہیں ہوتے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور زاوراہ ساتھ لینے کا حکم دے دیا اور سوار ہو کر آنے اور سفر حج میں تجارت کرنے کی اجازت دیدی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (جو دور دراز راستوں سے پہنچیں گی۔)

ضامنر کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن معنی کے لحاظ سے مؤنث ہے لفظ کل کی اس کی طرف اضافت کی گئی ہے اس لئے باتین، بصیغہ مؤنث ذکر کیا۔

لَيْسَ هَذَا وَمَنْ تَأْتِيَهُمْ لَيْسَ هَذَا وَمَنْ تَأْتِيَهُمْ لَيْسَ هَذَا (تاکہ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں۔)

منافع دنیوی اور دینی فوائد جو حج سے مخصوص طور پر ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ امام محمد باقر بن علی زین العابدین بن امام حسین نے لور سعید بن مسیب نے فرمایا منافع سے اس جگہ مراد ہے غنود مغفرت۔

حضرت ابو ہریرہ روایت میں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور (دوران حج میں) نہ فحش کلمہ زبان سے نکالا نہ گناہ کیا وہ ایسا (بے گناہ ہو کر) لوٹے گا جیسا پیدا ہونے کے وقت تھا۔ متفق علیہ۔ سعید بن جبیر کے نزدیک منافع سے مراد تجارت ہے، زید کی روایت میں ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے حضرت ابن عباس نے منافع کا ترجمہ لفظ اسواق (بازار) سے کیا تھا مجاہد نے کہا تجارت بھی مراد ہے لور وہ تمام دنیوی و اخروی امور مراد ہیں جن کو اللہ پسند فرماتا ہے۔

وَيَذَرُكُمْ كَرَؤُا اسْمَ اللّٰهِ فِي قَاتِلِ اَيُّهَا مَعْلُومَاتٍ عَلٰی مَا رَسَلْنَا قَهْرًا مِّنْ يَّهَيْمَةِ الْاَنْعَامِ

اور مقررہ دونوں میں یعنی قربانی کے پیام میں (قربانی کے) چوپایوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں۔

اللہ کا نام یاد کرنے سے بطور کنایہ جانور کی قربانی کرنا ہے بصورت ذبح ہو یا بصورت نحر کیونکہ اللہ کا نام ذبح کے وقت لئے

غیر کوئی ذبیحہ حلال نہیں۔ تاہم اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔

ایام معنومہ سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذی الحجہ کے دس دن مر لو ہیں معلومات کتنے سے ان دنوں کی گنتی جاننے کی تفریب دینا مقصود ہے۔ چونکہ اس عشرے کے خاتمہ پر حج کا وقت آتا ہے عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ایام معنومہ سے مراد ہے عرفہ کا قربانی کا دن اور ایام تشریق معنومہ نے ایام معنومہ کو صرف ایام تشریق کہا ہے۔ یہ روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ان ایام سے مراد ہے قربانی کا دن اور تین روز اس کے بعد کے سببہ الانعام یعنی قربانی کے جانور جو عیب کی طرف بھیجے جاتے ہیں خواہ قربانی واجب ہو یا مستحب۔ آیت میں کوئی قید نہیں۔ تقرب حاصل کرنے کی اس میں تفریب ہے اور اس امر پر توجہ ہے کہ یہ الہی کا تقاضا پورا کیا جائے۔

امام شافعی نے اسی آیت کی روشنی میں کہا ہے کہ سوا دم الاحصار (اگر حاجی کو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں کوئی دشمن روکے اور عیب تک نہ پہنچنے دے تو جہاں اس کو روکا گیا ہو اسی جگہ احرام کھول دینا اور مردہ حج ملتوی کر دینا اور قربانی رو دینا چاہئے۔ یہ دم الاحصار کہا جاتا ہے) حاجی پر قربانی صرف ان ہی ایام میں کرے گا یوم النحر اور تین روز اس کے بعد۔

ہم متے ہیں ایام معنومہ کی قید شافعی ہے (عام قربانی مقررہ ایام میں ہی ہوتی ہے) ضروری اور احترازی نہیں ہے اور ہم مفسوم مخالف کے قائل نہیں ہیں (کہ جو قربانی ایام معنومہ میں نہ ہو وہ ناجائز قرار دیں) اور آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے (حضرت علی بن عباس کے اقوال الگ الگ ہیں) ہم کہتے ہیں بدی نافلہ، نذر اور کفارہ کی قربانی کے لئے شرط نہیں کہ یوم النحر اور اسکے بعد تین دن میں ہی کی جائے کیونکہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حدیبیہ کے سال ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ نے لڑنے کے لئے لے کر چلے تھے اور عمرہ کے ارادے سے چلے تھے یوم النحر تک مکہ میں قیام کا ارادہ بھی نہ تھا اور حضور ﷺ نے ان لوگوں کی قربانی کی، حضور ﷺ کا یہ عمل صراحتاً بتا رہا ہے کہ حدیبیہ نافلہ کی قربانی ذیقعدہ میں بھی جائز ہے اور جب یوم النحر کے سوا دوسرے ایام میں نافلہ قربانی کا جوڑ حضور ﷺ کے عمل سے ثابت ہے تو معلوم ہوا کہ ایسی قربانی طاعت ہے (جو موجب ثواب ہے) اور ہر طاعت نافلہ نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتی ہے، پس نذر والی قربانی ایام النحر کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے اسی طرح شکار کرنے کی سزا جگہ ہر جنائت کے کفارہ میں جو قربانی کی جائے وہ یوم النحر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کیونکہ ہر جنائت کا کفارہ ایک طرح کی عبادت ہے پھر اللہ نے شکار کی سزا میں جس قربانی کا حکم دیا ہے اس کے متعلق *هَذَا يَوْمَ نَبَأُ الْكُفَّةِ* فرمایا ہے جو اس کی قید نہیں لگائی اور کتاب اللہ اگر مطلق ہو تو اس کو اپنی طرف سے مقید نہیں کیا جاتا مطلق کو مقید بنانا تو اطلاق کا نسخ ہے (تخصیص یا بیان نہیں ہے) ہاں دم قرآن و جمع یوم النحر کے ساتھ مخصوص ہے (کسی اور دن نہیں ہو سکتا) بلکہ دم احصا بھی ماہ ذیقعدہ کے نزدیک صرف یوم النحر کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام ابو یوسف و محمد اس سے اختلاف کرتے ہیں دونوں مسلوں کی تحقیق سورہ بقرہ کی آیت *وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ* سے *فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ* تک تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فَكُلُوا مِنْهَا سو اس میں سے کھاؤ۔ یہ امر باتفاق علماء استنباطی ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ امر اجابت کے لئے ہے (یعنی اپنی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے مستحب یا واجب نہیں ہے) کہہ کتے ہیں اللہ کی طرف سے یہ اجازت اس خیال کو زائل کرنے کے لئے دی گئی جس میں اہل جاہلیت مبتلا تھے اور اپنی قربانیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

مسئلہ: علماء کا اتفاق ہے کہ بدی نافلہ (نفل قربانی) کا گوشت قربانی پیش کرنے والے کو کھانا جائز ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی طویل حدیث جو حجتہ الوداع کے بیان میں اس کی شاہد ہے اس روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب سے کچھ لونٹ قربانی کے لئے لے کر آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے سولونٹ بھیج دیئے تھے، حضور نے تریسٹھ لونٹ ذبح کئے پھر حسب حکم بانی

اونٹ حضرت علیؑ نے ذبح کئے۔ ذبح کرنے میں حضور ﷺ نے حضرت علیؑ کو شریک کر لیا پھر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ہانڈی میں ڈال کر پکایا جائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حضور ﷺ نے اور حضرت علیؑ نے وہ گوشت کھایا اور شور بہ پایا۔ رواہ مسلم۔

اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اپنی (نافلہ) قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے ورنہ ہر اونٹ کے گوشت کا پارہ لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ ایک ہی اونٹ کے گوشت کو لے لینا کافی تھا۔

مسئلہ: شکار کے جرم کے عوض جو قربانی کی جائے اس کے گوشت کو قربانی کرنے والے کے لئے کھانا باقی علماء جائز نہیں۔ شکار کے عوض قربانی شکار کا بدلہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے فَجَزَاءُ مِمَّا قَاتَلْتُمْ مِنَ النَّعِيمِ اس آیت میں مثل صوری مراد ہے یا (مثل معنوی یعنی) اس کی قیمت، یہ تفصیل سورۃ مائدہ میں کر دی گئی ہے۔ شکار کا گوشت شکاری کے لئے جائز نہیں اس لئے شکار کے عوض جو قربانی کی جائے اس کا گوشت بھی قربانی کرنے والے کے لئے جائز نہیں۔ اصل حرام ہے عوض بھی حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہودیوں پر اللہ کی مار ہو اللہ نے ان کے لئے جرمیاں حرام کر دی تھیں۔ انہوں نے جرمیاں پکھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی (یہ حیلہ کیا) متفق علیہ من حدیث جابر۔

اسی طرح امام مالک کے علاوہ جمہور ائمہ کے نزدیک نذر کی قربانی کا گوشت نذر ماننے والے کے لئے جائز نہیں۔ دور ان حج میں مختلف جرائم کے ارتکاب سے جو قربانی واجب ہو جاتی ہے اس کا گوشت بھی قربانی دینے والے کے لئے باقی ائمہ ناجائز ہے۔ حج کو فاسد کرنے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

اسحاق کا مسلک ہے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے کہ نذر کی قربانی اور شکار کے جرم کے عوض واجب شدہ قربانی کا گوشت تو قربانی والے کے لئے جائز نہیں ان کے علاوہ ہر قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے۔ بخاری نے تعلق کے ساتھ حضرت ابن عمر کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ نذر کی قربانی اور تمام قصوروں کی پاداش میں جو قربانیاں دی جاتی ہیں صاحب قربانی کے لئے ان کا گوشت اس لئے ناجائز ہے کہ شکار کی پاداش میں قربانی کا گوشت شکار کرنے والے کے لئے ناجائز ہے اور تمام قصوروں کے سلسلہ میں جو قربانیاں دی جاتی ہیں وہ بھی جرائم کا کفارہ ہی ہیں اس لئے ان کا حکم بھی شکار کے کفارہ کی طرح ہونا چاہئے۔ جس طرح ہر کفارہ کی قربانی پوری کی پوری مستحق کو دینا ضروری ہے اسی طرح ہر جنایت کی پاداش میں جو قربانی کی جائے اس کے تمام اجزاء مستحق کو دینا ضروری ہیں۔

لیکن نذر کی قربانی تو کسی جرم کی پاداش میں نہیں ہوتی اس لئے اسکو شکار کے عوض واجب شدہ قربانی پر قیاس کرنا صحیح ہے۔ البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ نذر کی قربانی بھی پوری کی پوری مستحق کے پاس پہنچنا ضروری ہے (اس لئے اس کا کوئی ٹکڑا بھی نذر کرنے والا نہیں کھا سکتا)

مسئلہ: عام قربانی کا گوشت باقی ائمہ قربانی کرنے والا بھی کھا سکتا ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل ظاہر ہے کہ قربانی عبادت و طاعت ہے رسول اللہ ﷺ نے قربانیوں کے متعلق فرمایا تھا کہ کھاؤ اور کھلاؤ اور بیجا کرنا دوزخ بنا کر بھی رکھ سکتے ہو۔ یہ روایت صحیح ہے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء بھی جواز کے قائل ہیں کیونکہ ان حضرات کے نزدیک قربانی مسنون مستحب ہے اور نافلہ قربانی کا گوشت بہر حال حلال ہے۔

مسئلہ: جمع اور قرآن کے متعلق اختلاف ہے امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک اس کو کھانا جائز ہے کیونکہ یہ بھی ذبیحہ عبادت ہے اور حضرت جابر کی روایت ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اونٹ کے گوشت کا ایک ٹکڑا پکوا کر کھایا تھا اور اس کا شور بہ پیا تھا اور حضرت علیؑ کو بھی اس میں شریک کیا تھا۔

ابن جوزی نے سنن میں عبد الرحمن بن ابی حاتم کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تمہارے قربانی کا جتنا گوشت کھالیں سو کھالیں اور کھانے سے جو بچ رہے اس کو خیرات کر دیں اس روایت سے بھی

ذبیحہ تمتع کو کھانے کا جواز صراحتاً ثابت ہو رہا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تمتع اور قرآن کا ذبیحہ قربانی کرنے والے کے لئے ناجائز ہے بلکہ کسی واجب قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کے لئے جائز نہیں خواہ نذر کی قربانی ہو یا کسی اور وجہ سے واجب ہوئی ہو امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کی ہیں ایک وہ جو حضرت ناجیہ خزاعی نے غزوہ حدیبیہ کے موقع کی بیان کی ہے دوسری حضرت ابن عباس کی روایت کردہ حدیث تیسری حضرت ذویب بن طلحہ کی حدیث ہم نے سورۃ بقرہ کی آیت **فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ الَّتِي اَلْحَجَّ كِى تَفْسِيرِ كِى ذَلِىلِى مِىنْ يِه تَمِنُوں اَحَادِىثِ اُور اِن كِى جَوَابِ نَقْلِ كِر دِيئِي هِيں۔** ظاہر آیت سے قربانی کے گوشت کو کھانے کا جواز معلوم ہوتا ہے خواہ قربانی واجب ہو جیسے تمتع اور قرآن کی قربانی یا نفل ہو کیونکہ الفاظ میں کوئی قید نہیں اجماع کی وجہ سے نذر کی قربانی کہ اس عموم جواز سے خارج کر دیا گیا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ نذر قربانی کے جواز عدم جواز کا مسئلہ حج سے غیر متعلق ہے آیت حج کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں شکار کرنے کی سزا میں جو قربانی واجب ہوتی ہے بلکہ ہر وہ قربانی جس کا وجوب بطور کفارہ ہوتا ہے اس کا تعلق ضرور حج سے ہے لیکن اس آیت میں وہ مراد نہیں ہے مسلمان کے حال کا تقاضا ہے کہ حج میں خلاف شرع کوئی جرم ہی نہ کرے اپنے حج کو پاک رکھے اس لئے کسی جنایت کے کفارے کی قربانی کا اس آیت سے تعلق ہی نہیں ہے۔

وَأَطِيعُوا النَّبِيَّ الْفَقِيرَ ﴿١٥﴾ اور بد حال محتاج کو کھلاؤ۔ البائس بؤس والابؤس سخت محتاجی۔

اور بغلوں کی صفائی کریں مطلب یہ کہ طواف زیارت سے پہلے احرام کھول کر یہ سب کام کر سکتے ہیں اور سر منڈوانے کے بعد سوائے عورتوں کی قربت کے مذکورہ بالا ممنوعات حلال ہو جاتے ہیں، عورتوں سے قربت کی حلت طواف کے بعد ہوتی ہے کذا قال المفسرون۔

تقضاء کا لغوی معنی ہے ادا کرنا اور کوئی کام کر دینا قضی دینہ اس نے اپنا قرض چکا دیا۔ واذا قضيتم مناسككم اور جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو۔ قضيتن سبع سموت کر دیا ان کو سات آسمان۔ کسی کام کو کر چکنے کے بعد اس سے فراغت ہو ہی جاتی ہے اس لئے قضاء کے بعد فارغ ہو جانا لازم ہے۔ اللہ نے فرمایا **أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ** دونوں مدتوں میں جو مدت پوری کر چکوں میل کچیل دور کرنے کے بعد بھی فراغت ہو جاتی ہے اس لئے **لِيَقْضُوا فَرَمَا قَضَاء تَقْت** تمام مناسک حج (کی ادا کی) ہے۔ مجاہد نے کہا تفت سے مراد ہیں مناسک حج، لیس کترنا، زیر ناف اور بغلوں کو صاف کرنا، ناخن تراشنا، بعض اہل علم نے کہا تفت رمی جمار (کنکریاں مارتا) ہے ان اقوال پر مطلب یہ ہو گا کہ جب تم یہ افعال کر چکوز جاج نے کہا تفت کا لفظ ہم کو قرآن سے ہی معلوم ہوا یعنی یہ لفظ کلام عرب میں زیادہ مستعمل نہیں ہے۔ قرآن کی اس آیت سے پہلے ہم کو معلوم نہ تھا۔ لفظ تم سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق اور طواف قربانی کے بعد کیا جائے۔ یہ دلیل ہے امام ابو حنیفہ کے قول کے صحیح

ہونے کی کہ رمی جمار اور صاحب قرآن کی قربانی اور حلق راس میں ترتیب واجب ہے سعید بن جبیر قناده، حسن اور عیسیٰ کا بھی یہی قول ہے، اس لئے اگر کوئی شخص ترتیب کو قصداً چھوڑ دے یا غلطی سے بہر حال اس پر (اس جرم کے عوض) قربانی واجب ہو جائے گی۔ حضرت ابن عباس کی حدیث ہے کہ مناسک کی ترتیب میں جو شخص تقدیم و تاخیر کرے اس کو قربانی کرنی چاہئے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے موقوفاً بیان کی ہے اور ایسے موقع پر حدیث موقوف بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ کسی جرم کا کفارہ ایسے طور پر ادا کرنا جواز روئے عقل جرم سے مشابہت نہ رکھتا ہو (یعنی قضاء بمثل غیر معقول کرائے سے معلوم نہیں ہوتا۔ (یقیناً حضرت ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا سنا ہو گا)

ایک شبہ

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر ہے جس کو ابو حاتم نے منکر الحدیث کہا ہے اور ابن المدینی و نسائی کے نزدیک یہ شخص قوی نہیں ہے ابن عدی کا قول ہے کہ اس شخص کی حدیث کو ضعیف میں شمار کیا جائے۔

شہ کا ازالہ

ابراہیم بن مہاجر جلیل القدر تابعی تھا، مسلم نے اس کا متابہ ذکر کیا ہے سفیان (ابن عیینہ) احمد اور ترمذی نے اس کو لایا ہے (اس میں کوئی خرابی نہیں) کے زمرہ میں شامل کیا ہے پھر یہ حدیث صرف اسی راوی کی روایت پر منحصر نہیں ہے طحاوی نے دوسری سند سے بھی جس میں ابراہیم شامل نہیں ہے۔ یہ حدیث نقل کی ہے۔ طحاوی نے لکھا ہے حدیث ابوہیب عن ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس۔ اس کے بعد حدیث مذکور نقل کی ہے۔

امام احمد کے نزدیک صرف قصد ترتیب کو ترک کرنے سے قربانی واجب ہے بھول کر ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب کے خلاف ہو گیا تو قربانی واجب نہیں۔ امام احمد کا یہ قول اثرم نے بھی نقل کیا ہے بخاری کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک بھی فتویٰ کے لئے یہی قول پسندیدہ ہے۔ امام شافعی اور ہمت سے علماء سلف کے نزدیک ترتیب سنت ہے واجب نہیں ہے۔

امام مالک کے نزدیک قربانی اور رمی جملہ سے حلق الراس کو مقدم کرنا جائز ہی نہیں ہے امام شافعی کا بھی ایک قول اسی طرح کا ایک روایت میں آیا ہے امام شافعی نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت ابن عباس کی روایت پیش کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے قربانی اور رمی جملہ اور حلق راس کی تقدیم و تاخیر کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے (سب کے جواب میں) فرمایا کوئی ہرج نہیں ہے۔ متفق علیہ۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ منیٰ میں قربانی کے دن حضور ﷺ سے سوال کئے جا رہے تھے۔ (جن کے جواب میں) حضور ﷺ فرما رہے تھے کوئی ہرج نہیں۔ ایک شخص نے سوال کیا میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا دیا فرمایا (اب) قربانی کر لے کوئی ہرج نہیں۔ بخاری کی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے رمی سے پہلے زیارت کر لی (یعنی طواف زیارت کر لیا) فرمایا کوئی ہرج نہیں، اس نے عرض کیا میں نے رمی سے پہلے قربانی کر لی فرمایا کوئی ہرج نہیں۔

طبرانی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے رمی سے پہلے کعبہ کا طواف کر لیا فرمایا (اب) رمی کر لے کوئی ہرج نہیں۔

حضرت علیؓ کی حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ قربانی سے پہلے طواف کر لینے کا مسئلہ اس نے دریافت کیا تھا۔ رواہ احمد۔ امام شافعی فرماتے ہیں اگر ترتیب واجب ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو ترتیب کے ساتھ دوبارہ مناسک ادا کرنے کا حکم دیتے، کیونکہ قربانی کا دن تھا، اواء مناسک کا وقت موجود تھا، یا (ترک واجب کے کفارہ میں) قربانی کرنے کا حکم دیدیتے۔ لیکن ایسا کوئی حکم دینا کسی روایت میں نہیں آیا۔ مسلمانوں کا عظیم اجتماع تھا اور ہر شخص مناسک حج سے واقف ہونے کا آرزو مند اور حریص بھی تھا، پس جب کسی روایت میں اعادہ مناسک یا جدید قربانی کرنے کا حکم منقول نہیں اور کسی نے اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہی نہ تھا اور ترتیب واجب ہی نہیں تھی واجب ہوتی تو بر محل واجب حکم کی تعلیم ضروری تھی اور جب ترتیب واجب نہ قرار پائی تو اگر کسی نے اس کو قصد ترک کر دیا تو اس پر قربانی کا وجوب باقی نہیں ہو سکتا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا مذکورہ بالا قصہ کے ایک راوی حضرت ابن عباس ہیں اور (اس روایت کے خلاف) حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی مردی ہے کہ جس نے مناسک میں کچھ تقدیم و تاخیر کی اس کو (بطور کفارہ) قربانی کرنا چاہئے اور اگر راوی کا اپنا قول اس کی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت بمرح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ روایت کے خلاف اس کا قول بتاتا ہے کہ روایتی حدیث کے خلاف اس راوی کو کوئی دوسری حدیث ملی ہے جو اول حدیث کو منسوخ کرنے والی ہے (اسی بنا پر تو اول حدیث کے خلاف راوی کا قول پیدا ہوا) لیکن یہ دلیل امام شافعی کے مسلک کو غلط ثابت نہیں کرتی کیونکہ امام شافعی کے نزدیک اگر کسی راوی کا قول اس کی روایت

کے خلاف ہو تو روایت مجروح نہیں ہوتی، بلکہ امام صاحب کے اصول پر بھی یہ دلیل منطبق نہیں ہوتی کیونکہ رلوی کا قول اگر اس کی روایت کے خلاف ہو تو اس وقت روایت کو مجروح کرتا ہے جب اس قول کو مرفوع حدیث کے حکم میں قرار دے دیا گیا ہو۔ موقوف کو اگر مرفوع کا حکم دیدیا جائے تو گویا وہ قول لول حدیث کا ناخ ہو جائے گا اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ قول ابن عباس روایت ابن عباس کا ناخ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں جہاں تک ممکن ہو احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے، ایک پر عمل کرنا اور دوسری کو بالکل ترک کر دینا مناسب نہیں اس لئے میرے نزدیک حضرت ابن عباس کے قول کو جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور حدیث حسن کے درجہ تک پہنچ چکا ہے ارادی ترک ترتیب پر محمول کیا جائے یعنی ابن عباس کے قول کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ جس نے قصد مناسک کی ترتیب توڑ دی اور تقدیم و تاخیر کر دی تو اس پر قربانی واجب ہے اور امام شافعیؒ نے جو حدیث نقل کی ہے اس کو نسیان یا نادانانہ اقیثت پر محمول کیا جائے یعنی اس حدیث سے یہ سمجھا جائے کہ بھول کر یا نادانانہ اقیثت کی وجہ سے کسی نے مناسک میں تقدیم و تاخیر کر لی ہو تو کوئی ہرج نہیں، اس پر قربانی واجب نہیں، جیسے امام ابو حنیفہ کے نزدیک فوت شدہ نمازوں کو ترتیب وار ادا کرنا واجب ہے لیکن اگر بھول گیا تو ترتیب فوائت کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے یا جس طرح روزے میں کھانا پینا ترک کرنا ضروری ہے لیکن بھول کر کھالیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے تکبیرات تشریق واجب ہیں لیکن نسیان کی صورت میں ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: سر منڈوانا، احرام کے واجبات میں سے ہے۔ حج کارکن نہیں ہے۔ امام ابو یوسف امام احمد اور بعض مہکیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے ایک امر مباح ہے۔ ایک کمزور روایت میں امام شافعیؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے، ہمدی دلیل یہی آیت ہے۔ اس میں تفت دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تفت سے مراد سر منڈوانا ہے اور امر (حقیقتاً) وجوب کے لئے ہوتا ہے، لہذا سر منڈوانا واجب ہو گیا یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب حلق راس کارکن حج ہونا امر وجوبی قطعی سے ثابت ہے تو پھر حلق فرض کیا جائے، واجب کیوں قرار دیا گیا (واجب کا ثبوت تو دلیل ظنی سے ہوتا ہے) یہ شبہ غلط ہے کیونکہ آیت اگرچہ قطعی ہے ناقابل شک لیکن تفسیری مطلب قطعی نہیں سے ظنی ہے۔ موجب یقین نہیں ہے اس لئے حلق راس کارکن حج ہونا وجوب کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا۔ شافعیؒ نے حلق راس کو رکن حج اس وجہ سے بھی قرار دیا ہے کہ حلق راس سے احرام کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور احرام رکن حج ہے پس جس چیز سے احرام ختم ہو گیا اس کا بھی رکن حج ہونا ضروری ہے جیسے لفظ سلام شافعی کے نزدیک رکن صلوٰۃ ہے کیونکہ نماز کارکن لفظ سلام کی وجہ سے جاتا رہتا ہے، نماز ختم ہو جاتی ہے اس لئے لفظ سلام بھی رکن صلوٰۃ قرار پایا۔ ہمارے نزدیک احرام حج کی شرط (خارجی) ہو یا رکن (داخلی) کسی صورت میں بھی اس عمل کا جس سے احرام جاتا رہتا ہے نہ رکن ہونا ضروری ہے نہ شرط ہونا۔ اور ہمارے نزدیک لفظ سلام بھی نماز کارکن نہیں ہے اس کے علاوہ احرام کو سلام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سلام کو تحریمہ صلوٰۃ کی انتہا قرار دیا ہے، فرمایا ہے (تحریم صلوٰۃ تکبیر ہے اور) تحلیل صلوٰۃ سلام ہے (یعنی تکبیر سے نماز شروع ہو جاتی ہے نماز میں داخلہ ہو جاتا ہے اور لفظ سلام سے نماز مکمل جاتی ہے۔ بندش صلوٰۃ ختم ہو جاتی ہے) پس اگر لفظ سلام کے بغیر کوئی ایسا فعل (یا قول) کیا جو نماز کے خلاف سے تو اس سے نماز کا تحریمہ ختم ہو جائے گا۔ خواہ تحریمہ کو نماز کارکن کہا جائے یا شرط۔ بہر حال تحریمہ جاتا رہے گا۔ لیکن احرام حج کی یہ حالت نہیں ہے، امور ممنوعہ کرنے سے احرام حج باطل نہیں ہو جاتا، دیکھو عرفات میں قیام سے پہلے اگر کسی نے جماع کر لیا تو حج جاتا رہے گا۔ آئندہ حج کی قضا واجب ہوگی ایسا نہیں کہ احرام باطل ہو جائے اور حج قائم رہے اور آخر تک حج کو پورا کرنا لازم ہو۔

مسئلہ: حلق راس کا ابتدائی وقت کون سے اور انتہائی کون سا۔ قربانی کے دن فجر صادق سے اکثر کے علماء کے نزدیک اور آدھی رات کے بعد سے بعض علماء کے نزدیک حلق راس کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت عروہ بن مفرس کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمدے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز مزدلفہ میں پڑھی اور اس سے پہلے رات

کو یاد دل کو عرفات میں بھی وہ قیام کر چکا۔ اس کا حج پورا ہو گیا اور اس نے اپنا تقصیر دور کر دیا (یعنی سر منڈوا دیا) اور وہ اصحاب السنن، الاربعینہ۔ حاکم نے کہا یہ روایت تمام اہل حدیث کی شرائط کے مطابق ہے لیکن بخاری و مسلم نے اس کو نہیں بیان کیا یہ روایت اصول شیخین کے خلاف ہے۔ عروہ بن مفرس سے صرف شعبی نے روایت کی ہے ہم نے ابن مفرس کے بجائے عروہ بن زبیر پایا ہے اور عروہ بن زبیر سے حدیث مروی ہے۔

امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بلکہ اکثر علماء کے نزدیک سر منڈانے کے وقت کی کوئی آخری حد نہیں ہے۔ ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حلق کے لئے کیا داخل حرم ہونا شرط ہے یعنی سر منڈانے کا مقام حرم ہی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام زفر حرم کو حلق کا مقام ضروری نہیں قرار دیتے۔ کوئی شرط نہیں کہ حرم کے اندر ہی سر منڈایا جائے، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا سر منڈانے کے دو پہلو ہیں ایک رخ تو یہ ہے کہ حلق راس احرام کھول دینے کا ذریعہ ہے، دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ مناسک حج میں داخل ہے حج کے ارکان واجبہ میں سے ایک رکن ہے اول لحاظ سے تو اس کی خصوصیت کسی مقام اور جگہ سے نہیں ہے اور دوسرے اعتبار سے اس کے لئے دن بھی مقرر ہے، یعنی قربانی کا دن اور مقام کی بھی تعیین ہے یعنی حرم یہ ایک عبادت ہے جس کے اندر قیاس کو دخل نہیں، اس لئے اس کی عبادتی خصوصیات وہی ہوں گی جو شارع کی طرف سے مقرر کر دی گئی ہیں، یعنی زمان (یوم النحر) اور مکان (حرم) اول لحاظ سے اس میں رائے اور قیاس کو دخل ہے کیونکہ محلل (احرام کھولنے کا ذریعہ) کو ہی ہو گا جو مقررہ وقت و مقام کے علاوہ اگر کیا جائے تو جنایت اور جرم قرار پائے (جس کی تلافی کفارہ سے کی جانی چاہئے) اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر وقت مقررہ کے بعد حلق کیا یا حرم سے باہر کیا تو احرام سے پیشک آزاد ہو جائے گا۔ مگر غیر شرعی طریقے سے کرنے کی وجہ سے اس کی عبادتی حیثیت فوت ہو جائے گی اور (بطور کفارہ) قربانی کرنی ہوگی۔

امام ابو یوسف نے حدیث کے اس فقرہ سے استدلال کیا ہے کہ جب ایک شخص نے قربانی سے پہلے سر منڈا دیا (اب) قربانی کر لے کوئی ہرج نہیں۔

ہم کہتے ہیں قربانی کا دن تو موجود ہی تھا حلق راس کا وقت باقی تھا۔ ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ تاوقت یا نسیان کی وجہ سے ترتیب قائم نہیں رہی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کوئی ہرج نہیں (اب) ذبح کر لے۔

اب یہی یہ بات کہ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے حلق کر دیا تھا اس کے متعلق امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی حیثیت عبادتی نہیں تھی بلکہ قطعی واپسی کی ایک نشانی تھی (کہ اب واپس جانا ہی ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص پر حلق واجب نہیں جس کو راستے میں کسی مجبوری کی وجہ سے رک جانا پڑا ہو اور حج کرنا ممکن نہ ہوا ہو۔

میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جہر جابر کی وجہ سے راستے میں ہی روک دیا گیا ہو وہ معذور ہے دوسرے کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا دیکھو باجماع علماء ایسے ممنوع الحج شخص کے لئے تو وقت سے پہلے سر منڈا دینا جائز ہے دوسرے کے لئے تو اس کا جواز نہیں ہے یہی صورت غیر مقام کی بھی ہے ممنوع الحج معذور ہے جہاں پائے حلق کرادے، دوسروں کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ہم نے جو حلق کے لئے حرم کی شرط لگائی ہے اس کا ثبوت آیت **ثُمَّ مَجَلَّهَا إِلَى النَّبِيِّ الْعَتِيقِ** سے ملتا ہے اس کی تفسیر عنقریب آئے گی، دوسری آیت ہے **لَتَذَخُلْنَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَبْنَيْنِ مُحَلِّقَيْنِ رُوْمُنَّكُمْ وَمَشْتَرَيْنِ** اس آیت میں سر منڈوانے اور بال کتروانے کو دخول مسجد کے خواص میں سے قرار دیا ہے۔

سلف کا ہمیشہ سے طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ حرم کے اندر حلق کراتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا اور حضور کے بعد سب صحابہ اور تابعین وغیر ہم کا یہی طریقہ رہا کہ حج کی صورت میں منیٰ میں اور عمرہ کی صورت میں مروہ کے قریب حلق کراتے رہے اور مناورہ دونوں حرم کے اندر ہیں۔

مسئلہ: حلق یا قصر کی واجب مقدار کتنی ہے یہ مسئلہ آئمہ کے اندر مختلف فیہا ہے۔

امام ابو حنیفہ ایک چوتھائی سر کا منڈوانا یا بال کتروانا کافی سمجھتے ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک ایک بال یا تین بالوں کا منڈوانا یا کتروانا کافی ہے۔

امام مالک اور امام احمد پورا سر منڈوانا پورے سر کے بال کتروانا ضروری قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی نے فرمایا، قضاء آنتھ (یعنی حلق وغیرہ) ازروئے آیت واجب ہے اور باتفاق علماء کامل طور پر قضاء تفت ضروری نہیں کیونکہ قصر کی اجازت ہے اور قصر سے مکمل طور پر میل کچیل (تفت) کا ازالہ نہیں ہوتا، کسی قدر ہو جاتا ہے اور کسی قدر ازالہ تفت (کی کوئی حد نہیں یہ) ایک یا تین بالوں کے منڈوانے یا کتروانے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں ایک یا تین بالوں کے منڈوانے یا کتروانے کو کوئی عرب سر منڈوانا یا کتروانا نہیں کہتا نہ اس کو قضاء تفت کہتے ہیں شرعاً کم اس کی کوئی حد مقرر ہونی چاہئے اور چوتھائی سر کو کل سر کا قائم مقام وضو کے اندر مانا گیا ہے چوتھائی سر کا مسح کل سر کے مسح کی جگہ کافی قرار دیا گیا ہے اور باقی اعضاء کو کامل طور پر وضو ضروری قرار دیا ہے سورۃ مائدہ کے اندر آیت وضو کی تفسیر کے ذیل میں اسکی تحقیق کردی گئی ہے اس لئے یہاں بھی ایک چوتھائی سر منڈوانا یا کتروانا کافی ہے۔ امام مالک اور امام احمد نے وضو کے اندر چوتھائی سر کے مسح کو کافی نہیں قرار دیا اس لئے یہاں بھی ان کے نزدیک پورا سر منڈوانا یا کتروانا واجب ہے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد تمام صحابہ کا یہی عمل رہا کہ پورا سر منڈواتے تھے یا سب بال کترواتے تھے۔

مسئلہ: باتفاق علماء حلق قصر سے افضل ہے حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر (بھی) حضور نے پھر فرمایا اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر (بھی) حضور نے تیسری بار دعا کی اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر (بھی اس وقت) حضور ﷺ نے فرمایا اور کتروانے والوں پر (بھی)۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے چوتھی مرتبہ میں فرمایا تھا اور کتروانے والوں پر بھی۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے۔ صحیحین میں دونوں حدیثیں مذکور ہیں۔

اور ان کو چاہئے کہ اپنی مانی ہوئی نذر میں پوری کریں، بعض اہل تفسیر نے کہا کہ نذر **وَلْيُؤْفَوْنَا نَدْرَهُمْ** پوری کرنے سے مراد ہے تمام واجبات کو ادا کرنا خواہ نذر مانی ہو یا نہ مانی ہو (یعنی اللہ کی طرف سے کوئی بات واجب ہو یا بندہ نے خود اپنے اوپر واجب کر لی ہو کہ میں یہ کام ضرور کروں گا) جمہور کے نزدیک ایفاء نذر سے ان امور کی ادائیگی مراد ہے جو اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہوئی ہو یا بندہ نے خود اپنے ذمہ واجب کر لی ہو، نذر دو طرح کی ہوتی ہے (۱) مسنجز (غیر مشروط) مثلاً کوئی یہ عہد باندہ لے کہ میں اللہ کے لئے دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ (۲) مشروط یا معلق مثلاً اگر میرا یہ کام ہو جائے گا تو میں ایک روزہ رکھوں گا۔ شرط دو طرح کی ہوتی ہے (۱) پسندیدہ (۲) ناپسندیدہ۔ اگر اللہ نے میرے بیمار کو شفا دیدی تو میں چار روزے رکھوں گا۔ یہ پسندیدہ شرط ہے۔ اس کو نذر تردد کہتے ہیں اگر میں نے زید سے بات کی تو ایک ماہ کے روزے رکھنا مجھ پر لازم ہیں۔ یہ ناپسندیدہ شرط ہے ایسی نذر کو نذر لجاج کہتے ہیں۔

نذر نام ہے ایسی بات کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا جو اللہ کی طرف سے واجب نہ کی گئی ہو (یعنی ایجاب مالم یجب شرعاً) تو اگر کسی نے ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لیا جو پہلے سے شرعاً واجب ہے تو یہ نذر نہ ہوگی بلکہ محض خبری جملہ ہوگا جیسے اگر کسی نے کہا اگر اللہ میرے بیمار کو شفا دیدے گا تو رمضان بھر روزے رکھوں گا یا ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ ظاہر ہے کہ رمضان کے روزے اور ظہر کی نماز پہلے ہی اللہ کی طرف سے لازم ہے ایسے کلام کو نذر نہیں کہیں گے اور نہ نذر کا حکم اس پر مرتب ہوگا اور اس صورت میں اگر کسی نے واجب شرعی کے اوصاف یا مقدار میں کچھ تغیر کیا ہوگا تو وہ تغیر وضعی یا تبدیلی مقداری ناقابل اعتبار ہوگی۔ مثلاً اگر کسی نے کہا میرے بیمار کو اللہ شفا عطا فرمادے گا تو میں اپنے مال کی زکوٰۃ پانچ فیصد کے حساب سے دوں گا یا فرض ظہر

کی چھ رکعت پڑھوں گایا ہر نماز کو تازہ وضو سے پڑھا کروں گایا ہر نماز جماعت سے پڑھا کروں گا، ان تمام صورتوں میں قرآن شریف اصلی شرعی صورت و مقدار کے ساتھ قائم رہیں گے الفاظ نذر کا اعتبار نہ ہو گا نہ وصف بدلے گا نہ مقدار میں بیشی ہوگی زکوٰۃ کی فرضیت ڈھائی فیصد ہی رہے گی اور ظہر کے فرض چار ہی رہیں گے اور نماز بغیر تازہ وضو کے جائز ہوگی اور جماعت کا جو درجہ پہلے تھا وہی الفاظ نذر کے بعد ٹہنی رہے گا کیونکہ اللہ نے ظہر کی نماز کے چار فرض مقرر کئے ہیں اور ہر نماز با وضو ہو (خواہ تازہ وضو نہ ہو) اور بغیر جماعت کے منفرد کی نماز کو کافی قرار دیا ہے اب اگر بغیر قیود کے ان احکام کی شرعی ادائیگی کو کافی نہ مانا جائے گا تو اللہ کے حکم کو منسوخ کر دینا لازم آئے گا اور اصلی شرعی صورت میں کافی سمجھا جائے گا تو اس تبدیل و تغیر کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ایسی نذر مشروط کے بعد اگر نذر کی وفادگی کی گئی ہو کسی اور طرح سے اس کی ادائیگی ہونی چاہئے یعنی کفارہ ادا کرنا چاہئے اور چونکہ یہ چیزیں مستقل نہیں ہیں اس لئے ان کا کفارہ بادائے مثل معقول ہو نہیں سکتا اور بادائے مثل غیر معقول (مثلاً قربانی کرنا) ہو تو مثل غیر معقول کی تعیین شریعت کی طرف سے ہونی چاہئے اور شرعاً ایسی صورت میں مثل غیر معقول کی کوئی تعیین نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں علماء کے اس قول کے کہ وجوب ایفاء نذر کی شرط یہ ہے کہ وہ طاعت مقصودہ ہو اور بجائے خود اس کی حیثیت مستقل ہو۔

اگر کسی نے پیدل حج کر نیکی نذر مانی اور سوار ہو کر گیا تو (بطور کفارہ) قربانی کرنا مشروع ہے شریعت میں بطور کفارہ قربانی کرنا متعارف ہے۔

بیان مذکورہ بالا پر ایک اشکال بہر حال قائم رہتا ہے جو لائنچل ہے کہ پانچ فیصد زکوٰۃ ادا کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں ڈھائی فیصد ادا کرنے سے نذر باقی نہیں رہتی جب کہ اللہ کی واجب کردہ زکوٰۃ کا پانچ فیصد ادا کرنے سے لازم نہیں آتا بلکہ قدر زائد کا الگ وجوب ہو جاتا ہے ڈھائی فیصد حسب قانون شرع اور ڈھائی فیصد بطور ایفاء نذر۔ واللہ اعلم۔

جو امر شرعاً اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہے (اور نذر کی وجہ سے اپنے اوپر واجب کیا گیا ہے) اس کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ امر طاعت ہو (۲) وہ امر گناہ ہو۔ (۳) وہ امر مباح ہو۔ نہ اس میں طاعت کا معنی ہونہ معصیت کا۔ اول الذکر کا ایفاء با اتفاق علماء واجب ہے اور اسی آیت کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے۔

آیت سے ایفاء نذر کا جو حکم مستفاد ہو رہا ہے وہ فرض قطعی ہے یا واجب ظنی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ عام مخصوص البعض ظنی ہوتا ہے (یعنی مفید ظن ہوتا ہے فرض نہیں ہوتا اور) یہ آیت عام ہے ہر طرح کی نذر کے ایفاء کا حکم دیا گیا ہے لیکن نذر معصیت کا ایفاء با اتفاق علماء جائز نہیں (معلوم ہوا کہ یہ آیت مخصوص البعض ہے) اور آیت مخصوص البعض ظنی ہو جاتی ہے (بہذا ایفاء نذر ازروئے آیت واجب ہے فرض نہیں ہے) بعض علماء نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے مسلمہ کی بنا پر بھی ایفاء نذر کا مفہوم قطعی ہے کیونکہ آیت اگرچہ مخصوص البعض ہے جو مفید وجوب ہے لیکن اس مخصوص البعض حکم کے فرض ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ انعقاد اجماع کی وجہ سے جو حکم ایفاء نذر (ازروئے آیت واجب) تھا قطعی اور فرض ہو گیا۔ نذر طاعت اگر مجز ہو اور اس کو پورا کرنا استطاعت میں ہو تو اس کو پورا کرنا فرض ہے۔ ایفاء نذر کو ترک کر کے کفارہ ادا کرنا با اتفاق ناجائز ہے۔ بعض کے نزدیک ترک ایفا کی صورت میں کفارہ قسم ادا کیا جاسکتا ہے اور اگر نذر مشروط ہو اور شرط موجود ہو جائے تو امام مالک امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کے نزدیک اس کا حکم بھی نذر مجز کی طرح ہے گویا نذر مشروط کا معنی یہ ہو جائے گا کہ وجود شرط کے وقت میں اللہ کے لئے ایسا کام کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اپنی وفات سے سات روز پہلے امام ابو حنیفہ نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور فرمایا تھا نذر مشروط کی صورت میں صاحب نذر کو اختیار ہے ایفاء نذر کرے یا کفارہ قسم کے برابر کفارہ ادا کرے۔ امام محمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر کسی نے نذر مانی کہ میرے بھائی کو اللہ شفاء دے دے گا تو شکرانے میں ایک حج کروں گا۔ یا ایک سال کے روزے

رکھوں گا تو اس کو اختیار ہے حج کرے یا کفارہ ادا کرے اور روزوں کی نذر کی صورت میں اگر نادر ہے (کفارہ مالی ادا نہیں کر سکتا) تو وہ سال بھر کے روزے رکھے یا صرف تین روزے رکھے لے (کیونکہ نادر کے لئے قسم کا کفارہ تین روزے ہیں)

اول قول امام ابو حنیفہ کا ظاہر مذہب ہے (جو امام محمد کی چھ کتابوں میں سے کسی کتاب میں منقول ہے) اور دوسرا قول جس میں کفارہ قسم کے برابر کفارہ ادا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے نواد میں آیا ہے (امام محمد کی چھ کتابوں کے علاوہ کسی اور کتاب میں منقول ہے) اول قول کی وجہ تو یہی آیت ہے اور اس کی تائید مختلف احادیث سے بھی ہوتی ہے اور نوادروالے قول کا اثبات مسلم کی حدیث سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت عقبہ بن عامر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے نذر ساقط ہو جاتی ہے اس حدیث کا دوسری احادیث سے تعارض ہو رہا ہے دونوں میں توافق پیدا کرنے کے لئے ہم کہتے ہیں کہ بعینہ نذر کو پورا کرنا (اور کفارہ نہ ہونا) نذر مجز کے لئے لازم ہے اور کفارہ کا تعلق نذر معلق (مشروط) سے ہے۔ دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ نذر مشروط فی الحال تو نذر ہوتی نہیں جب تک شرط کا تحقق نہ ہو نذر معدوم رہے گی قسم کی بھی یہی صورت ہوتی ہے جب تک قسم نہ توڑے کفارہ واجب نہیں ہوتا قسم توڑنے کے بغیر قسم کے کفارہ کا حکم معدوم ہوتا ہے اور نذر مجز کا وجود فی الحال ہوتا ہے اس لئے اس کو پورا کرنا (اور کفارہ سے اس کا ساقط نہ ہونا) تو لازم ہی ہو جاتا ہے۔

صاحب ہدایہ اور دوسرے کا بر حنیفہ کے نزدیک (وفاء نذر اور کفارہ کا) اختیار نذر لجاج میں ہوگا کیونکہ نذر لجاج کرنے والا حقیقت میں وجود شرط کا خواستگار ہی نہیں ہوتا اس لئے وجوب نذر کا اس کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ انسان نہیں چاہتا کہ ہمیشہ اس پر عبادتیں واجب رہیں اگرچہ وہ عبادتیں موجب ثواب ہی ہوں اس کو ڈر رہتا ہے کہ کہیں ترک عبادت کسی وقت ہو جائے جو اس کو مستحق عذاب بنا دے اسی وجہ سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ نذر بھلائی (کامیابی شفاء واپسی مسافر وغیرہ) کی موجب نہیں ہوتی۔ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ کسی دشوار عبادت کی نذر مانی ہو جیسے حج یا سال بھر کے روزے۔

رہا نذر۔ تردد کا حکم تو اس کا حکم نذر مجز کی طرح ہے جس بات کی نذر مانی ہے اسی کو کرنا ہوگا (کفارہ ادا کرنے سے یہ نذر پوری نہیں ہوتی) کیونکہ جب وجود شرط کا ارادہ کر لیا تو لا محالہ وجود نذر کا خواستگار ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نذر مجز اور نذر تردد کو بعینہ پورا کرنا ضروری ہے اور نذر لجاج میں اصل نذر کو پورا کرے یا کفارہ ادا کرے دونوں کا اختیار ہے۔ امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے صاحب ہدایہ نے یہ ساری تفصیل بیان کی ہے امام شافعی کا بھی ظاہر ترین قول یہی ہے لیکن شافعی کے دو قول اور بھی بعض روایات میں آئے ہیں، ایک یہ کہ نذر لجاج میں کفارہ ہی دینا لازم ہے دوسری روایت یہ کہ بعینہ ایفاء نذر لازم ہے (کفارہ سے نذر نہیں ساقط ہوگی)۔

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کے نزدیک نذر سے کسی مندور بات کا وجوب اس وقت ہوگا جب مندور اس جنس کی چیز ہو جو اللہ نے واجب کی ہے (مثلاً حج کی نذر نماز پڑھنے کی نذر راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی نذر کی، بعینہ یا بکفارہ ادا کی واجب ہوگی کیونکہ اللہ نے حج نماز اور صدقات کو واجب کیا ہے لیکن مریض کی عیادت جنازہ کے ساتھ چلنا اور اسی طرح کی دوسری باتیں ایسی ہیں جن کی ہم جنس کوئی چیز اللہ نے واجب نہیں کی لہذا نذر سے ان باتوں کا وجوب نہیں ہوتا۔) منہاج میں امام شافعی کا مسلک اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر قسم کی طاعت کا نذر سے وجوب ہو جاتا ہے خواہ وہ طاعت ان طاعتوں کی ہم جنس نہ ہو جو اللہ نے واجب کی ہیں جیسے مریض کی عیادت، تشییع جنازہ اور سلام (ابتدائی)

امام ابو حنیفہ کے قول پر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ نذر اعتکاف کی صورت میں باتفاق علماء اعتکاف کرنا واجب ہو جاتا ہے حالانکہ جو واجبات البیہ ہیں ان میں سے کسی کا اعتکاف نہیں ہے اگر کہا جائے کہ روزہ اعتکاف کی ضروری شرط ہے (اور روزہ رمضان اللہ کی طرف سے واجب کر دیا گیا ہے اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے روزے کا ہم جنس ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ

اعتکاف کرنے کے لئے روزہ کی شرط ناقابل تسلیم ہے (روزہ کے بغیر اعتکاف ہو سکتا ہے اور اگر اعتکاف کے لئے روزے کی شرط مان بھی لی جائے تب بھی اتنا لازم آئے گا کہ اعتکاف کی شرط کا ہم جنس فرائض الہیہ میں موجود ہے اعتکاف کا ہم جنس تو موجود نہیں ہے اس پر بھی اگر ایفاء نذر کو واجب قرار دیا جائے گا تو پھر عبادت مقصود ہو یا نہ ہو بہر حال نذر کی وجہ سے اس کا واجب ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ ہر قربت (عبادت) اسلام و اخلاص کے ساتھ مشروط ہے (کوئی عبادت بغیر اسلام کے نہیں ہوتی۔ خواہ مقصود ہو۔ جیسے اسلام یا غیر مقصود جیسے نماز کے لئے وضو) اور اسلام و اخلاص اللہ کی طرف سے واجب کردہ فرائض ہیں اور اگر اعتکاف بالنذر کے وجوب کو صوم بالنذر کے وجوب کے تابع قرار دیا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ نذر سے اعتکاف کا وجوب اس وقت ہو گا جب اس کے ساتھ نفل روزہ بھی ہو) تو رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر کی ایفاء واجب ہی نہ ہوگا (کیونکہ رمضان میں روزے رکھنے کی اگر نذر مانی تو صوم نذر کا وجوب نہیں ہوتا۔ رمضان کے روزے تو اللہ کی طرف سے واجب کردہ ہی ہیں واجب خداوندی پر واجب بالنذر وارد نہیں ہوتا)

مسئلہ: اگر نذر طاعت کو پورا نہ کر سکا ہو (مثلاً کسی مریض کے تندرست ہو جانے پر ۱۳-۱۳-۱۵ تاریخ کے روزے رکھنے کی نذر مانی ہو اور روزے نہ رکھ سکا ہو) تو بائناق جمہور قضاء نذر واجب ہے (دوسرے ایام میں روزے رکھ لے) لیکن اسی کے ساتھ کیا قسم کا کفارہ بھی واجب ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے سفیان ثوری وجوب کفارہ اور قضاء نذر دونوں کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ نے فرمایا، اگر قسم کی نیت نہ کی اور نذر کا صیغہ زبان سے ادا کیا خواہ نذر کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بہر حال قضاء نذر واجب ہے کفارہ قسم واجب نہیں ہے اور اگر صرف قسم کی نیت کی اور نذر کی نفل کی تو کفارہ واجب ہے، قضاء نذر واجب نہیں اور اگر قسم کی نیت کی اور نذر کی نیت نہ نفل نذر کی۔ نذر کے متعلق کوئی خیال ہی دل میں نہیں آیا یا نذر کی بھی نیت کی تو قضاء نذر اور کفارہ قسم دونوں واجب ہیں۔

امام ابو یوسف نے فرمایا اگر قسم کی نیت کی اور نذر کی نیت نہیں کی تو اس صورت میں صرف کفارہ قسم واجب ہے قضا واجب نہیں کیونکہ صیغہ نذر کا مجازی معنی اس نے مراد لیا ہے اور قسم کی نیت کی ہے اور اگر نذر کی نیت کی قسم کی نیت نہیں کی، تو قضا واجب ہے کفارہ واجب نہیں حقیقی معنی متعین ہے اور اگر دونوں کی نیت کی تب بھی قضا ہی لازم ہوگی کفارہ نہ ہوگا کیونکہ حقیقت کو مجاز پر ترجیح ہے اور حقیقت و مجاز دونوں کا بیک وقت اجتماع ہو نہیں سکتا۔

سفیان ثوری نے اپنے قول کے ثبوت کے لئے فرمایا کہ نذر کا صیغہ محتاج نیت نہیں اگر نذر کے صیغہ کو بول کر نذر کی نیت نہ بھی کی ہو تب بھی نذر کی نیت نہیں ہو سکتی کیونکہ نذر انشاء ہے اور انشاء کا صیغہ استعمال کرنے کے بعد حقیقی معنی کی نیت نہیں ہو سکتی نذر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے نکاح طلاق رجعت اور غلام کی آزادی۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے تین چیزیں جن کی سنجیدگی بھی واقعیت ہے اور مزاحیہ کہہ دینا بھی واقعیت (پر محمول کیا جاتا) ہے نکاح، طلاق، رجعت (مزاحیہ ایجاب و قبول، مزاحیہ طلاق اور مزاحیہ رجعت واقع ہو جاتی ہے اس میں مزاح کا عنصر قابل قبول نہیں) آخر جہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ۔ مصنف میں عبدالرزاق نے حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس نے مذاق میں طلاق دی اس کی طلاق نافذ ہے اور جس نے مذاق میں باندی غلام کو آزاد کر دیا اس کی آزادی نافذ ہے۔ ابن عدی نے انکامل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن کا کھیل نہیں ہے (یعنی بطور دل لگی بھی ایسا کیا جائے تو حقیقت کا وقوع ہو جاتا ہے) جس نے کھیل کے طور پر اگر ان میں سے کوئی بات کہہ دی تو پڑ جائے گی۔ طلاق غلام کی آزادی اور نکاح۔

عبدالرزاق نے موقوفاً حضرت عمر و حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ تین چیزیں ہیں جن میں کوئی کھیل نہیں۔ نکاح اور طلاق اور باندی غلام کی آزادی۔ ایک روایت میں چار چیزوں کا لفظ آیا ہے اور چوتھا لفظ نذر کا ہے۔

اور نذر کا مقتضی قسم ہے (یعنی نذر اپنی معنویت کے لحاظ سے قسم ہی ہے) کیونکہ جو چیز (شرعاً) واجب نہیں اس کو اپنے

اور واجب بنالینے کا معنی ہی یہ ہے کہ جو چیز (شرعاً) حرام نہ تھی اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا اور غیر حرام کو حرام بنا لینا قسم ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحْرِمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ... قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ** اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ نذر کا قسم ہونا بھی نیت کا محتاج نہیں ہے (خود نذر کے اندر قسم کا معنی موجود ہے) اور نیت نہ ہو تب بھی قسم کی نفی نہیں ہوتی اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اپنے والدین یا اولاد کو خرید لیا پس خریدتے ہی وہ آزاد ہو جائیں گے۔ خواہ آزاد کرنے کی نیت نہ کی ہو یا آزاد نہ کرنے کی نیت کی ہو (دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں پڑتا)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ غیر حرام کو حرام بنا لینا ہر جگہ قسم نہیں ہے دیکھو طلاق کے بعد بیوی، آزاد کرنے کے بعد باندی اور فروخت کر دینے کے بعد فروخت کردہ چیز حرام ہو جاتی ہے (جو پہلے حرام نہ تھی ان افعال سے اس کو حرام بنا لیا جاتا ہے) حالانکہ یہ تحریم قسم نہیں ہے ہاں اگر تحریم میں قصد اقسام کی نیت کی ہو تو غیر حرام کو حرام بنا تا قسم ہو جاتا ہے جیسے ماریہ اور شہد کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے حرام بنا لیا تھا اور اس سے قسم کی نیت کی تھی۔ (جس کا ذکر قرآن کی مذکورہ آیت میں ہے) اس آیت میں تحریم ارادی ہے، تحریم التزامی نہیں۔ پس جب تک قسم کی نیت نہ ہو گی نذر ہو گی۔ نذر کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ یہی حقیقی معنی ہے (اور حقیقی معنی پر دلالت نیت کی محتاج نہیں ہوتی) اور جب قسم کی نیت کی ہو اور نذر کی نفی کی ہو تو یہ قسم ہو گی (نذر کا مجازی معنی قسم ہے اور مجازی معنی نیت کا محتاج ہے) اور جب نذر کی نفی نہ ہو خواہ اسکی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور قسم کی نیت کی ہو تو لفظ کے لحاظ سے یہ نذر ہو گی اور مقتضی (مفہوم التزامی) کے اعتبار سے قسم ہو گی۔ واللہ اعلم۔

فصل: نذر معصیت دو طرح کی ہوتی ہے (۱) ایسی نظر جس کا کوئی فرد معصیت سے خالی نہیں ہو سکتا جیسے شراب پینے اور زنا کرنے کی نذر، امام ابو حنیفہ نے ایسی نذر کے متعلق فرمایا اگر اس نذر سے قسم کی نیت ہو تو نذر منعقد ہو جائے گی اور قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہو گا، اگر قسم کی نیت نہ ہو گی تو نذر منعقد نہ ہو گی لہذا کلام قرار دیا جائے گا اور آیت مذکورہ میں یہ مراد بھی نہیں ہے اور باتفاق علماء اس کو پورا کرنے کا حکم بھی اس آیت میں نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ فحشاء اور کھلے گناہ کا حکم نہیں دیتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام احمد نے فرمایا یہ نذر منعقد ہو جائے گی اور (اس صورت میں بھی) کفارہ ادا کرنا ہو گا خواہ قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ابن ہمام نے کہا اکثر مشائخ حنفیہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ اگر نذر کی معصیت کی طرف نسبت کی اور یوں کہا کہ (اگر میرا یہ کام ہو جائے گا) تو میں اللہ کے لئے نذر ماننا ہوں کہ زید کو قتل کر دوں گا۔ تو یہ قسم ہو جائے گی اور اس کو توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ میں کہتا ہوں طحاوی کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ الفاظ کے حقیقی معنی مراد لینا جب ناممکن ہے تو لا محالہ مجازی معنی ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ معصیت میں نذر نہیں اور نذر معصیت کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے، امام صاحب کے نزدیک اس حدیث میں قسم کے جس کفارہ کا ذکر ہے اس سے مراد قسم کا وہ کفارہ ہے جو نیت قسم کے بعد عائد ہوتا ہے (یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نذر معصیت تو جائز نہیں۔ نذر معصیت میں اگر قسم کی نیت کر لی ہو تو کفارہ قسم لازم ہے)

(۲) نذر معصیت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے وہ ہے تو گناہ لیکن اسی نذر کی بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جو معصیت سے پاک اور خالص طاعت ہیں۔ مثلاً کسی نے عید الفطر کے دن کے روزہ کی نذر مانی یا طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی منت مانی امام ابو حنیفہ کے نزدیک نذر کا انعقاد ہو جائے گا اور عید کے دن روزہ نہ رکھنا اور پھر کسی دن اس کے عوض روزہ رکھنا واجب ہے، کفارہ کا وجوب نہیں ہے اور۔ (اگر عید کے دن) اس نے روزہ رکھ لیا تو نذر پوری ہو جائے گی (عید کے دن روزہ رکھنے کا گناہ بجائے خود اس پر ہو گا نذر کا اس سے کوئی تعلق نہیں نذر کا ایفاء ہو جائے گا) اور نذر کی نفی کردی اور قسم کی نیت کی تو کفارہ قسم لازم ہے اور اگر نذر کی نفی نہیں کی (اور نیت بھی نہیں کی صرف قسم کی نیت کی) تو قضاء نذر بھی ضروری ہے اور کفارہ قسم بھی۔ جیسا نذر طاعت میں ہوتا ہے۔

امام احمد نے فرمایا عید کے دن روزہ توڑ دینا اور دوسرے کسی دن اس کی قضاء کرنا اور قسم کا کفارہ دینا لازم ہے اگر روزہ رکھ لے گا تو کافی نہ ہوگا۔ دوسری روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ اگر عید کے دن روزہ رکھ لے گا تو نذر پوری ہو جائے گی، امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نذر معصیت نذر دو کا انعقاد ہی نہیں ہوتا جس طرح نذر معصیت نذر ایک کا انعقاد نہیں ہوتا، دونوں میں کوئی فرق نہیں وہ بھی معصیت یہ بھی معصیت بندے کے خود ساختہ ایجاب سے معصیت واجب نہیں ہو جاتی۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ معصیت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ذاتی و فی نفسہ جیسے شراب کا پینا جو ہر وقت حرام ہے اس کی معصیت ذاتی ہے (اور اضافی ہے) (معصیت لغیرہ جو فی نفسہ معصیت نہیں بلکہ کسی دوسری وجہ سے حلال چیز حرام اور طاعت معصیت بن گئی ہے) جیسے روزہ جو بجائے خود ممنوع نہیں طاعت ہے لیکن عید کے دن کی وجہ سے اس میں معصیت پیدا ہو گئی (اصل کے لحاظ سے) نذر تو منعقد ہو جائے گی لیکن روزہ نہ رکھنا واجب ہے تاکہ اضافی معصیت سے اجتناب ہو جائے اور پھر اس کی قضاء کر لی جائے تاکہ واجب ساقط ہو جائے۔ اب کسی نے عید کے دن ہی روزہ رکھ لیا تو جس بات کا ذمہ لیا تھا وہ تو پوری ہو گئی۔ آئمہ کا یہ اختلاف اصولی اختلاف پر مبنی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر افعال شرعیہ (مشروعہ) سے منع کر دیا گیا ہو تو ان افعال میں نذر اضافی ہوتا ہے بجائے خود ان کے اندر مشروعیت ہوتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک افعال شرعیہ سے ممانعت کر دی گئی ہو تو اس سے ان افعال میں نذر ذاتی اور فی نفسہ غیر مشروعیت ہو جاتی ہے۔

امام احمد نے فرمایا نذر صوم کا انعقاد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ صوم طاعت ہے۔ معصیت کے لحاظ سے انعقاد نہیں ہوتا اس لئے کامل صوم ہو تو اوائل نذر ہوگی، عید کے دن روزہ رکھ لیا تو اوائل نذر نہ ہوگی۔ (کیونکہ یہ صوم کامل نہیں) اور شریعت میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ بعض افعال واجب ہوتے ہیں اور اصل وقت میں ان کو ادا کرنا حرام ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں بطور قضاء ان کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے جیسے حائضہ پر رمضان کے روزے واجب ہوتے ہیں اور رمضان میں اگر وہ رکھ لے گی تو ادا نہ ہوں گے بلکہ دوسرے ایام میں ان کی قضا لازم ہوگی۔

(۳) اگر امر مباح کو ترک کرنے کی نذر مانی تو ایسی نذر لغو ہے انعقاد نذر نہ ہوگا ہاں اگر قسم کی نیت کر لے گا تو قسم شکنی پر کفارہ قسم دینا ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا نذر تو بہر حال نہ ہوگی ہاں قسم کا حکم ضرور عائد ہو جائے گا قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور قسم شکنی کی صورت میں کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا امام شافعی کا قول راجح یہی ہے کذا فی المنہاج۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے کہ جب حقیقی معنی مراد نہیں ہو سکتے تو مجازی معنی کی طرف رجوع کیا جائے گا یعنی قسم مراد ہو کیونکہ جو چیز واجب نہیں اس کو واجب قرار دینا تحریم مباح ہے (اور تحریم مباح قسم ہے) میں کہتا ہوں یہ دلیل وہی پیش کر سکتا ہے جو تحریم مباح کو قسم کہتا ہے۔

توضیح اقوال مذکورہ کے لئے چند احادیث کا بیان

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو وہ طاعت بجالائے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کی نذر مانی ہو وہ نافرمانی نہ کرے (بخاری) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نذر صرف وہ ہے جس میں اللہ کی رضامندی مطلوب ہو۔ اس حدیث کا ورد اس شخص کے سلسلہ میں ہوا جس نے دھوپ میں کھڑے رہنے کی نذر مانی تھی۔ رواہ احمد۔ یہی نے ایک اور قصہ کے سلسلہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابو داؤد نے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے ان احادیث کا عموم بتلا ہے کہ نذر طاعت بہر حال منعقد ہو جاتی ہے خواہ وہ طاعت ایسی ہو کہ اس جیسی طاعت اللہ نے واجب کی ہو، (جیسے نماز روزہ وغیرہ) یا اس جیسی طاعت اللہ نے واجب نہ کی ہو (جیسے عیادت مریض) حضرت عمر بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر معصیت کو پورا کرنا (جائز) نہیں نہ اس نذر کو پورا کرنا ہے جس کا آدمی مالک نہ ہو (مثلاً زید نے نذر مانی کہ عمر کے غلام کو میں آزاد کر دوں گا رواہ مسلم۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کا آدمی مالک نہ ہو اس کی نذر نہیں۔ اسی حدیث کی وجہ سے

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے کہا اگر میں یہ کام کروں تو ایک ہزار درہم میرے مال میں سے خیرات ہیں اور اس کا مال سو درہم سے زائد نہیں تو امام ابو حنیفہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جتنے مال کا وہ اس وقت مالک ہوگا اتنے ہی حصہ میں نذر جاری ہوگی اور جس مال کا مالک نہیں اس کی نذر نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی نذر کی نسبت نہ ملک کی طرف ہوگی نہ سبب ملک کی طرف۔ اور اگر اس نے کسی شخص کی خاص بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بکری کو قربانی کے لئے میں بیت اللہ کو بھیجوں گا تو اس پر نذر لازم نہ ہوگی۔

حضرت عقبہ بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ مسلم طبرانی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے نذر قسم ہے اور نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں بھی عموم ہے (جو ہر نذر کو شامل ہے)

مسئلہ: جس نے نذر مانی اور پوری نہ کر سکا خواہ اس وجہ سے کہ وہ شرعی گناہ کی نذر تھی اس لئے پوری نہ کر سکا یا طبعاً ناقابل ایفاء تھی کہ پوری کر ہی نہیں سکتا تھا جیسے ہمیشہ ہر روز روزہ رکھنے کی نذر یا برداشت تو کر سکتا تھا لیکن اس کا وقت جا تا رہا اور اس کا تدارک ممکن نہ رہا اس وجہ سے کہ وہ مباح التکرک تھی یا اس وجہ سے کہ نذر تو مان لی تھی لیکن کیا نذر مانی تھی اس کی تعیین نہیں کی تھی مثلاً یوں کہا تھا کہ اگر اللہ نے یہ کام میرا کر دیا تو اس کے نام کی نذر دلاؤں گا ان سب صورتوں میں قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے خواہ قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نذر مانی اور جس چیز کی نذر مانی اس کی تعیین نہیں کی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذر مانی اور اس میں معصیت ہے تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ناقابل طاقت نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے اور جس نے نذر طاعت (قابل برداشت) مانی تو وہ اپنی نذر پوری کرے۔ رواہ ابو داؤد ابن ماجہ۔ بعض اہل حدیث نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کا قول قرار دیا ہے۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث کا بیان ہے۔

مسئلہ: جس نے نذر طاعت مانی اور ادا کرنے کی طاقت بھی ہے تو ایسی صورت میں ادا نذر نہ کرنا اور کفارہ ادا کرنے کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں اگر کفارہ دے گا تو ادا نذر کے لئے کافی نہ ہوگا کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا معصیت کی کوئی نذر (جائز) نہیں اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ رواہ النسائی والحاکم والبیہقی امام احمد کا جو مسلک ہے کہ نذر معصیت منعقد ہو جاتی ہے اور اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ادا کرنا واجب ہے۔ حدیث مذکور کے اطلاق سے ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن الزبیر حنظلی ہے جو قوی نہیں ہے ابن زبیر کی روایت میں اہل روایت نے اختلاف کیا ہے عبد الرزاق نے محمد کے باپ زبیر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے حافظ نے لکھا ہے کہ دوسرے طریقے سے بھی یہ حدیث آئی ہے جس کی سند صحیح ہے مگر معلول ہے۔ امام احمد، بیہقی اور اصحاب السنن نے زہری کی روایت سے بحوالہ ابو سلمہ از ابو ہریرہ یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یہ روایت منقطع ہے زہری کی ابو سلمہ سے سماعت ثابت نہیں (بیچ کاراوی منقطع ہے)

ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے سلیمان بن بلال کی روایت سے بحوالہ موسیٰ بن عقبہ و محمد بن عتیق از زہری از سلیمان بن ارقم از یحییٰ بن کثیر از ابو سلمہ از عائشہ یہ حدیث نقل کی ہے۔ نسائی نے لکھا سلیمان بن ارقم متردک الحدیث ہے یحییٰ بن کثیر کے متعدد شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے اور یحییٰ بن کثیر کے حوالہ سے بروایت محمد بن الزبیر حنظلی عن ایسہ عن عمران یہ حدیث نقل کی ہے گویا وہی سند لوٹ آئی جو پہلے گزر چکی۔

حافظ نے لکھا ہے یہ حدیث معمر نے بروایت یحییٰ بن کثیر بیان کی ہے اور یحییٰ نے ابو سلمہ اور بنی حنیفہ میں سے ایک اور آدمی کے حوالہ سے مرسلار رسول اللہ ﷺ کا فرمان قرار دیا ہے۔ بنی حنیفہ کے اس آدمی کا نام حاکم نے محمد بن الزبیر کہا ہے اور یہ

بھی کہا ہے کہ بنی حنیفہ میں سے اس کو قرار دینا پڑھنے کی غلطی ہے یہ تو بنی حنظلہ میں سے تھا۔ ایک اور سند سے حضرت عائشہؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا گیا ہے جس کو دارقطنی، ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے بروایت غالب بن عبد اللہ الجوزی عن عطاء عن عائشہ مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے اوپر نذر معصیت واجب کر لی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ غالب بن عبد اللہ متروک الحدیث ہے۔

ابوداؤد نے ایک اور طریق سے بروایت کریب از ابن عباس بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے اس کی سند اچھی ہے لیکن اس کی سند میں بھی حیحی آتا ہے جو مختلف فیہ ہے۔

نودی نے لکھا ہے حدیث لاندرفی معصیۃ و کفارۃ یمین۔ ضعیف ہے محدثین کا اس پر اتفاق ہے حافظ نے لکھا ہے باتفاق محدثین کننا غلط ہے طحاوی اور ابو علی ابن السکن نے تو اس کو صحیح قرار دیا ہے میں کہتا ہوں سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث پر صحیح ہونے کی نشانی لکھ دی ہے۔

امام ابو حنیفہ جو نذر معصیت میں (جب کہ وہ معصیت ایسی ہو جس کی حرمت ذاتی ہو اضافی نہ ہو) کفارے کو واجب نہیں قرار دیتے (اور کلام کو لغو قرار دیتے ہیں) حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نذریں دو ہوتی ہیں (ایک) نذر طاعت یہ اللہ کے لئے ہوتی ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے (دوسری) نذر معصیت یہ شیطان کے لئے ہوتی ہے اس کا پورا کرنا جائز نہیں۔ صورت استدلال یہ ہے کہ کفارہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب نذر کو پورا کرنا واجب ہو (اور نذر کو پورا نہ کیا ہو) کفارہ سے نذر (پوری نہ کرنے) کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے اور جہاں نذر کو پورا کرنا ہی واجب نہیں تو کفارہ کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ استدلال نص کے مقابلہ میں قیاسی استدلال ہے (جو مقبول نہیں پھر) ہر جگہ اس کا اجراء بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ دیکھو نذر معصیت کو پورا کرنا واجب نہیں تو زڈینا اور اس کے خلاف کرنا واجب ہے اور کفارہ لازم ہے تاکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو اور عظمت قائم رہے۔

حضرت ثابت بن ضحاک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے مقام بواہہ میں اونٹ کی قربانی کی نذرمانی اور خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اطلاع دی حضور ﷺ نے فرمایا کیا جاہلیت کے زمانہ میں وہاں کوئی بت تھا جس کی تو پوجا کرتا تھا صحابہ نے جواب دیا نہیں (وہاں کوئی بت نہیں تھا) فرمایا تو کیا جاہلیت کے میلوں میں سے کوئی میلہ وہاں لگتا تھا صحابہ نے عرض کیا، نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ بلاشبہ نذر معصیت کی وفا (جائز) نہیں اور نہ اس چیز کی نذر (صحیح) ہے جو نذر کرنے والے کی ملکیت میں نہ ہو۔ رواہ ابوداؤد و صحیح۔

عمر بن شعیب نے اپنے باپ کے حوالے سے داؤد کی روایت بیان کی کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذرمانی تھی کہ (اظہار مسرت کے لئے) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ رواہ ابوداؤد۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے منت مانی تھی کہ فلاں فلاں مقامات پر قربانی کروں گی۔ عورت نے ان مقامات کے نام لئے جہاں اہل جاہلیت ذبح کیا کرتے تھے، فرمایا جاہلیت کے بتوں میں سے کیا وہاں کوئی بت تھا جس کی پوجا کی جاتی تھی عورت نے جواب دیا۔ نہیں فرمایا کیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ لگتا تھا (تہوار منایا جاتا تھا) عورت نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو اپنی نذر پوری کر۔ میں کہتا ہوں نذر کو پورا کرنے کا حکم اس جگہ وجوبی نہیں ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے ایسا اس لئے کہا گیا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے اور رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہی دیا تھا کہ نذر وہ ہے جس میں اللہ کی خالص رضا مطلوب ہو اور اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جو نذر طاعت نہیں وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ خالص خدا کے لئے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اس جگہ امر اباحت کے لئے ہے جب نذر معصیت میں معصیت کو ترک کرنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے تو یہاں بدرجہ اولیٰ ترک معصیت لازم ہے۔

مسئلہ: جس شخص نے نذر طاعت تو کی لیکن اس کو کچھ قیود و اوصاف سے مقید کر دیا تو کیا ایسی قیود قابل لحاظ ہوں گی۔

امام صاحب کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ اگر قیود و صفات ایسی ہوں جو اللہ کو پسند ہوں اور کثرت ثواب و ترقی درجات کی موجب ہوں تو نذر کو مع قیود و اوصاف کے پورا کرنا واجب ہے قیود کو نظر انداز کر کے نفس نذر کا حکم باقی رکھنا ممکن نہیں اور اگر قیود و اوصاف غیر شرعی اور عند اللہ ناپسندیدہ ہوں تو شرائط کی پابندی ضروری نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قیود و شرائط موجود نہ ہوں تو کیا کفارہ واجب ہوگا اس مسئلہ میں وہی اختلاف ہے جو ہر مندور مباح کے ترک کرنے کی صورت میں ہے مثلاً کسی نے بازار میں نماز پڑھنے کی یا ہفتہ کے دن نماز پڑھنے کی نذر مانی یا یہ نذر مانی کہ میں روزہ رکھوں گا اور کھڑا نہ ہوں گا یا روزہ میں بات نہیں کروں گا یا سایہ میں نہیں جاؤں گا یا یہ نذر مانی کہ یہ ایک روپیہ اس غریب کو دوں گا یا اس شہر میں کسی غریب کو دوں گا ان سب صورتوں میں اس پر روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا اور کسی فقیر کو ایک روپیہ کسی جگہ دینا واجب ہوگا شرائط ساقط الاعتبار ہیں ہر جگہ ہر وقت نماز پڑھ سکتا ہے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ خاموش رہنا یا بیٹھا رہنا یا سایہ سے دور رہنا ضروری نہیں اور ایک روپیہ دینا خواہ کسی غریب آدمی کو ہو کسی شہر میں ہو لازم ہے۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے اس کے متعلق دریافت کیا صحابہ نے عرض کیا یہ ابوسراطل ہے اس نے کھڑے رہنے کی نذر مانی ہے نہ بیٹھتا ہے نہ سایہ میں جاتا ہے نہ بات کرتا ہے اور روزہ رکھے ہوئے ہے۔ فرمایا اس کو حکم دو کہ بات کرے سایہ میں جائے بیٹھ جائے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ رواہ البخاری۔ اس حدیث میں کفارہ دینے کا حکم نہیں ہے اگر کسی نے پے در پے تین روزے رکھنے کی نذر مانی یا کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہے اگر متفرق طور پر روزے رکھے گا یا بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی اور (نذر کے مطابق) دوبارہ روزے رکھنا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنا لازم ہوگا کیونکہ بیٹھ کر نماز کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے آدھی ہے رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے رواہ احمد و التسانی و ابن ماجہ بسند صحیح عن انس۔ رواہ ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمرو۔ والطبرانی عن ابن عمرو عن عبد اللہ بن السائب، وعن المطلب بن ابی ودیعہ و رواہ احمد و ابوداؤد عن عمران بن حصین، ورواہ مسلم و ابوداؤد و التسانی عن ابن عمرو نحوہ۔ پے در پے روزے رکھنا اللہ کو پسند ہے اسی لئے مختلف کفاروں میں پے در پے روزوں کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ: اگر نماز پڑھنے کی نذر مانی اور کھڑے بیٹھے کی کوئی نیت نہیں کی تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ہی اصل ہے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں طرح نماز پڑھنے سے نذر پوری ہو جائے گی۔

مسئلہ: اگر کروٹ سے یا چپٹ لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ جب تک اضطرابی حالت نہ ہو لیٹ کر نماز پڑھنا شرعاً معروف نہیں ہاں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جواز ہے۔ لیٹ کر نماز پڑھنا مرعیض پڑھ سکتا ہے جو بیٹھ بھی نہ سکے۔ ایسا بیمار اگر لیٹ کر نماز پڑھنے کی نذر مانے گا اور لیٹ کر پڑھ لے گا تو نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر نذر پوری کرنے سے پہلے (بیٹھنے کے قابل) صحت ہو گئی تو لیٹ کر پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔ (بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا تو) صرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے نذر پوری ہوگی۔

مسئلہ: اگر کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جس جگہ چاہے پڑھ لے نذر پوری ہو جائے گی۔ امام زفر اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اور پڑھ لی مسجد نبوی یا کعبہ میں تو نذر پوری ہو جائے گی اور جس نے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی نذر مانی اور کعبہ میں پڑھ لی تب بھی نذر پوری ہو جائے گی اور مسجد نبوی اور کعبہ کے علاوہ کسی اور مسجد میں ادا کی تو نذر پوری نہ ہوگی اور جس نے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کعبہ کے اندر پڑھے کعبہ کے علاوہ کسی اور مسجد میں پڑھنے سے نذر پوری نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ فتح مکہ عطا کرے

کردے تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز (شکرانہ) پڑھوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہیں پڑھ لو۔ اس شخص نے دوبارہ وہی پہلی گزارش کی فرمایا یہیں پڑھ لو اس نے تیسری بار پھر گزارش کی تو حضور ﷺ نے فرمایا تم کو اپنا اختیار ہے رواہ ابو داؤد و الطحاوی والداری۔

امام ابو یوسف اور امام زفر نے فرمایا ہم اسی حدیث کی رو سے تو کہتے ہیں کہ مسجد بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر ماننے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ کعبہ میں نماز نذر پڑھ لے رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن کعبہ میں ہی موجود تھے لیکن جس نے کعبہ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو بیت المقدس یا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنا (نذر کے لئے) کیسے کافی ہو سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ آدمی کی اپنے گھر میں نماز (بس) ایک نماز کا ثواب رکھتی ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس (گھر والی) نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں ایک نماز پڑھنی (گھر کی) پانسو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز (گھر کی) ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور کعبہ کے اندر ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے رواہ ابن ماجہ من حدیث انسؓ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مسجد میں ایک نماز کعبہ کے علاوہ دوسری جگہ کی ہزار نمازوں سے افضل ہے طحاوی نے حضرت ابو ہریرہؓ حضرت سعد بن وقاصؓ حضرت عائشہؓ حضرت میمونہ اور حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے وہی حدیث بیان کی ہے جو صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہے۔ طحاوی نے حضرت عطاء بن الزبیر کی روایت کردہ یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز کعبہ کے علاوہ دوسری مسجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور کعبہ میں ایک نماز اس مسجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کی موقوف روایت اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی مرفوع روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے ان احادیث کے جواب میں فرمایا کہ احادیث مذکورہ میں نمازوں سے صرف فرض نمازیں مراد ہیں۔ مساجد میں فرض نمازوں کا ثواب اسی ترتیب کے ساتھ ہے جو ترتیب احادیث میں بیان کی گئی ہے نوافل مراد نہیں کیونکہ نوافل تو گھروں میں افضل ہیں۔ صحیحین میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے فرض نماز کے دوسری نمازیں اپنے گھر کے نذر افضل ہیں۔

ابو داؤد و ترمذی نے حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اپنے گھر کے اندر نماز میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے سوائے فرائض کے۔ طحاوی نے حضرت عبد اللہ بن سعد کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنی مسجد میں نماز پڑھنے سے مجھے زیادہ پسند ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بیمار کے تندرست ہو جانے یا مسافر کے واپس آجانے کی شرط کے ساتھ اپنی نذر صوم کو مشروط کیا اور یوں کہا جب میرا مسافر واپس آجائے گا یا بیمار تندرست ہو جائے گا تو میں ایک ماہ کے روزے محض اللہ کے لئے رکھوں گا تو شرط پوری ہونے کے بعد ایفاء نذر اس پر واجب ہے وجود شرط سے پہلے اگر روزے رکھ لے گا تو ادائے نذر کے لئے کافی نہ ہو گا دوبارہ روزہ رکھنے ہوں گے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک شرط انعقاد سب ہی سے مانع ہے (شرط کی موجودگی میں سب ہی نہیں پیدا ہوتا) اور وجود سبب کے بغیر ادا کا کوئی معنی نہیں۔ امام شافعی وجود شرط سے پہلے ادا کو کافی سمجھتے ہیں ان کی نظر میں شرط حکم سے مانع ہے وجود سبب سے مانع نہیں۔ اس لئے اگر وقوع شرط سے پہلے روزے رکھ لئے تو نذر پوری ہو جائے گی۔ جیسے نصاب زکوٰۃ ہو جانے کے بعد، سال تمام ہونے سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کر دی جاتی ہے تو ادا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر وجوب ادا کی نسبت کسی خاص وقت یا زمانہ کی طرف کی (مثلاً یوں کہا کہ اس مقدمہ میں اللہ مجھے کامیاب کر دے گا تو میں اس کے نام پر سارے ماہ جب کے روزے رکھوں گا۔ یا آئندہ سال حج کروں گا) تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وقت آنے سے پہلے بھی نذر کو ادا کر سکتا ہے (جب آنے سے پہلے بھی ایک ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے) امام محمد

فرماتے ہیں وقت کی طرف نسبت ایسی ہی ہے جیسے کسی شرط کے ساتھ شرط کرنا (اور جب تک شرط اور قید موجود نہ ہو ادا صحیح نہیں اسی طرح اگر وقت مقرر نہ آیا ہو تو ادا صحیح نہیں)۔ صحیحین فرماتے ہیں نذر کی وقت کی طرف نسبت شرط کی طرح نہیں ہے (وقت کی طرف نسبت کرنے سے نذر شرط نہیں ہو جاتی بلکہ) یہ نذر بجز (بلا شرط) ہے صرف وقت کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے اور قیود قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔ جیسے کسی نے اگر بازار میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کہیں نماز پڑھے نذر ادا ہو جائے گی اسی طرح وقت مقرر سے پہلے روزے رکھ لینا بھی جائز ہے اور نذر پوری ہو جائے گی اور اگر مقررہ وقت گزر گیا اور روزے نہ رکھے اور حج نہ کیا تو اس کے بعد روزے رکھے جاسکتے ہیں اور حج کیا جاسکتا ہے۔

امام زفر نے فرمایا ادا نذر کی جس وقت کی جانب نسبت کی ہے اگر شرعاً اس وقت کو افضلیت حاصل ہے اور مقررہ وقت سے پہلے جس وقت میں نذر ادا کر رہا ہے وہ وقت فضیلت میں مقررہ وقت سے کم ہے اور قبل از وقت نذر ادا کر دی تو ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ (مقررہ وقت آنے پر) ادا کرنی ہوگی اور اگر ایک وقت کو دوسرے وقت پر کوئی فضیلت نہ ہو تو وقت مقرر آنے سے پہلے بھی نذر ادا ہو جائے گی۔ میرے نزدیک یہی قول زیادہ مناسب ہے مثلاً کسی نے عرفہ کے دن یا عاشورہ کے دن یا پورے ماہ محرم کے روزے رکھنے کی نذر مانی تو مقررہ ایام کے آنے سے پہلے اگر روزے رکھ لئے تو نذر پوری نہ ہوگی (ان ایام کو فضیلت حاصل ہے) اسی طرح وسط رات میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو رات آنے سے پہلے دن میں یا رات کے بعد آنے والے دن میں نماز پڑھنے سے نذر ادا نہ ہوگی (وسط رات کا وقت فضیلت رکھتا ہے)۔

اگر شبہ کیا جائے کہ رات آنے سے پہلے ہی دن میں جو نماز پڑھ لیتا ہے وہ ایفائے نذر میں احتیاط سے کام لیتا ہے معلوم نہیں آنے والی رات تک زندہ رہے یا نہ رہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنے والی رات تک زندہ رہنا عموماً ہوتا ہی ہے (کیونکہ نذر ماننے والا کسی مہلک مرض میں مبتلا نہیں، نہ مرنے کے قرآن موجود ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عرفہ کے روزے سے میں اللہ سے ثواب کی امید اتنی رکھتا ہوں کہ وہ پچھلے سال (کے گناہوں) کا بھی کفارہ ہو جائے گا اور آنے والے ایک سال (کے گناہوں) کا بھی۔ اور عاشورہ کے روزے سے مجھے اللہ سے اتنی امید ثواب ہے کہ وہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ رواہ مسلم وابن حبان والترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی قتادہ دروی ابن ماجہ من حدیث ابی سعید الخدری عن قتادہ بن نعمان نحوہ۔ اس بحث کی حدیث حضرت زید بن ارقم اور حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عمر کی روایت سے بھی آئی ہے رواہ الطبرانی۔ حضرت عائشہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے رواہ احمد۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت انس وغیرہ سے اس موضوع کی روایت آئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی دوسرے ایام ایسے نہیں کہ ان ایام (یعنی ایام تشریق) سے زیادہ ان میں نیک عمل کرنا اللہ کو محبوب ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ راہ خدا میں جہاد بھی (ان ایام کی نیکی سے زیادہ محبوب) نہیں۔ فرمایا راہ خدا میں جہاد بھی نہیں۔ ہاں (اگر کسی نے ایسا جہاد کیا ہو کہ راہ خدا میں جان و مال لے کر نکلا اور پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا ہو) تو ایسا جہاد اللہ کو ان ایام میں عمل صالح کرنے سے زیادہ محبوب ہو جائے گا رواہ ابو داؤد من حدیث ابن عباس۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایام عشرہ (یعنی عشرہ ذی الحجہ کی عبادت) سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک اور کسی ایام کی عبادت نہیں ان دنوں میں ایک دن کا روزہ (دوسرے ایام کے) ایک سال کے (روزوں کے) برابر ہے اور (ان دنوں کی) ایک رات شب قدر کے برابر ہے۔ رواہ ابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ماہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے سینے کے یعنی محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم و اصحاب السنن الاربعہ عن ابی ہریرہ والروایانی من سننہ والطبرانی عن جندب۔

مسئلہ: جس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی اس کو اختیار ہے پیدل جائے یا سواری پر۔ مبسوط میں امام ابو حنیفہ کا یہی

مسک بتلایا گیا ہے یعنی پیدل چلنا اس پر واجب نہیں ہے بعض دوسرے علماء بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس قول کی بناء اسی گزشتہ نظر یہ پر ہے کہ جس نے نذر طاعت کی ہو لیکن اس میں شرط لگادی ہو جو طاعت نہ ہو تو شرط کی پابندی اس کے لئے لازم نہیں ہے۔

قدوری اور اکثر متون میں (امام کا مسک یہ) بیان کیا گیا ہے کہ پیدل جانا اس کے لئے لازم ہے سوار نہ ہو اور یہ حکم طواف زیارت تک قائم رہے گا۔

پیدل چلنا کس جگہ سے لازم ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض نے کہا میقات سے پیدل جانا لازم ہے کیونکہ میقات سے ہی حج شروع ہوتا ہے صحیح تر قول یہ ہے کہ گھر سے ہی اس کو پیدل (حج کو) جانا لازم ہے ہاں اگر گھر سے پیدل نہ چلنے کی نیت کی ہو تو جہاں سے پیدل چلنے کی نیت کی ہو اس کی پابندی کرے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے یہ یعنی جو قدوری نے ذکر کیا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ پیدل چلنا نذر کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے۔ طحاوی نے کہا یہی قول امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے۔ جو لوگ سوار ہو کر حج کو جانے کو پیدل حج کو جانے سے افضل جانتے ہیں ان کی دلیل تو صاف ہے کہ عبادت کی نذر مانی گئی ہے (یعنی مقصد نذر حج ہے) اور پیدل جانے میں ترک افضل ہے (کیونکہ اللہ نے استطاعت حج کے لئے شرط کی ہے اور استطاعت میں سواری بھی شامل ہے اس لئے سوار ہو کر جانا افضل ہے) امام صاحب کے نزدیک پیدل جانا بشرطیکہ پیدل چلنے کی طاقت اور برداشت ہو افضل ہے لیکن آپ کے نزدیک ادائے مندور کے لئے شرط یہ ہے کہ واجبات مقصودہ میں سے اللہ کی طرف سے کوئی واجب اس مندور کا ہم جنس ہو اور پیدل چلنا اللہ کی طرف سے کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے لہذا پیدل حج کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں بھی پیدل جانا ضروری نہیں۔

پیدل حج کی نذر کرنے کی صورت میں سوار ہو کر جانے کی افضلیت احادیث سے بھی سے بھی ثابت ہے حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ ایک بوڑھا شخص اپنے دونوں طرف اپنے دونوں بیٹوں پر سہارا لگا کر چل رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے معاینہ فرمایا اور دریافت کیا اس کو کیا ہو گیا صحابہ نے عرض کیا حضور اس نے پیدل حج کرنے کی نذر مانی ہے، فرمایا یہ جو اپنے کو خود دکھ دے رہا ہے خدا کو اس (کی توبت کوئی) کی ضرورت نہیں پھر اسی بوڑھے آدمی کو سوار ہو جانے کا حکم دیا۔ متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں حدیث مذکور کے یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا بوڑھے آدمی تیری (اس محنت) اور تیری نذر کی خدا کو ضرورت نہیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی کا بیان ہے میری بہن نے پیدل کعبہ کو جانے کی منت مانی اور مجھے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا (میں نے حاضر خدمت ہو کر مسئلہ دریافت کیا) فرمایا اس کو چاہئے کہ پیدل (بھی) چلے اور سوار (بھی) ہو جائے۔ متفق علیہ۔

جو لوگ پیدل جانا ضروری قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ جب پیدل جانے کی نذر مانی ہے تو پیدل جائے، رہی اس کی نظیر شرعی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک طواف زیارت پادہ پا کر نا واجب ہے یہ عبادت مقصودہ ہے اس لئے نذر ماننے والا اس کی نذر مان سکتا ہے اور حسب نذر ادائے مندور ضروری قرار پا سکتی ہے۔

رہا احادیث مذکورہ کا جواب تو وہ خود روایت ہی سے ظاہر ہے کہ جب وہ بوڑھا پیدل نہیں چل سکتا تھا (جیسا کہ حضرت انس کی روایت میں صراحتاً آیا ہے) تو حضور نے اس کو سوار ہونے کا حکم دیدیا اسی طرح حضرت عقبہ کی بہن کا قصہ تھا کہ وہ طاقت نہیں رکھتی تھی۔ (ابوداؤد کی حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے) ان حدیثوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیدل حج کرنے والے پر نذر کے مطابق حج کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عذر کی وجہ سے سوار ہونا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر پیدل حج کو جانے کی نذر مانی اور کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے سوار ہو گیا تو با اتفاق علماء دوبارہ پیدل حج کرنا واجب نہیں لیکن امام ابو حنیفہ کے مسلک نظر یہ کے مطابق قیاس کا تقاضا تھا کہ دوبارہ پیدل حج کرنا واجب ہے، جس طرح پے در

بے روزے رکھنے کی نذر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر کی صورت میں خلاف ورزی کرنے سے اعادہ مطابق نذر واجب ہوتا ہے لیکن سوار ہو جانے کی اجازت چونکہ حدیث میں آگئی ہے اس لئے قیاس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

ایک سوال

احادیث مذکورہ سے سوار ہونے کی اجازت اس شخص کے لئے ثابت ہوتی ہے جس میں پیدل چلنے کی طاقت نہ ہو۔ جس میں پیدل چلنے کی طاقت ہو اس کے لئے سوار ہونے کی اجازت احادیث سے ثابت نہیں ہوتی اس لئے پیدل حج کی نذر ماننے والا اگر بلا عذر سوار ہو جائے تو اس کی نذر پوری نہ ہونی چاہئے۔

جواب

حضرت عمران بن حصین نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب بھی ہم کو خطاب فرمایا صدقہ کرنے کا حکم ضرور دیا اور مثلہ کرنے کی ممانعت ضرور فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ پیدل حج کو جانے کی نذر ماننی بھی مثلہ کی ہی ایک شاخ ہے جس نے پیدل حج کرنے کی نذر ماننی ہو وہ ایک قربانی بھیج دے اور سوار ہو جائے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک و قال صحیح الاسناد۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ شریعت کے احکام اکثر عام ہوتے ہیں اور حج کے لئے عام طور پر پیدل جانے کی طاقت نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ توشہ عراہ اور سواری سفر میں سہولت پیدا کرنے والی چیزیں ہی نہیں ہیں بلکہ ضروری چیزیں ہیں جن کے بغیر عام طور پر حج ممکن نہیں ہوتا اسی لئے ہم سوار ہونے کے جملہ کے قائل ہیں حضرت عمران کی روایت کردہ حدیث مذکور سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واجب کا ترک کسی عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے دونوں صورتیں چاہتی ہیں (کہ سوار ہو جانے سے چونکہ واجب کا ترک ہوا ہے) دوبارہ ادا بطور قضا کی جائے اب اگر پیدل چلنا عبادت مقصودہ ہو اور مستقل ہو تو ترک کی صورت میں اس کی دوبارہ ادا بصورت قضا ہونی چاہئے اور اگر اس کو خود مستقل عبادت نہ قرار دیا جائے بلکہ عبادت کا وصف یا شرط کہا جائے تو چونکہ غیر مستقل ہے اس لئے اس کی قضاء بمثل معقول تو ممکن ہی نہیں اور بمثل غیر معقول قضاء کا ضرور تصور کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا اختیار شارع کو ہے، رائے اور قیاس سے کسی مثل غیر معقول کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ جیسے واجبات صلوٰۃ کی قضاء نے سجدہ سو کو مقرر کیا ہے (جو مثل غیر معقول ہے) مثل غیر معقول کی تعیین شارع پر موقوف ہے شارع نے اگر کسی چیز کا مثل غیر معقول مقرر کر دیا ہو تو مثل غیر معقول سے اس چیز کی ادائیگی (بطور قضا) ہو جائے گی ورنہ اس فوت شدہ عبادت کو دوبارہ لوٹایا جائے گا اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر روزے پے در پے نہ رکھے ہوں یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر کی صورت میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی ہو تو صوم و صلوٰۃ کو دوبارہ ادا کیا جائے (کیونکہ اس کا مثل غیر معقول شارع نے مقرر نہیں کیا) اور اگر پیدل حج کو جانے کی نذر میں سوار ہو کر حج کو گیا تو اس کی تلافی ایک قربانی پیش کرنے سے ہو جائے گی شریعت نے اس کے لئے مثل غیر معقول (یعنی قربانی پیش کرنے) کی تعیین کر دی ہے۔ دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس صورت میں عذر اور غیر عذر کا کوئی فرق نہیں۔ دونوں میں فرق تو صرف گناہ کا ہو گا مزدلفہ میں قیام اگر بلا عذر ترک کر دیا تو یہ ناجائز ہے اور کسی عذر (شرعی) کی وجہ سے ایسا کر لیا تو جائز ہے۔ اور قربانی پیش کرنا دونوں صورتوں میں واجب ہے۔

مسئلہ: جس نے حج کو پیدل جانے کی نذر ماننی اور پیدل نہ گیا خواہ کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو ایک قربانی واجب ہے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک کم سے کم ایک بکری کی قربانی کرنی چاہئے اور اگر اس نذر میں قسم کی نیت کی ہو تو قسم کا کفارہ بھی لازم ہے، طحاوی نے امام صاحب اور صاحبین کا یہی قول بیان کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس صورت میں صرف کفارہ قسم کافی ہے (قربانی کی ضرورت نہیں)۔

پیدل حج کرنے کی نذر ماننے کی صورت میں اگر سوار ہو جائے تو قربانی دینی چاہئے اس کی دلیل حضرت عقبہ بن عامر کی بہن والی حدیث ہے جو بروایت ابو داؤد اس طرح آئی ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو سوار ہو کر (کس) جانے اور ایک قربانی پیش کرنے

کا حکم دیا۔ یہ روایت صرف ابو داؤد کی ہے اور ابو داؤد کی سند اہل حدیث کے نزدیک معتبر ہے۔ صحیحین میں حضرت عقبہ کی بسن والی جو حدیث آئی ہے وہ مختصر ہے (اس میں قربانی پیش کرنے کا حکم نہیں یہ حکم ابو داؤد کی روایت میں زائد ہے) اور ابو ثوبق راوی کی روایت میں (اگر دوسری روایتوں سے کچھ زیادتی قابل قبول ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس حدیث میں مطلق قربانی کا حکم ہے اور قربانی کم سے کم بکری کی ہوتی ہے) اس لئے امام ابو حنیفہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ایک بکری کی قربانی بھی کافی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ قربانی کے لئے حدیث میں بدنہ کا خاص طور پر ذکر آیا ہے (بدنہ صرف اونٹ یا بھینس گائے کو کہتے ہیں بلکہ صاحب قاموس کے نزدیک تو اس کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے بہر حال بدنہ بکری کو نہیں کہتے) طحاوی کی روایت کے بموجب حضرت عقبہ بن عامر کی بسن کے واقعہ میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس کو حکم دو کہ سوار ہو جائے اور ایک بدنہ کی قربانی دے۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے جو یہ حدیث نقل کی ہے اس میں بھی صرف بدنہ کی قربانی کا حکم ہے۔ روایت اس طرح ہے کہ عقبہ کی بسن نے پیدل حج کو جانے کی نذر مانی تھی لیکن اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکے حضور ﷺ نے حضرت عقبہ سے فرمایا اللہ کو تیری بسن کے پیدل چلنے کی ضرورت نہیں اس کو سوار ہو جانا چاہئے اور ایک بدنہ کی قربانی دیدے۔ میں کہتا ہوں یہ حدیث حسن ہے اس کا سلسلہ سند اس طرح ہے ابو داؤد از عیسیٰ بن ابراہیم از عبد العزیز بن مسلم از مطر الوراق از عکرمہ از ابن عباس اور سوائے دونوں آخری راویوں کے سب نے یہ حدیث حدیث حدیث کے لفظ سے بیان کی ہے۔

سند حدیث پر شبہ

عبد العزیز بن مسلم غیر معروف ہے اور مطر الوراق کو ابن سعد نے ضعیف الحدیث کہا ہے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ذہبی نے عبد العزیز کو معروف کہا ہے اگر کسی کی نظر میں مجہول ہو تو اس سے عبد العزیز کے معروف ہونے میں فرق نہیں آتا اور مطر الوراق مسلم کے راویوں میں سے ہے (اس لئے ضعیف الحدیث نہیں ہو سکتا) ذہبی نے کہا یہ ثقہ ہے امام احمد اور ابن معین نے مطر الوراق کو ضعیف الحدیث کہا ہے لیکن عطاء سے روایت کرنے میں اس کو ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث مطر نے بروایت عکرمہ بیان کی ہے۔

ابن ہمام نے کہا امام ابو حنیفہ نے جو مطلق قربانی کو کافی قرار دیا ہے (اگرچہ بکری کی ہو) اونٹ کی تعیین نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راوی قوی ہیں (اور بدنہ کی تخصیص کے راوی کمزور ہیں) میں کہتا ہوں مطلق قربانی والی حدیث کو قوی روایت کہنا ناقابل تسلیم ہے اور مان بھی لی جائے تب بھی قوی کو ترجیح ضعیف پر اسی وقت ہوتی ہے جب دونوں میں (ناقابل ازالہ) تعارض ہو اور اس جگہ دونوں میں تعارض ہی نہیں ہے ایک مطلق ہے دوسری مقید اور ایک ہی واقعہ سے دونوں کا تعلق ہے اور دونوں میں ایک ہی حکم ہے اس لئے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور مطلق سے بھی مقید ہی مراد ہو گا حضرت علی اور بعض دوسرے صحابہ کے اقوال میں یہ آیا بھی ہے (کہ دونوں حدیثوں میں مقید ہی مراد ہے) یہ اگرچہ اقوال صحابہ ہیں جو حدیث موقوف کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ایسے مباحث میں (کوئی صحابی اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ نہیں کر سکتا) موقوف کو مرفوع کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعی نے بسلسلہ سعد بن ابی عروبہ از قتادہ بحوالہ حسن نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس شخص کے متعلق جس نے پیدل جانے کی قسم کھائی ہو، فرمایا وہ پیدل جائے اور اگر پیدل چلنے سے عاجز ہو جائے تو سوار ہو جائے اور بدنہ کی قربانی کرے۔

عبد الرزاق نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے پیدل کعبہ کو جانے کی نذر مانی ہو وہ کیا کرے یہ سوال حضرت علیؑ سے کیا گیا، فرمایا پیدل جائے، اگر تھک جائے تو سوار ہو جائے اور اونٹ کی قربانی کر دے۔ حضرت ابن عمر حضرت ابن عباس اور قتادہ حسن کے اقوال بھی ایسے ہی روایت میں آئے ہیں۔

مسئلہ: جس نے بیت اللہ یا کعبہ کو پیدل جانے کی نذر مانی اور حج یا عمرہ کا لفظ نہیں کہا تو استحساناً اس پر پیدل حج یا عمرہ کرنا

نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے۔ بعض علماء نے کہا یوں تو سفیان ٹھیک ہے لیکن زہری کی روایت نقل کرنے میں اس کے متعلق لاباس بہ نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ مذکورہ حدیث زہری کی روایت سے نقل کی ہے اس لئے صحیح نہیں ہے سوید اور سفیان از زہری اس کے راوی ہیں۔

دوسری حدیث ابو داؤد نے بحوالہ عبد الرحمن بن اسحاق بروایت زہری از عروہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ مختلف کسی مریض کی عیادت کو نہ جائے کسی جنازہ میں شریک نہ ہو عورت کو مس بھی نہ کرے، نہ مباشرت کرے اور سوائے (فطری) ضروریات کے اور کسی حاجت کے لئے نہ نکلے اور اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا اور جماعت والی مسجد کے علاوہ (کسی اور جگہ) بھی نہیں ہوتا۔

ایک شبہ

ابو داؤد نے کہا ہے کہ عبد الرحمن بن اسحاق کے علاوہ کسی نے بھی اس حدیث کے متعلق سنت کا لفظ نہیں کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور دارقطنی نے عبد الرحمن کو ضعیف کہا ہے۔

ازالہ

اس حدیث کو مرفوع قرار دینا (راوی کی طرف سے دوسروں کی روایت پر زیادتی ہے اور ثقہ کی روایت میں زیادتی مقبول ہے) اور عبد الرحمن ثقہ ہے البتہ تدری ضرور ہے (قدر یہ فرقہ کے عقیدہ کا ہے) ابو داؤد نے یہی کہا ہے۔ ابن معین نے اس کو ثقہ مانا ہے اور امام احمد نے اس کو صالح الحدیث کہا ہے اور مسلم نے بھی اس کی روایت لی ہے۔ میں کتاہوں یہ حدیث (گو صحیح ہو پھر بھی) استدلال کے قابل نہیں کیونکہ لا اعتکاف کا لفظ جو اس حدیث میں آیا ہے وہ سنت علی المرتضیٰ کے ذیل میں تو آئی نہیں سکتا ایسا کرتا ترتیب کلام کے اقتضاء کے خلاف ہے اور بالقرض مان بھی لیا جائے تب بھی مدعی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اعتکاف کے لئے روزہ کے سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تو شرط ہونے میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ روزہ کو اعتکاف کے لئے شرط قرار دیتے ہیں۔ اور شرط کے لئے کوئی دلیل ہونی چاہئے (اور اس حدیث سے روزہ کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے)

ابن جوزی نے التعلیق میں بحوالہ دارقطنی بروایت زہری از سعید بن مسیب و عروہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے اور مختلف کے لئے سنت یہ ہے کہ سوائے (فطری) حاجت کے اور کسی غرض سے (مسجد سے) باہر نہ نکلے نہ جنازے کے ساتھ جائے نہ مریض کی عیادت کرے نہ عورت کو مس کرے نہ مباشرت (مس بدن) کرے اور اعتکاف مسجد جماعت کے سوا (اور جگہ) نہیں ہوتا اور اعتکاف کرنے والے کو حضور روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ اس حدیث کی صحت پر ابن جوزی نے اعتراض کیا ہے کیونکہ اس کی روایت میں ایک راوی ابراہیم بن محسر آیا ہے جس کو ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایت کردہ حدیثیں منکر ہیں۔ دارقطنی نے کہا اس حدیث میں جو الفاظ آئے ہیں کہ مختلف کے لئے..... سنت ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ زہری کا کلام ہے جس نے اس کو حدیث میں داخل سمجھا ہے اس کو وہم ہو گیا ہے ایک حدیث ابو داؤد نے عبد الرحمن بدیل کی روایت سے بحوالہ عمرو بن دینار بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دور جاہلیت میں کعبہ کے پاس ایک دن رات کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی (اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا اعتکاف کر لو۔ اور روزہ رکھو۔ نسائی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کے لئے دارقطنی نے کہا اس میں عبد الرحمن بن بدیل منفر دے اور یہ ضعیف ہے۔ نافع نے حضرت ابن عمر کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے اس میں روزہ کا ذکر نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح لگتی ہے۔ دارقطنی نے کہا میں نے ابو بکر نیشاپوری کو کہتے سنا کہ یہ حدیث منکر ہے کیونکہ عمرو بن دینار کے معتمد تلامذہ میں سے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا نہ ابن جریج نے نہ ابن عیینہ نے نہ حماد بن سلمہ وغیرہ نے ابن

ہمام نے اس کو ضرور ثقہ کہا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابن معین نے اس کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی اس کا شمار قابل وثوق راویوں میں کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ذہبی نے سفیان کی توثیق میں کچھ نہیں کہا۔ بالفرض اگر حضرت عمرؓ کو اعتکاف کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم روایت ثابت بھی ہو جائے تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے اعتکاف کی مع روزے کے نذرمانی ہوگی اور سوال بھی دونوں ہی کے متعلق کیا ہوگا لیکن راوی کے کذب و ہول یا نسیان کی وجہ سے (سوال کی روایت میں صوم کا لفظ رہ گیا جس طرح اکثر صحیح روایتوں میں جواب کے اندر صوم کا ذکر نہیں کیا گیا۔

دارقطنی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن بشر از عبد اللہ بن عمر از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شرک کے زمانہ میں اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کی نذرمانی تھی اور اسلام کے بعد رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

عبدالحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی روایت میں سعید بن بشر منفرد ہے ابن جوزی نے یحییٰ اور ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے کہ سعید ہیج ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حافظ نے سعید کی شخصیت کو مختلف فیہ قرار دیا ہے ذہبی نے لکھا ہے کہ قنادہ کے شاگرد سعید بن بشر کو شعبہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاری نے کہا اس کی قوت حفظ میں کلام کیا گیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قدری تھا۔ میں کہتا ہوں یہ امر ناقابل شک ہے کہ سعید بن بشر ابن بدیل سے زیادہ ضعیف نہ تھا، امام شافعی اور امام احمد نے اپنے استدلال میں حضرت ابن عباس کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ محکم پر روزہ رکھنا (لازم) نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خود ہی اپنے اوپر واجب کر لے (اور مع روزہ کے اعتکاف کی نیت کر لے) رواہ الحاکم، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ابن جوزی نے بھی اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔

بخاری (جن کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ ضروری نہیں) نے حضرت ابن عمر کے بیان سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارش کی کہ میں نے دور جاہلیت میں نذرمانی تھی کہ ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (اب میرے لئے کیا حکم ہے) فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں صراحت ہے کہ رات کو اعتکاف کرنے کی نذرمانی تھی اور ظاہر ہے کہ رات کو روزہ کا حکم نہیں ہے۔ بطور اعتراض اس روایت کے مقابلہ میں مسلم کی نقل کردہ وہ حدیث پیش کی جاسکتی ہے جو شعبہ نے بروایت عبید اللہ بیان کی ہے اس روایت میں بجائے رات (لیلۃ) کے دن (یوما) کا لفظ صراحتاً آیا ہے اب دونوں حدیثوں کے اختلاف کو دور کرنے کی صورت ہے کہ لیلۃ (رات) سے مراد ہوگی رات مع دن کے اور یوما (دن) سے مراد ہوگا دن مع رات کے (یعنی دونوں حدیثوں میں پورے چوبیس گھنٹے مراد ہوں گے) اس اعتراض کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ جس روایت میں یوما کا لفظ آیا ہے وہ شاذ ہے اور یوما کی روایت کو اگر درست مان بھی لیا جائے، تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب حضرت عمر نے دن کو اعتکاف کرنے کی نذرمانی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی گزارش بھی کی تھی اور حضور ﷺ نے صرف ایفاء نذر کا حکم دیا روزہ کا ذکر بھی نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔ (اعتکاف شب بلا صوم کی تائید میں) یہ روایت بھی پیش کی گئی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن انیس نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں صبح اکارہنے والا ہوں وہیں رہتا ہوں اور الحمد للہ وہیں نماز بھی پڑھتا ہوں مجھے اجازت مرحمت فرمادیتے کہ میں اس مسجد میں ایک رات کے لئے فروکش ہو جایا کروں۔ فرمایا بیسویں تاریخ کی رات کو اس میں رہ جایا کرو۔

عبد اللہ کے بیٹے سے لوگوں نے پوچھا پھر تمہارے باپ اس حکم کے بعد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا میرے والد نماز عصر کے بعد یہاں داخل ہو جاتے تھے اور صبح تک کسی کام کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو باہر آتے تھے مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا موجود ہی ہوتا تھا اس پر بیٹھ کر اپنے صبح کو چلے جاتے تھے۔ رواہ ابو داؤد، اس روایت سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ صرف رات کا بھی اعتکاف درست ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم اس کو اعتکاف نہیں کہتے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے اس میں کوئی قباحت نہیں اصطلاحات میں کوئی نزاع کی گنجائش نہیں چاہیں آپ اس کو اعتکاف

نہیں کہیں لیکن اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ بہ نیت طاعت مسجد کے اندر ٹھہرے رہنا طاعت ہے اور نذر کی وجہ سے (مستحب) طاعت بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو رمضان میں ہی اعتکاف کرنا لازم ہے، رمضان کی شرط ساقط نہیں کی جاسکتی کیونکہ رمضان میں ہر عبادت کا ثواب دوسرے ایام کی عبادت سے زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے رمضان میں کوئی کار خیر بطور نقل کیا اس کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کوئی فرض ادا کیا ہو۔ (یعنی رمضان میں نفل نیکی کا ثواب دوسرے دنوں میں فرض نیکی کے برابر ہوتا ہے) اور جس نے رمضان میں ایک فریضہ ادا کیا تو اس کی حالت اس شخص کی طرح ہوگی جس نے رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں ستر فرض ادا کئے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن سلمان الفارسی فی حدیث طویل۔

اگر مطلق رمضان میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تو ہر رمضان میں اعتکاف کر سکتا ہے کوئی رمضان ہو اور اگر کوئی رمضان معین کر دیا ہے تو اسی رمضان میں اعتکاف کرنا لازم ہے۔

ابن ہمام نے کہا لیکن یہ فتویٰ اس ضابطہ کے مطابق نہیں ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس شرط کو بحیثیت طاعت دوسری طاعت پر فضیلت حاصل نہ ہو اس کی پابندی لازم نہیں اور ظاہر ہے کہ ایک رمضان کو دوسرے رمضان پر کوئی برتری حاصل نہیں، اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ اگر اعتکاف کے لئے اول ترین رمضان معین کیا گیا ہے تو پابندی کرے جہاں تک ہو سکے طاعت میں عجلت سے کام لیا جائے اللہ نے فرمایا ہے یسارعون فی الخیرات وہم لہا سابقون اور اگر کوئی اور رمضان معین کیا ہے اور پہلے رمضان میں اعتکاف کر لیا تو نذر ادا ہو جائے گی بلکہ اس صورت میں بھی اول ترین رمضان میں ہی ادا کرنا مناسب ہے کیونکہ آئندہ رمضان تک معلوم نہیں زندہ رہے یا نہ رہے۔

مسئلہ: اگر معین رمضان میں اعتکاف کی نذر مانی اور مقرر کردہ رمضان بغیر اعتکاف کے گزر گیا تو دوسرے ایام میں قضاء اعتکاف لازم ہے اور انہی ایام میں روزے رکھنے بھی ضروری ہیں (کیونکہ ادائے نذر کا اصل وقت فوت ہو گیا لہذا دوسرے ایام میں بالارادہ روزے رکھے اور اعتکاف کرے) امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا قول یہی ہے اور امام ابو یوسف کا ایک قول بھی اس کی موافقت میں مروی ہے اور دوسرا قول یہ مروی ہے کہ قضاء آئندہ زمانے میں نہ کرے۔ (نذر کی خلاف ورزی ہو گئی اب اس کی تلافی ممکن نہیں) یہی قول امام زفر کا ہے کیونکہ رمضان میں اعتکاف افضل ہے، دوسرے ایام میں فوت شدہ رمضان کی تلافی نہیں ہو سکتی جیسے کسی نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر مانی اور بیٹھ کر پڑھی تو نذر پوری نہ ہوگی۔ یا پے در پے روزے رکھنے کی نذر مانی اور متفرق ایام میں روزے رکھے تو نذر ادا نہ ہوگی اور جب ایفاء نذر بالقضاء ممکن نہیں ہے تو نذر ساقط ہو جائے گی۔

ہم کہتے ہیں مقرر کردہ رمضان فوت ہو گیا جس کا تدارک ممکن نہیں یعنی فضیلت ایام حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے فضیلت ساقط ہو گئی لیکن اعتکاف کا تدارک تو ممکن ہے لہذا رمضان کے بعد اعتکاف مع الصوم کرنے سے نذر ادا ہو جائے گی۔ فضیلت رمضان نہ ہوگی۔ رہا دوسرے رمضان کا انتظار اور اس وقت تک اعتکاف کو موخر کرنا تو اس کا یقین نہیں کیا جاسکتا کہ دوسرے رمضان تک زندگی باقی بھی رہے گی۔ مدت انتظار طویل ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی وقت کی فرض نماز فوت ہو گئی، یا رمضان کے روزے فوت ہو گئے تو دوسرے وقت نماز اور صوم رمضان کی ادائیگی اصل نماز اور اصل روزوں کو ادا کرنے کی نیت سے کرنا لازم ہے، اس صورت میں فضیلت وقت ضرور ساقط ہو جائے گی اس کا تدارک تو ممکن ہی نہیں ہے لیکن نفس فریضہ تو ادا ہو جائے گا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی نذر ماننا اور بیٹھ کر ادا کرنا نذر کو اس لئے پورا نہیں کرتا ہے کہ دوبارہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے تدارک ہو سکتا ہے۔

ایک شبہ

جب رمضان کا اعتکاف فوت ہو گیا تو مناسب یہ تھا کہ آئندہ رمضان میں اعتکاف کیا جاتا لیکن مرنے کا احتمال تھا اس

لئے جلد از جلد دوسرے لیام میں روزوں کے ساتھ اعتکاف کرنے پر مجبور ہو گیا اور رمضان کے علاوہ دوسرے لیام میں روزوں کے ساتھ اعتکاف کر لیا لیکن جب زندگی میں دوسرا رمضان آ گیا تو دوبارہ اس رمضان میں اعتکاف کرنا واجب ہونا چاہئے جیسے کسی شخص پر اگر حج واجب ہو اور کسی عذر کی وجہ سے حج نہ کر سکا اور دوسرے کو اپنی طرف سے حج کرنے کو بھیج دیا اور وہ شخص اس کی طرف سے حج کر آیا پھر اصل شخص کا عذر جاتا رہا اور خود حج پر قادر ہو گیا تو پہلا حج کر لیا ہوا باطل ہو گیا اور از سر نوح کرنا واجب ہو گیا۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، نص سے اعتکاف کے روزے رکھنے واجب ہو گئے ہیں تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رمضان میں اعتکاف ادا ہی نہ ہو۔ (بلکہ اعتکاف کے لئے بالقصد دوسرے روزے رکھے) جب نذر کی وجہ سے اعتکاف واجب قرار پایا تو (رمضان سے الگ) اعتکاف کے روزے بھی واجب قرار پائے اور ظاہر ہے کہ نذر کے روزے رمضان کے روزوں سے ادا نہیں ہو سکتے کیونکہ رمضان کے روزوں کا جو ب نذر کا محتاج نہیں ہے وہ تو پہلے ہی اللہ کی طرف سے واجب ہیں لیکن وقت کی فضیلت کی وجہ سے ہم نے رمضان میں اعتکاف کو جائز قرار دے دیا اور چونکہ یہ جواز ضرور تھا اور رمضان کا اعتکاف فوت ہونے سے فضیلت وقت کی ضرورت فوت ہو گئی اس لئے حکم اصل کی طرف لوٹ آیا اور اعتکاف کے لئے بالقصد دوسرے لیام میں روزے رکھنے لازم ہو گئے یہ ساری تفصیل اس بنیاد پر ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے جو روزہ کو ضروری قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک رمضان کے بعد بغیر روزے رکھے فوت شدہ اعتکاف ادا ہو سکتا ہے اور دوسرا رمضان آجائے تو اس میں بھی اعتکاف ادا ہو سکتا ہے۔ بلکہ رمضان کے روزے، عروفت ہو گئے اور ان کے عوض رمضان کے بعد دوسرے روزے رکھے یا نذر کے روزے رکھے ہر صورت میں اعتکاف ادا ہو گیا جس اعتکاف کے طرح کے روزے یا بالکل بکلیب فوت شدہ اعتکاف کے عوض جب اعتکاف کر لیا خواہ روزے کے ساتھ یا بغیر روزے کے اور پھر دوسرا رمضان آ گیا تو دوبارہ اعتکاف نہیں کرے گا جیسے کسی کی وقتی نماز اگر فوت ہو جائے اور اس وقت پانی بھی موجود تھا پھر دوسرے وقت اس نے فوت شدہ نماز تیمم سے پڑھ لی کیونکہ اس وقت پانی نہیں مل سکتا تھا۔ پھر پانی مل گیا تو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یا جیسے کسی نے کپڑا نہ ملنے کی وجہ سے برہنہ بدن نماز پڑھ لی پھر کپڑا میسر آ گیا تو اعادہ صلوٰۃ لازم نہیں۔

مسئلہ: حالت کفر میں کسی کافر نے نذر طاعت کی پھر ایفاء نذر سے پہلے مسلمان ہو گیا، امام مالک اور امام احمد کہتے ہیں، حالت کفر کی نذر کا ایفاء حالت اسلام میں واجب ہے، حضرت عمر نے حالت کفر میں اعتکاف کی نذر مانی تھی مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے حکم دریافت کیا، حضور ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک حالت کفر کی نذر کو حالت اسلام میں پورا کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ کافر طاعت کا اہل ہی نہیں ہے کافر کی طاعت معصیت ہے اس کی طاعت خلوص ایمانی کے ساتھ نہیں ہوتی اور نذر معصیت کو پورا کرنا واجب نہیں۔ حضرت عمر کو رسول اللہ ﷺ نے جو نذر اعتکاف پورا کرنے کا حکم دیا تھا، اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ نذر سابق کا ایفاء لازم ہے بلکہ حضرت عمر کو اعتکاف کی خواہش تھی حضور ﷺ نے آپ کی شدت رغبت کو محسوس کر کے ابتدائی حکم دیدیا یہ نذر جاہلیت کو پورا کرنے کا حکم نہ تھا۔

مسئلہ: نذر طاعت کرنے کے بعد (ایفاء سے پہلے) اگر کوئی مرتد ہو گیا پھر کچھ مدت کے بعد اسلام میں لوٹ آیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایفاء نذر واجب نہیں کیونکہ طاعت کی نذر بھی طاعت ہے اور ہر قربت مرتد ہونے کی وجہ سے فوت ہو گئی۔ معدوم ہو گئی اس کا اثر بھی باقی نہیں رہا۔

مسئلہ: اگر ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی لیکن معاشی مشاغل کی وجہ سے دوامی روزے نہ رکھ سکا تو جتنے دن روزے نہ رکھے ہوں ہر روزہ کے بدلے ایک صاع (تقریباً چار سیر) گیہوں خیرات کرے (کذا قال فی الفتاویٰ الکبریٰ) ابن ہمام نے بھی یہی لکھا ہے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ تنگ دستی کی وجہ سے اگر مالی خیرات نہ کر سکے تو اللہ سے معافی کا خواستگار ہو۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ

جس نے دوامی روزے رکھنے کی نذر مانی ہو اس کو اختیار ہے چاہے روزے رکھے چاہے ہر روزہ کا کفارہ (چار سیر گندم) دیدے۔ (کنذانی الفتاویٰ الحجۃ) ناقابل برداشت چیز یا کام کی نذر ماننے کے حکم میں بھی یہی اختلاف ہے جو لوگ کفارہ کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حضرت ابن عباس کی روایت سے آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ناقابل استطاعت نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: جس نے دس یا سو حج کرنے کی نذر مانی کیا اس پر نذر کے مطابق سب حج کرنے لازم ہیں یا اتنے حج کرنے ضروری ہیں جتنے حج کرنے کی زندگی اجازت دے خلاصہ میں اول الذکر قول اختیار کیا گیا ہے دوسرے لوگوں نے مؤخر الذکر قول کی نسبت صاحبین کی طرف کی ہے سرخسی کا بھی یہی قول مختار ہے۔

اگر اسی سال دس حج کرنے کی نذر مانی تو سرخسی کی مختار روایت میں اس پر دس سال میں دس حج کرنے لازم ہوں گے۔ خلاصہ کی روایت کے اعتبار سے اسی سال دس حج لازم ہوں گے اب اگر اس نے اپنی طرف سے دس آدمیوں کو دس حج کرا دیئے اور دس سال ابھی نہیں گزرے تو نذر پوری ہو جائے گی بشرطیکہ دس سال گزرنے سے پہلے وہ مر جائے لیکن اگر وہ دس سال تک زندہ رہا تو ہر سال خود حج کرنا اس پر واجب ہے، دوسروں سے کرائے ہوئے حج کافی نہیں ہوں گے۔ پھر اگر باوجود دس سال تک زندہ رہنے کے ہر سال حج کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو۔ تو کیا کفارہ ادا کرنا کافی ہو جائے گا۔ حسب سابق یہ بھی مختلف فیہ مسئلہ ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا میں حج کروں گا تو یہ وعدہ حج ہے اس لفظ سے اس پر حج کرنا لازم نہیں ہو جاتا یہ نذر نہیں ہے ہاں وعدہ کو پورا کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا اللہ مجھے اس بیماری سے شفا عطا فرمادے گا تو میں حج کروں گا، یہ نذر ہو گئی۔ اسلامی فریضہ کے علاوہ حج نذر بھی اس پر لازم ہو گیا آئندہ اگر بغیر کسی تعینسی نیت کے اس نے حج کیا تو فرض حج مانا جائے گا اور اس کے بعد اگر اس نے دوسرا حج کیا اور کوئی نیت نہیں کی تو بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ نفل حج ہوگا۔ نذر والا حج نہیں ہوگا اور ادائے نذر کے لئے نیت ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا مجھ پر حج لازم ہے اگر زید چاہے اور زید نے کہا ہاں میں چاہتا ہوں تو حج نذر لازم ہو گیا اور یہ ضروری نہیں کہ جس وقت زید کو اس قول کی اطلاع ملے اسی مجلس میں وہ اپنی مشیت کا اظہار کر دے۔ تعلق طلاق بالمشیت کا مسئلہ اس کے خلاف ہے دونوں میں فرق ہے طلاق میں تو تملیک (اور تقویض) کا مستحق ہوتا ہے اور حج کے مسئلہ میں تعلق بالمشیت زید محض ایک شرط ہے۔

مسئلہ: جس نے نذر مانی کہ اپنا تمام مال خیرات کر دے گا تو احسانا اس پر لازم ہے کہ جتنے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اتنا خیرات کر دے کیونکہ اللہ کی طرف سے مقدار نصاب پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اسی پر ایجاب عبد یعنی التزام نذر کو بھی قیاس کر لیا جائے گا۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مال کو خیرات کرنا مقصود ہے اور فاضل مال وہی ہوتا ہے جو نصاب زکوٰۃ ہے وصیت کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ وصیت ایسے وقت ہوتی ہے جب وصیت کرنے والا مال کا ضرورت مند نہیں ہوتا۔ ہاں اگر یہ نذر مانی کہ میری ملک میں جو کچھ ہے میں خیرات کر دوں گا اس صورت میں امام ابو حنیفہ نیز صاحبین کے نزدیک کل مال خیرات کرنا لازم ہے امام احمد امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک دونوں میں کوئی فرق نہیں کل مال کا لفظ ہو یا کل ملک کا دونوں صورتوں میں سارا مال خیرات کرنا لازم ہے۔

امام مالک نے فرمایا دونوں صورتوں میں ایک تمام مال دینا پڑے گا۔ رزین کی روایت ہے کہ حضرت ابولبابہ نے خدمت گرامی ﷺ میں عرض کیا میری توبہ کی یہ بھی تکمیل ہے کہ میں اپنے اس گھر سے بے تعلق ہو جاؤں جہاں میں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے کل مال سے الگ ہو جاؤں کل مال خیرات کر دوں حضور ﷺ نے فرمایا تیری طرف سے ایک تمام مال کافی ہے۔ ہم

کہتے ہیں حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں نہ اشارہ ہے کہ حضرت ابولبابہ نے کل مال خیرات کرنے کی نذر مانی تھی۔ صرف اتنا سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے کل مال خیرات کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ حضور ﷺ نے ایک تمائی مال خیرات کرنے کا مشورہ دیدیا۔ تاکہ غریبوں کے جو حقوق ابولبابہ پر تھے وہ ضائع نہ ہوں۔ اس معنی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کعب بن مالک کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تمائی مال کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ صحیحین میں صحیحین نے بیان کیا کہ حضرت کعب بن مالک نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنے مال سے قطع تعلق کر لوں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں فرمایا کچھ مال اپنے پاس روک لے یہ تیرے لئے بہتر ہے، میں نے عرض کیا تو میں اپنا وہ حصہ روک کے لیتا ہوں جو خیر میں ہے۔

مسئلہ: اگر یوں کہا کہ میرا مال غریبوں کے لئے خیرات ہے تو اس میں وہ مال داخل نہیں مانا جائے گا جو اس کا لوگوں پر

ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا کہ میرا تمام مال جو اس وقت میری ملک میں ہے اور جو آئندہ میری ملک میں آئے گا سب خیرات کرنے کی نذر ماننا ہوں تو اس میں اپنی ذات کا ضروری صرف اور بیوی کا نفقہ اور ان تمام متعلقین کا نفقہ جن کے مصارف اس کے ذمہ ہوں داخل نہ ہو گا جیسے کہ کسی نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی تو رمضان کے روزے اس میں داخل نہیں ہوں گے اس لئے ان کا کفارہ بھی نہیں دے گا کیونکہ رمضان کے روزے تو حق خداوندی سے متعلق ہیں اب کسی وجہ سے رمضان کے علاوہ دوسرے ایام کے روزے نہ رکھ سکے تو انہی ایام کا کفارہ ادا کرے۔

مسئلہ: اگر کسی نے اس طرح کہا اللہ کے لئے ایک بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرنا میرے لو پر لازم ہے تو (نذر کا حکم ہو جائے گا) فی الحال ذبح کرنا لازم ہے اور اگر کوئی شرط لگائی مثلاً یوں کہا کہ میرا بھائی شقیاب ہو جائے گا تو اللہ کے لئے یہ جانور ذبح کرنا مجھ پر لازم ہے تو جب شرط پوری ہو جائے اس وقت ذبح کرنا لازم ہو گا اور اختیار ہو گا جہاں چاہے ذبح کرے لیکن گوشت فقراء و مساکین کو تقسیم کرے۔

نوادر ابن سماعہ میں مذکور ہے کہ لفظ مذکور کہنے سے نذر نہیں ہوتی۔ ذبح کرنا واجب نہیں ہو جاتا۔ ہاں اگر کلام مذکور میں بطور خیرات زائد کہہ دیا تو یہ نذر ہو جائے گی ہم کہتے ہیں الفاظ مذکور دلالت کر رہے ہیں کہ اس نے مال دینے کا ذمہ لیا ہے اور مال ایسا ہے کہ فقراء کو دیا جاسکتا ہے اس لئے ذبح کرنے سے مراد ہو گا قربانی کر کے فقراء کو گوشت تقسیم کرنا ہاں اگر اس نے نیت ہی صرف ذبح کرنے کی ہو (تو گوشت کی تقسیم لازم نہ ہوگی اور اس کلام کو نذر پر محمول نہیں کیا جائے گا) اور اگر یوں کہا کہ اللہ کے لئے مجھ پر ہدی (قربانی) ہے تو بھیڑ بکری، اونٹ، گائے، بھینس جس جانور کی قربانی جائز ہے اس کو ذبح کر سکتا ہے۔ البتہ کسی جنس کا جانور اگر نیت میں متعین کر لیا ہے تو اسی قسم کا جانور ذبح کرنا ہوگا۔

صورت مذکورہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ حرم کے اندر ہی ذبح کرے (ہدی کا لفظ حرم کو ہی چاہتا ہے) اب اگر یہ واقعہ ایام نحر کا ہے تو منی میں قربانی کرنا سنت ہے ورنہ مکہ میں جہاں مرضی ہو ذبح کرے اور (مکہ کی تخصیص جواز کے لئے نہیں بلکہ) حرم کے اندر جہاں چاہے ذبح کرے اور اگر لفظ ہدی کے ساتھ جزور کا لفظ کہا ہے تو حرم کے اندر اونٹ کی قربانی لازم ہوگی اور اگر جزور کے لفظ کے ساتھ ہدی کا لفظ نہیں کہا (اور ذبح کا یا اس کا ہم معنی کوئی دوسرا لفظ کہا) تو قربانی اونٹ کی کرنی ہوگی۔ حرم کے اندر ہو یا حرم کے باہر۔ اور اگر بدنہ کا لفظ کہا اور ہدی کا لفظ نہیں کہا تو چونکہ بدنہ (بمعنی اونٹ) عام استعمال میں اسی اونٹ کو کہتے ہیں جو حرم کے اندر قربانی کے لئے حاجی پہلے سے بھیج دیتے ہیں اس لئے امام ابو یوسف کے نزدیک حرم کے اندر ہی قربانی کرنی لازم ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک بدنہ کی نذر ماننے سے اونٹ کو حرم کے اندر ذبح کرنا لازم نہیں ہوتا۔ ہاں اگر علی بدنہ من شعائر اللہ کہا تو چونکہ شعائر اللہ ہی اونٹ ہوتے ہیں جن پر خصوصی علامت اس بات کی بنا دی جاتی ہے کہ یہ اونٹ حرم کو

قربانی کے لئے جا رہے ہیں اس لئے اس بدنہ نذر کو بھی حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔ اب اگر ہدی کو حرم میں ذبح کیا ہو تو حرم کے فقیروں کو اس کا گوشت تقسیم کر دے اگرچہ حرم کے علاوہ دوسرے فقیروں اور غریبوں کو دینا بھی جائز ہے۔

اگر ہدی کی نذر مانی تو کیا ہدی کی قیمت حرم میں بھیج کر وہاں کے غریبوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں لول قول ابو سلیمان کی روایت میں آیا ہے جس طرح جانوروں کی زکوٰۃ ان کی قیمت کی شکل میں ادا کی جاسکتی ہے اسی طرح نذر ہدی میں ہدی کی قیمت تقسیم کی جاسکتی ہے۔

ابو حفص کی روایت میں عدم جواز آیا ہے کیونکہ لفظ ہدی کے اندر ذبح کا مفہوم ہے اس لئے ذبح کرنا ہی ضروری ہے اور یہی طاعت ہے۔ رہا تقسیم کرنا تو یہ ذیلی چیز ہے جو ذبح کے بعد مقصد جانوی کی حیثیت رکھتی ہے اور زکوٰۃ میں اصل مقصد جانوروں کی زکوٰۃ ہے۔ یعنی بقدر نصاب جانور دے دینا، پس اس کی دونوں صورتیں ہیں جانور دیدے یا قیمت (زکوٰۃ میں ذبح کا مفہوم نہیں ہے)۔

مسئلہ: جس نے بکری کی نذر مانی اور اونٹ ذبح کر دیا تو بہتر ہے۔ نذر ادا ہو گئی یہ صورت اداء بقیمت کی نہیں ہے کہ کافی نہ ہو کیونکہ ایفائے نذر بھی ذبح کی شکل میں کیا ہے لیکن دو بکریوں کی نذر مانی اور ایک ایسی بکری کی قربانی کر دی جو قیمت میں چار بکریوں کے برابر تھی تو ذبح نذر کے لئے کافی نہ ہوگی صرف ایک ہی بکری مانی جائے گی۔

مسئلہ: جس اگر معین بکری ذبح کرنے کی نذر مانی تو اسی بکری کو ذبح کرنا ہوگا، اگر وہ مر جائے یا چوری ہو جائے تو دوسری لازم نہ ہوگی۔ اس طرح معین روپیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کو خیرات کرنے کی نذر مانی اور روپیہ ضائع ہو گیا۔ چوری ہو گیا یا کچھ اور ہو گیا تو دوسرا معین روپیہ اس کی جگہ لازم نہ ہوگا لیکن اگر وہ روپیہ موجود ہو اور اس کی جگہ اتنا ہی دوسرا روپیہ خیرات کر دیا جائے تو کافی ہوگا اور اگر روٹی خیرات کرنے کی نذر مانی اور روٹی کی قیمت خیرات کر دی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کپڑا خیرات کرنے کی نذر مانی اور کعبہ کے غریب دربانوں کو دیدیا تو جائز ہے۔ اگر دربان غریب نہیں ہیں تو ان کو دینے سے نذر پوری نہ ہوگی اور اگر نذر کے کپڑے سے کعبہ کے پردے یا دیواروں کے غلاف وغیرہ بنا دیئے تو نذر پوری نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ یہ جانور بیت اللہ یا کعبہ یا مکہ تک (ذبح ہونے کے لئے) بھیجوں گا تو نذر کی وفا لازم ہو گئی اور اگر کعبہ اور بیت اللہ اور مکہ کی جگہ حرم یا مسجد حرام کا لفظ بولا تو نذر حسب قول موجب نہیں ہوئی۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں نذر موجب ہو گئی اور وفا حسب قول لازم ہو گئی لیکن اگر لفظ صفا بولا تو سب کے نزدیک اس کا التزام ضروری نہیں

ایک شبہ

اگر صرف لفظ ہدی استعمال کیا ہے تو حرم میں ذبح کرنا لازم ہو جاتا ہے پھر کیا وجہ کہ جب لفظ ہدی کے ساتھ لفظ حرم یا لفظ صفا بھی استعمال کیا تو کیوں حرم میں ذبح کرنا واجب نہیں ہوگا۔

جواب

اگر صرف لفظ ہدی بولا تو بیت اللہ یا مکہ کو لفظ ہدی کی مناسبت سے دل میں پوشیدہ ماننا پڑے گا لیکن جب لفظ حرم یا مسجد کہہ دیا تو اب کعبہ یا بیت اللہ یا مکہ دل میں پوشیدہ نہیں مانا جاسکتا اس لئے التزام ضروری نہیں قرار پایا۔

مسئلہ: اگر اس طرح کہا میں اپنے اس کپڑے سے بیت اللہ کا ستر (غلاف) کروں گا یا حطیم پر لگاؤں گا تو استحسانا اس کو نذر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ عرفا اس سے ہدی ہی مراد ہوتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی شخص کی بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اگر میں اس بکری کو خریدوں گا تو کعبہ کو ہدیہ کر دوں گا (یعنی وہاں قربانی کروں گا) تو لام شافعی کے نزدیک یہ نذر لغو ہوگی کیونکہ تعلق بالشرط انعقاد حکم سے مانع ہے سبب سے مانع نہیں اور انعقاد سبب کے وقت بکری دوسرے کی ملک میں تھی اور غیر ملوک چیز کی نذر صحیح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

آدمی کی ملک میں جو چیز نہ ہو اس کی نذر (حج) نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شرط انعقاد سبب سے مانع ہوتی ہے وجود شرط کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے یعنی خریدنے کے بعد سبب کا انعقاد ہوتا ہے اس لئے نذر لغو نہیں ہوگی۔ وجود شرط کے بعد اس کو پورا کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو یا اپنے غلام کو ذبح کر دینے کی منت مانی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ نذر معصیت ہے جو لغو ہے کچھ لازم نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک استحساناً ایک بکری کی قربانی کرنی چاہئے اور اگر اس نے چند بیٹوں بیٹیوں کی ذبح کرنے کی منت مانی ہو تو ہر بیٹے یا بیٹی کے عوض ایک بکری کی قربانی کرے امام محمد کے نزدیک اولاد کو ذبح کر دینے کی منت مانی ہو تو بکری کی قربانی لازم ہے لیکن اگر اپنے آپ کو یا اپنے غلام کو ذبح کرنے کی نذر مانی ہو تو نذر لغو ہے کچھ لازم نہیں۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنا واجب کر دیا گیا تو حضرت اسماعیلؑ کے ندیہ میں مینڈھے کو قربان کرنے کا حکم دیا گیا اور ظاہر ہے کہ اپنی جان کو یا اولاد کو قتل کرنا تو شرعاً معصیت ہے اس کی اجازت نہیں ہے اور نذر کی صورت میں اس نے خود اپنے اوپر قربانی کو واجب کر لیا ہے اس لئے جان یا اولاد کے عوض بکری کی قربانی اس کے قائم مقام ہو جائے گی محمد بن منشر راوی ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے آپ کو قربان کرنے کی نذر مانی اور یوں کہا کہ اللہ نے دشمن سے مجھے نجات دیدی تو اپنے کو قربان کر دوں گا پھر حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم دریافت کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سروق سے جا کر پوچھو وہ شخص سروق کے پاس گیا۔ سروق نے فرمایا خود اپنے کو قتل نہ کرو اگر تم مومن ہو تو مومن کے قاتل بن جاؤ گے اور کافر ہو تو دوزخ میں جلد پہنچ جاؤ گے بلکہ ایک مینڈھا خرید کر غریبوں کے لئے اس کو ذبح کر دو۔ حضرت اسحاق تم سے افضل تھے ان کے ندیہ میں بھی مینڈھے کی قربانی کرادی گئی تھی۔ اس فتویٰ کی اطلاع اس شخص نے حضرت ابن عباس کو جا کر دی۔ آپ نے فرمایا میں نے بھی ایسا ہی فتویٰ دینے کا ارادہ کیا تھا۔ رواہ ابن رزین۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا مجھے تیرے مال سے جو نفع حاصل ہو مجھ پر اس کو خیرات کر دینا لازم ہے تو جو نفع مخاطب کے مال سے حاصل ہوگا اس کو خیرات کرنا لازم ہے لیکن اگر مخاطب نے اس کی دعوت کی اور کھانا پیش کیا تو اس کو خیرات کرنا لازم نہیں۔

مسئلہ: اگر اس طرح نذر مانی میں اگر ایسا کروں تو جو کچھ میں کھاؤں اس کے مقابل خیرات کرنا مجھ پر لازم ہے یا جو میں پیوں اس کے مقابل خیرات کرنا مجھ پر لازم ہے لول صورت میں ہر لقمہ کے عوض ایک درہم اور دوسری صورت میں ہر گھونٹ کے عوض ایک درہم خیرات کرنا لازم ہے اس سے کم کھانے پینے کا اختیار نہیں۔ (عربی معنی یہی ہے)

مسئلہ: جس روز زید آجائے اللہ کے شکر کے طور پر اس روز مجھ پر روزہ رکھنا لازم ہے۔ اگر کسی نے ایسا کہا تو یہ قسم ہو گئی اب اگر زید ماہ رمضان کے کسی دن کے وقت آیا تو قسم کا کفارہ ہو گا نذر کی تضا لازم نہ ہوگی۔ شرط یعنی صوم بہ نیت شکر کا وجود ہی متحقق نہیں ہوا لیکن اگر روزہ کی نیت سے پہلے زید آ گیا پھر اس نے صوم شکر کی نیت کر لی اور رمضان کی نیت نہ کی تو قسم پوری ہو جائے گی اور رمضان کا روزہ بھی ادا ہو جائے گا اور نذر کی تضا لازم نہ آئے گی۔ اگر الفاظ مذکورہ کہتے وقت قسم کی نیت نہیں کی اور نذر مانی تو یہ نذر ہی صحیح نہ ہوگی رمضان کا روزہ تو پہلے ہی سے فرض ہے اس کی جگہ صوم نذر نہیں لے سکتا۔ اس صورت میں نہ کفارہ ہے (کیونکہ قسم کی نیت نہیں) اور نہ قضاء نذر (کیونکہ نذر ہی صحیح نہیں)

مسئلہ: اگر کسی بیمار نے ایک ماہ کے روزوں کی نذر مانی اور تندرست ہونے سے پہلے مر گیا تو اس پر کچھ لازم نہیں۔
مسئلہ: اگر کسی نے سال یا مہینہ کی کسی معین تاریخ کے روزہ کی نذر مانی تو ہر سال یا ہر ماہ جب بھی وہ تاریخ آئے گی روزہ رکھنا لازم ہوگا (یعنی عمر بھر کے لئے اس تاریخ کا روزہ لازم ہو گیا)

مسئلہ: اگر کسی نے پیر یا جمعرات کے دن کے روزہ کی نذر مانی تو ایک ہی پیر یا جمعرات کا روزہ کافی ہوگا۔ ہاں اگر ہر پیر یا ہر

جمعات کو روزہ رکھنے کی نیت کی ہوگی تو ہر پیر ماہر جمعات کو روزہ رکھنا ہوگا۔

مسئلہ: اگر نذر کے الفاظ بلا ارادہ زبان پر آجائیں تو نذر کا حکم ہو جائے گا جسکو پورا کرنا ضروری ہو جائے گا۔ کیونکہ نذر انشاء ہے (خبر نہیں ہے جس میں جھوٹ سچ دونوں کا احتمال ہوتا ہے لفظ انشاء میں جھوٹ کا کوئی احتمال نہیں) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین چیزیں ہیں جن کی سنجیدگی اور واقعیت بھی سنجیدگی ہی ہے (یعنی ان کو صحیح مانا جائے گا اور ان کے احکام نافذ ہوں گے) اور جن میں مذاق بھی سنجیدگی ہی ہے۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا اس سال اللہ کے لئے مجھ پر روزے ہیں (یعنی سال بھر کے روزوں کی نذر مانی، تو وقت نذر سے آئندہ بارہ مہینوں کے روزے لازم ہو گئے لیکن فتاویٰ قاضی خان اور خلاصہ میں ہے سنت یہ ہے کہ محرم سے شروع کرے اور آخر ذی الحجہ پر ختم کر دے لیکن اگر اس نے سال رواں کی طرف اشارہ کیا ہے تو وقت نذر سے آخر ذی الحجہ تک روزے رکھنا لازم ہوگا اور سال رواں کے جو مہینے یاد ن گزر گئے ان کے روزے لازم نہ ہوں گے اسی طرح اگر کسی نے کہا میں گزرے ہوئے کل کاروزہ رکھنے کی نذر مانتا ہوں یہ کلام لغو ہے گزرا ہوا اکل لوٹ کر نہیں آتا ہے۔

اگر کسی نے ماہ رواں کی طرف اشارہ کر کے اس مہینے کے روزوں کی نذر مانی تو مہینہ کے جتنے دن باقی ہوں ان کے روزے تو لازم ہوں گے اور گزرے ہوئے دنوں کی نذر لغو قرار پائے گی۔

مسئلہ: اگر کسی نے کہا آج مجھ پر گزرے ہوئے کل کاروزہ رکھنا لازم ہے تو گزرے ہوئے کل کی قضا لازم نہ ہوگی صرف اسی دن کاروزہ رکھے گا۔ جس دن یہ الفاظ کہے ہوں گے۔

مسئلہ: اگر ایک سال کے روزوں کی نذر مانی تو جن دنوں کے روزے شرعاً ممنوع ہیں وہ دن مستحی ہوں گے اور ممنوع ایام کے علاوہ روزے رکھے گا۔ اسی طرح عورت کے ایام حیض مستحی رہیں گے اور باقی ایام میں روزے رکھنے لازم ہوں گے۔

مسئلہ: کسی عورت نے ایام حیض میں روزے رکھنے کی نذر مانی تو نذر صحیح نہیں اسی لئے قضا واجب نہیں اگر کسی نے رات کاروزہ رکھنے کی نذر مانی تو یہ نذر بھی صحیح نہیں شرعی روزہ دن میں ہوتا ہے۔

وَلْيَكُونُوا بِآبَائِبِيتِ الْعَتِيقِ ⑤ اور چاہئے کہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ حضرت ابن عباس حضرت زبیر مجاہد اور قتادہ کے حوالہ سے بغوی نے عتیق کہنے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ ہر جابر اور بادشاہ ظالم کے قبضہ سے اللہ نے اس گھر کو ہمیشہ آزاد رکھا ہے کوئی جبار حاکم کبھی اس پر قبضہ نہ کر سکا نہ قبضہ کر سکے گا اس لئے اس کو عتیق کہا جاتا ہے لیکن اس توجیہ کی تردید حضرت ابوہریرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو برباد کر دے گا۔ حضرت ابن عباس رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ منظر میری نظروں کے سامنے ہے کہ ایک حبشی چری ہوئی رانوں والا کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ رہا ہے۔ رواہ البخاری۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک حبشی تم کو چھوڑے رکھیں تم بھی ان سے تعرض نہ کرو کیونکہ کعبہ کا خزانہ سوائے اس حبشی کے جو چھوٹی پنڈلیوں والا ہوگا اور کوئی نہ نکال سکے گا۔ رواہ ابوداؤد والحاکم وصحیح۔

بعض نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی کہ اللہ نے کعبہ کو ڈوبنے سے آزاد رکھا طوفان نوح کے زمانے میں اس کو اٹھایا گیا تھا۔ ابن زید اور حسن نے عتیق کا معنی پرانا قدیم بیان کیا ہے یہ سب سے اول تعمیر انسانی ہے دینار عتیق۔ قدیم دینار۔

بعض نے کہا عتیق کا معنی ہے معزز عمدہ، اعلیٰ، عناق الخلی اعلیٰ گھوڑے، عتق الرقیق، غلام کا غلامی کی ذلت سے آزاد ہو کر آزادی کی عزت حاصل کرنا۔ سفیان بن عیینہ نے کہا کوئی انسان کبھی نہ اس کا مالک ہو انہ ہو سکتا ہے بلکہ اس کے گرد اگر دس سارا حرم بھی انسانی ملکیت سے آزاد ہے۔ سَوَاءٌ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ

بیت اللہ کا طواف عبادت مقصودہ ہے اور خلاف عقل نہیں ہے اس کی حالت نماز کی طرح ہے۔ طواف تین طرح کا ہوتا

ہے۔

(۱) طواف فرض، یہ حج اور عمرہ کا رکن اور جزء ضروری ہے۔

(۲) طواف واجب، یہ طواف قدوم درجوع ہے (پہلی زیارت کے وقت کا اور واپسی کے وقت کا طواف)

(۳) ان دونوں قسموں کے علاوہ ہر طواف نفل ہے، جس کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے

اولاد عبد مناف، تم میں سے جو کوئی لوگوں کے امور میں سے کسی امر کا والی ہو (یعنی حکومت کا کوئی رکن ہو) حکومت میں اس کا

دخول ہو) تو لوگوں کو رات دن میں کسی وقت بیت اللہ کا طواف کرنے سے نہ روکے۔ رواہ الشافعی و اصحاب السنن و ابن خزمہ و

ابن حبان و الدارقطنی و الحاکم عن جبر بن مطعم و صحیح الترمذی، یہ حدیث دارقطنی نے دوسرے دو طرق سے حضرت جابر کی روایت

سے بیان کی ہے مگر یہ معلول ہے دارقطنی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے، ابو نعیم نے تاریخ اصیہان

میں اور خطیب نے تخیص میں ایک سلسلہ سے حضرت ابن عباس تک اس حدیث کی روایت کو پہنچایا ہے مگر یہ سلسلہ بھی مجروح

ہے۔ ابن عدی نے بحوالہ سعید بن راشد از عطاء از ابو ہریرہ اس کو بیان کیا ہے۔

مسئلہ: طواف قدوم (ابتدائی طواف) امام ابو حنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے اور امام مالک کے

ز نزدیک واجب ہے ابو الثور شافعی کا یہی قول ہے اس کو ترک کرنے سے قربانی واجب ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ فوت ہو جائے تو

باقی علماء حج ادا ہو جاتا ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کیا۔ جس کی تفصیل حضرت عائشہ نے مجھے یہ بتائی کہ مکہ پہنچ

کر رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے وضو کر کے طواف کیا۔ اس کے بعد کوئی عمرہ نہ تھا۔ پھر حضرت ابو بکر نے حج کیا اور سب

سے پہلے کعبہ کا طواف کیا اب بھی عمرہ نہ تھا، عمرہ اس کے بعد کیا، پھر حضرت عثمان نے ایسا ہی کیا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مکہ میں) آکر سب سے اول حج یا عمرہ کا طواف کیا اس میں پہلے تین

چکر لپک کر (تیزی کے ساتھ کئے) اور چار چکر معمولی چال سے پھر دو سجدے کئے پھر صفا اور مردہ کے درمیان سعی کی۔ متفق

علیہ۔

امام مالک نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہاجج کیا تھا کیونکہ

اس حدیث میں آیا ہے پھر عمرہ نہ تھا اور طواف قدوم کا وجود نہ کو رہ دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ دونوں حدیثوں میں ہے

کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے طواف کیا اور یہ بھی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مناسک (حج کے

طریقے) مجھ سے لے لو۔ (سیکھ لو) اسی حکم کی وجہ سے طواف قدوم واجب ہو گیا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ باقی علماء

طواف قدوم کے بعد صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنی جائز ہے اور صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنی بالاجماع واجب ہے اور سعی

سے طواف کرنا بھی لازم ہے طواف کے بعد سعی ہونا چاہئے اس لئے طواف بھی واجب ہونا چاہئے کیونکہ کوئی واجب نفل (یا

سنت) کا تابع نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے باشندوں کے لئے طواف زیارت سے پہلے صفا اور مردہ کے درمیان سعی جائز

نہیں۔ کیونکہ اہل مکہ کے لئے طواف قدوم نہیں ہے اور طواف کے بعد بطور نفل سعی جائز نہیں۔ اگر شبہ کیا جائے کہ رسول اللہ

ﷺ نے افراد نہیں قرآن کیا (حج اور عمرہ دونوں کی نیت ساتھ ساتھ کی تھی) بکثرت احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت

انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حج اور عمرہ کی لپک کہتے ہوئے میں نے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے لپیک عمرہ

و جحا متفق علیہ۔

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا حج اور عمرہ یکجا کیا تھا۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ حج و اداع

میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کرنے کے بعد حج تک تمتع کیا تھا اور قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے جن کی قربانی کی تھی۔ متفق

علیہ۔

اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری روایتوں کو دیکھ کر امام احمدؒ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے (نہ تہاج کیا نہ قرآن بلکہ) تمتع کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں اس حدیث میں تمتع سے قرآن ہی مراد ہے کیونکہ لغت کے اعتبار سے تمتع بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ کا معنی صرف یہ ہے کہ ایک یہ سال میں حج کے مہینہ میں عمرہ اور حج دونوں کئے جائیں۔ خواہ ایک احرام سے کئے جائیں یا دونوں کا احرام الگ الگ باندھا جائے اور دو احرام کئے جائیں۔ آیت فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ التَّهْدِي فِيهَا مَرَادُهَا۔ ہاں فقہاء کی اصطلاح میں تمتع الگ ہے اور قرآن الگ۔ لیکن حدیث یا قرآن کی آیت میں فقہاء کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے بصراحت معلوم ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ہی احرام یکجائی باندھا تھا۔ البتہ اہل روایت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد ایک ہی طواف کیا تھا (یعنی طواف قدوم) یا دو طواف کئے تھے۔ ایک طواف قدوم اور دوسرا طواف عمرہ۔ جمہور کا قول ہے کہ ایک ہی طواف کیا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا دو طواف کئے تھے جمہور کے قول کی تائید بخاری کی بیان کردہ حضرت ابن عباس کی روایت سے ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں آئے اور طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور (پھر) طواف کرنے کے لئے کعبہ کے قریب بھی نہیں گئے یہاں تک کہ عرفہ سے واپس آگئے (پھر طواف کیا) حج بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کے حج کا واقعہ مذکور ہے۔

جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؒ پر لشکر کشی کی تھی اور حضرت ابن زبیرؒ کا گھیرا ڈالے بڑا تھا اسی سال حضرت ابن عمرؒ نے حج کا ارادہ کیا۔ عرض کیا گیا لوگ جنگ و جدال کی حالت میں ہیں ہمیں اندیشہ ہے وہ آپ کو حج سے روک دیں گے۔ حضرت ابن عمرؒ نے فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (اگر مجھے روک دیا گیا تو) میں وہی کر دوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ واجب کر لیا، پھر آپ روانہ ہو گئے جب بیداء کے باہر پہنچے تو فرمایا حج اور عمرہ کی ایک ہی حالت ہے، میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی واجب کر لیا، آپ نے قدید سے خریدی ہوئی ایک قربانی بھی ساتھ لے لی، اور یوم النحر سے پہلے نہ قربانی کی نہ احرام کھولا، نہ سر منڈوایا نہ بال کتروائے نہ کسی ایسے کام کا ارتکاب کیا جو احرام کی حالت میں ممنوع ہے، جب یوم النحر آیا تو قربانی کی اور سر منڈوایا اور خیال کیا کہ پہلے ہی طواف سے آپ کا حج بھی ادا ہو گیا اور عمرہ بھی۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے تھے جس نے حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کیا اس کے لئے ایک ہی طواف کافی ہے (جب تک دونوں کو ادا نہ کر دے احرام نہ کھولے) دونوں کو ادا کر دے تو ساتھ ساتھ احرام کھولے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ جب کعبہ کے پاس پہنچے تو سات چکر لگائے اور صفا و مروہ کے درمیان سات سعی کی اور (اس سے) زیادہ (کچھ) نہیں کیا اور خیال کیا کہ بس یہی کافی ہو گیا۔

حنیفہ نے حضرت علیؑ کے عمل سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے حج و عمرہ کو یکجا ساتھ ساتھ ادا کیا اور دونوں کے لئے (جد اجدا) وہ طواف کئے اور (علیحدہ علیحدہ) دونوں کے دوبار سعی کی اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ رواہ الدار قطنی والنسائی بطرق۔ امام محمد نے کتاب الا آثار میں حضرت ابو حنیفہ کی روایت سے موقوفاً بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا جب حج و عمرہ کا یکجا احرام باندھو تو دونوں کے لئے دو طواف کرو اور صفا و مروہ کے درمیان دونوں کے لئے دوبار سعی کرو۔ طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا قرآن کرنے والا (کعبہ کے) دو طواف کرے اور (صفا و مروہ کے درمیان) دو سعی کرے۔

حافظ نے کہا حضرت علی اور حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً اس حدیث کی روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں ہاں موقوفاً جنہیں طحاوی نے مختلف سندوں سے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے اقوال قرار دیا ہے وہ مجموعی لحاظ سے قابل قبول ہیں ان میں کوئی ضعف نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث اگر صحیح بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں

پہنچے تو منیٰ جانے سے پہلے آپ نے کعبہ کے دو طواف کئے ایک قدم حج کا دوسرا عمرہ کا بلکہ حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے لئے (کعبہ کا) طواف کیا اور اس کے لئے سعی کی اور یہ (عمرہ) منیٰ کو جانے سے پہلے کیا۔ پھر قربانی کے دن حج کے لئے طواف کیا اور سعی کی۔ یہی مطلب حضرت عمران بن حصین کی روایت کردہ حدیث کا ہے حضور ﷺ نے دو طواف کئے اور دو مرتبہ سعی کی۔ رواہ الدار قطنی۔

کسی قوی یا ضعیف روایت میں یہ نہیں آیا کہ طواف عمرہ کے بعد حضور ﷺ نے طواف قدم کیا صرف سند ابی حنیفہ میں ضعیفی بن معبد کی روایت سے ایسا آیا ہے ضعیفی نے بیان کیا میں جزیرہ سے حج قرآن کرنے کے لئے چلا۔ سلیمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان کی طرف سے میرا گزر ہوا میں ملا کہ رہا تھا لبیک بحجة و عمرة۔ دونوں بزرگوں نے میری لبیک کو سنا، سن کر ایک صاحب نے کہا یہ (مفخص) اونٹ سے بھی زیادہ گمراہ ہے، دوسرے نے بھی اسی طرح کی بات کہی لیکن میں (اپنے مشغل میں) برابر مصروف رہا اور حج ادا کر لیا اور پھر امیر المومنین عمر بن خطاب کی طرف مجھے جانا ہوا۔ راوی نے اس سے آگے کچھ تفصیل بیان کی جس کے آخر میں کہا امیر المومنین نے دریافت فرمایا پھر تو نے کیا کیا۔ میں نے عرض کیا میں نے برابر (اپنی لبیک) جاری رکھی، پھر عمرہ کے لئے طواف کیا اور سعی کی پھر دوبارہ ایسا ہی اسے حج کے لئے کیا پھر میں احرام کی ہی حالت میں رہا اور وہاں ٹھہر کر وہی کیا جو حاجی کرتے ہیں یہاں تک کہ آخری نسک (رکن) بھی پورا کر لیا امیر المومنین نے فرمایا تجھے رسول اللہ ﷺ کی سنت مل گئی۔ سند ابو حنیفہ ناقابل اعتماد ہے اس کے مؤلف اور امام ابو حنیفہ کے درمیان بہت سے مجہول غیر معروف راوی ہیں اس کی احادیث کو صحیح بخاری کی حضرت ابن عباس کی اس روایت کے مقابلہ میں نہیں پیش کیا جاسکتا جس میں صراحت ہے کہ عرفہ سے واپسی تک پھر حضور ﷺ کعبہ کے قریب بھی نہیں گئے۔

اور جب یہ امر طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کیا تھا اور سوائے طواف عمرہ کے حج کا طواف قدم نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ طواف قدم نہ رکن حج ہے نہ مستقل طور پر واجب بلکہ صلوة تحیۃ المسجد کی طرح سنت ہے، دوسرے واجب یا سنت کے ذیل میں یہ سنت پوری ہو جاتی ہے، جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں پہنچے اور عمرہ کے لئے طواف کر لیا تو طواف قدم کی جگہ یہ طواف کافی ہو گیا۔

مسئلہ: طواف نفل، نماز نفل کی طرح نذر سے واجب ہو جاتا ہے اور آیت مذکورہ بالا میں طواف سے حج کا طواف زیارت باقی علماء مراد ہے طواف زیارت ارکان حج میں سے ایک رکن ضروری ہے اس پر علماء کا اجماع ہے باقی کوئی طواف رکن حج نہیں ہے۔

مسئلہ: طواف صدر بھی باقی امت رکن حج نہیں ہے امام ابو حنیفہ امام احمد اور (صاحبین) کے نزدیک واجب ہے ایک روایت میں امام شافعی کا بھی یہی قول آیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اس کو وجبات حج میں سے شمار کرتے ہیں اور امام محمد مستقل واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی نے طواف وداغ کر لیا اور پھر کسی وجہ سے مکہ میں ٹھہرا ہا پھر کچھ مدت کے بعد واپس ہوا تو مکہ چھوڑنے کے وقت امام ابو حنیفہ کے نزدیک طواف وداغ کی ضرورت نہیں لیکن امام محمد کہتے ہیں کہ دوبارہ طواف رخصت کرنا ہوگا، مسافر جب مکہ سے واپس ہوگا تو اس پر طواف وداغ لازم ہے۔

امام مالک کے نزدیک طواف صدر سنت ہے ایک روایت میں امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

طواف صدر حیض یا کسی طاقت کے رکاوٹ ڈالنے سے باجماع امت ساقط ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ (حج کے بعد) لوگ ہر طریقہ سے واپس ہو جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک آخری ملاقات بیت اللہ سے نہ کر لے (مکہ سے) نہ نکلے۔ رواہ احمد، دار قطنی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں لوگ منیٰ سے نکل کر اپنے اپنے رخ پر جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ (ہر شخص کی) آخری ملاقات بیت اللہ سے ہونی چاہئے اور حضور ﷺ نے حائضہ کو (بغیر طواف صدر کے) اجازت دیدی تھی۔ مسلم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے تم میں سے کوئی (مکہ)

سے کہ نکلے جب تک اس کی آخری ملاقات بیت اللہ سے نہ ہو جائے۔ متفق علیہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے حضور ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آخر میں بیت اللہ کی زیارت کریں۔ مگر آپ نے حاکمہ عورت کے لئے حکم میں تخفیف کر دی۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا جو کعبہ کا حج کرے اس کا آخری کام بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے حیض والی عورتیں مستحبی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت دیدی ہے، رواہ الترمذی و صحیح و حسن۔

حضرت عبد اللہ بن اوس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، حضور ﷺ فرمادے تھے جو کوئی اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس کی آخری ملاقات اس گھر سے ہونی چاہئے۔ رواہ الترمذی۔

امام ابو حنیفہ نے اس آخری حدیث سے طواف صدر کے واجب ہونے پر استدلال کیا اور واجبات حج سے قرار دیا ہے کیونکہ اس حدیث میں مَنْ حَجَّ الْبَيْتِ أَوْ اعْتَمَرَ آيَا ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں اَوْ اعْتَمَرَ كَالْقَوْلِ بھی آیا ہے تو طواف صدر عمرہ میں بھی واجب ہونا چاہئے لیکن اس کا کوئی قائل نہیں۔

امام احمد نے فرمایا لاینفر احد کا لفظ عام ہے اس لئے طواف صدر کا واجب ہونا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ کے مسلک پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ تقید سبب پر وارد ہے جس طرح حدیث مبارک ہے ادا کرو ہر آزاد اور غلام کی طرف سے، دوسری حدیث ہے ادا کرو ہر مسلمان آزاد اور غلام کی طرف سے دوسری حدیث میں لفظ مسلمان مذکور ہے اور پہلی حدیث میں یہ لفظ مذکور نہیں ہے لامحالہ مطلق کو ہی مقید پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی پہلی حدیث میں بھی مسلمان آزاد اور غلام مراد ہوگا) لیکن طواف صدر کی حدیث میں ایسا نہیں ہے قید سبب پر وارد ہے مکہ سے مطلق نکلنا موجب طواف ہے اور حج کے بعد مکہ سے نکلنا بھی موجب طواف ہے اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

فصل

طواف کعبہ کی کچھ شرطیں ہیں۔ کچھ ارکان (یعنی فرائض) ہیں۔ کچھ واجبات ہیں، کچھ سنتیں ہیں کچھ آداب (یعنی مستحبات) ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) شرائط طواف طواف کے لئے نیت شرط ہے، ہر مستقل عبادت کے لئے نیت شرط ہے۔ شرعی نصوص سے یہ مسئلہ ثابت ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

طواف زیارت کے لئے مطلق طواف کی نیت کافی ہے، فرض طواف کی نیت ضروری نہیں۔

ایک سوال

وقوف عرفات کی طرح طواف زیارت بھی حج کا ایک ضروری رکن ہے اور عرفات میں ٹھہرنے کی نیت ضروری نہیں، ہے اگر سوتے میں یا بیہوشی کی حالت میں عرفات میں قیام ہو جائے یا مختلف پہاڑیوں پر ٹھہراؤ ہو جائے جن میں عرفہ کی پہاڑی بھی ہو اور وقوف کرنے والے کو معلوم بھی نہ ہو کہ یہ عرفات کی پہاڑی ہے تو رکن حج ادا ہو جائے گا۔ حضرت عروہ بن مضر نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں بنی طے کے پہاڑ سے آیا ہوں میں نے (کثرت سنر کی وجہ سے) اپنی اونٹنی کو گھلادیا اور خود بکری بڑی تکلیفیں اٹھائیں کہ میں تھک گیا، خدا کی قسم میں نے کوئی پہاڑی ایسی نہ چھوڑی جس پر قیام (وقوف) نہ کیا ہو کیا میرا رکن ہو جائے گا حضور ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز یعنی فجر کی نماز جمع میں پالی اور اس سے پہلے رات کو اذن میں عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج پورا ہو گیا۔ رواہ ابو داؤد۔

پھر اگر طواف زیارت کے لئے نیت شرط ہے تو بغیر تعیین فرض کے مطلق طواف کی نیت کافی ہونا کیا صحت رکھتا ہے۔ تعیین نیت فرض تو ہر اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے جس کے لئے وقت ظرف ہے اور معیار نہیں ہے (یعنی ادائیگی

کے بعد بھی وقت باقی رہتا ہے) جیسے نماز۔

جواب

تحقیق مقام یہ ہے کہ جب احرام کی شکل میں حج کی نیت ہو جاتی ہے تو تمام ارکان حج کی نیت ہو جاتی ہے، اب اگر کوئی دوسری نیت مناسک کی نیت کے خلاف نہ ہو تو سابق کی (ابتدائی) نیت معتبر سمجھی جائے گی۔ اور ہر رکن کی ادائیگی کے وقت اس نیت کو برقرار مانا جائے گا ہر رکن کے لئے تجدید نیت کی شرط نہ ہوگی، جیسے نماز کی (ابتدائی نیت کافی ہوتی ہے) ہر رکن کی ادائیگی کے لئے تجدید نیت کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر کوئی رکن عبادت مستقل عبادت کی حیثیت رکھتا ہو جیسے طواف اور طواف کی دو رکعتیں تو ایسے رکن کی ادائیگی کے لئے تجدید نیت ضروری ہے اور اس رکن کو شروع کرتے وقت مطلق نیت کافی ہے۔ نماز ہو یا طواف ہر ایک کی دو حیثیتیں ہیں ایک مستقل عبادت ہونے کی دوسری جز عبادت ہونے کی اول حیثیت کے لحاظ سے رکن کو شروع کرتے وقت اس رکن کو ادا کرنے کی نیت لازم ہے اور دوسری صورت میں سابقہ ابتدائی نیت کافی ہے جو احرام کے وقت ہوتی ہے ہم نے دونوں حیثیتوں کو ملحوظ رکھا ہے مستقل عبادت کی حیثیت میں مستقل نیت اور جز عبادت ہونے کی صورت میں ابتدائی سابقہ نیت، پس شروع کے وقت مطلق نیت کافی ہے کیونکہ عبادت ہے اور عبادت کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور طواف زیارت کی تعینی نیت ضروری نہیں کیونکہ طواف زیارت جز عبادت ہے۔

اور جو عمل بجائے خود عبادت نہ ہو بلکہ جزء حج ہونے کی وجہ سے اس کو عبادت قرار دے لیا گیا ہو جیسے عرفہ میں قیام اور صفا و مردہ کے درمیان سعی اس کے لئے علیحدہ کسی نیت کی ضرورت نہیں ابتدائی احراء کی نیت کافی ہے۔

مسئلہ: ایک شخص نے دوسرے کو اپنے اوپر اٹھالیا اور اسی حالت میں طواف کیا اس کی چند صورتیں ہیں جن کے احکام

بھی مختلف ہیں۔

۱۔ حامل محرم نہ تھا اور محمول محرم تھا اور حامل نے محمول کے طواف کی نیت کی تھی اور محمول نے بھی اپنے طواف کی نیت کی تو محمول کا طواف ہو جائے گا۔

۲۔ حامل محرم تھا اور محمول محرم نہ تھا اور حامل نے اپنے طواف کی نیت کی تو اس کا طواف باقی اتمہ صحیح ہوگا۔

۳۔ حامل و محمول دونوں محرم تھے اور حامل نے محمول کے طواف کی نیت کی تو صرف محمول کا طواف ہو جائے گا اور اگر اپنے طواف کی نیت کی تو اس کا طواف ہو جائے گا اور اگر دونوں کے طواف کی نیت کی تو امام شافعی کے نزدیک صرف حامل کا طواف ہوگا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک محرم حامل نے اگر اپنے طواف کی نیت کی یا اپنے ساتھ محمول کی بھی نیت کی اور محمول نے اپنے طواف کی نیت کی تو دونوں کا طواف ہو جائے گا کیونکہ دونوں کی اپنی اپنی جگہ نیت درست ہے دونوں کی نیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

مسئلہ: شرائط طواف میں سے حدت اکبر و اصغر سے طہارت بھی شرط ہے اور بدن۔ لباس اور جگہ کی طہارت بھی لازم ہے۔ اور جمہور کے نزدیک ستر عورت بھی لازم ہے حضرت عائشہؓ کی روایت اوپر گزر چکی ہے کہ مکہ میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ نے پہلے وضو کیا پھر طواف کیا اور یہ بھی فرمایا مجھ سے حج کے طریقے سیکھو۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا حائضہ ہونے کی حالت میں مکہ میں آئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کام حاجی کرتے ہیں تم بھی کرنا البتہ جب تک طہارت نہ ہو جائے کعبہ کا طواف نہ کرنا۔ (صحیحین) مسلم کی روایت میں آیا ہے جب تک غسل نہ کرو (طواف نہ کرنا) حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ مکہ سے روانگی کے دن صفیہ کو حیض شروع ہو گیا۔ اس حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کیا اس نے قربانی کے دن طواف (زیارت) کر لیا عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا تو روانہ ہو جاؤ۔ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے حج و اداع سے پہلے جس حج کا امیر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو بنا کر بھیجا تھا اسی حج کے موقع پر قربانی کے دن حضرت ابو بکرؓ نے مجھے لوگوں میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں

کرے گا اور نہ کوئی ننگا (ہو کر) طواف کرے گا۔ (اس حدیث سے ستر عودت کا ضروری ہونا ثابت ہو رہا ہے) اللہ نے فرمایا ہے طَهْرًا بَيْنِي لِلطَّائِفِينَ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر دیا اس عبادت سے تطہیر مکان کی ضرورت صراحتاً ثابت ہو رہی ہے اور لباس و جسم کی تطہیر کا حکم دلاتا بطریق اولیٰ معلوم ہو رہا ہے خصوصاً حدیث اکبر و اصغر سے طہارت کا تو بدرجہ اولیٰ مستفاد ہو رہا ہے کیونکہ نجاست حقیقہ سے حدیث (یعنی نجاست حکمیہ) کا مرتبہ زیادہ اہم ہے بعض صورتوں میں نجاست کے ساتھ نماز ہو سکتی ہے اور بے وضو نماز ناجائز ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا اور فرمایا طَهْرًا بَيْنِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرَّكْعِ السُّجُودِ اس آیت کو صلوة سے پہلے ذکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا طواف نماز کی طرح ہے صرف اتنی بات ہے کہ طواف میں بولنا جائز قرار دیا ہے اور نماز میں بولنے کی ممانعت کی ہے پس جو شخص طواف میں بات کرے وہ نیک بات کرے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وصحیح والطبرانی والبیہقی۔

ترمذی، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور بیہقی نے حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے بیت اللہ کا طواف نماز ہے صرف یہ بات ہے کہ اس میں اللہ نے کلام کو مباح کر دیا ہے۔ اس روایت کو ابن سکن نے صحیح کہا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست حقیقہ سے طہارت سنت ہے اور نجاست حکمیہ (حدیث) سے طہارت واجب ہے اور ستر عورت بھی واجب ہے اس کو ترک کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ اگر برہنگی یا جنابت کی حالت میں طواف فرض کیا ہوگا تو ایک بدنہ (اونٹ، گائے) کی قربانی کرنی واجب ہوگی اور اگر بے وضو طواف فرض کیا ہے تو کوئی سی ایک قربانی لازم ہوگی (خواہ بکری ہی کی ہو) اسی طرح طواف غیر فرض اگر جنابت یا برہنگی کی حالت میں کیا ہے تو کوئی سی قربانی دینی ہوگی۔ (چھوٹی ہو یا بڑی) اور اگر غیر فرض طواف بے وضو کیا ہے تو نصف صاع گیہوں کسی مسکین کو بطور کفارہ دینا ہوں گے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مذکورہ بالا اشیاء میں سے کوئی چیز بھی طواف کے لئے لازمی شرط نہیں ہے کیونکہ قرآن میں مطلق طواف کا حکم آیا ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی کا معنی ہے حکم کتاب کو منسوخ کر دینا اور اخبار احاد سے کتاب کا حکم منسوخ کر دینا امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں اس لئے ہم کسی شرط کو فرض لازمی نہیں قرار دے سکتے ہاں احادیث احاد پر عمل کرنا واجب ہے اس لئے مذکورہ امور بعض صورتوں میں واجب ہیں۔

مسئلہ: طواف زیارت کی ایک ضروری شرط وقت بھی ہے مقررہ وقت سے پہلے ادا نہیں کیا جاسکتا اور بعد از وقت بالاجماع قضا ضروری ہے اگر خود اپنی کوتاہی کی وجہ سے طواف زیارت کو وقت مقرر کے بعد ادا کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک قربانی واجب ہے جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا پڑ گیا جیسے حیض یا جابر طاقت کی طرف سے بندش وغیرہ تو قربانی واجب نہیں۔

امام صاحب کے نزدیک طواف زیارت کا وقت قربانی کے دن کی فجر صادق سے شروع ہوتا ہے اور جمہور کے نزدیک یوم النحر کی آدھی رات سے شروع ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے شب نحر میں بھیج دیا تھا۔ میں نے فجر سے پہلے رمی جمرہ کی پھر جا کر طواف زیارت کیا۔ رواہ الدارقطنی۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اس کے سلسلہ میں ضحاک بن عثمان رلوی شامل ہے اور قطان نے اس کو نرم قرار دیا ہے۔ پھر یہ حدیث حضرت ابن عباس کی روایت کے بھی خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے متعلقین میں کمزور طبقہ کو پہلے سے بھیج دیا تھا اور یہ فرما دیا تھا کہ سورج نکلنے سے پہلے رمی جمرات نہ کرنا۔ رواہ الترمذی وصحیح۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ طحاوی اور ابن حبان نے حسن غریبی کے طریق سے اس کو بیان کیا ہے اور یہ سلسلہ روایت حسن ہے ترمذی اور طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ ابوداؤد نسائی، طحاوی اور ابن حبان نے مختلف طریقوں سے اس کو نقل کیا ہے بعض طرق کی تائید بعض سے ہو کر حدیث میں قوت آجاتی ہے۔ اس لئے علاوہ حدیث میں فرمت الجمرۃ کے بعد ثم مضت فافاضت آیا ہے۔ یعنی رمی جمرہ تو فجر سے پہلے کر لی اس کے (پہلے) بعد جا کر طواف

افاضہ (طواف زیارت) کیا۔ اس میں کوئی ثبوت نہیں کہ طواف بھی طلوع فجر سے پہلے کیا (بلکہ تم کا لفظ تو بظاہر اس امر کا قرینہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد طواف کیا)

طواف زیارت کا آخری وقت ایام تشریق کے دوسرے روز کے غروب آفتاب تک ہے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ انتہائی وقت یوم النحر کے غروب تک ہے سورہ برات کی آیت **وَإِذَا بُسِنَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ الْبُيِّنَاتِ** یَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ جمہور کے نزدیک طواف زیارت کا وقت صرف یوم النحر ہے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث اسی مضمون کی ابو داؤد اور حاکم نے بیان کی ہے حضرت علی کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے۔ ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یوم الحج الاکبر منی کے تمام ایام ہیں (یعنی صرف یوم النحر ہی مراد نہیں ہے) سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے سفیان نے یہ بھی فرمایا کہ یوم بمعنی وقت اور مدت کے آتا ہے۔ جیسے یوم صفین یوم الجبل، یوم بعث ان الفاظ میں یوم سے مراد پوری مدت ہے۔

مسئلہ :- طواف کی ایک شرط امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ترتیب بھی ہے امام محمد کا بھی یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ترتیب شرط نہیں (یعنی فرض نہیں) اکثر حنفیہ کے خیال میں سنت ہے جس کا ترک مکروہ ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک ترتیب واجب ہے جس کے ترک سے قربانی واجب ہو جاتی ہے رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ اس ترتیب پر عمل کیا اور یہ بھی فرمادیا مجھ سے اپنے حج کے طریقے سیکھو اگر ترتیب کو شرط فرض کیا جائے گا تو کتاب پر زیادتی لازم آئے گی۔ ترتیب کی صورت یہ ہے کہ حجر اسود کے پاس پہنچ کر سامنے کورح کر کے طواف شروع کرے پورا حجر اسود دائیں ہاتھ کو ہو اور بیت اللہ بائیں ہاتھ کو اس کے برعکس کرنا جائز ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اتفاق ہے کہ طواف مسجد کے اندر کرے مسجد کے گرداگرد نہ کرے یہی طریقہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے متواتر چلا آیا ہے اگر کوئی مسجد کے گرداگرد طواف کرے تو اس کو طواف بیت اللہ نہیں کہا جاتا طواف مسجد کہا جاتا ہے حرف و محاورہ کی یہی شہادت ہے پس مسجد کے اندر جا کر طواف کرے۔

فصل :- طواف میں سات چکر رکن ضروری ہیں۔ ہر زمانہ میں ایسا کیا جانا قابل شک شہرت رکھتا ہے مشہور مستفیض روایات میں بھی صراحت آئی ہے کہ چکروں کی تعداد نماز کی رکعتوں کی تعداد کی طرح ہے۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ **وَلْيَطَّوَّفُوا** امر کا صیغہ ہے اور امر نہیں چاہتا کہ مامور بہ کا تکرار کیا جائے (بس ایک مرتبہ طواف کرنے سے تعمیل امر ہو جائے گی) بات یہ ہے کہ مفہوم امر نہ تکرار فعل کا مقتضی ہوتا ہے نہ نفی تکرار کا اور نقل متواتر سے تکرار ثابت ہے (اس لئے سات چکر لگانا مفہوم آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا)۔

مسئلہ :- اگر چار چکر لگائے اور تین چھوڑ دیئے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ طواف کافی ہو جائے گا لیکن طواف زیارت میں ایک قربانی اور دوسرے طوافوں میں کچھ صدقہ خیرات لازم ہوگی۔ اکثر کا حکم مثل کل کے ہوتا ہے اور نقصان طواف کا تدارک قربانی یا خیرات سے ہو جائے گا۔

دوسرے آئمہ کے نزدیک سات سے کم چکر لگانے سے طواف پورا نہ ہوگا۔ طواف میں چکروں کی تعداد اسی طرح ہے جس طرح نماز میں رکعتوں کی تعداد اگر ظہر عصر وغیرہ کی نماز میں ایک رکعت کی بھی کمی کی جائے تو پوری نماز نہیں ہوتی۔

مسئلہ :- حطیم، کعبہ کا ہی حصہ ہے طواف کے اندر اس کو داخل کر لیا جائے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ دیوار کیا بیت اللہ کا حصہ فرمایا ہاں میں نے کہا پھر لوگوں نے اس کو بیت اللہ کے ساتھ شامل کیوں نہیں کر لیا فرمایا تیری قوم کے پاس خرچ کی کمی ہو گئی تھی (اس لئے یہ ٹکڑا ہر ہی رہ گیا) میں نے عرض کیا بیت اللہ کا دروازہ کیوں رکھا گیا۔ فرمایا ایسا اس لئے کیا تھا کہ جس کو چاہیں اندر آنے دیں نہ چاہیں نہ گھسنے دیں (یعنی کوئی زبردستی اندر نہ آسکے دروازہ زینہ کے اوپر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو روکا جاسکتا ہے) اگر تمہاری قوم کا دور جاہلیت ابھی حال ہی میں نہ گزرا ہو تو میں اس ٹکڑے

کو بیت اللہ کے اندر داخل کر دیتا اور دروازہ کو زمین سے ملا دیتا مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ان کے دلوں کو یہ بات پسند نہ ہوگی۔ متفق علیہ۔

ترمذی اور نسائی کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان اس طرح آیا ہے، میں کعبہ کے اندر نماز پڑھنا پسند کرتی تھی رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حجر (حطیم) میں داخل کر دیا اور فرمایا یہاں نماز پڑھ لو یہ بھی کعبہ کا ہی ایک ٹکڑا ہے ابو داؤد کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ حطیم، کعبہ کا ہی حصہ ہے اور (اس کی لمبائی فقہی) چھ گز سے کچھ زائد ہے۔ مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تیری قوم کے شرک کا زمانہ قریب ہی نہ گزرا ہوتا (اور مجھے ان کی ناگواری کا اندیشہ نہ ہوتا) تو میں کعبہ کو ڈھا کر زمین سے ملا دیتا (پھر از سر نو تعمیر کراتا) اور اس کے دو دروازے مشرقی و مغربی رکھتا اور حجر کی چھ گز (زمین) اس میں واپس لے آتا۔ مسلم کی دوسری روایت میں تقریباً سات گز آیا ہے بخاری نے اپنی سند سے جریر بن حازم کی روایت یہی نقل کی ہے۔

یزید بن رومان کا بیان ہے میں موجود تھا جب کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو ڈھا کر (دوبارہ) اس کی تعمیر کی تھی اور حجر کو اندر داخل کر لیا تھا۔ میں نے اس ابراہیم میں اونٹ کے کوہان کے برابر پتھر دیکھے تھے جریر کا بیان ہے کہ میں نے اندازہ کیا تقریباً چھ گز حجر (کی زمین) تھی۔

مجاہد نے کہا حضرت ابن زبیر نے حجر کی طرف کی چھ گز زمین بیت اللہ میں شامل کر لی تھی۔ دوسری روایت میں ایک باشت اور چھ گز کا لفظ آیا ہے۔

مسئلہ :- اگر کسی نے طواف میں حطیم کو باہر چھوڑ دیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا طواف ہو جائے گا لہذا ایک قربانی دینی ہوگی کیونکہ حطیم کا جزء بیت اللہ ہونا خبر آحاد سے ثابت ہے (اس لئے حطیم کو طواف کے اندر لے لینا واجب ہے اور ترک واجب کی تلافی قربانی سے ہو جائے گی۔ حطیم کو جزء بیت اللہ قطعاً طور پر نہیں قرار دیا جاسکتا) اس لئے حطیم کا طواف فرض نہیں ہے اور نہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی لازم آئے گی جو ناجائز ہے۔

جمہور کے نزدیک حطیم کے اندر طواف کافی نہ ہو گا خبر آحاد سے کتاب اللہ میں زیادتی جائز ہے۔ میں کہتا ہوں حطیم کو طواف کے اندر لے لینے کو فرض قرار دینا کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ اللہ نے البیت العتیق کے طواف کا حکم دیا ہے اور البیت میں الف لام عمدی ہے یعنی البیت سے مراد وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا (اور عمارت ابراہیمی میں حطیم کعبہ میں شامل تھا) فقار آیت بھی اسی پر دلالت کر رہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَأَذْبُوهُنَّ لِيُذَبَّيْتُمْ مَسَاجِدَ الْبَيْتِ وَالْمَسَاجِدِ الَّتِي فِي الْأَرْضِ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا يَوْمَ الْقِيَامِ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَلْفُ السَّجْدِ أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْحَدِيثِ الَّتِي أَخْرَجَ اللَّهُ بِهَا الْحَقَّ وَالْحَقُّ لَا يُؤْتِي الْحُكْمَ إِلَّا لِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ

طواف کامل ہونے میں بہر حال شک رہے گا اور طواف کامل فرض تھا اس لئے طواف کامل ادا نہ ہوگا۔ یا یوں کہا جائے کہ حضرت ابراہیم نے جو کعبہ بنایا تھا وہ کتنا تھا یہ بات مجمل ہے احادیث میں اس کا بیان آگیا ہے۔

مسئلہ :- طواف زیارت کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر بافتان آئمہ جائز ہے اور عذر نہ ہو تو پیدل طواف زیارت کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے جس نے بلا عذر سوار ہو کر طواف کیا تو جب تک مکہ میں ہو دوبارہ طواف کرنا ضروری ہے اگر دوبارہ طواف نہ کیا ہو تو قربانی واجب ہے۔

دوسرے آئمہ کے نزدیک پیادہ طواف کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں طواف کیا جب رکن کے قریب پہنچتے تھے تو جو چیز آپ کے ہاتھ میں ہوتی (عصا چھڑی وغیرہ) اس سے رکن کی طرف اشارہ کرتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے (متفق علیہ) حضرت جابر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اونٹ پر سوار ہونے کی حالت میں) صفاد مردہ کے درمیان چکر لگایا تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں آپ (ان کی نظروں میں) نمایاں

ہو جائیں اور لوگ آپ سے مسائل دریافت کریں۔ رولہ مسلم۔

حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے لونٹ پر سولہ ہو کر کعبہ کا طواف کیا تھا اور (ہر چکر میں) رکن کو بوسہ دیتے تھے۔ آپ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ لوگ رکن سے کتر اجائیں۔

حنیفہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے ایسا بھدی کی وجہ سے کیا تھا کیونکہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں آئے تو چٹو بہار تھے اس لئے آپ نے لونٹ پر سولہ ہونے کی حالت میں طواف کیا۔ جب رکن کے پاس پہنچتے تھے تو اپنی پھڑکی سے رکن کو چھو لیتے تھے۔ طواف سے فارغ ہو گئے تو لونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ رولہ ابو داؤد۔

اس کی طرف سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ صرف یہ احتمال کہ حضور اس وقت کچھ بیمار تھے ثبوت مدعی کے لئے کافی نہیں۔ رہی ابو داؤد کی روایت تو وہ ضعیف ہے اس کی سند میں ایک رولوی یزید بن زیاد ہے جو قوی نہیں ہے اس کی روایت کردہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ امام شافعی نے اپنی لامعی کا اظہار کیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ اس حج میں رسول اللہ ﷺ کچھ دکھی تھے (یا نہیں)۔

میں کہتا ہوں اگر مکہ میں تشریف لانے کے وقت حضور ﷺ کچھ بیمار ہوتے تو بھدی کی وجہ سے طواف قدم بھی پیدل نہ کر سکتے۔ حالانکہ حضرت جابر وغیرہ کی صحیح روایت ہے کہ حضور ﷺ نے طواف قدم اس طرح کیا کہ تین چکر تو تیزی سے کئے اور چار چکر معمولی پیدل رفت سے۔ یہ بھی حضرت جابر کی صحیح روایت ہے کہ صفا مروہ کے درمیان حضور نے سعی کی اور رفت کی شدت کی وجہ سے آپ اپنے منہ گھم رہے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سولہ ہونے کی حالت میں طواف زیارت (کسی بھدی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ) اجاز کو ظاہر کرنے کے لئے اور لوگوں کو آداب حج سکھانے کے لئے تھا۔

طواف نافذ سولہ ہو کر بلا کر اہیت جمہور کے نزدیک جائز ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے ضابطہ کے لحاظ سے مکروہ ہے۔ جمہور کی دلیل بخاری کی وہ روایت ہے جو سورۃ الفتح کی تفسیر میں ہم نے بیان کی ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو طواف قدم و سعی پر سولہ ہونے کی حالت میں کیا۔

مسئلہ :- بغیر وقفہ کے مسلسل طواف باجماع علماء شرط (فرض) نہیں ہے سنت ہے سعید بن منصور رولوی ہیں کہ حضرت بن عمر بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھ لی، نماز سے فارغ ہو کر پھر طواف کا باقی حصہ پورا کیا۔ عبد الرزاق اور عبد الرحمن بن ابوبکر کی روایت سے بھی یہ واقعہ منقول ہے سعید بن منصور کا بیان ہے کہ حفاظت تھے اگر کوئی شخص طواف کا کچھ حصہ کر چکا ہو پھر کوئی جنازہ آجائے اور یہ شخص طواف باتمام چھوڑ کر جنازہ کی نماز میں جا کر شرکت کرے تو نماز سے فارغ ہو کر اس کو اپنا بقیہ طواف پورا کر لینا چاہئے (اگر نہ تو طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں)۔

نافع نے کہا طواف کی حالت میں طول قیام بدعت ہے۔ حسن نے کہا اگر کوئی شخص طواف میں مشغول ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے اور وہ بیچ میں سے طواف کو چھوڑ کر نماز میں شریک ہو جائے تو نماز کے بعد اس کو از سر نو (پورا) طواف کرنا چاہئے۔

مسئلہ :- فرض طواف کو بیچ میں سے منقطع کرنا خواہ فرض نماز کی اقامت ہو گئی ہو مکروہ ہے۔ حضرت ام سلمہ کی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے طواف صدر کیا اور اس وقت رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔

مسئلہ :- اگر فرض نماز کی اقامت ہو جائے یا جنازہ کی نماز کے نوت ہونے کا اندیشہ ہو تو نفل طواف کو قطع کر دے نفل عبادت کے لئے نفل طواف کو منقطع کرنا جائز نہیں۔

وترکی شرکت کے لئے نفل طواف کو منقطع کر دینا لولی ہے حضرت عبد الرحمن بن حضرت ابوبکر صدیق کا اثر اس کا مؤید ہے۔

مسئلہ :- ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے امام مالک کا بھی یہی قول روایت میں آیا ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ اگر طواف کے بعد دو رکعتیں ترک کر دیں تو قربانی واجب ہوگی۔ مسئلہ کی تمام شاخیں اور متعلقات کا ذکر ہم نے آیت **وَ اتَّخِذُوا مِنِّي سِقَامًا اِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى** کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا ہے۔

فصل

آداب طواف یعنی مستحبات کا بیان

جب کعبہ پر نظر پڑے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے۔ اور دعا کرے۔ طبرانی کی روایت ہے کہ کعبہ کو دیکھنے پر دعا کرنا مستحب ہے اگر حجر اسود کے پاس پہنچے تو دونوں ہونٹوں سے چومے بشرطیکہ دوسروں کو تکلیف پہنچائے بغیر ممکن ہو۔ بخاری نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر حجر اسود کو چھوتے اور چومتے تھے۔ شافعی کی مرفوع روایت ہے کہ آپ دیر تک دونوں لب حجر اسود پر رکھے رہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے دیر تک دونوں لب حجر اسود پر رکھے روتے رہے، حاکم کی روایت ہے آپ نے اسود کو چوما اور اس پر سجدہ کیا۔

اگر چومنے اور ہاتھ سے چھونے پر قادر نہ ہو تو کسی چیز سے چھولے پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور اپنی چھڑی سے رکن کو چھوا۔ اگر اتنا بھی ممکن نہ ہو تو حجر اسود کی طرف منہ کر کے رک جائے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم قوی آدمی ہو، حجر اسود پر درانہ مت جانا (دھکے نہ دینا) کہ کزور کو دکھ پہنچاؤ اگر جگہ خالی ہو تو چھو لینا درانہ اس کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کرنا۔ رواہ احمد۔

مسئلہ :- رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اسے چھولے، جمہور کا یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک رکن یمانی کو چھونا مستحب ہے، سنت نہیں ہے۔ یحییٰ بن حمزہ ابن عمر کا قول آیا ہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ان دونوں کو یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو چھورہے تھے (یا چوم رہے تھے) دارقطنی نے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ رکن یمانی کو بوسہ دے رہے تھے اور اس پر اپنا رخسار رکھ رہے تھے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے موکل ہیں جب کوئی شخص (وہاں) آتا ہے۔ اللھم انی اسئلك العفو والعافیة فی الدنیا والاخرة ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ تو وہ موکل آئین کہتے ہیں۔

مسئلہ :- طواف قدم میں پہلے تین چکر لپک کر کرے (تیز رفتار سے کرے) اور چادر کا ایک پلو دائیں بغل میں نیچے سے سینہ پر لاکر بائیں کندھے پر ڈالے رکھے (اس طرح دایاں موٹہ ہا کھلا رہے گا) چکر کو سنہ اسود سے شروع کر کے (گھوم کر) سنگ اسود پر ہی ختم کرنا سنت ہے صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنگ اسود سے سنگ اسود تک تیز چال سے تین چکر لگائے۔ باقی چار چکروں میں معمولی رفتار رکھے اور جب حجر اسود اور رکن کے پاس پہنچے تو وہی کرے جو پہلے چکر میں کیا تھا۔ آخر طواف کو سنگ اسود کو چھو کر یا چوم کر ختم کرے رسول اللہ ﷺ کا عمل صحیح روایت میں یہی منقول ہے۔

پھر دو گانہ مقام ابراہیم کے پاس ادا کرے اور دو رکعتوں میں **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** پڑھے پھر لوٹے حجر اسود کو چومے اور تکبیر و تہلیل پڑھے۔ حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (نماز میں) مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ کے درمیان رکھا تھا (یعنی نماز میں حضور ﷺ کا رخ دونوں کی طرف تھا) اور دو رکعتیں پڑھی تھیں جن میں **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ** اور **قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ** پڑھی تھی پھر لوٹ کر حجر اسود کو چوما تھا۔

ذَلِكَ یعنی حکم یہی ہے جو واجب التہلیل ہے۔ ذلک سے گزشتہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرْمَتَ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِنْدَ رَبِّهِ اور جو شخص اللہ کے محترم احکام کی وقعت

کرے گا۔ سو یہ اس کے حق میں اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے۔

حُرْمَتِ اللّٰہ سے مراد ہیں ممنوعات الہیہ اور گناہ و نافرمانی۔ ممنوعات کی تعظیم کا یہ معنی ہے کہ ان کے قریب جانا بھی اس کے لئے سخت شاق اور ناگوار ہو۔ مومن سے جو قصور صادر ہو جاتا ہے اس کو وہ پہاڑ سمجھتا ہے جو اس کے سر پر ٹوٹا پڑا ہو اور منافق گناہ کو ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کی طرح جانتا ہے کہ ذرا ہاتھ ہلایا اور اڑ گئی۔ حدیث میں مومن و منافق کے گناہ کی یہی تشبیہ آئی ہے۔

لیٹ نے کہا حُرْمَتِ اللّٰہ وہ امور ہیں جن کی پابندی لازم ہے یعنی تمام اوامر و نواہی حرمت الہیہ ہیں (یہ اللہ کی طرف سے بندشیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے)

زجاج نے کہا حرمت وہ چیز جس کو پورا پورا ادا کرنا واجب ہے اور کسی طرح کی اس میں کمی کرنا حرام ہے۔

بعض اہل علم نے کہا حرمت اللّٰہ سے مراد ہیں آداب حج۔ ابن زید نے کہا اس جگہ حرمت اللّٰہ سے مراد ہے بلد حرام (حرمت والا شہر یعنی مکہ) اور بیت حرام (حرمت والا کعبہ یعنی کعبہ) اور ماہ حرام (یعنی وہ مہینے جن میں لڑنا بھڑنا حرام ہے) اللہ کے نزدیک بہتر ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا ثواب اللہ کی طرف سے بڑا ہوگا۔

وَأَحَلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامَ إِلَّا مَا يُشْلِي عَلَيْكُمْ
اور سوائے انکے جن کی (حرمت کی) بابت تم کو سنائی جا رہا ہے باقی چوپائے تم پر حلال کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی پھر کیوں مختلف قسم کے بھادوں اور سانڈوں (بکیرہ، سائبہ، و صیلہ، حامی) کو حرام قرار دیتے ہو (اللہ نے تو یہ حرمت نازل نہیں کی)

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ
پس بتوں کی گندگی سے بچے رہو یعنی بت گندہ ہیں ان کی پرستش سے ان سے دعائیں کرنے سے اور ان کو پکڑنے سے پرہیز رکھو۔ عقلمند سلیم الطبع آدمی بتوں سے ایسا ہی اجتناب رکھتے ہیں جیسا عام آدمی گندگی سے اجتناب (پرہیز) کے لفظ سے بتوں کی عبادت و تعظیم سے پر زور ممانعت کا اظہار کیا گیا ہے (یعنی بتوں کی تعظیم اور پوجا اتنی گندی چیز ہے کہ اس کے پاس بھی نہ جانا چاہئے) بعض نے رجز کا ترجمہ رجز کیا ہے اور رجز کا معنی ہے عذاب چونکہ بتوں کی پرستش موجب عذاب ہے اس لئے (بطور مجاز) بتوں کو ہی عذاب فرمادیا۔

وَأَجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ
اور جھوٹی بات کہنے سے پرہیز رکھو۔

زور کا لفظ زور سے مشتق ہے زور کا معنی ہے مڑ جانا۔ جھوٹی بات بھی حق سے منحرف ہوتی ہے جس طرح اقل کا لفظ اقل (پھیر دینا موز دینا) سے بنا ہے اور جھوٹی بات صداقت سے برگشتہ ہوتی ہی ہے۔ زور کا لفظ اگرچہ عام ہے ہر قسم کی جھوٹی بات اس میں شامل ہے لیکن اس جگہ کافروں کے مشرکانہ مقولے مراد میں ملتا ہے کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بت اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے لیکر کہتے کہ وقت کہتے تھے لیکر لا شریک لک الا شریکا تملکہ و ماملک تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ (تیرا) مالک نہیں۔

امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، طبرانی اور ابن المنذر نے حضرت حزیم بن فاتک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو گئے اور فرمایا جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر ہے یہ بات تین بار فرمائی پھر آیت فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُشْنَافًا لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِہ تلاوت فرمائی۔

قادر نے کہا دور شرک میں لوگ حج کرتے تھے لیکن ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں کو روکتے تھے اور اپنے کو حنیف کہتے تھے یعنی دین ابراہیمی پر قائم۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ دین ابراہیمی پر قائم ہونا چاہتے ہو تو بت پرستی چھوڑ دو اس گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے اجتناب رکھو۔

حُشْنَافًا لِلَّهِ اللہ کے لئے دین کو خالص رکھنے والے (دین میں کسی مخلوق یہاں تک کہ اپنی نفسانیت کو دخل نہ دینے

والے) حنیف کا لفظ حنیف سے نکلا ہے حنیف کا معنی ہے استقامت (قاموس) اور حق پر قائم رہنے اور استقامت رکھنے کا معنی ہی ہے۔ اللہ کے لئے عبادت کو خالص کر لینا اور دوسروں کی پرستش سے منہ موڑ لینا۔

غَيْرُ مُشْرِكِينَ بِهِ ۝
ساجھی قرار دینے والے نہ ہو اس کے ساتھ۔ نہ عبادت میں نہ واجب الوجود ہونے میں نہ الوہیت میں مقصد یہ ہے کہ شرک کرنے والا نہ حنیف ہو سکتا نہ ابراہیم کے دین پر۔ وَ مَنْ يُعْظِمْ الْخَطِيئَةَ كَبْرًا فَهُوَ كَثِيرٌ مِّنْ يَّسْرِئِ عَصْيَاكَ وَيَتْلَوْهُنَّ عَن تَحْتِهَا عِزًّا ۝۱۰۰ لیکن حکم امر میں ہے یعنی حرمت اللہ کی تعظیم کرو اور بت پرستی سے پرہیز رکھو بت پرستی ممنوعات میں نمبر اول پر ہے اور شرک آفریں بات کہنا سب سے بڑا اور سخت ترین جھوٹ ہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَبِمَا خَسِرَ مِنَ السَّمَاءِ فَتُخَطَفُ السَّيْرُ أَوْ تَهْوَىٰ بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝۱۰۱

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑتا ہے پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوح لیتے ہیں یا طوفان اس کو کسی دور جگہ لے جا کر پھینک دیتا ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت کمال رفعت ہے اس سے اعلیٰ اور بالا کوئی چیز نہیں ہے جیسے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہوا ہو اور سب سے اونچا دکھائی دیتا ہو اس سے اونچا بلکہ اس کے برابر کوئی اور نہ ہو لیکن جب اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی مخلوق کی عبادت کو کوئی شریک کر دیتا ہے تو وہ کمال رفعت کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے جیسے آسمان پر چڑھا ہوا آدمی پستی کے غار میں گر پڑے اس سے زیادہ پستی اور کیا ہوگی کہ آدمی اپنی ہی جیسی مخلوق کو پوجا کرنے لگے۔ ایسا آدمی تو پتھروں سے بھی زیادہ ذلیل اور پست درجہ ہے۔

پرندوں کے اچک لے جانے میں استعارہ بالکنیہ ہے پرندوں سے مراد ہیں تباہ کن خواہشات نفس جو انسان کی یکسوئی اور اطمینان خاطر کو چھین لیتی ہیں اور خیالات کو پریشان کر دیتی ہیں۔ تَهْوَىٰ بِهِ الرِّيحُ مِثْلُ السَّمَاءِ بِالْكَنْيَةِ ۝۱۰۲ ہے ریح (طوفان باد) سے مراد ہے شیطان۔ شیطان ہی انسان کو پرلے درجہ کے گمراہی کے مقام پر جا پھینکتا ہے۔ مکان سے مراد ہے گمراہی کا مقام اور سحیق کا معنی ہے دور یعنی حق سے دور، مطلب یہ ہے کہ مشرک پر نفس اور شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور شیطان انسان کو (ایمان کی) بلندی سے (گمراہی کی) پستی میں پھینک دیتا ہے۔

لفظ او منع خلو کے لئے ہے منع جمع کے لئے نہیں ہے (یعنی یہ ممکن ہے کہ ہوائی طوفان اس کو کہیں دور جا پھینکے اور پرندے بھی اچک لیں۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ دونوں میں سے کچھ بھی نہ ہو)

بیضاوی نے لکھا ہے اس جگہ او کا لفظ تقسیم کے لئے ہے کیونکہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) کبھی شرک سے نہ نکلیں شرک چھوڑنا ان کے لئے ممکن نہ ہو گویا وہ ایسے ہیں کہ جن کو پرندے اچک لیں اور چیر پھاڑ کر برابر کر دیں۔ (۲) کبھی شرک تو یہ کر لیتے ہیں اور شرک سے رہائی ممکن ہوتی ہے وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے طوفان کسی کو دور پھینک دے ممکن ہے وہ نہ مرے اور صحیح سالم گھر لوٹ آئے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ تشبیہ مرکب بمرکب ہے شرک کرنے والے کی حالت اس شخص کی حالت کی طرح ظاہر کی گئی ہے جو آسمان سے گر پڑے اور کسی تدبیر سے وہ اپنے کو بچانہ سکے اس کا ہلاک ہونا یقینی ہے خواہ اس طرح ہو کہ پرندے راستہ میں اس کو اچک لیں یا کوئی طوفان اس کو کہیں دور لے جا کر ٹپک دے۔

حسن نے کہا کافروں کے اعمال کو آسمان سے گرنے والے کے حال سے تشبیہ دی ہے کفار کے اعمال بھی اکارت جائیں گے اور کوئی عمل سود مند نہ ہوگا (اور آسمان سے گرنے والے کی ہر بچاؤ کی تدبیر بھی اکارت جائے گی کسی طرح اس کو ہلاکت سے بچانہ سکے گی)

سورت اعراف کی آیت لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت براء بن عازب کی روایت کردہ طویل حدیث کا ہم نے کچھ حصہ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافر بندہ کے مرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ملائکہ اس کی روح کو چڑھالے جاتے ہیں جب آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں اور (دروازہ) کھلوانے کی خواہش کرتے ہیں تو کافر کی

روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر حضور نے آیت لا تفتح لہم ابواب السماء الخ تلاوت فرمائی (اور فرمایا) پھر اللہ حکم دیتا ہے کہ اس کی کتاب چلی زمین کے اندر کجین میں لکھ لو حسب الحکم اس کی روح پھینک دی جاتی ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے آیت ومن بشرک باللہ فکانما خر من السماء فتحفظہ الطیر الخ تلاوت فرمائی۔
ذٰلِكَ (حقیقت) یہی ہے۔

اور جو شخص دین خداوندی کی ان
وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴿۳۷﴾
(مذکورہ کیادگاروں کا پورا لحاظ رکھتا ہے تو اس کا یہ لحاظ رکھنا دلوں کے اندر (بیٹھے ہوئے) خوف خدا کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا شعائر اللہ سے مراد وہ اونٹ اور قربانی کے جانور ہیں جو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ یہ لفظ اشعار سے ماخوذ ہے اشعار کا معنی نشانی بنا دینا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور تعظیم شعائر سے مراد ہے قربانی کے جانوروں کو موٹا کرنا۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوا دینوں کی قربانی کی تھی۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت حمر نے ایک سختی اونٹنی کی قربانی کی جس کی قیمت خریداروں نے تین سو دینار لگائی تھی۔

فانہا من تقوی القلوب کا یہ مطلب ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم پاک دل والوں کے اعمال میں سے ایک عمل ہے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
تمہارے لئے ایک مقرر وقت تک ان میں منافع (حاصل

کرنے جائز) ہیں۔ یعنی قربانی کے نام زد اونٹوں پر بغیر ایذا پہنچائے سوار ہونا۔ بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا تمہارے لئے جائز ہے اور ذبح ہونے کے وقت تک یہ عمل جائز ہے۔ عطاء بن رباح امام مالک امام شافعی امام احمد اور اسحاق نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ان حضرات کا مسلک ہے کہ قربانی کے نام زد اونٹوں اور نٹیوں پر سوار ہونا۔ بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا بشرطیکہ اس عمل سے ان کو ایذا نہ پہنچے جائز ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ (خود پیدل چل رہا تھا اور) قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا اس شخص نے عرض کیا حضور یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر کہا یہ قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ دوسری یا تیسری مرتبہ میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیرا برا ہو۔ متفق علیہ۔

حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عمر نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ فرمایا اس پر سوار ہو جا رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ طریقہ سے زیادہ سیدھے کسی طریقہ پر تو نہیں چل سکتا (یعنی دوسرا طریقہ نہ اختیار کر قربانی کے جانور پر سوار ہونا سنت کے موافق ہے) رواہ الطحاوی۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا بغیر خاص ضرورت کے قربانی کے جانوروں پر نہ سوار ہونا جائز ہے نہ ان پر بوجھ لادنا نہ ان کا دودھ پینا کیونکہ جب ان کو اللہ کے لئے خالص طور پر نامزد کر دیا تو وہ سارے کے سارے اللہ کے ہو گئے اپنے فائدے کے لئے ان میں کوئی تصرف کرنا درست نہیں۔ یہ توجیہ ثابت کر رہی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے ہو یا بغیر ضرورت کے کسی طور پر قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی جائز نہیں۔ صریحی آیت ہے وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ سوار ہونا اور بوجھ لادنا تعظیم کے خلاف ہے اور اس سے جانور کی فریبی پر اثر پڑتا ہے لیکن احادیث میں چونکہ قربانی کے جانوروں پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا جائز قرار دیا گیا ہے اس لئے ضرورت کے وقت ہم بھی اس کو جائز کہتے ہیں تاکہ عمل بالسنۃ ترک نہ ہو اور احادیث میں جس اجازت کا ذکر ہے اس کو ہم ضرورت پر محمول کرتے ہیں اس کی تائید طحاوی کی بیان کردہ اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو دو سندوں سے بحوالہ حمید الطویل حضرت انس کی روایت سے طحاوی نے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا اونٹ ہنکا کر لے جاتے دیکھا اور وہ شخص خود تھک چکا تھا فرمایا اس پر سوار ہو جا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قربانی کا اونٹ ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا دوسری روایت میں ہے فرمایا اس پر سوار ہو جا اگرچہ قربانی کا اونٹ ہو۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے اس شخص سے جو قربانی کے اونٹ کو ہٹا کر لے جا رہا تھا اور خود تھک گیا تھا، فرمایا تھا اس پر سوار ہو جا۔ باقی روایت حسب سابق ہے۔

مسلم کا بیان ہے ابو الزبیر نے کہا میں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے قربانی کے اونٹ پر سوار ہونے کا مسئلہ پوچھا جا رہا تھا حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمایا ہے تھے جب تو اس کی سواری پر مجبور ہے تو اس پر دستور کے مطابق سوار ہو جاتا وقتیکہ تجھے دوسری سواری نہ ملے۔ آیت مذکورہ میں ہمارے نزدیک منافع سے مراد مجبور کن ضرورت کے وقت سوار ہونا ہے۔

مَنَافِعِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى کی تفسیر میں مجاہد قنابہ اور ضحاک نے فرمایا تمہارے لئے قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی کی اس وقت تک اجازت ہے جب تک تم ان کو قربانی کے لئے نامزد اور مقرر نہ کرو۔ اور ان کو ہدی نہ بنا دو۔ جب نامزد کر کے ہدی بنا دو تو پھر فائدہ اندوزی کا کوئی حق نہیں۔

پھر ان کے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب ہے۔ محل
ثُمَّ مَجْلُهَا إِلَىٰ الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۱۷﴾
(ظرف مکان) قربانی کی جگہ۔ یا (ظرف زمان) قربانی کا وقت اور مقررہ زمانہ۔ ختم کا لفظ تراخی کو چاہتا ہے تراخی سے مراد یا تو تاخیر وقت حقیقتہ ہے فائدہ اندوزی کا وقت بہر حال قربانی سے پہلے ہوتا ہے یا تاخیر ترتیبی مراد ہے۔ اس وقت منافع سے مراد دنیوی فوائد ہوں گے اور قربانی ثواب آخرت کے لئے کی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے قربانی کے جانوروں سے فائدہ اندوزی کا جو ایک وقت مقرر تک دنیا میں بھی ہے پھر ان کی قربانی کا ثواب آخرت میں ملے گا۔

البیت العتیق سے مراد سارا حرم ہے پورا حرم انسانی ملکیت سے آزاد ہے کوئی شخص حرم کی زمین کو نہ فروخت کر سکتا ہے نہ خرید سکتا ہے گویا تمام حرم بیت اللہ کے حکم میں ہے۔ عرب بولتے ہیں بلغت البلد یعنی میں حوالی شہر تک پہنچ گیا (شہر کے اندر داخل ہونا ضروری نہیں)

بعض کے نزدیک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قربانیوں کے ذبح ہونے کا مقام حرم کے کناروں سے بیت عتیق، کعبہ تک ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ سارا حرم قربان گاہ ہے حرم کے اندر ہر جگہ قربانی جائز ہے۔

امام مالک نے فرمایا حاجی صرف منیٰ میں ذبح کرے اور عمرہ کرنے والا صرف مردہ میں اس کے خلاف ناجائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ ہم کہتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں قربانی کی تو اس سے باقی حرم میں قربانی کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی (کہیں تو رسول اللہ ﷺ قربانی کرتے کسی ایک جگہ قربانی کرنے سے دوسرے مقام پر ذبح کرنے کی ممانعت کیسے مستفاد ہو سکتی ہے) جب کہ کتاب اللہ اور سنت سے حرم کے اندر دوسری جگہ ذبح کرنے کا جواز موجود ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سارا منیٰ قربان گاہ ہے مکہ کے تمام پہاڑی راستے قربان گاہ ہیں کل عرفات اور سارا مزدلفہ موقف ہے (ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ ہے) رواہ ابو داؤد ابن ماجہ من حدیث جابر بن عبد اللہ۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ شعائر اللہ سے مراد ہیں خصوصی دینی نشانات اور ظاہر ہے کہ خاص دینی نشانات کی تعظیم اہل تقویٰ کا ناقابل شک کر دار ہے اس تفسیر پر لکھم فیہا منافع کارابطہ آیت وَأَجَلتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يَمْتَلِي عَلَيْكُمْ سے ہوگا اور اجل مسمی سے مراد ہوگی موت اور محلہا سے مراد ہوگی انتہاء اور البیت سے مراد ہوگا وہ گادہ مقام ربیع جہاں تک اعمال کی رسائی ہوتی ہے یا اعمال کا ثواب ہوتا ہے۔ مطلب اس طرح ہوگا چوپایوں میں تمہارے لئے دنیوی منافع ہیں اور وقت موت تک یہ منافع حاصل ہوتے رہتے ہیں پھر ان کی انتہاء اور آخری رسائی اس مقام تک ہوتی ہے جہاں تک اعمال پہنچتے ہیں۔ یا اعمال کا ثواب ہوتا ہے۔

بعض کے نزدیک شعائر سے مراد ہیں حج کے فرائض اور حاضری کے خاص خاص مقامات جہاں دنیوی تجارتی منافع بھی وقت مقرر یعنی وقت واپسی اور مکہ سے روانگی تک حاصل ہوتے ہیں اور مناسک حج کو ادا کرنے کا ثواب بھی ایام حج ختم ہونے تک

حاصل ہوتا ہے نہ محلہا یعنی پھر احرام کھولنا، بیت عتیق یعنی کعبہ پر پہنچ کر قربانی کے دن طواف زیارت کرنے کے بعد ہوتا ہے۔
 وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا
 اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک منک بنایا ہے منک عبادت گاہ (اسم ظرف ہے) اور اگر منک کو مصدر قرار دیا جائے تو اس سے مراد ہوگا، خون بہانا، قربانیاں ذبح کرنا یا وہ قربانی مراد ہوگی جس کو بارگاہ خداوندی میں پیش کر کے لوگ قرب الہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

لَيَذُكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا سَرَّزَقَهُمْ مِّنْ بَيْهِيمَةِ الْأَنْعَامِ
 تاکہ وہ (صرف) اللہ کا نام ہمارے دیئے ہوئے چوپایوں (کو ذبح کرنے) پر ذکر کریں، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام نہ لیں اور قربانی خاص اللہ کے لئے کریں۔ یہ تشبیہ ہے اس امر پر کہ قربانیاں کرنے کا مقصد محض اللہ کی یاد ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا ذکر ضروری اور شرط لازم ہے (بغیر اللہ کا نام لئے ذبیحہ حلال نہیں ہوتا)
 بَيْهِيمَةَ الْأَنْعَامِ پر اللہ کا نام ذکر کرنے سے مراد ہے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا۔

چوپائے کلام نہیں کرتے اسی لئے ان کو بہیمہ کہا جاتا ہے (انعام اونٹ گائے بیل بھینس بکری دنبہ) کچھ چوپائے انعام کے علاوہ بھی ہوتے ہیں، گھوڑا، گدھا، خچر بہائم تو ہیں لیکن ان کو انعام نہیں کہا جاتا اسی لئے ان کی قربانی جائز نہیں بہیمہ کے بعد الانعام کا لفظ بڑھانے سے دوسرے بہائم (گھوڑا گدھا وغیرہ) خارج ہو گئے۔
 انعام میں سنے بھی صرف پالتو جانوروں کی قربانی درست ہے اسی پر اتفاق ائمہ ہے (جنگلی گائے یعنی نیل گائے، جنگلی بکری یعنی پہاڑی وغیرہ کی قربانی درست نہیں)
 جملہ مذکورہ میں پچھلی قوموں اور امتوں کا تذکرہ کر کے امت اسلامیہ کو قربانی کرنے کی ترغیب دینی مقصود ہے۔

فَاللَّهُمَّ اللَّهُ وَاحِدٌ
 پس تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس لئے ذبح کرنے کے وقت اسی کا نام لیا کرو۔

فَلَهُ اسْتَلِيمُوا
 پس صرف اسی کی اطاعت کرو مطلب یہ ہے کہ قربانی اور ذکر کو اسی کے لئے خالص کرو، کسی دوسرے کو اس کا ساجھی نہ بناؤ نہ قربانی کے وقت نہ کسی ذکر کے وقت۔

وَبَشِيرِ الْخَبِيثِينَ ﴿۱۶﴾
 اور (اللہ کے سامنے) خشوع و خضوع کرنے والوں کو جنت اور مرضی رب کی خوشخبری دیدو۔
 خبیث، حقیر چیز جو شخص خشوع کرے اور اللہ کے سامنے اپنے کو عاجز و حقیر قرار دے وہ محبت ہے۔ اجنبت عاجزی اور فروتنی کی (قاموس) اسی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے ترجمہ کیا ہے عاجزی کرنے والے تو وضع کرنے والے۔ انخش نے ترجمہ کیا خشوع کرنے والے۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ خبیث تشبیہی مقام کو کہتے ہیں اسی معنی کی رعایت سے مجاہد نے ترجمہ کیا اللہ کی یاد میں مگن مطمئن۔ غشی نے ترجمہ کیا، اہل اخلاص، اطمینان اور اخلاص کا ایک ہی معنی ہے کلبی نے کہا نرم دل لوگ عمرو بن اوس نے کہا محبتیں وہ لوگ ہیں جو کسی پر ظلم نہیں کرتے اور ان پر ظلم کیا جائے تو انتقام نہیں لیتے۔

الَّذِينَ إِذَا ذَكَرُوا اللَّهَ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ
 خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی جلال خداوندی کی شعاعیں ان کے دلوں پر پڑتی ہیں اور عظمت الہیہ کے انوار پر تواندا ہوتے ہیں اس لئے ان کے دل ہیبت زدہ ہو جاتے ہیں۔

وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۷﴾
 اور مصیبتوں پر (خاص طور پر) صبر کرنے والوں کو۔ اور پابندی اوقات اور شرائط کے ساتھ نماز ادا کرنے والوں کو اور (ان کو جو) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے (کچھ راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔

وَالْعِبَادَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ
 اور قربانی کے جانوروں کو (خصوصیت کے ساتھ) ہم نے

تمہارے لئے اللہ کے دین کے خاص نشانات میں سے قرار دیا۔

البدن۔ بدنہ کی جمع ہے جیسے خشب خشبہ کی جزری نے نہایہ میں لکھا ہے بدنہ کا اطلاق لونٹ اونٹنی اور گائے بیل، بھینس پر ہوتا ہے اور اس کا زیادہ استعمال اونٹوں، اونٹنیوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی وجہ سے ان کو بدنہ کہا جاتا ہے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے بدنہ (بحرکت ثلاثہ) لونٹ اونٹنی اور گائے بھینس۔ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔ عطاء اور سدی نے کہا، اونٹ گائے بدن ہیں بکریوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا، امام شافعی کے نزدیک بدن کا لفظ اونٹنی اور لونٹ کے لئے مخصوص ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کلانی جسم کی وجہ سے اس لفظ کا اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ بدن بدنہ وہ کلاں جسم ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے بڑی جسامت اور ضخامت کی وجہ سے بدنہ کہا جاتا ہے۔ یعنی بدن سے مراد ہوتے ہیں بڑی جسامت والے لونٹ، جب آدمی خوب جسم اور ضخیم ہو جائے تو بدن الرجل بدانتہ کہا جاتا ہے اور جو زیادہ عمر رسیدہ ہو جائے گوشت ڈھیلا پڑ جائے تو باب تفصیل سے بدن الرجل تبدینا کہا جاتا ہے۔

جو لوگ بدنہ کا لفظ صرف اونٹوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں انہوں نے حضرت جابر کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی سات کی طرف سے ایک گائے اور سات ہی کی طرف سے ایک بدنہ (مراد یہ ہے کہ ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمی برابر کے شریک ہو گئے اسی طرح ایک ایک لونٹ میں سات سات سهام کر لئے) رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

ہم کہتے ہیں مسلم کی روایت میں حضرت جابر کا بیان اس طرح آیا ہے کہ ہم مکہ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے ساتھ قربانی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور حضور ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ اونٹ اور گائے میں ہم میں کے سات سات آدمی ایک ایک بدنہ میں شریک ہو جائیں (اس حدیث میں بدنہ کا اطلاق بقر پر بھی کیا گیا ہے) شعائر اللہ، اللہ کے دین کے خاص نشانات جو اللہ نے بطور شریعت مقرر کئے ہیں۔

بعض لوگوں نے شعائر کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ یہ لفظ اشعار سے بنایا گیا ہے اور اشعار کا مطلب ہے اونٹ کے کوہان میں نیزے کی نوک چھونانا کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ اونٹ قربانی کا ہے جو کعبہ کو جا رہا ہے۔ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے یعنی دینی اور دنیاوی فوائد ہیں۔

لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا

پس ان پر اللہ کا نام ذکر کرو (یعنی ذبح کے وقت اللہ کا نام لو۔ بسم اللہ کہہ کر ذبح کرو) متدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ اگر لونٹ ہو تو اس کو کھڑا کر کے کہے اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللهم منك ولك اس کے بعد بسم اللہ کہہ کے اونٹ کے گلے میں (ہنسی کے پاس) زور سے نیزہ چھو دے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ اور متدرک میں حاکم نے حضرت جابر کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے۔ اِنْبِيَّ وَجْهَتْ وَجْهِي لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَلَيَّ بِمِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اللهم منك ولك بسم الله والله اكبر۔

صَوَافٍ

صاف بستہ صاحب قاموس نے لکھا ہے صواف بروزن فواعل بمعنی مفاعل (صواف صاف کی جمع ہے اور صواف اسم فاعل ہے لیکن بمعنی مصفوف ہے اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں آجاتا ہے) یعنی تین ٹانگوں پر کھڑا ہوا دو پچھل اور اگلی دائیں ٹانگ زمین پر ٹکی ہوئی اور اگلی بائیں ٹانگ میں دھکتا بندھا ہوا (تاکہ بھاگ نہ سکے) اسی حالت میں سینہ میں نیزہ مارے۔

بخاری کی روایت ہے کہ ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر حلقوم میں نیزہ مار رہا تھا، حضرت ابن عمر اوہر سے گزرے اور یہ حالت دیکھ کر فرمایا اس کو کھڑے کر دے اور پاؤں باندھ دے۔ محمد ﷺ کا یہی طریقہ ہے۔ عبد بن حمید۔ ابن ابی الدنیا (نی الاصحاحی) ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم، حاکم اور سنن میں بیہقی نے ابو ظبیان کا بیان نقل کیا ہے، ابو ظبیان نے کہا میں نے حضرت ابن عباس سے آیت فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف کی تشریح پوچھی فرمایا، جب تو اونٹ کی قربانی کرنی چاہے تو اونٹ کو تین ٹانگوں پر کھڑا کر اور ٹانگوں کو بندھا رکھ پھر کہہ بسم اللہ واللہ اکبر اللهم منک دلک۔ بخاری نے تعلیقاً بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے صواف کا ترجمہ قیاما کیا۔ سفیان بن عیینہ نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن یزید کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے اور سعید بن منصور نے بھی اس کی تخریح کی ہے۔

مجاہد نے کہا صواف اس وقت کہا جائے گا جب اونٹوں کو تین ٹانگوں پر کھڑا کیا جائے اور بائیں پچھلی ٹانگ باندھ دی جائے۔ حضرت ابن مسعود کی قرأت میں صواف کی جگہ صوافن آیا ہے۔ صافن وہ گھوڑا اونٹ وغیرہ جس کو تین ٹانگوں پر کھڑا کیا جائے اور اگلی ایک ٹانگ باندھ دی جائے۔ مجاہد اور حسن نے حضرت ابی کی قرأت کے مطابق صوافی پڑھا ہے، یعنی خالص لوجہ اللہ۔

فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا
فَكُلُوا مِنْهَا
پھر جب ان کے پہلو (زمین پر) گر پڑے یعنی وہ مر جائیں۔
تو اس میں سے تم کھاؤ۔ یہ امر اباحت ہے امر وجوب کے لئے نہیں ہے اپنی قربانی کے جانور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ لو پر گزر چکا ہے۔

وَأَطِعُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ
عکرمہ، قتادہ اور ابراہیم نخعی نے کہا قانع وہ شخص جو خانہ نشین ہو گیا ہو۔ سوال سے بچتا ہو، جو کچھ اس کو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہو۔ اور معتر وہ مسکین جو سوال کرتا اور مانگتا ہو۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ قانع وہ شخص ہے جو کسی سے تعرض نہیں کرتا اور نہ کسی سے سوال کرتا ہے اور معتر وہ شخص جو دینے والوں کے سامنے تو آتا ہے اپنے آپ کو دکھاتا بھی ہے مگر مانگتا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں قانع قناعت سے مشتق ہوگا۔ قنع قناعة اس نے قناعت کی جو کچھ اس کو دے دیا گیا اس پر راضی رہا سوال نہیں کیا۔ سعید بن جبیر، حسن۔ اور کلبی نے کہا قانع سوال کرنے والے مسکین کو کہتے ہیں اور معتر وہ شخص جو سوال نہ کرے صرف اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے اس غرض سے لائے کہ کوئی اس کو کچھ دے دے اس مطلب پر قانع کا مصدر قنوعا ہوگا۔ قنوع، سوال کرنا۔ ابن زید نے کہا قانع کا معنی ہے مسکین اور معتر وہ شخص جو مسکین تو نہ ہو مگر خود بے بضاعتی اور مال کی کمی کی وجہ سے قربانی بھی نہ کر سکا ہو اور لوگوں کے سامنے کچھ گوشت حاصل کرنے کے لئے اپنے کو نمایاں کر رہا ہو۔

كَذَلِكَ
سَخَّرْنَا لَكُمْ
اسی طرح یعنی جس طرح اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے کی ہم نے تم کو طاقت عطا کی اسی طرح۔
(باوجود عظیم الجثہ اور طاقتور ہو کے) ہم نے ان کو تمہارے قابو میں دے دیا کہ تم ان کو تین ٹانگوں پر کھڑا کرتے ہو اور نحر کرتے ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵﴾
ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریر کا بیان نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ قربانی کا خون کعبہ میں پھڑکتے اور گوشت (کے پارچے) وہاں بکھیرتے تھے جب اسلامی دور آیا تو صحابہ نے کہا ہم اس عمل کے زیادہ مستحق ہیں ہم بھی کعبہ میں خون کا چھڑکاؤ کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ ابن المنذر اور ابن مردودہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قربانی کے بعد مشرک ذبح کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور کعبہ کی طرف کوٹھینیں مارتے تھے، مسلمانوں نے بھی یہی عمل کرنے کا ارادہ کیا تو آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَنْ يَتَنَاَلِ اللهُ لَحْمَهَا وَلَا دِمَآؤَهَا وَلَكِنْ يَتَنَاَلُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ

اللہ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ مقاتل نے نہ پہنچنے کا مطلب یہ بیان کیا کہ اللہ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا بلکہ تمہارے اعمال صالحہ اللہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ تقویٰ سے مراد ہیں نیک اعمال۔ جن کی بناء اخلاص و تقویٰ پر ہو۔ اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے بغیر شرک کی آمیزش کے ان کو کیا گیا ہو۔

كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتَكْتَبُوا اللهُ عَلَىٰ مَا هَذَا كُمْ

تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو قربانی کرنے کی توفیق دی۔

كَذَلِكَ سَخَّرَ هَا لَكُمْ مِنْ نِعْمَتِ تَخْيِرِكِي دَوَابَّهَا يَدَاهَانِي كِي هِي هِي تَا كِه آسَنَدَه ذَكْر كِي جَانِه وَالِي غَرَضُ يَعْنِي اللهُ كِي تَعْظِيمِ اَوْر اِعْتِرَافِ كِبْرِيَانِي كَا اَعْظَمُ كِيَا جَانِه۔

لِتَكْتَبُوا اللهُ يَعْنِي تَمَّ اللهُ كِي عَظْمَتِ كَا اِعْتِرَافِ كَر وَاوْر يَتَقَيَّن كَر وَا كِه جَس بَات سَه دُوسَرَه عَاجِز هِي اللهُ كُو اَسْ پَر قَدْرَتِ تَا مَه هِي اَوْر اَسْ كِه شُكْر مِي تَمَّ اللهُ كُو كِبْرِيَانِي وَا عَظْمَتِ مِي وَاحِد جَانِه۔

عَلَىٰ مَا هَذَا كُمْ اس بات پر اللہ کی کبریائی کا اعتراف کر دو کہ اس نے اپنے دین کے نشانات اور آداب حج بتائے جانوروں کو تابع بنا لینے کا راستہ دکھلا اور قرب خد لوندی تک پہنچنے کے لئے رہنمائی کی۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک تکبیر سے مراد ہے احرام کھولنے اور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنا۔

وَبَشِيرِ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور اخلاص والوں کو خوش خبری سنادو۔ اس کا عطف بشر المحسنین - پر ہے حضرت ابن عباس کے نزدیک محسنین سے مراد ہیں موحدین۔

إِنَّ اللَّهَ يُنْفِخُ عَنِ الدِّينِ أَمْنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَآيُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝

بلاشبہ اللہ ان مشرکوں کے غلبہ اور ایذا کو ایمان والوں سے عنقریب ہٹا دے گا، بے شک اللہ کسی دعا باز کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پسند نہ کرنے سے مراد ہے نفرت کرنا۔ خوان یعنی لانت الہیہ میں بڑی خیانت کرنے والا کفور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا۔

زجاج نے کہا جو شخص ذبح کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیتا ہے اور دوسرے کے نام پر قربانی کرتا ہے اور جھینٹ چڑھا کر بتوں کا تقرب حاصل کرتا ہے وہ خَوَّانٌ كَفُورٌ ہے۔ امام احمد ترمذی، سدی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، ان لوگوں نے اپنے نبی کو وطن سے نکلنے پر مجبور کیا ہے یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَذِّنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۝

اب (لڑنے کی) ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر بہت ظلم کیا گیا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو جہاد کرنے اور کافروں سے

لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کو بہت زیادہ ایذا میں دیتے تھے، صحابہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کسی کا سر پھینا ہوتا کوئی زخمی ہوتا کوئی پٹ کر آتا سب لوگ حضور ﷺ سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے، حضور ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر رکھو ابھی مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے اس کے بعد یہ آیت ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔

عبد الرزاق۔ عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم، ابن

مردویہ، اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ کچھ اوپر ستر آیات میں قتال کی ممانعت کے بعد اجازت قتال کی یہ سب سے پہلی آیت نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے عروہ بن زبیر کی روایت سے اور عبد الرزاق و ابن المنذر نے زہری کی روایت سے بھی اس کو تخریج کیا ہے۔ بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو جانے کے خیال سے نکلے تھے اور کافران کے لئے سنگ راہ بن کر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ نے ان کو کافروں اور رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دے دی۔

بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا یعنی کافروں نے چونکہ ان پر زیادتیاں کی ہیں اور ناحق ایذا میں پہنچائی ہیں اس لئے ان کو بھی لڑنے کی اجازت دے دی گئی۔ مظلومیت کو اس آیت میں اجازت قتال کی علت قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جن کافروں میں ظلم کرنے کی قوت نہیں ان سے مسلمانوں کا لڑنا اور ان کو قتل کرنا بھی جائز نہیں پس حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنا بافتقائے امر نہ ناجائز ہے ہاں اگر وہ مسلمانوں کے خلاف مشورہ دینے میں مددگار ہوں یا مالدار ہوں اور اپنے مال سے کافروں کی مدد کر رہی ہوں تو ان سے بھی جہاد کرنا جائز ہے۔ اور ان کو قتل کرنا درست ہے۔

اسی طرح ناکارہ بوڑھی، سادھو، راہب، نابینا، لپانج، لنگڑے، لولے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ امام شافعی کا ایک قول اس کے خلاف آیا ہے ان لوگوں کو قتل نہ کرنے کا حکم اس وقت ہے جب مسلمانوں سے لڑنے کے مشوروں اور تدبیروں میں شریک نہ ہوں اور اپنی دماغی اسکیموں سے مسلمانوں کے خلاف کافروں کی مدد نہ کرتے ہوں ورنہ بالاتفاق ان کا قتل جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ قید رکھا جائے گا اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کر لے یا قید ہی میں مر نہ جائے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ارتداد کے حکم میں عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں، دونوں کو قتل کیا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث ہے حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الشیخان۔

حضرت ربیع بن الریح کا بیان ہے ہم ایک جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے، حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ کسی چیز پر جمع ہیں آپ نے ایک آدمی کو بھیجا جو دیکھ کر آئے کہ کس چیز پر سب لوگ جمع ہے اس نے آکر اطلاع دی ایک مقتول عورت ہے جس پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے فرمایا یہ تو قتال نہیں کرتی تھی (یعنی مسلمانوں سے لڑنے کی اہل نہ تھی پھر کیوں اس کو قتل کیا گیا)۔ ہر اول دستے کے کمانڈر اس وقت حضرت خالد بن ولید تھے، آپ نے ایک آدمی بھیج کر ان کو کھلوایا کہ کسی عورت کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی مزدور (قلی) کو۔ رواہ ابو داؤد۔ اس حدیث میں لفظ عسیف کا ترجمہ شیخ فانی بھی کیا گیا ہے۔ مذکورہ حدیث میں لفظ امرأة نکرہ ہے یعنی عام عورت کو خواہ کوئی ہو قتل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس میں کافرہ بھی شامل ہیں اور مرتدہ بھی۔ اس حدیث میں عورت کو قتل نہ کرنے کی علت یہ بتائی کہ وہ لڑتی نہیں (یعنی قتال وہ جنگ کی اہل نہیں) حنیفہ کہتے ہیں کسی عمل کی سزا و جزاء کا اصل مقام تو دار آخرت ہے، دنیا میں ان عمل ہے اللہ نے فرمایا ہے لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ دِينِ میں جبر نہیں، یہ دنیا امتحان کا مقام ہے نتیجہ کی جگہ نہیں اب جو کچھ بعض اعمال کی حدود اور سزائیں اس زندگی میں دی جانے کے ضوابط مقرر کر دیئے، مثلاً قصاص، چوری، شراب خواری، زنا تہمت زنا وغیرہ کی سزائیں سوان میں ہمارے ہی فائدہ مضمر ہیں اور ہماری ہی مصالح کا ان سے تعلق ہے جان، مال، آبرو، نسب اور عقل کی حفاظت مقصود ہے۔ مرتد کو قتل کرنے کا وجوب اسی وقت ہو گا جب اس کی جنگ شرارت اور قتال سے مسلمانوں کی حفاظت مقصود ہو، یہ قتل اس کے کافر ہونے کی سزا نہیں کفر کی سزا تو بہت بڑی ہے جو آخرت میں ملے گی۔ پس جو صنف قتال کی اہل ہے۔ یعنی مرد اگر مرتد ہو جائے تو اس کے شر سے بچنے کے لئے اس کو قتل کرنا ضروری ہو جائے گا اور جو صنف قتال کی اہل نہیں یعنی عورت، اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اصلی کافر

ہو یا مردہ۔ اسی لئے حربی کافروں کی عورتوں کو قتل کرنے سے حضور ﷺ نے ممانعت فرمادی۔ اگر کافر کا قتل کفر کی سزا ہوتی تو قتل کے بعد اس کافر سے پاک ہو جانا ضروری ہو جائے گا جیسے قصاص کے بعد قاتل کی تطہیر ہو جاتی ہے۔ پس مقتول کافر کو آخرت میں نجات یافتہ ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔

مردہ عورت کے قتل کو واجب قرار دینے والے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو (مسلمان) اپنا مذہب بدل دے اس کو قتل کر دو۔ رواہ البخاری من حدیث ابن عباس۔ طبرانی نے معجم کبیر میں بروایت ہز بن حکیم اور اللادسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی اس مضمون کی حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان احادیث میں ہر مردہ کو قتل کر دینے کا حکم ہے خواہ مرد ہو یا عورت لفظ عام ہے۔

خفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ مردہ کو قتل کر دینے کا حکم مخصوص البعض ہے دوسری احادیث میں عورتوں کو اس حکم سے الگ کر دیا گیا ہے اس لئے مردہ سے مراد مردہ ہوگا۔ اگر عموم ہی مراد ہو تو پھر لازم آئے گا کہ جو کافر کفر کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائے یا یہودیت چھوڑ کر عیسائی بن جائے اس کو بھی قتل کر دینے کا حکم ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہوا کہ من بدل دینہ کا لفظ اپنے عموم پر نہیں ہے، دوسری احادیث اس کی شخص ہیں۔

میں کہتا ہوں مذکورہ الفاظ کے ساتھ حدیث مذکورہ کا جواب تو خفیہ نے دے دیا لیکن حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکورہ الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔ جو شخص مسلمانوں میں سے اپنا مذہب بدل دے اس کو قتل کر دو۔ اس روایت میں تبدیل دین کرنے والے مسلمان کو واجب القتل قرار دیا ہے اس لئے کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے والوں یا دوسرے مذہب کا باہم تبادلہ کرنے والوں پر حدیث کا حکم لاگو ہی نہیں ہوتا۔

حافظ ابن حجر نے کہا حکم کی روایت کردہ حدیث کے سلسلہ میں ایک راوی حفص بن عمر عدنی واقع ہے جو مختلف فیہ ہے (کچھ علماء نے اس کو مجرد کہا ہے)۔

قتل مردہ کے جواز کے قائل کہتے ہیں کہ حضرت جابر کی روایت سے منقول ہے کہ ایک عورت جس کو ام مردان کہا جاتا تھا مردہ ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اس کے سامنے اسلام پیش کیا جائے اگر توبہ کر لے تو خیر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ دارقطنی نے اس کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے ایک طریق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اس عورت نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، اس لئے اس کو قتل کر دیا گیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا روایت کے دونوں طریق ضعیف ہیں۔ ابن ہمام نے لکھا اول روایت عمر بن رواحہ کی وجہ سے کمزور ہے اور دوسری روایت عبد اللہ بن ادینہ کی وجہ سے۔ ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ احد کے دن ایک عورت اسلام سے پھر گئی رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے توبہ کرائی جائے اگر انکار کرے تو قتل کر دی جائے۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الملک واقع ہے جس کو علماء نے واضح الحدیث کہا ہے پھر مذکورہ احادیث ان دوسری احادیث کے بھی خلاف ہیں جو دوسرے طریقوں سے مردی ہیں۔ دارقطنی نے بروایت ابن عباس تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر عورت مردہ ہو جائے تو اس کو قتل نہ کیا جائے۔ اس حدیث کی سند میں عبد اللہ بن علیس جزری ہے جس کو دارقطنی نے کذاب واضح الحدیث کہا ہے۔

ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے تخریج کی ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک عورت مردہ ہو گئی مگر حضور ﷺ نے اس کو قتل نہیں کرایا، یہ روایت حفص بن سلیمان راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

طبرانی نے معجم میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ان کو یعنی (حضرت معاذ کو) جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا، جو مرد اسلام سے پھر جائے اس کو پھر اسلام کی طرف بلانا، اگر وہ توبہ کر لے تو توبہ قبول کر لینا، اگر توبہ نہ کرے تو گردن مار دینا اور جو عورت اسلام سے پھر جائے تو اس کو اسلام کی دعوت دینا اور اگر توبہ کر لے تو

قبول کر لینا اور انکار کرے تو اس کو اس کے حال پر قائم رکھنا۔

امام ابو یوسف نے بروایت امام ابو حنیفہ از عاصم بن ابی الجود از ابو زین بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر عورتیں مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ قید کر دیا جائے اور اسلام کی دعوت دی جائے اور مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے (یعنی اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں جبر کرنے کا مطلب مارنا پھینا اور آب و دانہ بند کر دینا نہیں بلکہ اغات محمد میں بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے ایسا ہی آیا ہے۔

عبدالرزاق نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت عیسائی ہو گئی، حضرت عمر نے حکم دیا اس کو ایسی جگہ لے جا کر فروخت کر دو۔ جہاں اس پر محنت و مشقت کرنے کا بار پڑے ایسی جگہ فروخت نہ کرنا جہاں اس کے ہم مذہب لوگوں کی آبادی ہو، چنانچہ دو مہ الجندل میں لے جا کر اس کو فروخت کر دیا گیا) غالباً یہ عورت باندی ہو گی کیونکہ حرہ کی بیع تو صحیح نہیں ہے۔
دارقطنی نے حضرت علی کا قول بیان کیا ہے کہ (مرتد) عورت سے توبہ کرائی جائے قتل نہ کی جائے۔ اس سند میں ایک شخص جلاس ہے جس کی وجہ سے یہ سند کمزور ہو گئی۔

مسئلہ: اگر کسی حربی کی عورت کو امام قتل کر دینے کا حکم دے دے تو عورت اصلی کافرہ ہو یا مرتدہ بہر حال امام کی مصلحت کے پیش نظر ایسا حکم جائز ہے۔ سورۃ الفتح کی تفسیر میں ہم نے لکھ دیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقرر کردہ مسلمان سرداروں کو حکم دے دیا تھا کہ جب مکہ میں داخل ہو تو سوائے اس شخص کے جو تم سے جنگ کرے اور کسی کو قتل نہ کرنا لیکن چند آدمیوں کے نام لے کر فرما دیا تھا کہ ان کو ضرور قتل کر دینا خواہ وہ کعبہ کے پردوں کے نیچے ہوں۔ ہم نے تفسیر سورۃ کے موقع پر ان کے نام بھی ذکر کر دیے ہیں ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں (جن کو قتل کرنے کی ہدایت فرمادی تھی) عبد اللہ بن احطل کی دو گائیک باندیاں، قرینہ اور قرنہ۔ چنانچہ قرینہ تو قتل کر دی گئی اور قرنہ مسلمان ہو گئی۔ یہ دونوں عورتیں پہلے مرتد ہو چکی تھیں ایک عورت عمر بن ہاشم کی آزاد کردہ باندی تھی اور ابو سفیاء کی بیوی ہندہ بھی۔ یہ دونوں اصلی کافرہ تھیں اور فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

اور بلاشبہ قطعاً اللہ ان کو فتیاب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ پہلے

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِ يُّوَيِّدُ

مسلمانوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم کافروں کی طرف سے ایذاؤں کو دور کر دیں گے اس آیت میں فتیاب کرنے کا وعدہ ہے۔

(ان لوگوں کے لئے اجازت جہاد دی گئی) جن کو ان کے گھروں سے نکال

الَّذِيْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

باہر کر دیا گیا۔ یعنی مکہ والے گھروں سے نکال دیا گیا۔

ناحق۔ (محض ظلم سے جلا وطن کیا گیا)

بِغَيْرِ حَقٍّ

(جلا وطن کرنے کا ان کو کوئی حق نہ تھا) سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا

اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ

رب اللہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کو رب کہنا کوئی جرم نہیں کہ جس کی پاداش میں ان کو جلا وطن کیا جاتا مگر کافروں کے خیال میں تو یہ بہت بڑا جرم تھا۔ آیت ربنا اللہ کہنے کو کافروں کے خیال کے بموجب جرم قرار دیا ہے۔ آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ کافروں کو کوئی حق نہ تھا کہ مسلمانوں کو جلا وطن کرتے اگر ان کے خیال میں کوئی جرم تھا تو ایسا جرم تھا کہ اس کا جرم نہ ہونا ظاہر ہے۔ عرب کہتے ہیں فلاں شخص میں کوئی بھلائی نہیں اگر کوئی بھلائی ہے تو یہ ہے کہ وہ محسن کش ہے جو اس کے ساتھ بھلائی کرتا وہ اس کے عوض برائی کرتا ہے۔ گویا یہ دعویٰ مع دلیل ہے کافروں نے جلا وطن کیا اس حق کی بناء پر کہ مسلمان اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور واقع میں یہ خوبی ہے برائی نہیں اس سے کافروں کو مسلمانوں کے گھر چھین لینے اور جلا وطن کرنے کا حق نہیں پیدا ہو جاتا معلوم ہوا کہ ظلاً جلا وطن کیا۔ یہی بلیغ اسلوب بیان آیت وَمَا تَنْقِمُ مِنْآ اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا تو ہم سے انتقام نہیں لیتا مگر اس بات کا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں میں ہے ایک شاعر نے کہا۔

الا اليعافير و الا العيس

و بلمدۃ کيس بها انيس

لور شہر جس میں سوائے ہر نوں لور خاکی رنگ کے لونٹوں کے اور کوئی انیس نہیں ہے (اور ظاہر ہے کہ ہر نوں لور لونٹوں سے آدمی کی وحشت میں مزید اضافہ ہوتا ہے یہ چیزیں تو وحشت افزا ہیں انس آفریں نہیں)۔
بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ الا ان یقولوا میں استثناء منقطع ہے لور الا بمعنی لکن کے ہے لیکن اس سبب سے ان کو نکالا گیا کہ وہ کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے۔ حالانکہ یہ بات حق ہے یا یوں کہا جائے کہ مستثنیٰ منہ محذوف ہے یعنی کسی اور وجہ سے نہیں نکالا صرف ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے نکالا، حالانکہ یہ بات حق ہے۔

وَكَوْلَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهْدًا مِّنْ صَوَامِعٍ وَبَيْعٍ وَصَلَوَاتٍ وَمَسْجِدٍ

۱۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو تارک الدنیا درویشوں کی خانقاہیں اور عیسائیوں کے گرجا اور یہودیوں کے عبادت خانے لور مسلمانوں کی مسجدیں ڈھادی جاتیں۔ یعنی اگر اللہ کافروں پر مسلمانوں کو اقتدار و تسلط نہ عطا کرے تو یہ سارے عبادت گھر تباہ کر دیئے جائیں (ہر مذہب والا دوسرے مذہب والوں کے عبادت خانہ کو ڈھادے) مجاہد اور ضحاک نے کہا صوامع سے مراد ہیں تارک الدنیا درویشوں کے عبادت خانے، خانقاہیں۔ قتادہ نے کہا صایوں کے عبادت گھر مراد ہیں۔ بیع بیعت کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے گرجا۔ صلوات یہودیوں کی عبادت گاہیں۔ عبرانی زبان میں یہودیوں کے عبادت خانوں کو صلوات کہا جاتا تھا مساجد سے مراد ہیں مسلمانوں کی مسجدیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو ہرنی کے دور میں اس کی امت کی عبادت خانے ڈھادیئے جاتے۔ حضرت موسیٰ کے عہد میں صایوں کے عبادت گھر۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں عیسائیوں کے گرجے اور صایوں کے عبادت خانے (لور یہودیوں کے عبادت گھر) اور عہد محمدی ﷺ میں مسجدیں۔

يَذَكِّرُنَّهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا
(وہ مسجدیں) جن کے اندر اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے۔ فیہا کی ضمیر
یا مساجد کی طرف راجع ہے یا چاروں مذکورہ عبادت خانوں کی طرف۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَتَّصِرُ بِهِ
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۱۷﴾
بے شک اللہ قوت والا (لور) غلبہ والا ہے۔ یعنی ان کو فتح کرنے کی قوت رکھتا ہے لور ایسا غالب ہے کہ اس کے غلبہ کو روکا نہیں جاسکتا۔ یہ سابق وعدہ کی تاکید ہے۔

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ
وہ کہ جب ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور بھلائی کا حکم کریں گے اور برائی سے بازداشت کریں گے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جماد، قوت اور اقتدار عطا کرنے کا وعدہ ہے بظاہر یہ جملہ شرطیہ ہے لیکن واقع میں شرط بمعنی خبر ہے اور جملہ خبریہ ہے۔

آیت میں مومنوں کے جن لوہاف کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف خلفاء راشدین ہی میں موجود تھے۔ گویا یہ دلیل ہے خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ کی۔ دوسرے مہاجرین کو کامل اقتدار عطا نہیں کیا گیا اس لئے یہ سب مہاجرین مفہوم آیت کے مصداق نہ تھے لور معاویہ مہاجر ہی نہ تھے ان کے لئے بھی یہ بشارت نہیں ہو سکتی۔ یہ تفسیری مطلب اس وقت ہو گا جب الذین ان مکنہم الخ کو آخر جو اکی صفت تقییدی مانا جائے۔ لیکن بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ الذین ان مکنہم الخ من ینصرہ سے بدل ہے۔ مطلب اس طرح ہو گا، اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کریں گے یعنی ان لوگوں کی مدد کرے گا کہ اللہ جب ان کو اقتدار عطا کرے گا تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ نے اپنا

۱۔ ثابت بن عربیہ نے کہا مجھ سے عبد اللہ اور علی کے ۲۷ ساتھیوں نے کہا کہ حضرت علی نے فرمایا لو لا دفع اللہ الناس الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کے ذریعہ اللہ دوسروں کو دفع کرنا چاہتا تو عبادت خانے ڈھاہ دیئے جاتے۔ الخ یہ نصرت الہیہ کا وعدہ ہے۔

یہ وعدہ پورا کیا، خلفاء راشدین کی مدد کی عرب کے جہادوں، عجم کے شہنشاہوں اور روم کے برحیروت جہادوں پر فتح عنایت فرمائی، کافروں کے ملک ان کو عطا فرمادے (یہ صلہ تھا اس بات کا کہ انہوں نے بھی اللہ کے دین کی مدد کی، نمازیں قائم کیں، قانون زکوٰۃ نافذ کیا۔ زکوٰۃ دی اور دلوائی خصوصاً حضرت ابو بکر نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف لشکر کشی کی اور کامیاب ہوئے اور ہر طرح کی برائی کی بیخ کنی بقوت ایمانی تبلیغ لسانی اور بزور شمشیر کی)

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۱۱﴾ اور تمام امور کا نتیجہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ تمام امور کا جو اللہ کے فیصلہ کی طرف ہے۔ اس کلام میں وعدہ سابقہ کی تاکید ہے۔ (کہ چونکہ ہر کام کا نتیجہ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لئے وہ مساجرین مذکور الصدر کو کامیاب ضرور فرمائے گا)۔

وَإِنْ يَكْفُرْ بِكَ الْكُفْرَانُ كُلُّهُ فَإِنَّ اللَّهَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۲﴾ اور (اے محمد ﷺ یہ کفار مکہ) اگر آپ کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبْتَ قَبْلَهُمْ قَوْمَ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿۱۳﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمَ لُوطٍ ﴿۱۴﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ، وَكُلِّبَ مُوسَى

تو (آپ رنجیدہ نہ ہوں غم نہ کریں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے) اس سے پہلے بھی قوم نوح (نوح) کو اور قوم عاد (ہود) کو اور قوم ثمود (صالح) کو اور قوم ابراہیم (ابراہیم) کو اور قوم لوط (لوط) کو اور مدین والے (شعیب) کو جھوٹا قرار دے چکے ہیں اور موسیٰ کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے۔ یہ سارا کلام اپنے اندر رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین رکھتا ہے۔ ہر پیغمبر کی تکذیب اس کی قوم نے جس کی ہدایت کے لئے اس کو بھیجا گیا تھی۔ لیکن حضرت موسیٰ کی تکذیب بنی اسرائیل نے نہیں کی جو آپ کی قوم تھی۔ بلکہ قوم فرعون نے کی جو قبیلہ تھی اس لئے اسلوب عبارت بدل دیا گیا۔ تمام امتوں کے لئے کذبیت (اقوام انبیاء نے انبیاء کی تکذیب کی) فرمایا اور حضرت موسیٰ کے ذکر میں کذب موسیٰ کی تکذیب کی گئی ہے فرمایا کس نے تکذیب کی اس کا ذکر نہیں کیا۔

یایوں کہا جائے کہ حضرت موسیٰ کے معجزات بہت واضح تھے اس لئے آپ کے ان معجزات کی موجودگی میں تکذیب زیادہ قابل مذمت اور شیع تھی، اسی لئے سب سے الگ حضرت موسیٰ کا ذکر کیا۔

فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۱۵﴾ سو میں نے کافروں کو مہلت دی (کچھ مدت تک عذاب نالے رکھا) آخر ان کو دھر پکڑا تو میرا انکار کیسا ہوا (کیسا رنگ لایا) کہ نعمت کو تکلیف سے، آبادی کو بربادی سے اور زندگی کی ہلاکت سے بدل دیا۔ یہ استفہام سوال کے لئے نہیں اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اس کو سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تعجب آفرینی یا ہولناکی کے اظہار یا بیان عذاب کو پختہ کرنے کے لئے ہے کہ عذاب بر محل نازل کیا گیا۔

فَكَاتِبْنَ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَادِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِنَا اور بہت بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا کیونکہ وہ ظالم تھیں سو اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ بستیوں کو تباہ کر دیا، یعنی بستیوں والوں کو کیونکہ وہ لوگ ظالم تھے۔ (ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے جگہ رکھنا) انہوں نے بھی مشرکانہ پوجا کو اللہ کی عبادت کے قائم مقام بنا لیا تھا اللہ کا انکار کرتے تھے اور بتوں کو مانتے تھے۔ فہی پس وہ یعنی ان کے مکانوں کی دیواریں چھتوں پر ڈھکی پڑی ہیں یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان کے اوپر سے دیواریں آپڑیں۔ اس مطلب پر علیٰ عروشا کا تعلق خادیۃ سے ہوگا۔ اور خادویۃ کا مطلب ڈھنے والی یا گرنے والی۔ یا خادویۃ کا معنی ہے خالی، ویران۔ اس وقت علیٰ عروشا کا تعلق قائمہ یا کائنات مخدوف سے ہوگا، یعنی وہ بستیاں ویران پڑی ہیں اور اپنی چھتوں سمیت کھڑی ہیں (مکان ویران ہو گئے ان میں رہنے والا کوئی موجود نہیں چھتیں دیواروں پر قائم ہیں) کیا یہ مطلب ہے کہ چھتیں گر گئیں اور دیواریں ان پر جھکی ہوئی ہیں ٹیڑھی ہو گئی ہیں۔

وَيَأْتِي مَعْظَلَہِ اور بہت سے کنوئیں (یعنی بہت سے کنوئیں والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور کنوئیں) بے کار پڑے رہ گئے کوئی ان سے پانی کھینچنے والا ہی نہیں رہا۔

وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿۱۶﴾ اور بہت سے مضبوط محل ہم نے برباد کر دیئے۔ یعنی محلوں میں رہنے والوں کو تباہ کر دیا۔

قائد، ضحاک اور مقاتل نے مشید کا ترجمہ کیا اونچے، بلند۔ شاد بناہ اس کی عمارت کو اونچا کیا عربی محاورہ ہے۔ سعید بن جبیر عطاء اور مجاہد نے کماشید کا معنی ہے چونہ، سچ، مصالحہ اس لئے مشید کا ترجمہ ہوا چونے اور سچ سے چنے ہوئے۔ (مضبوط)۔

بغوی نے لکھا ہے بئر مَعَطَلَة اور قَصْر مَشِيدہ دونوں یمن میں تھے، قصر پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور کنواں دامن کوہ میں، ہر ایک کے مالک کچھ لوگ تھے۔ بڑے عیش و راحت میں غرق لیکن جب انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے ان کو تباہ کر دیا۔ اور کنواں ویران ہو گیا۔

ابوروق نے ضحاک کے حوالے سے بیان کیا وہ کنواں حضرت موت کے ایک شہر میں تھا۔ شہر کا نام حاصور تھا۔ یہ شہر ان چار ہزار مومنوں نے آباد کیا تھا جو حضرت صالح کے ہم رکاب حضرت موت میں آگئے تھے اسی حضرت موت میں حضرت صالح کی وفات ہو گئی اس لئے اس بستی کو حضرت موت کہنے لگے (یعنی حضرت صالح یہاں آئے اور یہیں مر گئے) آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے (ایک حصار فیصل قائم کر دی یعنی) حاصور کی تعمیر کی اور کنویں پر مستقل قیام کر لیا۔ اور اپنے آدمیوں میں ایک شخص کو امیر اور حاکم بنا لیا مدت دراز تک رہتے رہے نسلیں بڑھیں اور آبادی وسیع ہو گئی۔ آخر کچھ لوگ بگڑ گئے اور جنوں کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حنظلہ بن صفوان کو نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت حنظلہ قلی تھے لوگوں کا بوجھ اٹھایا کرتے تھے، آپ نے نصیحت کی، قوم نے نصیحت نہ مانی، کندیب کی لور بازار میں آپ کو قتل کر دیا، نتیجہ میں اللہ نے ان کو بھی تباہ کر دیا، ان کے محل ویران اور کنویں بے کار بڑے رہ گئے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

سو کیا یہ (منکر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے کہ ان سے سمجھنے

لگتے اور ایسے کان ہو جاتے جن سے وہ سننے لگتے۔

افلّم یسیروا کا عطف محذوف فعل پر ہے پورا کلام اس طرح ہو گا کیا یہ لوگ گھروں سے نہیں نکلے اور ملک میں گھومے پھرے نہیں۔

يعقلون بھا یعنی ایسے دل ہوتے جن سے وہ ان امور کو سمجھتے جن کو سمجھنا لازم ہے، یعنی ان کو بصیرت حاصل ہوتی جس سے اللہ کی توحید کامل کو سمجھتے۔

او اذان الخ یا ان کے کان ہوتے جن سے حق کی آواز سنتے۔ گویا ملک میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ نکلتا کہ توحید کو سمجھنے والی بصیرت حاصل ہوتی اور نداء حق سننے والے کان۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۱۷﴾

بات یہ ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ دل نابینا ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ یعنی ان کی آنکھیں بینائی سے محروم نہیں ہیں کہ اقوام ہالکہ کے فرسودہ آثار قدیمہ سفر کے دوران ان کو دکھائی نہ دیں مگر ان کی نظر عبرت اندوز نہیں ہے۔ آیات توحید کو دیکھتے ہیں اور توحید کا عقیدہ نہیں رکھتے دلائل حق کو سنتے ہیں مگر دماغ میں ان کو جگہ نہیں دیتے۔ وجہ یہ ہے آنکھیں بینا ہونے کے باوجود ان کے دل نابینا ہیں وہ فاقد البصر نہیں، فاقد البصیرت ہیں اور دل بھی وہ جو سینوں میں ہیں (یعنی دلوں سے مراد قوت مدر کہ نہیں بلکہ وہ دل مراد ہیں جو مرکز ایمان ہوتے ہیں جو نور توحید کو دیکھتے ہیں)

آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ حقیقی نابینائی آنکھ کا اندھا پن نہیں بلکہ کور بصیرت ہونا ہے۔

قائد نے کہا آنکھ کی بینائی مرئی تک پہنچنے اور فائدہ اٹھانے کا ایک ذریعہ ہے اور دل کی بینائی حقیقت میں فائدہ بخش بینائی

ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دل کا نابینا ہونا بدترین اندھا پن ہے (رواہ البیہقی فی الدلائل واہن عسا کر عن عقبہ بن

عامر انہمی وابوالنصر السجری فی الابیاتہ عن ابی الدرداء رواہ الشافعی عن ابن مسعود موثوقاً۔

آیت میں دل کی نابینائی سے مراد بے دل کے تمام آلات علم و شعور کا مفقود ہو جانا گویا یوں فرمایا ان کے دلوں کی آنکھیں نابینا اور کان بھرے ہو گئے ہیں۔ (یعنی نابینائی سے صرف نابینائی ہی مراد نہیں جو آنکھوں کا عارضہ ہے بلکہ گوش قلب کا بہرا ہو جانا بھی اس میں داخل ہے۔)

بیضاوی نے لکھا ہے جب آیت وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى۔ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں دنیا میں نابینا ہوں تو آخرت میں بھی نابینا ہوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے قنادہ کا قول (اسی سے ملتا جلتا) نقل کیا ہے۔ قنادہ نے فرمایا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن زائدہ یعنی ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ اور (جس عذاب کی ان کو وعید سنائی جا رہی ہے اس) عذاب کا نزول یہ لوگ آپ سے جلد چاہتے ہیں۔ اس جملہ میں کافروں کے دلوں کے نابینا ہونے کا ایک طرح کا ثبوت پیش کیا گیا ہے جو شخص عذاب میں مبتلا ہو جانے کا فوری خواستگار ہو وہ دل کا اندھا ہی ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ آیت نصر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے دعا کی تھی اے اللہ اگر یہ جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں تیری طرف سے حق ہے اور یہ سچے ہیں اور ہم کو اس سے انکار ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسے۔

وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدًا ۗ اور اللہ ہر گز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ کی دی ہوئی خبر کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ اللہ نے جس عذاب کی وعید ان کو دی ہے وہ لا محالہ آکر رہے گا خواہ کچھ مدت کے بعد آئے۔ اللہ فوری سزا نہیں دیتا اس کا حکم بہت بڑا ہے۔ چنانچہ یہ وعید عذاب بدر کے دن پوری ہو گئی۔ اس آیت سے بظاہر ثابت ہو رہا ہے کہ جس طرح ثواب کے وعدے کا پورا نہ ہونا محال ہے، اسی طرح عذاب کی وعید کے خلاف ہونا ممکن ہے۔ لیکن کیا اس سے اللہ کی صفت مغفرت معدوم ہو جائے گی کیونکہ گناہوں پر وعید اور نیکیوں پر ثواب کا وعدہ جب پورا ہو کر رہے گا تو پھر گناہوں کی مغفرت کی کیا گنجائش باقی رہتی ہے) حقیقت یہ ہے کہ آیات عذاب بعبادت قرآن و حدیث و باجماع علماء ناقابل مغفرت فرقہ کے ساتھ مخصوص ہیں (یعنی شرکوں پر عذاب ضرور آئے گا۔ جو شرک پر مر گیا ہو یا اللہ کے علم میں ہو کہ شرک پر مرے گا اس کا عذاب میں مبتلا ہونا یقینی ہے اس کو اللہ کی صفت مغفرت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، باقی دوسرے گناہ گار تو ان کو عذاب میں مبتلا کرنے کا کوئی قطعی وعدہ نہیں اس لئے ان کی مغفرت ممکن ہے (ان کی مغفرت سے وعید الہی کا کذب لام نہیں آتا)۔

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۗ اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن یعنی قیامت کا دن (سبائی میں) تم لوگوں کی گنتی کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کا معنی یہ بیان کیا کہ اللہ کے پاس کا ایک دن اور تمہارے ایک ہزار سال مہلت دینے میں برابر ہیں کیونکہ اللہ قادر ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا کوئی چیز اس کے قبضہ سے باہر نہیں ہے تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز! اللہ کی دست قدرت سے باہر نہیں سکتی۔ عذاب کو فوراً نازل کر دینا اور کچھ مدت مؤخر کر دینا دونوں باتیں اس کی قدرت کے لئے مساوی ہیں بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس عذاب موعود کے یہ لوگ فوری طلب گار ہیں اس کا ایک دن شدت تکلیف اور طول میں انسانوں کی گنتی کے ہزار سال کے برابر ہے سچ ہے غم کے دن لمبے ہوتے ہیں اور خوشی کے دن چھوٹے۔ پھر ایسے عذاب کے یہ فوراً طلب گار کیوں ہیں جس کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔

بعض اہل علم نے کہا یہ اللہ کے حکم کی انتہاء کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف ہر گز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا (یعنی قیامت کا دن)۔ مجاہد و عکرمہ نے کہا ایام آخرت کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا اس کی تائید حضرت ابوسعید خدری کی اس روایت سے ہوتی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے فقراء مہاجرین کے گروہ تم کو بشارت ہو کہ قیامت کے دن تم کو نور کامل حاصل ہوگا تم جنت کے اندر مالد ابروں سے آدھا دن پہلے داخل ہو گے اور تمہارے رب کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ رواہ احمد، ترمذی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنت کے اندر فقراء دولت مندوں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے داخل ہوں گے۔ رواہ الترمذی۔

وَكَايِنَ مَنْ قَرِيَةٍ اَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اخَذَتْهَا وَذَلِكَ الْمَصِيْرُ ﴿٥٧﴾

اور بہت سی بستیوں والوں کو میں نے سہلت دی اور وہ (تمہاری طرح) بے جا حرکتیں کرنے والے (کافر) تھے پھر میں نے ان کو دھر پکڑا اور میرے ہی (حکم کی) طرف (ان کو) لوٹ کر آنا ہوا لوٹ کر (سب کو) آتا ہے۔

اس آیت میں شہادت پیش کی گئی ہے اس امر کی کہ اللہ اپنی وعید عذاب کے خلاف نہیں کرتا اور تاخیر عذاب سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ عذاب آئندہ نہیں آئے گا تاخیر عذاب اللہ کا دستور حکم ہی ہے دیکھو بہت سی ظالم بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جن کو فوری عذاب میں مبتلا نہیں کیا گیا سہلت اور ڈھیل دی گئی اور آخر ان کو پکڑ لیا گیا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا آتَاكُمْ نَذِيرًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ اے محمد ﷺ کفار مکہ سے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف تم کو کھول کر اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یعنی عذاب نے آنے پر قادر نہیں ہوں واضح الفاظ میں وعید عذاب سنا میرا کام ہے۔

رسول اللہ ﷺ بشیر بھی تھے اور نذیر بھی پھر صرف نذیر ہونے کا کیوں حکم دیا گیا

مشرکین ہی عذاب آنے کی جلدی مچاتے تھے اور خطاب کا رخ انہی کی طرف تھا اہل ایمان کے ثواب کا ذکر تو کافروں کے غصہ کو اور بھڑکانے والا تھا اس لئے صرف نذیر کا ذکر کیا نذیر کے ساتھ بشیر نہیں فرمایا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بشارت سے تخویف مقدم ہوتی ہے بشارت تو صرف فرماں برداروں کے لئے ہوتی ہے اور تخویف دونوں فریقوں کے لئے عام ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جو پیام مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی اور میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے اپنی قوم کو آکر متنبہ کیا اور کہا میں نے اپنی آنکھوں سے دشمن کے لشکر کو پہاڑ کے اس طرف دیکھا ہے اور میں تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں پس جلدی کرو۔ جلدی کرو۔ اور (بھاگو بھاگو) کچھ لوگوں نے اطلاع دینے والے کی بات مان لی اور رات سے ہی چل دیئے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر روانہ ہو گئے اور بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس کے کہے کو سچ نہ جانا اور صبح تک وہ اپنی جگہ پر رہے نتیجہ یہ نکلا کہ صبح کو دشمن کے لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو غارت کر دیا اور ان کی جڑا کھاڑ کر رکھ دی۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میرا کہا مانا اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر چلے اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہا نہ مانا اور جو حق میں لے آیا ہوں اس کی انہوں نے تکذیب کی۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿٥٩﴾

پس جن لوگوں نے (میرے لئے) ایمان لیا اور نیک کام کئے (یعنی جن کاموں کا میں نے حکم دیا اس کی انہوں نے تعمیل کی) انہی کے لئے (گزشتہ گناہوں کی) معافی ہے اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام ان گناہوں کو ڈھالتا ہے جو پہلے کئے ہوئے ہوتے ہیں رواہ مسلم عن عمرو بن العاص۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٦٠﴾

اور جو لوگ (رد کرنے کے لئے) ہماری آیات کے متعلق کوشش کرتے رہتے ہیں (پیغمبر اور اہل ایمان کو) ہرانے کے لئے ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔

معجزین یعنی عناد اور سخت مخالفت کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا کہ وہ اپنے خیال میں ہمیں ہرانا چاہتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ جنت و دوزخ۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے ہم ان پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ہم سے مقابلہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم پر غالب آجائیں اور ہماری گرفت سے باہر ہو جائیں۔

میں کہتا ہوں معجزین کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے رسول کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں، پیغمبر ﷺ تو ان کو دوزخ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور وہ جہنم میں (زور کر کے) گھسے جاتے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی جب آگ خوب روشن ہو گئی اور گرد و پیش میں روشنی پھیل گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ میں گر ا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ شخص پتنگوں اور کیڑوں کو آگ میں گرنے سے روکتا رہا مگر تپتے اس پر غالب آئے اور آگ میں گھسنے لگے میں بھی اسی طرح تم کو کمر پکڑ پکڑ کر دوزخ میں گھسنے سے روک رہا ہوں اور تم اس کے اندر گھسے پڑتے ہو۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ سے آپ کی قوم والوں نے رخ پھیر لیا اور کلام اللہ سے ان کا دور دور رہنا حضور کو شاق گزارا تو آپ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش اللہ کی طرف سے کوئی طریقہ ایسا پیدا ہو جاتا جس سے قوم والے آپ کے قریب آجاتے آپ کو قوم والوں کے مسلمان ہو جانے کی بڑی ہی رغبت تھی۔ چنانچہ ایک روز آپ قریش کے جلسہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ النجم نازل ہوئی آپ نے لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائی جب پڑھتے پڑھتے آیت **أَفْرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَالتَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ** پر پہنچے تو شیطان نے وہ دلی خواہش جو آپ کے سینہ میں پیدا ہوتی رہتی تھی زبان سے نکلوا دی اور (بے ارادہ) آپ کی زبان سے آیت مذکورہ کے بعد نکل گیا **تلك الغرانيق العلىٰ وان شفا عتھن لترتجى** قریش نے جو یہ الفاظ سنے تو بڑے خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اپنی تلاوت میں مستغرق رہے اور اس طرح سورۃ ختم کر لی تو آخر سورہ میں سجدہ کیا۔ آپ کے سجدہ کرنے کی وجہ سے تمام مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا اور کعبہ میں جو مشرک موجود تھے انہوں نے بھی سجدہ کیا۔ کوئی مسلمان یا مشرک بغیر سجدہ کئے نہیں رہا صرف ولید بن مغیرہ اور سعید بن عاص نے سجدہ نہیں کیا اور ایک ایک مٹھی کنکریاں اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگائیں اور بولے ہمارے لئے یہی کافی ہے بات یہ تھی کہ یہ دونوں بہت بوڑھے تھے سجدہ کرنے کی ان میں طاقت نہ تھی اس کے بعد قریش منتشر ہو گئے اور اپنے معبودوں کا جو ذکر سنا تھا اس سے بڑے خوش تھے اور کہہ رہے تھے اب تو محمد ﷺ نے بھی ہمارے معبودوں کا ذکر اچھے الفاظ میں کر دیا، ہم کو اقرار ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے وہی پیدا کرتا اور رزق دیتا ہے لیکن ہمارے یہ معبود اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں گے۔ اب جبکہ محمد ﷺ نے بھی ان کو ان کا حصہ دے دیا تو اب ہم محمد کے ساتھ ہیں۔

غرض شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا محمد ﷺ نے یہ کیا کیا کہ جو کلام میں آپ کے پاس اللہ کی طرف سے لایا تھا، اس کے سوا دوسرے کلام کی لوگوں کے سامنے آپ نے تلاوت کی۔ حضور والا یہ بات سن کر بہت غمگین ہوئے اور آپ کو اللہ کی طرف سے عتاب کا بڑا ڈر لگا اس پر اللہ نے آیت **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَبْلِكَ الْخ نازل ہوئی اس میں اللہ نے آپ کو تسلی عطا فرمائی ہے جو صحابی اس زمانہ میں حبش میں تھے ان کو جو اطلاع ملی کہ قریش نے بھی سجدہ کیا اور یہ بھی کہا گیا کہ قریش مسلمان ہو گئے تو ان میں سے اکثر لوگ اپنے اپنے قبائل میں واپسی کے ارادے سے چل دیئے اور بولے مکہ والوں سے ہمیں محبت ہے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو ان کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی جو خبر ان کو پہنچی تھی وہ غلط تھی چنانچہ یہ لوگ مکہ میں یا چھپ چھپا کر داخل ہوئے یا کسی کی پناہ لے کر۔**

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ

اور (اے محمد!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کوئی رسول اللہ ﷺ اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا مگر (اس کو قصہ ضرور پیش

ساری داستان غلط ہے۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ اس قصہ کو بزار اور ابن مردویہ اور طبرانی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بزار نے اس قصہ کو صرف اسی اسناد سے متصلاً ذکر کیا ہے ورنہ اور کوئی سند متصل نہیں ہے اور اس متصل سند میں امیہ بن خالد راوی نبی کا حلقہ اتصال ہے اور یہ راوی مشہور ثقہ ہے۔ ابن ابی حاتم ابن جریر اور ابن المنذر نے صحیح سند سے بروایت سعید بن جبیر مرسل بیان کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے کہ سورہ وا انجم نازل ہوئی، اور آپ نے لوگوں کے سامنے اس کو پڑھا پڑھتے پڑھتے جب آیت **أَفْرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَتَمَنُّوا بِالثَّالِثَةِ الْآخِرَىٰ تَكُنَّ لَكُمْ رَاحِيَةً** تک پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے **تَدَكُّ الْغُرَانِيْقِ الْعَلِيِّ وَانْ شَفَا عَتَمَهْنَ لِتَرْتَجِيْنَ**۔ شرک یہ الفاظ سن کر کہنے لگے محمد ﷺ نے اس سے پہلے تو ہمارے معبودوں کا ذکر بھی بھلائی کے ساتھ نہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے سورت پڑھ کر سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا، اس پر آیت **وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُحِيْلُ الْأَشْيَاءَ لِلنَّاسِ لِيَأْتُوا بِالْحُكْمِ وَإِنَّ رَبَّهُمْ لِلْعَلِيمِ** ناس نے متصل سند کے ساتھ اس قصہ کی روایت کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے لیکن اس سند میں واقدی راوی ہے جو غیر معتبر ہے۔

ابن مردویہ نے بطریق کلبی از ابو صالح از ابن عباس..... اس کو بیان کیا ہے (اور کلبی غیر معتبر ہے)۔ ابن جریر نے بحوالہ عوفی از ابن عباس اس کو بیان کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں محمد بن کعب کی روایت سے۔ اور المغازی میں ابن شہاب کی روایت سے اور ابن جریر نے محمد بن کعب و محمد بن قیس کی وساطت سے اور ابن ابی حاتم نے سدی کے حوالہ سے یہ قصہ بیان کیا ہے اور سب روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے اور ساری راہیں یا ضعیف ہیں یا منقطع لیبہ سعید بن جبیر کی اول الذکر روایت جو بزار، ابن مردویہ اور طبرانی نے نقل کی ہے ضرور متصل اور قوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے طرق روایت کی کثرت سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس قصہ کی کچھ اصل ہے خواہ سارے طرق روایت کمزور ہوں اور روایات کے دو طریقے ایسے بھی ہیں کہ گودونوں مرسل ہیں لیکن صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں ان طریقوں سے یہ قصہ مرسل ضرور ثابت ہوتا ہے ایک سلسلہ روایت طبرانی کا بیان کردہ ہے یونس بن یزید ابن شہاب زہری از ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام اور دوسرے سلسلہ روایت بھی طبرانی نے ہی بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے مقیم بن سلیمان و حماد بن سلمہ از داؤد از ابو ہند از ابو العالیہ۔

علماء نے مختلف طور پر اس شبہ کا جواب دیا ہے (۱) رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ نہیں پڑھے تھے۔ نہ صحابہ نے یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے سے صرف شیطان نے (آپ کی آواز بنا کر) مشرکوں کے کانوں میں یہ الفاظ ڈال دیئے۔ مشرکوں نے خیال کر لیا کہ یہ الفاظ محمد ﷺ نے کہے ہیں (۲) قتادہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کی حالت اس وقت نیم بیہوشی کی تھی کہ القاء شیطانی کی وجہ سے یہ الفاظ آپ کی زبان سے سہواً نکل گئے۔ لیکن فوراً ہی اللہ نے آپ کو متنبہ فرمادیا۔ یہ قول بھی آیا ہے کہ ایک شیطان نے

۱۔ قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے کہ کسی صحیح روایت عالم نے اس قصہ کی تخریج نہیں کی اور نہ کسی متصل صحیح سند سے اس کی روایت ثابت ہے ایسی پر غرابت داستانیں مورخین اور مفسرین ہی بیان کرتے ہیں جو ہر صحیح و غلط قصہ کتابوں سے نقل کرتے ہیں (اور اصحاب روایت وحدیث کے معیار پر کس کر نہیں دیکھتے کہ یہ سونا ہے یا پتیل) سچ کہا ہے قاضی بکر بن علاء ما لکی نے کہ بعض اہل ہوا بد بعثی اہل تفسیر کے پیچھے پیچھے لوگ چلنے لگتے ہیں اور باوجودیکہ روایت کو نقل کرنے والے ضعیف ہوتے ہیں روایت میں بھی اضطراب ہوتا ہے، سندیں بھی منقطع ہوتی ہے اور الفاظ میں بھی اختلاف ہوتا ہے لیکن بے دین لٹھ پھر بھی انہی روایات سے چمٹے رہتے ہیں۔ اسی قصہ کے سلسلہ میں اہل روایت کے اقوال مختلف ہیں کوئی کہتا ہوں یہ واقعہ نماز کے اندر کا ہے کوئی کہتا ہے اس سورہ کے نزول تلاوت کے وقت رسول اللہ ﷺ قوم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دل میں خود ہی یہ خیال سوا پیدا ہوا تھا اور اونگھنے کی حالت میں یہ بات ہو گئی بعض قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز بنا کر شیطان نے کلمات کہے تھے جب حضور ﷺ کو اس کی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جس کو ایضاً (گوراشیطان) کہا جاتا ہے، یہ حرکت کی تھی اور یہ ایک بڑی آزمائش تھی، اللہ اپنے بندوں کی طرح طرح سے آزمائش کرتا ہی ہے۔ اگر شبہ کیا جائے کہ کوئی صورت بھی ہوئی ہو خواہ شیطان نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں پڑھا ہو اور لوگوں نے سمجھا ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ پڑھے ہیں یا نیم بیہوشی کی حالت میں یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکل گئے ہوں۔ بہر حال اگر اس کو مان لیا جائے تو قرآن پر اعتماد ہی فوت ہو جائے گا کیا معلوم کہ حضور ﷺ نے کس حالت میں اس کو پڑھ کر سنایا اور کیا سنایا، یا شیطان نے آپ کی آواز بنا کر پڑھ دیا۔

اس شبہ کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے کہ قرآن پر اعتماد کے لئے تو اتنا کافی ہے کہ اللہ نے اس کے بعد خود ہی فرمادیا ہے فَيَنْسَخِ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتَهُ یعنی پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے شہادت کو نابود کر دیتا ہے، جو شیطان الفاظ ہوتے ہیں ان کو زائل کر دیتا ہے اور ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ القاء شیطانی ہے پھر نازل کردہ آیات کو قائم رکھتا ہے اور القاء شیطانی سے ان کو محفوظ بنا دیتا ہے۔ اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ آیت فَيَنْسَخِ اللَّهُ الخ بھی تو قابل اعتماد نہیں ہوگی جب پورا قرآن ناقابل وثوق ہو جائے گا تو یہ آیت کیسے قابل یقین ہوگی۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ عقل دبرہاں کا تقاضا ہے کہ جب اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو اصول دین (قرآن) کو بیان کرنے میں پیغمبر کو ہر غلطی اور نسیان سے ضرور محفوظ بنا دیا ہوگا یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ پیغمبر کو اصل دین کے اظہار میں معصوم و محفوظ ہونا چاہیے اس لئے آیت فَيَنْسَخِ اللَّهُ اور دوسری تمام محکم آیات اور ضوابط و احکام ناقابل شک ہیں اللہ نے ان کو محکم بنا دیا ہے تاکہ اہل علم کو معلوم ہو جائے اور وہ یقین رکھیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہیں اور حق ہیں اور یہ یقین کر لینے کے بعد ان کے دل اللہ کے سامنے جھک جائیں اور خشوع کے ساتھ خوف زدہ ہو جائیں۔

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۷﴾ اور اللہ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے یعنی لوگوں کے احوال اور صلاحیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے جو ہدایت کا مسکن ہوتا ہے اس کو ہدایت یاب کرتا ہے اور جو گمراہی کا مسکن ہوتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ اللہ نے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی اور شیطان نے جو کچھ کرنے کا ارادہ کیا اللہ سب کو خوب جانتا ہے اور چونکہ وہ حکمت والا ہے اس لئے شیطان کے القاء کو زائل کر دیتا اور ارادہ شیطان کو ناکام بنا دیتا ہے۔

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم

یہ سارا واقعہ اس لئے کیا گیا تاکہ شیطان کے ڈالے ہوئے شہادت کو اللہ ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) اطلاع ملی تو فرمایا اللہ اس طرح تو یہ آیات نازل نہیں ہوئی تھیں کسی نے کہا شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ رواں کر دیئے تھے اور جب آپ نے جبرئیل کے سامنے یہ کلمات پڑھے تو جبرئیل نے کہا میں نے تو آپ کو یہ الفاظ نہیں پڑھائے تھے۔ اس داستان کی جس مفسر اور تابعی کی طرف نسبت کی جاتی ہے کسی نے بھی اس کی نسبت کسی صحابی کی طرف نہیں کی اس کے اکثر طرق ضعیف بلکہ پوچ ہیں۔ صرف سعید از ابو البشر از سعید بن جبیر از ابن عباس کا سلسلہ ضرور مرفوع قرار دیا جاتا ہے (یعنی ابن عباس تک اس کی سند ملانی جاتی ہے) لیکن اس سلسلہ میں شک ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ میں تھے (کعبہ میں یا قوم کی مجلس میں یا منی میں) ابو بکر بزار نے کہا ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کی کوئی ایسی متصل سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچی ہو جس کا ذکر کرنا جائز ہو۔ صرف سعید بن جبیر والی سند متصل ہے۔ لیکن امیہ بن خالد وغیرہ نے سعید بن جبیر سے یہ روایت مرسل بیان کی ہے (یعنی سعید بن جبیر کا بیان قرار دیا ہے)۔ حضرت ابن عباس کا بیان نہیں قرار دیا صرف کلبی نے بحوالہ ابو صالح اس کو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابو بکر نے کہا اس کے علاوہ اس داستان کا کوئی اور طریق روایت قابل ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ بھی کتنا کمزور ہے کلبی کی بیان کردہ احادیث کا تو ذکر بھی جائز نہیں اس کی احادیث کا تو ذکر بھی جائز نہیں اس کی احادیث انتہائی کمزور ہوتی ہیں.... کیونکہ یہ مشہور روایت ہے۔ (از، مؤلف قدس سرہ)

فتنہ یعنی آزمائش اور مصیبت پر مرض سے مراد ہے شک و نفاق۔ سخت دل والوں سے مراد ہیں مشرک۔

وَأَنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۷﴾

اور واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں۔

الظالمین سے مراد ہیں منافق اور مشرک۔ شقاق سے مراد ہے خلاف حق۔ یا رسول اللہ ﷺ اور مومنوں کی مخالفت انہم کی جگہ ان الظالمین صراحت کے ساتھ اس لئے کہا گیا تاکہ منافقوں اور مشرکوں کی ناحق کوشی کی صراحت ہو جائے۔

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ

اور تاکہ جن لوگوں کو نعم (سخ) عطا ہوا ہے وہ زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے) بلاشک و شبہ

آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اس یقین کی وجہ سے ایمان پر لور زیادہ قائم ہو جائیں پھر اس کی طرف ان کے دل اور بھی جھک جائیں۔

لیعلم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی ہم نے جو شیطان کو القاء کی قدرت عطا فرمائی پھر القاء شیطانی کو نابود کر دیا اور

اپنی آیات کو مضبوط کر دیا اس کی دو وجوہ ہیں ایک سبب تو یہ ہے کہ القاء شیطانی کو بیمار دل والے منافقوں اور مشرکوں کے لئے فتنہ بنا دینا مقصود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کے علم میں ایمانی پختگی پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ بلاشک و شبہ وہ یقین کر لیں کہ یہ حق ہے اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے اور اس مستحکم ایمان کے بعد ان کے دل اللہ کی طرف عاجزی کے ساتھ اور جھک جائیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیجعل اور لیعلم میں لام عاقبت کا ہو یعنی اللہ کے اس فعل کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کافروں کے لئے فتنہ اور اہل ایمان کیلئے استحکام ایمان ہو جائے گا۔ جیسے دوسری آیت میں آیا ہے۔ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا مِثْلُ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۵۸﴾

اوتوا العلم سے مراد ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے احکام سے واقف ہیں۔ سدی نے کہا باطل اور القاء شیطانی کو نابود

کر دینے کی جو لوگ تصدیق کرتے ہیں وہ مراد ہیں۔

انہ یعنی جن آیات کو اللہ نے محکم اور مضبوط کر دیا ہے وہ حق ہیں، یا شیطان کو انسان کے دل میں دوسوہ ڈالنے کی طاقت

دینا حق ہے حضرت آدم کی تخلیق کے وقت سے دستور خداوندی یہی رہا ہے۔

فیو منوا بہ پس وہ قرآن پر (مزید پختہ) ایمان رکھیں اور دل میں گرہ باندھ لیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یا یہ مراد

ہے کہ وہ اللہ پر مستحکم ترین یقین کر لیں۔ فیو منوا بہ پر ف لانا اور یعلم پر اس کا عطف کرنا اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ صرف جان لینے کا نام ایمان نہیں ہے بلکہ ایمان صرف عطا الہی اور موہبت خداوندی ہے جو اکثر اہل علم کو علم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

فتخبیت، پس عاجزی کریں یعنی ان کے دلوں میں خشیت پیدا ہو جائے اور وہ مطیع حکم ہو جائیں اور ان کے دلوں میں

اطمینان و سکون کی کیفیت پیدا ہو جائے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ ایمان والوں کو

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ﴿۵۹﴾

اللہ ہی راہ راست دکھاتا ہے۔

صراط مستقیم یعنی اسلام کا سیدھا راستہ اور صحیح اعتقاد مراد یہ ہے کہ شہادت کے مواقع پر جب سیدھا راستہ مشتبہ

ہو جاتا ہے تو اللہ ہی اہل ایمان کو سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ﴿۵۹﴾

اور کافر لوگ اس (پڑھے ہوئے علم) کی طرف سے برابر شک میں ہی پڑے رہیں

گے یہاں تک کہ ان پر اچانک مقررہ ساعت آجائے یا بے برکت دن (یعنی روز قیامت) کا عذاب اللہ کی طرف سے ان پر

آجائے۔

مریہ شک منہ قرآن یارسول یا اہل ایمان کی طرف سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کے خیال میں القاء شیطانی سے جو کچھ دوسوہ پیدا ہوتا ہے اس سے کافروں کے دل شک میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ کے رسول نے پہلے تو بتوں کا تذکرہ اچھے الفاظ میں کیا پھر لوٹ گئے۔

الساعة موت کا وقت اور یوم عقیقہ سے مراد ہے قیامت کا دن۔ عکرمہ اور ضحاک نے یوم عقیقہ کی تشریح میں فرمایا، ایسا دن جس کی رات نہ ہوگی یعنی روز قیامت بعض کے نزدیک الساعة سے مراد روز قیامت اور یوم عقیقہ سے مراد برکا دن ہے کیونکہ اس روز کافروں کو کوئی بھلائی حاصل نہیں ہوئی۔

لغت میں عقیقہ بمعنی ممنوع آتا ہے ریح عقیقہ بغیر بارش کی ہو ایہ بھی ممکن ہے کہ الساعة اور یوم عقیقہ دونوں سے مراد قیامت کا دن ہو۔ ہولناکی کی تصویر کشی کے لئے دوبارہ یوم عقیقہ کہا گیا ہے۔

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ يَكْفُؤُكُمْ بَيْنَهُمْ
صرف اللہ کی ہو کی وہی ان کے درمیان بصورت جزا و سزا (عملی) فیصلہ کر دے گا۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي حَضْرَةِ النَّبِيِّ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝
پس جن لوگوں نے مان لیا اور نیک کام کئے وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھوٹا قرار دیا، سوا نہیں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔

فواؤ اللک میں ف کا استعمال بتا رہا ہے کہ مومنوں کا جنت میں داخلہ کھس اللہ کی مہربانی سے ہوگا (اعمال داخلہ کے موجب نہیں ہیں) اور کافروں کا جہنم میں داخلہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہوگا کافروں کے اعمال موجب عذاب ہیں اسی لئے لہم عذاب خاص طور پر صرف انہی کے لئے عذاب ہو گا فرمایا ہم فی عذاب وہ عذاب میں ہوں گے نہیں فرمایا اور اہل جنت کے متعلق فرمایا وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے یعنی اللہ کی مہربانی سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے اعمال بھی (موجب نجات نہ ہوں گے) فرمایا نہ (میں اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نجات ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانک لے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

صحیحین میں حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی آئی کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا، سیدھی چال چلتے رہو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی (اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانپ لے گا۔ مسلم میں حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث ہے امام احمد نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن ابی موسیٰ، شریک بن طارق، اسامہ بن شریک اور اسد بن کرز کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

ایک شبہ

اللہ نے فرمایا اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ تم اپنے کئے ہوئے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنت میں دخل اعمال کی وجہ سے ہوگا۔

جواب

جنت کے مختلف درجات اور مراتب ہیں جن پر سائی اعمال کی وجہ سے ہوگی (جیسا عمل ہو گا ویسا ہی درجہ ملے گا) لیکن اصل داخلہ اور جن کے اندر ہمیشہ رہنا محض اللہ کی مہربانی سے ہوگا۔ ہناد نے الزہد میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تو لوگ غفوانی کی وجہ سے پل صراط سے پار ہو گے اور اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو گے اور اپنے اپنے اعمال کی وجہ سے مرتبے پاؤ گے۔ ابو نعیم نے عون بن عبد اللہ کی روایت سے بھی یہ اثر نقل کیا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قَاتَلُوا أَوْ مَاتُوا لَبُرَّ قَتْلَهُمْ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهَوَّ خَيْرٌ

الْمُزْنِقِينَ ۝۸۱ اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے اللہ ان

کو اچھی روزی ضرور ضرور عطا فرمائے گا اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

ہاجروا یعنی اعضاء و اقارب اور وطن کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔
ماتوا یعنی اپنی موت (بغیر قتل و قتال کے) سے مر گئے۔

لیبر قتلہم اللہ یعنی جنت کے اندر اللہ ان کو رزق عطا فرمائے گا۔

رزقا حسنا یعنی عیش و راحت و دوائی بے مثال۔

اللہ بہترین رازق ہے کیونکہ وہ بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْتَضُونَ ۝۸۲ بے شک ان کو ایسے مقام میں داخل فرمائے گا جس کو وہ پسند کریں گے

یعنی جنت کے اندر داخل فرمائے گا جہاں ہر دل پسند چیز باصرہ نواز ہوگی، ایسی جس کو (اس سے پہلے) نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو گا نہ کان نے سنا ہو گا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آئے گا۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝۸۳ اور بے شک اللہ (ان کے اور ان کے دشمنوں کے احوال سے) خوب واقف

ہے (اور) بڑے تحمل والا کہ فوری سزا نہیں دیتا۔

ذَلِكَ ۝ بات یہی ہے۔ یا یہ بات حق ہے۔

وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّقَ بِهِ تَعَرَّبْنِي عَلَيْهِ لِيُنْصَرِفَهُ اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ۝۸۴

اور جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلف پہنچائے جس قدر (اس دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی

تھی (اور) پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ اس شخص کی ضرور مدد کرے گا اللہ بڑا معاف کرنے والا کثیرا المتعفت ہے۔ یعنی

ظالم سے اتنا ہی بد لے جتنا اس نے ظلم کیا ہے پھر دوبارہ اس پر ظلم کیا جائے تو اللہ یقیناً اس مظلوم کی مدد کرے گا۔ ابتدائی ظلم

کو بھی عقاب کہا گیا۔ حالانکہ عقاب (بدلہ) کوہ ہوتا ہے جو ظلم کے بعد بطور عوض دیا جائے۔ ایسا صرف ہم شکل ہونے کی وجہ

سے کیا گیا۔ (ابتدائی ظلم ہو یا ظلم کا بدلہ دونوں کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے اگرچہ علت فعل میں اختلاف ہوتا ہے) اللہ بڑا معاف

کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ یعنی انتقام لینے والا، جذبات نفسانیہ کے زیر اثر ہی انتقام لیتا ہے۔ اور نفسانی جھکاؤ سے متاثر ہونا ایک

طرح کا جرم ہے۔ (اس لئے انتقام لینا بھی ایک قسم کی نفسانی خباثت ہی ہے) لیکن اللہ مظلوم کو معاف کرنے والا ہے، وہ اگر بدلہ

لے لے تو اللہ اس کی گرفت نہیں کرے گا۔

یایوں کہا جائے کہ اللہ نے درگزر کرنے اور صبر کرنے کو اس کے لئے زیادہ مناسب اور اولیٰ قرار دیا تھا۔ اللہ نے فرما دیا تھا

وَلِيَمَنَّ صَبْرًا وَ غَفْرًا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ بلاشبہ بڑے عالی حوصلگی کا کام

ہے) اور اس نے انتقام لے کر خلاف اولیٰ کیا (اور یہ ایک طرح کی غلط روی ہے)۔ اس کو اللہ معاف فرمادے گا۔ وہ بڑا معاف

کرنے والا ہے۔ آیت میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے۔ اللہ باوجود قادر مطلق ہونے کے جب معاف فرمادیتا ہے تو جس

بندے کی حق تلفی کی گئی ہو (اس میں تو انتقام لینے کی قدرت بھی پوری پوری نہیں ہے اس لئے) اس کو بدرجہ اولیٰ معاف کر دینا

چاہئے۔ لفظ عفو سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سزا دینے پر قادر ہے عفو کہتے ہی ہیں اس کو جس میں سزا دینے کی قدرت

ہو۔

بنوی نے لکھا ہے کہ حسن نے آیت مذکورہ کی تفسیر اس طرح کی ہے۔ مَنْ عَاقَبَ جو مشرکوں سے لڑا۔ بِمِثْلِ مَا

عُوِّقَ بِہ جیسا مشرک اس سے لڑے۔ ثُمَّ بَعَثْنِي عَلَيْهِ پھر اس پر زیادتی کی گئی کہ اس کو وطن سے نکال دیا گیا تو اللہ اس کی مدد

کرے گا۔

بعض اہل روایت نے کہا ہے کہ کچھ مشرک مسلمانوں کی ایک جماعت پر ۲۸ محرم کو لڑنے کے لئے چڑھ آئے مسلمانوں نے (ماہ حرام کے احترام کی وجہ سے) لڑنا مناسب نہ سمجھا اور مشرکوں سے درخواست کی کہ محرم میں جنگ نہ کرو، لیکن مشرکوں نے یہ درخواست رد کر دی اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ یہ مشرکوں کی طرف سے مسلمانوں پر زیادتی ہوئی۔ مسلمان اپنی جگہ قائم رہے اور اللہ کی طرف سے ان کی مدد ہوئی۔

میں کہتا ہوں اس مطلب پر عفو عفو سے یہ مراد ہوگی کہ ماہ حرام میں جو مسلمانوں کو لڑنا پڑا اللہ اس کو معاف کر دینے والا ہے۔ ابن ابی حاتم نے مقاتل کی تفسیر بھی اسی طرح نقل کی ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّجُ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ
(اللہ کی یہ مدد) اس لئے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یعنی وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس کا دستور یہ ہے کہ متضاد اشیاء میں اول بدل کر تارہتا ہے۔ رات کا دن میں اور دن کو رات میں داخلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جتنا ایک کو بڑھاتا ہے اتنا ہی دوسرے کو گھٹا دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ روشنی کی جگہ غروب آفتاب کی وجہ سے تاریکی لے آتا ہے اور رات کی تاریکی کی جگہ طلوع آفتاب کی وجہ سے روشنی کر دیتا ہے۔

وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ①
اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ یعنی بدلہ لینے والے کے اور جس سے بدلہ لیا جائے اس کے اقوال کو سنتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اہل ایمان کی دعاؤں کو سنتا اور ان کو قبول فرماتا ہے اور دونوں کے عمل کو دیکھتا ہے پس کسی کے عمل کو ناکارہ نہیں چھوڑے گا (اور مطابق عمل سزا جزا دے گا)۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ②
یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کر رہے ہیں وہ بالکل ہی بے حقیقت ہیں اور اللہ ہی عالیشان اور (سب سے) بڑا ہے۔

الحق یعنی موجود ہضم اور تمام واجب لذات ہے اس کے واجب الوجود اور واحد لا شریک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ساری کائنات کا سرچشمہ وجود ہو، ہر ایک ہی ہستی اسی کی عطا کردہ ہو وہ عالم بالذات بھی ہو اور دوسری ہر چیز کا عالم ہو۔ اور تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں موجود ہوں۔ کیونکہ جب تک اس کی قدرت کاملہ، علم ہمہ گیر اور سماعت و بصارت محیط کل نہ ہو وہ مستحق الوہیت نہیں ہو سکتا۔

الباطل یعنی معدوم ہے۔ ذاتی طور پر ممتنع الوجود ہے (یعنی کسی کا وجود ذاتی نہیں اور نہ وجود ذاتی ہو سکتا ہے۔ ممکن کہتے ہیں اس کو جس کی ذات کی نسبت وجود عدم سے برابر ہو جو اپنے وجود میں واجب کا محتاج ہے) یا باطل سے مراد ہے باطل الالوہیت یعنی اللہ کے سوا ہر چیز کی الوہیت باطل اور بے حقیقت ہے۔

العلی وہ برتر والا ہے اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔
الکبیر وہ عظیم الشان اور عالی مرتبہ ہے ایسا کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہو سکتا۔
الْحَمْدُ کیا تو نے نہیں دیکھا یا کیا تجھے معلوم نہیں (اول ترجمہ پر روایت سے مراد ہو گا آنکھوں سے دیکھنا اور دوسرا ترجمہ اس وقت ہو گا جب دیکھنے سے مراد ہو گا دل سے دیکھنا اور جاننا) استفہام انکاری یعنی دیکھ اور جان لے۔

أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَةً ③
اتار تا ہے جس سے سبز پیدا ہوتا ہے (پھر زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔
اس جملہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کامل اور علم محیط کل ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ④
بے شک اللہ لطف والا (اور) مکمل باخبر ہے۔ لطیف سے مراد یا لطیف العلم

ہے یعنی اس کا علم دقیق ہے ہر ذرہ کا علم اس کو ہے یا لطیف کا معنی ہے مہربان یعنی اس کی مہربانی ہر چھوٹے بڑے کے شامل حال ہے۔ خیر ہے یعنی ہر طرح کی ظاہری باطنی تدابیر، بندوں کے تمام احوال اور ان کی ضروریات رزق وغیرہ سے باخبر ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُو الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۷﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے (یعنی وہی سب کا خالق اور مالک اور حاکم ہے) اور بلاشبہ اللہ (اپنی ذات میں) ہر چیز سے بے نیاز ہے اور مستحق ستائش ہے۔ یعنی اس کی صفات و افعال مستحق ستائش ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بذات خود محمود ہے خواہ حمد کرنے والا اس کی ذات کے سوا کوئی اور موجود نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ زمین میں ہے اس کو تم لوگوں کے کام پر اللہ نے لگا دیا ہے اور کشتیوں کو تمہارے کام پر لگا دیا ہے (جو سمندر میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں۔ مسخر کر دیا، یعنی تمہارے کام پر لگا دیا، تمہارے منافع کے لئے تیار کر دیا۔ بعض نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ زمین یعنی خشکی پر جو سواری کے جانور ہیں ان کو تمہارے تابع بنا دیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور سمندر میں سوار ہونے کے لئے کشتیوں کو تمہارے زیر اختیار کر دیا۔

اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے

وَيُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ اَنْ تَقَعَّ عَلٰی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ

ہوئے ہے (ہاں) مگر اسی کا حکم ہو جائے تو خیر۔

آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ فلکی اجسام بھی ارضی اجسام کی طرح بالطبع نیچے گرنے کی طرف مائل ہیں مگر اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو تھام رکھا ہے۔ بیضاوی نے، تھام رکھنے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اللہ نے آسمانوں کی نوعی صورتیں ہی ایسی رکھی ہیں جو اوپر ہی رکھی رہنے کی خواستگار ہیں بیضاوی نے لکھا ہے کہ زمین پر آسمانوں کو گرنے کی اجازت قیامت کے دن ہوگی۔ میں کہتا ہوں قیامت کے دن آسمانوں کا زمین پر گرنا تو کہیں ثابت نہیں ہاں پھٹنا اور شکافتہ ہونا اور قتل کی تلچھٹ کی طرح ہونا اور کاغذ کی طرح لپیٹ دیا جانا تو ضرور آیا ہے۔

اولیٰ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ استثناء نہ مستثنیٰ کے وجود کو چاہتا ہے نہ عدم کو اس لئے آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اذن کے بغیر آسمان زمین پر نہیں گر سکتا لیکن کیا کبھی زمین پر گرنے کی اس کو اجازت ہوگی یا نہیں یہ جملہ سے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَوَدُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ لوگوں کے حال پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے، کہ اس نے حصول منافع کے دروازے کھول دیئے طرح طرح کی مصیبتوں کو دفع کر دیا اور (اپنی وحدانیت کو) سمجھانے کے لئے اسباب فراہم کر دیئے۔

وَهُوَ الَّذِيْ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

اور وہی تو ہے جس نے تم کو زندگی عطا کی پھر تم کو مردہ کر دیتا ہے پھر تم کو زندہ کرے گا۔ یعنی تم پہلے جمادی حالت میں تھے پھر غذا سے اس نے نطفہ بنایا پھر نطفہ کو بستہ کر کے لو تھڑا بنایا پھر یونی بنا دی پھر جسم بنا دیا پھر اس میں جان ڈال دی، پھر جب تمہارے مدت حیات پوری ہو جائے گی تو تمہارے بدن سے جان کھینچ لے گا، پھر دوبارہ جسم بنا کر اسی میں جان ڈال دے گا۔ یہ زندگی آخرت میں ملے گی۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكٰفُوْرٌ ﴿۱۹﴾

بے شک انسان (یعنی مشرک) بڑا منکر نعمت ہے اللہ کی نعمتیں سامنے ہیں پھر بھی انکار کرتا ہے، نہ ابتدائی پیدائش کی نعمتوں کا اقرار کرتا ہے نہ مرنے کی نعمت کا حالانکہ یہ موت دوسری مقررہ زندگی سے قریب کر دیتی ہے، نہ آخرت کی زندگی کی نعمت کا اس کو اعتراف ہے جو مقصود بقاء دوام تک پہنچانے والی ہے۔ خلاصہ یہ کہ موت بھی ایک نعمت ہے اگر موت نہ ہوتی تو دوسری زندگی کے دروازے میں داخلہ کیسے ملتا اور دوسری زندگی نہ ہوتی تو جنت کا داخلہ اور مقام قرب کا حصول کیسے ممکن ہوتا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے وجود و وحدانیت، ربوبیت اور کمال قدرت و علم کے دلائل موجود ہیں پھر بھی مشرک انکار کرتا ہے اور اپنے رب کی وحدانیت کو نہیں مانتا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ

(جتنی صاحب شریعت امتیں گزری ہیں ان میں سے) ہر امت کے لئے ذبح کا طریقہ مقرر کر دیا تھا جس پر وہ ذبح کیا کرتے تھے سو ان لوگوں کو چاہئے کہ ذبح کے معاملہ میں آپ سے (خواہ مخواہ کا) جھگڑانہ کریں۔

اس جملہ کا گزشتہ سے پیوستہ جملوں سے معنوی بعد تھا اس لئے حرف عاطف ذکر نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر اس طرح فرمائی، ہم نے ہر امت کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی تھی جس پر وہ چلتے تھے۔ بعض نے منک کا ترجمہ توہار کیا ہے، مجاہد اور قتادہ نے قربانی کا مقام ترجمہ کیا ہے جس میں وہ قربانی کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک منک سے مراد ہے عباد گاہ۔ بعض نے کہا (میلہ) مرکز اس جس سے وہ مانوس تھے۔ عربی میں منک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں کسی اچھے یا برے کام کے لئے لوگ جمع ہونے کے عادی ہوں۔ مناسک حج کو مناسک اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے منک عبادت۔ اَرْنَا مَنَسَكًا ہم کو ہماری عبادت کے مقامات بتادے۔ منک کا معنی نفس ذبح ہے اور مقام ذبح بھی۔ نسکیہ، ذبیحہ، نسک میلہ کا مقام، منک بیٹھنے کی جگہ۔ الامر سے مراد ہے امر دین یا ذبح کے طریقے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یا جاہل ہیں یا عنادی جھگڑالو، اگر عالم ہوتے اور عنادی نہ ہوتے تو آپ سے جھگڑا ہی نہ کرتے کیونکہ آپ کے دین کی صداقت ناقابل نزاع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بدیل بن ورقاء۔ یزید بن خنیس اور بشر بن سفیان کے متعلق ہوا ان لوگوں نے صحابہ کرام سے کہا تھا اس کی کیا وجہ ہے کہ جس جانور کو تم اپنے ہاتھوں سے قتل (ذبح) کرتے ہو اس کو تو کھاتے ہو اور جس کو خدا براہ راست ماردیتا ہے اس کو نہیں کھاتے (اس کو مردار سمجھتے ہو)۔

زجاج نے کہا بظاہر نزاع کی ممانعت مشرکوں کو ہے لیکن حقیقت میں ممانعت کا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے۔ عرب کہتے ہیں فلاں شخص تم سے جھگڑانہ کرے یعنی تم اس سے جھگڑانہ کرو۔ لیکن ایسا افعال میں ہوتا ہے جو طرفین سے صادر ہو (لیکن اگر فعل کا صدور ایک ہی شخص کی طرف سے ہو تو مذکورہ بالا اسلوب بیان نہیں اختیار کیا جاسکتا)۔

پس لایضو بنک زید کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ تم زید کو نہ مارو۔ ہاں لایضار بنک زید (زید تم سے مار پیٹ نہ کرے) کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ تم زید کو نہ مارو۔

مخاصمت اور نزاع دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے صرف ایک شخص سے (نزاع بین الطرفين کا صدور نہیں ہو سکتا) جب ایک نزاع ترک کر دے تو وجود مخاصمت باقی نہیں رہتا۔ (صرف یک طرفہ خصومت باقی رہتی ہے)۔

وَادْعُ إِلَى سَبِيلِكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۷﴾
اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاؤ۔ آپ بلائیں وہ شبہ سیدھے راستے پر ہیں۔ یعنی اپنے رب کی توحید و عبادت کی طرف بلکہ اس کی ذات اور بلا کیف قرب کی طرف بلائیے۔ آپ بلائیں اس سیدھے راستے پر ہیں جو حق اور مراتب قرب تک پہنچاتا ہے۔

وَإِنْ جَدَلْتُمْ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾
اور (ظہور حق اور لزوم حجت کے بعد بھی) وہ آپ سے خواہ مخواہ کا جھگڑا گریں تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ یعنی تمہارے اس صحیح غلط جھگڑے کا وہی بدلہ دے گا۔ اس آیت میں وعید ہے مشرکوں کو لیکن نرم لہجے میں۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان (عملی) فیصلہ کرے گا۔ یعنی مومنوں اور کافروں کا فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ حق و باطل کا اس روز فیصلہ ہو جائے گا۔ مومنوں کو ثواب ملے گا اور کافروں پر عذاب ہوگا (یہ عملی فیصلہ ہوگا) یوں فیصلہ تو دلائل اور براہین کے ساتھ دنیا میں بھی کر دیا گیا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾
ان (دینی) امور کا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ اختلاف کا معنی

ہے دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے خلاف جانا۔

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۰﴾

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے اللہ

اس کو جانتا ہے یہ سب بلاشبہ ایک کتاب میں (درج) ہے۔ یعنی طور پر یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ استفہام تقریری ہے (یعنی آپ ضرور جانتے ہیں) کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ آسمان و زمین میں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اللہ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے وہ سب لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا (پس ان مشرکوں کے ہر کردار و گفتار و اطوار کا اندراج بھی لوح محفوظ میں موجود ہے) اس لئے آپ ان کے کردار اور خصوصیتوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ اللہ اس سب سے واقف ہے اور یہ سارے امور علم خداوندی میں محفوظ ہیں اور یہ علمی احاطہ یا لوح محفوظ میں درج کرنا یا قیامت کے دن جزا و سزا کا فیصلہ کرنا اللہ کے لئے کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہمہ گیر علمی تقاضہ عذاتی ہے اس لئے (گزشتہ ہوں یا آئندہ) تمام معلومات کی نسبت اس کی طرف برابر ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَهُم بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ

اور (مذکورہ دلائل توحید کے بعد بھی یہ مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن (کی پرستش کے جواز) کی اللہ نے کوئی دلیل (اپنی کتابوں میں) نازل نہیں کی اور نہ ان کے پاس ان چیزوں کی عبادت کی کوئی (عقلی) دلیل ہے۔ سلطان یعنی جواز عبادت کی کوئی حجت یا دلیل۔

علم یعنی ان کے پاس کوئی ایسا علم نہیں جو ہدایت عقلی یا نظری استدلال سے حاصل ہوا ہو یا کسی سچے خبر دینے والے کی خبر سے ملا ہو جس کی صداقت پر کوئی برہان دلالت کرتی ہو یا وہ متواتر خبر ہو جو اس خمنہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو۔

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿۱۱﴾ اور ان ظالموں کے لئے (یعنی ان مشرکوں کے لئے جنہوں نے ایسی بے جا

حکمتوں کا ارتکاب کیا ہے) کوئی مددگار نہ ہوگا (جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا سکے)۔

وَإِذْ أُنزِلَتْ عَلَيْهَا آيَاتِنَا يَتَذَكَّرُونَ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْمُنكَرُ

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیات (یعنی جن کے مضامین کی حقانیت واضح ہے) پڑھی جاتی ہیں تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار پہچان لیں گے۔

ایتنا یعنی قرآن کی آیات۔

بینت یعنی جن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا کھلا ہوا ہے۔ یا صحیح عقائد پر جن کی دلالت واضح ہے۔

المنکر یعنی غصہ و ناگواری و ترش رویی کی وجہ سے آثار انکاران کے چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں۔

وجوهہم کی جگہ وجوه الذین کفروا صراحت کے ساتھ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انکار کا باعث سوائے

شدت کفر کے اور کوئی نہیں یا منکر سے مراد ہے وہ شرارت جو مومنوں کے ساتھ وہ کرنی چاہتے ہیں۔

يَكَادُؤْنَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا

لوگ تلاوت کرتے ہیں ان پر یہ حملہ کر بیٹھیں گے۔

يسطون پکڑ لیں گے یا ضرر پہنچانے کے لئے تلاوت کرنے والوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے۔ گھوڑا جب دو ناگوں پر

کھڑا ہوتا ہے اور اگلے دونوں پاؤں اوپر اٹھا دیتا ہے۔ خواہ شدت نشاط کی وجہ سے یا اکڑ اور غرور کی وجہ سے یا مادہ پر کودنے کی غرض

سے تو کہا جاتا ہے سطا الفرس (باب نصر)۔

قاموس میں ہے۔ سطا علیہ اور سطا بہ (دونوں ہم معنی ہیں) سطو اور سطوة مصدر۔ اس پر حملہ کیا یا پکڑنے کے

لئے جبر کیا۔

یتلون علیہم یعنی محمد ﷺ اور صحابہؓ جو آیات پڑھتے ہیں۔

قُلْ أَكْفَرْتُمْ بِلَهِّكُمْ بِشَرِّهِمْ ذِكْرُ النَّارِ وَعَذَابُ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۷﴾

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کیا میں اس سے بھی زیادہ ناگوار چیز تم کو بتاؤں وہ دوزخ ہے اللہ نے

کافروں سے (اس کے اندر داخل کرنے کا) وعدہ کر لیا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

بشر یعنی جو تمہارے لئے زیادہ بری اور زیادہ ناگوار ہوگی۔

ذلکم اس قرآن سے یا تمہارے اس غصہ و غضب سے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بری یا اس آکٹاہٹ اور لمال سے

بری جو تلاوت قرآن سن کر تمہارے اندر پیدا ہوتا ہے۔

اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے اس کو کان

يَا أَيُّهَا النَّاسُ صُوبٌ مِّثْلُ مَا تَسْمَعُونَ ﴿۱۷﴾

لگا کر سنو۔

مِثْلٌ عجیب حالت یا عجیب قصہ۔

فاستمعوا لہ یعنی اس مثال کو کان لگا کر اور غور کے ساتھ سنو۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری مثل دوسروں کو قرار دیا گیا ہے، یعنی کافروں نے استحقاق

عبادت میں اللہ کی طرح دوسروں کو قرار دے رکھا ہے۔ اللہ مستحق عبادت ہے انہوں نے بتوں کو بھی معبود بنا رکھا ہے۔ سوان

کی حالت سنو اور خود فیصلہ کرو کہ اللہ کی مثل کسی کو قرار دینا کیا جائز ہے اس کے بعد اگلی آیت میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُجْتَمِعُوا لَهُ

(وہ یہ ہے کہ) جن کی خدا کے سوا تم پوجا کرتے ہو وہ ایک (حقیر) مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے گو اس (کام) کے لئے سب جمع

ہو جائیں (اور اجتماعی طاقت صرف کر دیں۔ پھر تمہاری کیا حاجت روائی کر سکیں گے) یعنی اے کافر و جن بتوں کی تم عبادت

کرتے ہو اور ان کو معبود کہہ کر پکارتے ہو تو وہ ایک مکھی کو پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اتنی حقیر ذلیل اور بے مقدار چیز کہ

بھی نہیں بنا سکتے۔

ذباب کی جمع قلت اذبة اور جمع کثرت ذبان ہے، جیسے غراب کی جمع اغرابة اور غرابان آتی ہے۔ ذباب کا لفظ ذب

سے مشتق ہے ذب کا معنی ہے دفع کرنا مکھی کو بھی ہر شخص دفع کرتا ہے اس لئے اس کو ذباب کہا جاتا ہے (گویا ذباب بمعنی

مذبوب ہے)۔

ولو اجتمعوا لہ اگرچہ وہ سب بت مل کر ایک مکھی کو پیدا کرنے کے لئے جمع ہو جائیں۔ مقصود یہ کہ وہ سب مل کر

بھی تخلیق ذباب پر قادر نہیں ہو سکتے۔ انفرادی طور پر قادر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر

وَأَنْ يَسْلُبَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوكَ مِنْهُ

لے جائے تو وہ مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔ مشرکین بتوں پر زعفران کالیب کرتے تھے اور ان کے سامنے کہاں رکھتے تھے۔ مکھیاں

کھانے پر گرتی تھیں اور اس میں سے کچھ لے اڑتی تھیں، مگر بت ان سے چھین نہ سکتے تھے، اسی مضمون کو آیت مذکورہ میں بیان

کیا گیا ہے۔ اللہ نے یہ دونوں حالتیں بیان کر کے کافروں کی انتہائی جہالت کا اظہار کیا ہے۔ اول تو یہ ظاہر کیا کہ وہ اللہ جس کے

قبضہ میں ساری کائنات ہے اور وہ سب کا خالق و موجد ہے اس کے ساتھ مشرک ایسی چیزوں کو شریک بناتے ہیں جو حقیر ترین اور

ذلیل مخلوق کو پیدا کرنے کی نہ اجتماعی قوت رکھتے ہیں نہ انفرادی اداؤں یہ کہ وہ چیزیں جن کو معبود قرار دیا گیا ہے اتنی بے بس اور

عاجز ہیں کہ حقیر ترین مخلوق بھی اگر ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ چھڑا نہیں سکتیں، اور اپنی طرف سے اس کا دفاع

بھی نہیں کر سکتیں۔

طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے

ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ﴿۱۷﴾

فرمایا، طالب سے مراد ہے مکھی جو اس چیز کی طلبگار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے پھینکتی ہے۔ اور مطلوب سے مراد ہے بت۔ جس سے مٹھائی وغیرہ مکھی طلب کرتی ہے۔ طلب کمزور ہے اور مطلوب بالکل ہی بے بس۔ بعض نے اس کے برعکس تفسیر کی ہے۔ طلب بت اور مطلوب مکھی۔ لیکن بت تو بے جان ہے وہ کسی چیز کی بھی طلب نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کو طالب قرار دینا صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کہا جائے گا اور طالب استغنا فرض کر لیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا، طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہے۔

انہوں نے اللہ کے مرتبہ کا اندازہ دیا نہیں کیا جیسا کہ بنا چاہیے تھے بیشک اللہ بڑی قوت والا (اور سب پر) غالب ہے۔ یعنی اللہ کی جیسی تعظیم کرنی چاہیے جیسی تعظیم انہوں نے نہیں کی اور اللہ کو دیا نہیں پہچانا جیسا مناسب تھا، اور نہ اس کی صفات کا صحیح اندازہ کیا۔ اسی لئے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔

قوی ہے، یعنی تمام ممکنات کی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔

عزیز ہے، یعنی وہ سب پر غالب ہے اس پر کوئی چیز غالب نہیں اور دوسرے معبود، عاجز بے بس ہیں حقیر ترین مخلوق بھی ان پر غالب ہے وہ ادنیٰ چیز سے بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔

اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلاً ومن الناس منتخب کر لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی (رسالت کے لئے بعض آدمیوں کو چھانت لیتا ہے)۔

بعض فرشتے اللہ کے قاصد ہیں، اللہ کے احکام وحی کے ذریعہ انبیاء تک پہنچاتے ہیں اور لوگوں کی رد میں قبض کرنے اور رزق پہنچانے میں بھی درمیانی واسطہ کا کام انجام دیتے ہیں۔

بنغوی نے لکھا ہے مرسل ملائکہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ ہیں آدمیوں میں سے اللہ کے پیغمبر سب لوگوں کو حق کی طرف بلا تے ہیں، اللہ کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدمؑ تھے، اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ تھے۔

بنغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت اتری جب مشرکوں نے کہا تھا اَنْزَلَ عَلَیْهِ الذِّکْرَ مِنْ بَیْنِنَا کیا بھاری جماعت میں سے اس (معمولی) شخص پر قرآن اتارا گیا (اور اس کو نبی بنایا گیا حالانکہ ہم میں بڑے بڑے سردار اور عزت رکھنے والے لوگ موجود ہیں) اس کی تردید میں فرمایا کہ پیغمبر بنانے کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے پیغمبر بنی کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے پہلی آیات میں وحدانیت ذاتی اور الوہیت کو ثابت کیا اور توحید صفاتی کا اظہار کر دیا۔ اس آیت میں نبوت کو ثابت کر دیا اور کافروں کے قول کی تردید کر دی۔ کافروں نے بت پرستی اور ملائکہ پرستی کی توجیہ کرتے ہوئے کہا تھا مَا نَعْبُدُہُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زَلْفٰی اور یہ بھی کہا تھا۔ الْمَلٰئِکَۃُ بَنَاتُ اللّٰہِ۔

اللہ نے اس آیت میں فرمایا کہ اللہ کے کچھ منتخب بندے ہیں جن کو اللہ اپنے اختیار سے جن لیتا ہے۔ وہ اللہ اور بندوں کے درمیان پیغامبر ہوتے ہیں انہی کے حکم کو ماننے اور اس پر چلنے سے اللہ کی اطاعت تک دوسروں کی رسائی ہوتی ہے۔ پیغمبروں کی پیروی ہی دوسرے لوگوں کی ترقی کا بلند ترین درجہ ہے۔

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ یعنی (مسوعات ہوں یا امریات) سب چیزوں سے واقف ہے اس کو ہر چیز کا علم ہے (اور بغیر حواس کے وہ ہر چیز کو جانتا ہے)۔

وہ ان (سب فرشتوں اور آدمیوں کی) آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے آگے پیچھے کی تشریح میں فرمایا جو کچھ انہوں نے اپنے آگے بھیج دیا اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (اچھا برا عمل آگے بھیج دیا مرنے کے بعد اچھا برا طریقہ جاری کر کے چھوڑ آئے) حسن نے کہا جو کچھ عمل کر چکے اور جو آئندہ کرنے والے ہیں، بعض اہل تفسیر نے کہا کہ ہم ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے یعنی پیغمبروں کی پیدائش سے پہلے کے احوال اور ان کے مرنے کے بعد کے احوال سے اللہ واقف ہے۔

وَاللّٰهُ يَرْجِعُ الْأُمُورَ ۝۱۱ اور تمام امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے۔ وہی مالک ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ ایسا کیوں کیا، یہ باز پرس تو بندوں سے کی جائے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝۱۲

اے اہل ایمان تم رکوع اور سجدے کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کیا کرو۔ یہ امید رکھتے ہوئے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

رکوع اور سجود سے مراد ہے نماز یہ دونوں نماز کے ضروری ارکان ہیں جن کے بغیر نماز کا وجود ہی نہیں ہوتا قرأت و قیام وغیرہ بھی ارکان ہیں لیکن اتنے اہم نہیں ہیں ضرورت کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں، گونگے سے قرأت ساقط ہے جو کھڑا نہ ہو سکتا ہو اس سے قیام ساقط ہے رکوع و سجود کا سقوط کسی وقت نہیں ہوتا اسی لئے امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جو شخص سر کے اشارہ سے بھی رکوع و سجود نہ کر سکتا ہو وہ نماز مؤخر کر دے (آئندہ جب قدرت ہو تو ادا کر لے) اشارۃً ابرو یا صرف نیت قلب سے نماز نہیں ہو سکتی۔

عبادت کرو، یعنی اس طور سے عبادت کرو جو اللہ کی عبادت کا مقرر طریقہ ہے۔

اور نیکی کرو، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد ہے قرابتداروں سے اچھا سلوک کرنا ان کو جوڑے رکھنا اور اعلیٰ اخلاق اختیار کرنا۔ بظاہر لفظ خیر عام ہے اس کے اندر ہر نیکی داخل ہے تمام اچھے کاموں کو یہ لفظ شامل ہے مراد یہ ہے کہ جو بھلائی کا کام ہے وہ کرو۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ فلاح پانے کی امید رکھتے ہوئے یہ تمام نیک کام کرو، یعنی یقین مت کرو کہ تمہارے یہ نیک کام قطعی طور پر تم کو باہر ادا کر دیں گے امید رکھو کہ کامیاب ہو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی کے ذریعہ سے یہ حکم آیا کہ تمہارے امت میں جو لوگ میرے اطاعت گزار ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ قیامت کے دن جس شخص کو میں حساب فہمی کے مقام پر کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو ضرور عذاب دوں گا (یعنی حساب فہمی میں سختی کروں گا اور درگزر سے کام نہ لوں گا تو لا محالہ وہ شخص عذاب میں ماخوذ ہو جائے گا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (ہلاک شدہ نہ سمجھیں اور نا امید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہگاروں کو بخش دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہوگی۔ رواہ ابو نعیم عن علیؑ۔

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے لئے تین رجسٹریں نکال کر لائے جائیں گے ایک رجسٹر میں اس کے نیک اعمال درج ہوں گے ایک رجسٹر گناہوں کا ہو گا جس میں گناہوں کا اندراج ہو گا اور ایک رجسٹر اللہ کی نعمتوں کا (جس میں اللہ کی وہ تمام نعمتیں درج ہوں گی جو اس بندے کو عطا فرمائی گئی ہوں گی) پھر اللہ اپنی سب سے چھوٹی نعمت سے فرمائے گا اپنے مقابلہ میں اس بندے کے نیک (اعمال میں سے کسی) عمل کا انتخاب کر لے، نعمت اپنے مقابلہ پر سب نیک اعمال کو لے آئے گی (اور پھر بھی سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں نعمت کا پلڑہ بھاری رہے گا) نعمت عرض کرے گی اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے اپنے مقابل ایک ایک کر کے ساری نیکیاں لے لیں اور ساری نیکیاں ختم ہو گئیں اب گناہ رہ گئے عمل صالح (تو ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں) ختم ہو گئے۔ اگر اللہ بندہ پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں

نے تیرے لئے تری نیکیاں چند گنا کر دیں اور تیرے گناہوں سے میں نے اعراض کیا اور تجھ کو اپنی نعمت بخش دی۔

مسئلہ :- کیا آیت مذکورہ میں سجدہ تلاوت واجب ہے علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہ امام مالک، سفیان ثوری اور کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں یہاں سجدہ واجب نہیں اس جگہ سجدہ سے مراد تو نماز کا سجدہ ہے۔ کیونکہ آیت میں سجدہ کے ساتھ رکوع کا بھی حکم دیا ہے اور آیات قرآن کو تلاش کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی آیات میں سجدہ سے مراد سجدہ نماز ہوتا ہے جیسے **وَاسْجُدْ سَجْدَةً وَارْكَعْ رُكُوعًا** یعنی متع الزکا کے عین۔ میں سجدہ نماز مراد ہے کیونکہ اس کے ساتھ رکوع کا بھی حکم دیا گیا ہے اور ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ قائل ہیں کہ اس جگہ سجدہ تلاوت ضرور کرنا چاہیے کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ کیا سورہ حج کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں فرمایا، ہاں جو یہ دو سجدے نہ کرے وہ ان آیتوں کو نہ پڑھے۔ رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی۔ حدیث مذکورہ کو بالفاظ مذکورہ ترمذی نے نقل کیا ہے و رواہ الدار قطنی و البیہقی و الحاکم۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس کے سلسلہ روایت میں ایک شخص ابن لہیعہ شامل ہے جو ضعیف ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ابن وہب نے کہا ابن لہیعہ یوں تو سچا ہے لیکن حافظہ (کی کمزوری) کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ حاکم نے لکھا ہے عبد اللہ بن لہیعہ یوں تو امام ہے لیکن آخری عمر میں اس کا حافظہ درست نہیں رہا تھا (و سواں پیدا ہو گیا تھا) اور اس حدیث کا راوی تمنا یہی شخص ہے (اس لئے حدیث ضعیف ہو گئی)۔

ابو داؤد نے المرسل میں لکھا ہے کہ ابن لہیعہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ سورہ حج کو دو سجدوں پر مشتمل ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ اس روایت کو مند کنا صحیح نہیں۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن میں مجھے سجدے کی پندرہ آیات پڑھائیں تین سجدے منسلکات میں اور دو سورہ حج میں۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ و الدار قطنی و الحاکم و المنذری و النووی۔

عبد الحق اور ابن القطان نے اس کو ضعیف کہا ہے اس میں عبد اللہ بن منین کلابی غیر معروف ہے اور اس سے حارث بن سعید ثقفی مصری نے روایت کی ہے اور یہ بھی مجہول ہے۔

حاکم نے حضرت عقبہ بن عامر والی حدیث کی تاکید کے لئے کہا ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابو درداء، حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عماد کے اقوال جو بروایت صحیحہ موقوف آئے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ بیہقی نے المعرفة میں خالد بن معدان کے طریق سے مرسل روایت اس کی تائید میں بیان کی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہی اقوال حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمرؓ کے ہیں۔

میں کہتا ہوں اس باب میں موقوف کو مرفوع کا درجہ حاصل ہے (کیونکہ کسی آیت میں سجدہ تلاوت ہونے یا نہ ہونے کا مدار محض روایت پر ہے اگر ان صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو خود ایسا نہیں فرماتے) سجدہ تلاوت کے مسائل ہم نے سورت اشفاق میں مفصل بیان کر دیئے ہیں۔

لور اللہ کے راستہ میں کوشش کرو۔ جیسی کوشش کرنے کا حق

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

ہے۔

جہد بالضم وسعت، طاقت، جہد بالفتح مشقت، بعض اہل لغت کے نزدیک جہد کا معنی ہے انتہائی کوشش۔ بعض کے نزدیک جہد اور جہد دونوں کے معنی ہیں، وسعت اور طاقت، لیکن مشقت اور انتہائی کوشش کے لئے صرف لفظ جہد کا استعمال ہوتا ہے جہاد اور مجاہدہ (باب مفاعلتہ)۔ جہد سے ہی بنا ہے۔ یعنی طرفین سے انتہائی کوشش و مشقت۔ دشمن سے جنگ کرنے میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے طرفین سے غالب آنے کی انتہائی کوشش ہوتی ہے اور ہر فریق اپنی انتہائی وسعت و طاقت صرف کرتا ہے اور قوی و عملی جہاد کرتا ہے۔

فی اللہ یعنی اللہ کی راہ میں اللہ کے دین کو سر بلند کرنے اور مضبوط کرنے کے لئے بعض نے فی اللہ کا ترجمہ کیا ہے لوجہ اللہ، خالص اللہ کے لئے۔

حق جہاد کی ترکیب مقلوب ہے یعنی جہاد کرو ایسا جہاد جو حق ہو، خالص اللہ کے لئے ہو۔ حق کی اضافت جہاد کی طرف معنی میں زور پیدا کرنے کے لئے کر دی گئی جیسے بولتے ہیں ہو حق عالم خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی لئے جہاد کرو۔ اسی لئے حضرت ابن عباس نے حق جہادہ کی تشریح میں فرمایا اپنی پوری طاقت اللہ کی راہ میں لگا دینا اور اللہ کے دین میں کسی برا کئے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا ہی حق جہاد ہے۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا اللہ کے لئے کام کرو جیسا کہ کام کرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت کرو جیسا عبادت کا حق ہے۔

اکثر مفسرین نے کہا حق جہاد یہ ہے کہ نیت خالص اللہ کے لئے ہو، سدی نے کہا حق جہاد یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے تا فرمائی نہ کی جائے۔

عبد اللہ بن مبارک نے کہا نفس اور نفسانی ہو او ہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر اور حق جہاد ہے۔

بغوی نے بیان کیا، روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو فرمایا ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ بیہقی نے الزہد میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ غازی لوگ حاضر ہوئی، حضور ﷺ نے ان کو خوش آمدید فرمایا، اور فرمایا تم لوگ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔

عرض کیا گیا جہاد اکبر کیا ہے۔ فرمایا، بندہ کا اپنی نفسانی خواہشات سے جہاد کرنا بیہقی نے کہا اس کی سند میں ضعف ہے۔ میں کہتا ہوں اس آیت میں جہاد سے صرف کفار سے جنگ کرنا ہی مراد نہیں ہے۔ رفتار آیت اس تخصیص کے خلاف ہے۔ ترتیب آیت میں خاص کے بعد عام کا ذکر کیا گیا ہے پہلے **وَاسْتَجِدُوا** اور **اَزْكَوْا** فرما کر نماز کا حکم دیا اس کے بعد عام عبادت کا حکم دیا جس میں نماز بھی داخل ہے اس کے بعد ہر عمل خیر کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے اندر اللہ کے حقوق، بندوں کے حقوق، تمام نمازیں، روزے، کافروں سے جنگ، اخلاق کریمہ اختیار کرنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے۔ سنن اور مستحبات کو بھی یہ حکم شامل ہے اس کے بعد جہاد کا حکم دیا تو اس ترتیب بیان کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ جہاد کو کافروں سے جنگ کے لئے مخصوص سمجھ لیا جائے بلکہ اس سے مراد ہو گا تمام گرفتار، رفتار اور اطوار میں اخلاص اور یہ اخلاص اسی وقت حاصل ہو گا جب نفس اور خواہشات نفس کی مخالفت کی جائے کیونکہ جب تک دل کی صفائی نہ ہو اور نفس کو فنا نہ کر دیا جائے اس وقت تک اخلاص کا حصول ممکن نہیں اور دل کی صفائی اور فناء نفس اس وقت ممکن ہے جب نفس آمادہ اور اس کی خواہشات سے جہاد کیا جائے لیکن اس کے ساتھ مشکوٰۃ نبوت سے نور چینی بھی لازم ہے اسی کو اصطلاح میں سلوک اور جذب کہا جاتا ہے قدماء مفسرین کے اقوال میں اسی کو اخلاص کہا گیا ہے۔ صوفی جب نفس کو فنا کر دیتا ہے اور دل کی صفائی اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا شمار تخلصین میں ہو جاتا ہے اس وقت وہ کسی کے برا کئے کی پروا نہیں کرتا اور بغیر دکھاوے اور شہرت طلبی کے خالص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے، ہر دم اس کی فرماں برداری کرتا ہے، کبھی تا فرمائی نہیں کرتا اور حقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔ کافروں سے لڑنا تو جہاد کی ایک ظاہری شکل ہے بلکہ تمام عبادتیں جہاد کی صورتیں ہیں اگر خالص لوجہ اللہ نہ ہوں تو بے کار ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے تمام اعمال نیت کے ساتھ ہوتے ہیں ہر شخص کے لئے وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی پس جس شخص نے اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے لئے گھر بار اور وطن چھوڑا تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ متفق علیہ بروایت حضرت عمر بن خطابؓ۔

بھی اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے میں سب شریکوں سے زیادہ شریک سے بے نیاز ہوں جس نے کوئی نیک عمل کیا اور میرے ساتھ دوسرے کو بھی اس میں شریک کر لیا تو میں اس کے عمل سے بیزار ہوں۔ اس کا یہ عمل اسی

کے لئے ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

فائدہ :- اللہ کے رسول نے فرمایا تھا کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا سب سے بڑا جہاد ہے اور یہ شیخ کامل کی صحبت سے مرید کو حاصل ہوتا ہے کافروں سے جنگ کرنے کے بعد جب صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برکت صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے اور انوار رسالت کی کچھ کرنوں کا پرتوان کے دلوں پر پڑا تھا تو ان کے دل پاک صاف ہو گئے اور نفس کی نفسانیت فنا ہو گئی۔ صحابہ نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے صحابہ کا یہ قول بھی بلا شک صحیح تھا، کافروں سے جنگ کرنے کے وقت اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے لیکن دشمن سے لڑنے کی طرف ان کی کامل توجہ تھی کفار کی مدافعت ہی ان کے پیش نظر تھی دوسری طرف ان کی توجہ ہی نہ تھی یا تھی تو کمزور تھی لیکن جب مدینہ میں پہنچ کر امن کے ساتھ صحبت رسول اللہ ﷺ میں کامل توجہ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انوار رسالت سے نور چینی کا زیادہ موقع ملا۔ اور علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کرنے کی کامل فرصت ملی۔ اور یہی سب سے بڑا جہاد تھا۔

اسی نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَدِّجٍ

فرمایا اور اس نے تم پر دین (کے کام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

حضرت مؤلف نے فرمایا، اللہ نے تم کو اپنے نبی اور حبیب کی مصاحبت کے لئے تمام لوگوں میں سے منتخب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے (سارے انسانوں میں سے) مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے میرے ساتھی منتخب فرمادئے اور ساتھیوں میں سے میرے لئے سرالی رشتہ دار اور مددگار منتخب فرمادئے۔

حضرت داؤد بن اسحاق کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہا تھے اللہ نے اسمعیل کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنا دیا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی اور قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب کر لیا اور بنی ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا۔ رواہ مسلم۔

ترمذی کی روایت میں ہے ابراہیم کی اولاد میں سے اسمعیل کو چھانٹ لیا اور اولاد اسمعیل میں سے بنی کنانہ کو۔

اور دین میں تم پر تنگی نہیں کی یعنی ایسی تنگی اور سختی نہیں کی جس کی تعمیل و تکمیل تمہارے لئے سخت ہو جاتی۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مومن جب کسی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ اس کے لئے گناہ کی سزا سے نکلنے کا راستہ ضرور بنا دیتا ہے، توبہ کے ذریعہ سے ہو یا دنیوی سزا اور اداء حقوق کی صورت میں ہو یا کفارہ دے کر ہو، بہر حال اللہ نے دین اسلام میں ایسی تنگی نہیں رکھی کہ کسی طرح اس گناہ سے پاک ہونے کی گنجائش ہی نہ ہو۔ گزشتہ امتوں کے لئے بعض گناہوں سے توبہ کرنے اور توبہ قبول ہونے کا اللہ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

بعض اہل علم نے کہا تنگی نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اداء فرائض کے اوقات میں کوئی اشتباہ نہیں رکھا، فرائض کو ادا کرنے کے اوقات مقرر فرمادئے مثلاً ہلال رمضان۔ ہلال فطر وقت حج وغیرہ۔

مقاتل نے کہا تنگی نہیں کی یعنی ضرورت کے وقت سہولت کا باب کھول دیا مثلاً سفر میں نماز کا قصر۔ پانی نہ ملنے یا نقصان رسا ہونے کی صورت میں تیمم۔ سخت ضرورت کے وقت مردار کو کھانا، مجبوری کے وقت بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر نماز ادا کرنا، کلبی نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ یہی مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو جتنا ہو سکے اس کی تعمیل کرو۔

حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے تنگی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل پر (سخت احکام کے) جو بار تھے (اور سخت بندشیں تھیں) اللہ نے اس امت سے ان کو ساقط کر دیا۔

میں کہتا ہوں دین میں تنگی نہ رکھنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے شرعی احکام کی پابندی کو مسلمانوں کے لئے

تکلیف دہ نہیں رہنے دیا، احکام شرعی کی پابندی تمہارے لئے طبعی مرغوبات سے بھی زیادہ لذیذ ہو گئی۔ اجتناب و امتیاز کی یہی خصوصیت لازمہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، نماز میں میری خنکی چشم بنا دی گئی ہے۔ رواہ احمد النسانی والحاکم (وصحیح) والبیہقی عن انس۔
مَلِكًا اَبِيكُمْ اَبْرَاهِيْمًا
 تم اپنے باپ ابراہیم کی (اس) ملت پر (ہمیشہ قائم رہو) یہ سورت مکی ہے اس لئے بظاہر آیت میں خطاب قریشی مومنوں کو ہے اور دوسرے لوگ ذیلی طور پر اس میں داخل ہو جائیں گے (کیونکہ قریش کے علاوہ بہت کثرت سے ایسے لوگ تھے جن کے نسبی مورث اعلیٰ حضرت ابراہیم نہ تھے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس معاملہ میں دوسرے لوگ قریش کے پیرو ہیں، مسلمان مسلمان قریشیوں کے اور کافر کافر قریشیوں کے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہ۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خیر و شر میں لوگ قریش کے پیرو ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک تمام عرب کو خطاب ہے کیونکہ سارے عرب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے لیکن حضرت سلیمان فارسی حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی اور موالی کی کثیر جماعت تو عرب نہ تھی اور قیامت تک آنے والے لوگ بھی نسل ابراہیمی سے نہیں ہوں گے اس لئے یہ تفسیر کمزور ہے (مترجم) بعض نے کہا کہ تمام مسلمان مخاطب ہیں حضرت ابراہیم رسول اللہ ﷺ کے جد اعلیٰ تھے اور امت کے لئے رسول اللہ ﷺ باپ کی طرح ہیں (نسبی نہیں بلکہ) آپ تم مسلمانوں کی ابدی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی کا سبب تھے اور مسلمانوں کی حقیقی زندگی حضور کی ہی عطا کردہ تھی اس لئے اللہ نے فرمایا **وَازْوَاجَهُمْ اَنْهَآ تَهُمْ** اور رسول اللہ ﷺ کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تمہارے لئے باپ کی طرح ہوں تم کو تعلیم دیتا ہوں، جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے نہ پشت کر کے اور دائیں ہاتھ سے استنجانہ کرے۔ رواہ احمد و ابوداؤد و النسانی و ابن ماجہ و ابن حبان عن ابی ہریرہ۔

اہل مکہ کو دین ابراہیمی مرغوب تھا، مسلمانوں کو بھی اور کافروں کو بھی۔ مشرکوں کا بھی دعویٰ تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر ہیں اس خیال کو تردید میں اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ تمہارا یہ گمان غلط ہے دین ابراہیمی برتو شریعت محمدی پر چلنے والے ہیں ملت محمدی ہی ملت ابراہیمی ہے دوسری آیت میں فرمایا ہے **اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِاَبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**۔ ابراہیم سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں اور یہ نبی (اور اس نبی پر) ایمان والے لوگ بھی۔

هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِيْنَ لَا مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا
 (بھی یعنی نزول قرآن سے پہلے سابق کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا اور اس قرآن میں بھی۔

ابن زید نے کہا ہو کی ضمیر ابراہیم کی طرف راجع ہے یعنی اس زمانے سے پہلے اپنے زمانے میں ابراہیم نے تمہارا نام مسلمان رکھا، حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں کہا تھا۔ **رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِيْنَ لَكَ رَبِّنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے ہمارے رب ہم کو اپنا مسلم (مطیع) بنا دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک مسلمان امت (یعنی اہل مکہ کو مسلمانا مت) بنا دے** اگرچہ حضرت ابراہیم نے اس قرآن میں امت محمدی کو مسلمان کا خطاب نہیں دیا، لیکن آپ نے اپنی دعا میں چونکہ اس امت کو امت مسلمہ کہا تھا (اور اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا) اور اسی سبب سے اللہ نے اس امت کو قرآن میں مسلمہ کا خطاب دیا تو گویا حضرت ابراہیم نے ہی اس قرآن میں امت محمدی کو مسلمہ کہا، بعض علماء نے کہا اصل کلام اس طرح تھا ابراہیم نے تمہارا نام اس سے پہلے مسلم رکھا اور اس قرآن میں تم کو مسلمان کے نام سے موسوم کرنے کا بیان ہے۔ یہ جملہ درحقیقت **هُوَ اَجْتَبَاكُمْ** کا بیان ہے کیونکہ سچے اسلام کی ہدایت کرنا اور مسلمان نام رکھنا اسی وجہ سے ہے کہ اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے۔

فرمایا تھا، میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کا طریقہ۔ رواہ مالک فی الموطا مسلا حضرت عصف بن حارث یعنی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہیں پیدا کی کسی قوم نے (اپنے دین کے اندر بلا ثبوت) کوئی نئی بات (مگر اس کے مقابلہ میں) ویسی ہی ایک سنت اٹھادی گئی (مطلب یہ ہے کہ دین کے اندر جب کوئی نئی بات داخل کی جائے گی تو اللہ کے رسول کی سنت اتنی ہی ٹٹتی چلی جائے گی) پس سنت کو پکڑے رہنا دین میں بدعت کو ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔ رواہ احمد۔

هُوَ مَوْلَاكُمْ ۝ وہی تمہارا مددگار ہے، وہی تمہارا محافظ ہے۔ وہ تمہارے کاموں کا کار ساز، ذمہ دار ہے۔
فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۱۰﴾ وہی تمہارا سب سے اچھا کار ساز اور اچھا مددگار ہے۔

فنعیم میں ف بہت کے لئے ہے، یعنی جب ثابت ہو گیا کہ اللہ تمہارا کار ساز و مددگار ہے تو بس وہی سب سے اعلیٰ کار ساز و مددگار ہے۔ اس کی مثل کوئی نہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس کے سوا کوئی دوسرا کار ساز و مددگار ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

الحمد لله۔ ۸ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ کو سورہ حج کی تفسیر ختم ہوئی۔

۶ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو اللہ کی مدد سے تفسیر مظہری سورہ حج کا ترجمہ ختم ہوا۔

فَلله الحمد اولا و ااخرا و باطنا و ظاهرا

سورۃ المؤمنون

اٹھارہواں پارہ قد افلح شروع

یہ سورۃ مکی ہے اس میں قراء بصرہ کے نزدیک ۱۱۹ آیات اور علمائے کوفہ کے

زدیک ۱۱۸ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھالتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

بے شک ان مؤمنوں نے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۲﴾

(آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ ﷺ آسمان میں ادھر ادھر نظر گھمایا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھالیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھالتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لہذا کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قد اگر ماضی پر داخل ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قرب حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آجاتا ہے اقد قام اچھی کھڑا ہو گیا۔ قد اکل ابھی اچھی وہ کھا چکا مؤمنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قد کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کی لئے بشارت ہو گئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور کسی قابل خوف چیز سے نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی اس جگہ آخری مراد ہے۔ کامل فلاح آخری یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گزرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گزرنے کی دشواری سے بالکل بجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو جائے۔ اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں

کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو وہ آخرت میں ضرور فلاح یاب ہوگا۔ (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمایا دیا ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ جو ذرہ (یا چھوٹی سرخ چوٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سر کردہ ہے (اس لئے ہر مومن کا فلاح یاب ہو نا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہ گار ہو)۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ رہیں گے)۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لٹکائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر سرسبز نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنی نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت میں نے عرض کیا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔

بزار، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع روایت نقل کی ہے بیہقی نے مجاہد اور کعبؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے، حاکم کا بیان حضرت انسؓ کی روایت سے اسی طرح آیا ہے، ابن ابی الدنیانے صفیہؓ میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یا قوت سرخ اور زمرہ سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مکک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس مٹی غیر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

حضرت مؤلف نے کہا ہو سکتا ہے کہ آیت میں فلاں سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مومن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مومنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مومنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مومنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی)۔ مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح جانے والے وہ مومن ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔ ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں۔ خواہ مفہوم مخالف کسی صفت کی تفسیر سے پیدا ہوا ہو یا شرط کے ذکر سے اصول فقہ میں یہ تحقیقی مسئلہ بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی صفت یا شرط کے ذکر کے صورت میں (بے شک حکم اس صفت اور شرط پر مرتب ہوتا ہے لیکن) جس میں وہ صفت یا شرط موجود نہ ہو اس کا حکم معلوم نہیں ہوتا اس کی طرف سے سکوت سمجھا جاتا ہے۔ نفی حکم تعیین کے ساتھ نہیں ہوتی، احتراز کا یہی مطلب ہوتا ہے (کہ جس میں صفت یا شرط مذکور موجود نہ ہو اس سے نہ نفی حکم تعیین کے ساتھ سمجھی جائے نہ اثبات حکم۔ گویا تعیین نفی سے احتراز ہوتا ہے)۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہ گار بغیر مومن بغیر توبہ کے مر جائیں وہ جنت میں بلا آخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دینے جنت میں بھیج دے۔

الغاشعون سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز

کرنے والے۔ حسن نے کہا زرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے (نماز میں) لوہر ادھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظرنہ ڈالے۔

عمر و بن دینار نے کہا، خشوع سے مراد ہے سکون، اور حسن بیہت علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ لو کر رہا ہے اس پر غور کرنا جائے، نماز سے ادھر ادھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے کسی طرف حائل نہ ہو، انگلیاں نہ چرکائے، کنگریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابو درداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قوی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا کامل یقین اور پوری توجہ و یکسوئی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایت میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

حضرت ابو ذر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا۔ جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد، وابو داؤد، والنسائی، والدارمی۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے التفات فی الصلوٰۃ کے متعلق دریافت کیا فرمایا، یہ ایک جھپٹا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور ﷺ کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا لوگوں کو اس حرکت سے باز آجانا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ رواہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہیے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آجانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم و ابو داؤد و احمد و ابن ماجہ۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے اندر اپنی دائرگی سے کھینچے دیکھا فرمایا اگر اس کی دل میں خشوع ہوتا تو اعضائے بدن میں بھی ہوتا۔ رواہ الحکیم الترمذی فی نوادر الاصول بسند ضعیف.... حضرت ابو بکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضا نماز میں ہوں)۔

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا ٹکڑا (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابو بکر صدیقؓ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ نے مجھے نماز میں ادھر ادھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمادے

تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہیے، بیویوں کی طرح ادھر ادھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جزء تکمیل ہے۔ (ازالہ الخفاء)

حضرت ابوالاحوص رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے) (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البیہقی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

فصل

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی سنن الکبیر۔

یہ بھی حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر ادھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبور ہو تو نفل میں (ایسا کر سکتا ہے)۔ فرض میں نہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿۲۱﴾ اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

معروضوں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا توڑ کر ہی کیا ہے وہ تو بے کار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں۔ اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سب و دشمن نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے **وَإِذْ أَسْرَوْا بِاللَّغْوِ مَرًّا وَكَثْرًا مَّا مَطْلَبُ يَهُ** کہ جب وہ بری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے بلکہ۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۲۲﴾ اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں زکوٰۃ اس مالی مقدار کو بھی کہتے ہیں جس کو زکوٰۃ دینے والا ادا کرتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو بھی زکوٰۃ کہا جاتا ہے (یعنی مصدر بھی ہے) آیت میں لفظ فاعلون موجود ہے (اور فعل کا وقوع نفس مال پر نہیں ہو سکتا بلکہ فعل کا تعلق ادا کرنے سے ہے) اس لئے اس جگہ زکوٰۃ ادا کرنا ہی مراد ہے اور اگر زکوٰۃ سے مقدار مالی مراد ہوگی تو لفظ الزکوٰۃ سے پہلے لفظ ادا محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی فاعلون لا اداء الزکوٰۃ۔

لف فاعلون میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ زکوٰۃ سے مراد ہے عمل صالح۔ یعنی وہ نیک عمل کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِغَيْرِ ذُرِّيَّتِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۲۳﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۲۴﴾ اور جو (تمام عورتوں سے) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور اپنی (شرعی) باندیوں کے کیونکہ (بیویوں اور اپنی باندیوں سے شرم گاہوں کی حفاظت نہ کرنے پر) ان پر کوئی الزام قائم نہیں کیا جائے گا۔

فرج، شرم گاہ مرد کی ہو یا عورت کی۔ حفظ الفرج حرام سے پاک دامن رہنا۔ علی ازواجہم کا تعلق حافظون سے ہے۔ احفظ علی عنان فرسی میرے گھوڑے کی لگام کو پکڑے رکھ آزاد نہ چھوڑ۔ یہ عربی مقولہ ہے حَافِظُونَ عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ میں حافظون کے بعد علی کا استعمال اسی محاورے کے مطابق ہے۔ چونکہ حفظ کے اندر نفی بذل کا مفہوم ہے تو گویا

حافظوں کا معنی ہو گیا لایبذلون الاعلیٰ ازواجہم وہ اپنی شرمکاموں کو کنیں استعمال نہیں کرتے سوائے اپنی بیویوں کے۔
یا علیٰ ازواجہم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی ہم لایبذلون الاعلیٰ ازواجہم۔
مَمْلُکَتٌ اِیْمَانُہُمْ سے مراد ہیں باندیاں مطلب یہ ہے کہ سوائے اپنی بیویوں اور اپنی باندیوں کے کسی اور عورت
سے وہ قربت مصطفیٰ نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے جو عموماً کسی کی ملک میں ہوتی ہیں اور جتنے مملوک
(باندی، غلام) ہوتے ہیں وہ بھی اہل عقل کی فرست سے (گویا، خارج ہوتے ہیں کیونکہ کسی کی ملک میں ضرور داخل ہوتے
ہیں یہی وجہ ہے کہ (بجائے من کے جو ذی عقل کے لئے موضوع ہے۔) ما کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب
فروج کا لفظ عام ہے مرد کی شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں اور عورت کی شرمگاہ کو بھی اور حَافِظُونَ لِفُرُجِہُمْ سے ازدواج
(جوڑے) اور ماملکت ایمانہم کا استثناء کیا گیا ہے اور ماملکت کا لفظ حسب تشریح بیضاوی غلاموں کو بھی شامل ہے
تو پھر جو عورت غلام رکھتی ہو اس کو غلام سے قربت مصطفیٰ جائز ہونی چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ وہ دور کرنے کے لئے
حضرت مؤلف نے فرمایا کہ ماملکت ایمانہم سے صرف باندیاں مراد ہیں کیونکہ عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے بے عقل
چیزوں کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اسی لئے مؤلف کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں۔ پس لفظ ما
کا اس جگہ ذکر کرنا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں
سے قربت ناجائز ہے اور آیت سے اس کا جواز مستفاد نہیں ہوتا۔

پھر جو اس کے علاوہ اور جگہ شہوت

فَمِنْ ابْتِغَی وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

رہنی کے طلبے ہوں مجھے تو وہ حد شرعی سے نکلنے والے ہیں۔

العادون یعنی ظلم اور زیادتی میں کامل ہیں، حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں اس آیت سے حدہ کرنے

کی اجازت منسوخ ہو گئی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے حدہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص اجنبی شہر میں جاتا اور وہاں کوئی
جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ عورت اس کے لئے کھانا
تیار کر دے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ جب آیت الاعلیٰ ازواجہم او ماملکت ایمانہم نازل ہوئی تو سوائے
ان دونوں قسموں کے ہر عورت حرام ہو گئی۔ رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے حدہ کیا جاتا ہے وہ وہیاں یقیناً تھیں ہوتیں۔ فرقہ
شیعہ کے نزدیک بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ اور بائعیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی
قسم حسب صراحت آیت حلال نہیں ہے اور زوجین کے درمیان تواریح صراحت قرآن کے بموجب ضروری ہے۔ حدہ کا
مسئلہ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہِ مِنْہُمْ فَاَنْتُمْ لَہُمْ اَجُورٌ مِّنْ قَرِیْبَتِہِمْ تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالایذہ جلیق بھی حرام ہے۔ عام علماء کا یہی قول ہے۔ ابن جریر کا
قول ہے، میں نے عطاء سے یہ مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ ہے (یعنی مکروہ تحریمی جو حکم حرام میں ہوتا ہے۔ مترجم عطاء
نے کہا میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہو گا کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے، میرا خیال ہے کہ وہ یہی عمل
کرنے والے ہوں گے۔ سعید بن جبیر نے کہا کچھ لوگ اپنے آلات مروی سے خود کھیلتے تھے اللہ نے ان پر عذاب نازل فرمایا۔

اور جو اپنے پاس رکھی ہوئی مانتوں کا اور کئے

وَ اٰنِیْنَ ہُمْ لَآ مَنۡتَہُمۡ وَعَہِدِہُمْ رَعُوْنَ ۝

ہوئے معاہدات کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔

گمانتوں سے مراد ہیں وہ چیزیں جو بطور امانت مومنوں کے پاس رکھی جائیں ان کو ان چیزوں کا امین بننا چاہئے۔

عہد وعدہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ

اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عمدہ وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ لمانت، بودیعت، تجارت اور دوسرے معاہدات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا، مسلمانوں پر واجب ہے (بشرطیکہ گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا معاہدہ نہ ہو۔ مترجم۔)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا کہ رسول

ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے حساب فہمی نماز کی ہوگی۔ نماز ٹھیک نکلے تو بندہ کامیاب اور بامسرح ہو گیا اور نماز بگڑی تو ناکام و نامراد ہو جائے گا۔ اگر کسی فرض کی ادائیگی میں کوئی کمی نکلے گی تو رب کریم فرمائے گا میرے بندے کے نوافل کو دیکھو (اگر کچھ نوافل ہوئے تو) ان سے فرض کی کمی پوری کر دی جائے گی، پھر باقی اعمال کا حال بھی اسی طرح ہوگا (دوسری روایت میں آیا ہے پھر زکوٰۃ کی حالت بھی اسی طرح ہوگی۔ پھر تمام اعمال کی حساب فہمی اس طریقے سے ہوگی۔ رواہ ابو ذؤاد۔ امام احمد نے یہ حدیث بہ روایت رطل بیان کی ہے۔

اور جو اپنی نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ یعنی ہمیشہ ہر نماز کو اس

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۶﴾
کے وقت پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں شروع میں نماز کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا تھا آخری وصف بھی ادائے نماز کو ہی قرار دیا گیا۔ اس سے نماز کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ لیکن ابتدائی آیت میں نماز میں خشوع رکھنے کا ذکر کیا گیا تھا اور اس جگہ نماز کی حفاظت کا دونوں صفتیں الگ الگ ہیں مگر اوصاف نہیں ہے۔

ایسے ہی لوگ وارث ہونے

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿۷﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ
والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اولئک یعنی یہی لوگ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الوارثون یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الذین یرثون یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے اس کا بیان ہے پہلے بلا تعین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندی شان ظاہر ہو گئی۔ (شبہ کیا جاسکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی لور کی تھی پھر مومنوں کو دیدی جائے گی۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے حضرت مفسر نے فرمایا) مراد یہ ہے کہ فردوس کے اندر کافروں کے لئے بھی نامزد کچھ مکان ہوں گے کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو وہ مکان ان کو دیدیے جاتے اور چونکہ وہ مسلمان نہ ہوئے اس لئے ان کے مکانوں کا وارث مومنوں کو کر دیا جائے گا۔ یرثون کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کے لئے دو گھر ہیں۔ ایک گھر جنت میں اور دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جاتا ہے تو اہل جنت اس کے جنت والے گھر کے وارث ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے فرمان أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ کا یہی مطلب ہے۔ رواہ ابن ماجہ و سعید بن منصور و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردودہ و البیہقی فی البعث۔

عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم کی روایت ان الفاظ کے ساتھ (بھی) آئی ہے کہ اہل جنت اپنے مکانوں کے بھی وارث (مالک) ہوں گے۔ اور اپنے ان بھائیوں کے مکانوں کے بھی کہ اگر وہ (اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کو) مان لیتے تو ان کے مالک ہوتے کہ ان کے لئے وہ مکان تیار کر دیئے گئے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دے گا۔

بعض علماء نے کہا وارث ہونے کا یہ معنی ہے کہ مال کار ان کو جنت ملے گی جیسے وارث بالآخر میراث پاتا ہے فردوس

سب سے اونچی جنت ہے اس کی مفصل تشریح سورہ کف میں گزر چکی ہے۔

۱۱) وہ فردوس میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

امام احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا تو اس وقت آپ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھیوں کی جھنڈھناہٹ کی طرح کچھ جھنڈھناہٹ سنی جاتی تھی۔ ایک روز جو وحی نازل ہونے لگی تو ہم (ختم وحی تک) ٹھہرے رہے (منتظر رہے) جب وحی کی حالت ختم ہو گئی تو حضور ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا اے اللہ ہم کو دے، کمی نہ کر، ہم کو عزت عطا فرما، ذلیل نہ کر، ہم کو عطا فرما، محروم نہ کر، ہم کو دوسروں پر ترجیح عطا فرما، دوسروں کو ہم پر برتری نہ دے۔ ہم کو خوش کر دے اور ہم سے راضی ہو جا۔ پھر فرمایا مجھ پر دس آیات نازل کی گئی ہیں جو ان کو قائم کرے گا (یعنی ان پر پورا عمل کرے گا) وہ جنت میں داخل ہو گا اس کے بعد آپ نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ سے دس آیات تک تلاوت فرمائیں۔ نسائی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے لیکن حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ یہ آیات تمام ابواب خیر کا مجموعہ ہیں ان میں مومنوں کے متعدد اور صاف بیان کئے گئے ہیں۔ نماز میں خشوع رکھنا و قات کی پابندی کرنا ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہنا لغو باتوں سے اعراض کرنا، تمام محرمات سے اجتناب رکھنا وغیرہ، ان لوصاف کا حامل تمام کثافتوں اور گندگیوں سے پاک ہو جاتا ہے اور ذاتی و صفاتی تجلیات کی پر تو اندوزی کی اس میں استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَلَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝۱۱

اور بلاشبہ ہم نے (جنس) انسان (یعنی آدم) کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا۔ اللہ کی عبادت اور طاعت واجب ہے اور وہ ہر عبادت کا استحقاق رکھتا ہے اس کی وجہ اور سبب کا اس آیت میں بیان ہے گویا یوں فرمایا ہم کو استحقاق ہے کہ بندے ہماری عبادت کریں اور ہم کو وادمانیں کیونکہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے۔

سللتہ خلاصہ جوہر

من طین میں من بیانیہ ہے یعنی روئے زمین کا خلاصہ آدم کو خلاصہ ارضی سے پیدا کیا گیا۔ اور باقی انسانوں کو نطفہ سے اور نطفہ غذات پیرا ہوتا ہے اور غذا زمین سے پیدا ہوتی ہے۔

کلبی نے کہا طین سے مراد حضرت آدم ہیں عبد الرزاق ابن جریر اور عبد بن حمید نے قادم کا قول نقل کیا ہے کہ طین سے مراد حضرت آدم ہیں۔

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ من سللۃ من طین سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سللۃ سے مراد ہوا نطفہ)

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ (سللۃ سے مراد ہے) پانی کا خلاصہ عکرمہ نے کہا سللۃ سے مراد ہے وہ پانی جو پشت سے کھینچا جاتا ہے۔ عرب نطفہ کو سللۃ کہتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۱۲ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَّوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۝۱۳

پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لو تھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لو تھڑے کو (گوشت کی) بونی بنایا پھر ہم نے اس بونی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (کا لباس) پہنا دیا۔

جعلنہ ہم نے اس خلاصہ کو نطفہ سے بنایا ضمیر سللۃ کی طرف راجع ہے کیونکہ سلات بمعنی مسلول (اسم مفعول) ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع انسان ہو۔ نطفہ سے پہلے حرف جر محذوف ہے۔ حرف جر کو حذف کر کے نطفہ کو منصوب کر دیا ہے یعنی من نطفۃ (نطفہ سے)

قرار ٹھہرنے کی جگہ۔ مسکین محفوظ مراد رحمہ۔ مسکین در حقیقت مکان قرار کی صفت نہیں ہے بلکہ قرار پکڑنے والے کی ہے۔ مجازاً قرار کی صفت کر دیا گیا ہے۔

نہم خلقنا پھر ہم نے بنا دیا سفید نطفہ کو سرخ خون کا لو تھڑا۔
مضغہ گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو گوشت کی بوٹی کی ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مہضہ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پستانا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)
ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ
پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا۔
انشانہ میں یہ ضمیر سلاطہ کی طرف راجع ہے یا انسان کی طرف۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہد، عکرمہ ضحاک اور ابو العالیہ نے کہا خلق آخر سے مراد ہے روح پھونکنا۔

میں کہتا ہوں ان حضرات کے اقوال میں شاید روح سے مراد روح سفلی یعنی روح حیوانی ہوتی ہے اور نفس سے مراد ہوتی ہے روح علوی کی سواری، روح علوی کا تعلق عالم ارواح سے ہے اس کی قرار گاہ نظر کشف میں عرش کے اوپر ہے یہ مکانی چیز نہیں ہے اور نفس ایک بخار لطیف کا نام ہے جو عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور جسم کی ہیئت کو اختیار کر لیتا ہے یہ جسم کثیف میں سرایت کئے ہوئے ہے چونکہ روح سے مراد روح سفلی ہے اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ یہ سلالہ سے پیدا ہوئی ہے روح علوی کی پیدائش گاہ سلالہ سے نہیں اس لئے آیت میں روح علوی مراد نہیں ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ علوی ارواح کی تخلیق تو اجسام کی تخلیق پر مقدم ہے جب اللہ نے ارواح سے میثاق لیا تھا اس وقت اجسام تو موجود بھی نہ تھے۔

نسخ روح کیا ہے

نسخ روح اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے (گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے۔ ہاں اگر آیت میں انشاء پیدا کرنے سے مراد نسخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)
حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے چچے رسول ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لو تھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر رکھتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) اعمال اور مدت زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مومن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے پورے جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ بخاری و مسلم۔

ایک سوال

آیت میں نطفہ کا علقہ بن جانا اور علقہ کا مہضہ بن جانا اور مہضہ کا ہڈیوں میں تبدیل ہونا اور ہڈیوں پر گوشت چڑھ جانا۔ حرف فا کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ ان حالات کا تبادلہ فوراً بلا تاخیر ہو جاتا ہے لیکن ان تمام تبدیلیات کے درمیان حدیث میں لفظ نہم کا استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تغیرات کافی وقفے کے بعد ہوتے ہیں۔ اس طرح آیت و حدیث کے بیان میں بظاہر تضاد و اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب

رسول اللہ ﷺ نے ہر دو حالتوں کی تبدیل کے درمیان چالیس روز کی مدت کی صراحت فرمائی ہے اس صورت میں لفظ ثم کا استعمال ہونا چاہئے تھا (جب ایک کام کے بعد دوسرا کام تاخیر اور وقفہ کے ساتھ ہو تو لفظ ثم استعمال کیا ہی جاتا ہے) لیکن یہ باہمی تبدیلیاں اگر چالیس چالیس روز کی مدت میں ہوتی ہیں مگر اتنی عظیم الشان اور نمایاں ہوتی ہیں کہ چالیس چالیس روز کا وقفہ بھی ایسی تبدیل کے لئے کچھ حیثیت نہیں رکھتا (گویا یہ وقفہ وقفہ ہی نہیں ہے) اس لئے اللہ کے کلام میں لفظ - ف - ذکر کیا گیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک ایک چلہ گزرنا اور ہر تبدیلی کا ایک چلہ کے بعد مکمل ہونا بھی ایسے عظیم الشان تغیرات کے لئے بے حقیقت ہے گویا یہ کوئی وقفہ ہی نہیں ہے)

پھر آیت کے طرز اور اسلوب بیان میں بھی اختلاف ہے اول دونوں حالتوں کو لفظ ثم سے ظاہر کیا گیا ہے پھر تین حالتوں کے تغیر کے درمیان لفظ استعمال کیا ہے پھر انشاء تخلیق آخر کو لفظ ثم کے ساتھ بیان کیا ہے طرز بیان کی یہ نیرنگی تغیرات کے نقلات و تنوع کی طرف اشارہ کر رہی ہے سلاہ (غذائی) کا نطفہ بن جانا بہت ہی عظیم الشان اور عجیب ہے پھر پشت پدر اور سینہ مادر میں ایک طویل مدت تک استقرار پھر رحم مادر میں پہنچ کر مخلوط ہو کر چالیس روز تک بصورت نطفہ ٹھہرا رہتا بھی ندرت شان رکھتا ہے پھر نطفہ کا چالیس روز میں علقہ بن جانا بھی بہت نمایاں اور عظیم تغیر ہوتا ہے اس لئے ہر تغیر کو لفظ ثم سے ظاہر کیا لیکن علقہ کا مہضہ بن جانا اور مہضہ کے بعض اجزاء کا سخت ہو کر ہڈیاں بن جانا اور کچھ حصہ باقی رہ کر گوشت ہو جانا اتنا عظیم تغیر نہیں جتنا اول الذکر دونوں صورتوں میں ہوتا ہے اور چونکہ تخلیق آخر کا زمانہ بہت دیر میں آتا ہے اور اتنا عجیب ہوتا ہے کہ کایا پلٹ جاتی ہے اس لئے آخر میں لفظ ثم سے اس انقلاب کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت ضروری تھا۔

مسئلہ :- اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (توان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روح تنفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہوگا۔

قادہ نے کہا انشاء خلق آخر سے مراد ہے و انت اور ہال نکل آنا۔

ابن جریج نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مکمل جو ان ہونا مراد ہے۔

حسن نے کہا نہ یا مادہ ہونا مراد ہے عوفی کی روایت حضرت ابن عباس کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا پھر چننا پھر دودھ پینا پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے دیرے دیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھر مناسب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوتی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبہ فنا پر پہنچ جاتا ہے اور تمام مہیمی اور سبھی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے روحانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثم کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔

(تخلیق کے گزشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت

فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿۷﴾

بڑی شان ہے جو تمام صناعات سے بڑھ کر ہے۔

تبرک اللہ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔ تبرک میں ف سببیت کے لئے ہے (گزشتہ کلام آئندہ کلام کی علت ہے، مطلب یہ ہے کہ تخلیق

خداوندی کی گزشتہ کیفیت اور مذکورہ بالا احوال اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ کی قدرت کامل ہے اس کی حکمت بالغہ ہے اس کی شان کی عظمت اور اس کے مرتبہ کی رغبت مقتضی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ شریک ہونا ممکن ہے۔ وہ احسن الخالقین ہے۔

معتزلہ کا قول

معتزلہ فرقہ والے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے یعنی بندہ ہی اپنے اختیاری افعال کو پیدا کرتا ہے دیکھو اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ خالق بہت ہیں اور اللہ سب سے اچھا خالق ہے (تفصیل کا تحقق اور تصور بغیر متصل علیہ کے وجود کے نہیں ہو سکتا) ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تمام عقلی اور شرعی دلائل سے ثابت ہے کہ بندوں کے سارے اختیاری افعال کا خالق اللہ ہی ہے بندہ خالق نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

جس ممکن کا وجود بھی اپنا نہیں اللہ کا عطا کردہ ہے اس کی ذات مقتضی وجود نہیں وہ دوسرے کو کیسے وجود دے سکتا ہے۔ تمام صحابہ اور علماء امت کا اتفاق ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

رہا معتزلہ کے اعتراض کا جواب تو اس کی توجیح کے لئے ہم کہتے ہیں کہ لفظ خلق میں ہمارا کوئی جھگڑا نہیں اس لفظ کا اطلاق تو بندے پر بھی ہوا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطِّیْنِ كَهَبِیْبَةِ الطَّیْرِ اللہ نے خود فرمایا ہے وَتَخْلُقُوْنَ اِنَّا لَکِنْ بِنْدِیْ کی طرف جب لفظ خلق کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے بنانا۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پر بندے کی شکل کی ایک چیز بناتا ہوں اور تم جھوٹ بناتے ہو۔ اس میں کوئی نزاع نہیں کہ لفظ خلق کی نسبت بندے کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس وقت خلق کا معنی ایجاد معدوم نہیں ہوتا بلکہ کسب اور صنعت ہوتا ہے یہ یعنی بات ہے کہ انسان کو اپنے اختیار سے افعال کو کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور اس کے ارادے اور اختیار کو اپنے اعمال میں دخل ہے یہی ارادہ و اختیار مدار تکلیف ہے تمام اوامر و نواہی کا مکلف بندے کو اسی اختیار کی وجہ سے کیا گیا ہے ثواب و عذاب بھی انہی اختیاری افعال پر مرتب ہوتا ہے۔ ہم اسی کو کسب کہتے ہیں پس بندہ، کاسب، ہے لیکن بندہ کا یہ ارادہ اور اختیار ایجاد معدوم کے لئے بالکل کافی نہیں نہ یہ کسی جوہر کو موجود کر سکتا ہے نہ کسی عرض (یعنی عمل اور حالت) کو ایجاد تو اللہ ہی کی قدرت و اختیار سے وابستہ ہے جب اللہ کی قدرت و اختیار کسی مخلوق سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ تو ہم اس کو تخلیق کہتے ہیں اور اختیار عبد کو بھی اس میں دخل بنا لیا جائے تو یہ کسب عبد کہلاتا ہے لیکن کسب عبد موجد نہیں۔ موجد تو وہ قدرت و ارادہ ہے جس نے کسب عبد کو بعض چیزوں میں دخل بنایا ہے بندہ کی طرف لفظ خلق کی نسبت سے یہ سمجھ لینا کہ بندہ اپنے افعال کا خود موجد ہے غلط ہے۔ ہاں بندے کو کاسب اور بنانے والا کہہ سکتے ہیں اسی لئے مجاہد نے کہا تھا کہ بندے بھی بناتے ہیں اور اللہ بھی بناتا ہے اور اللہ سب صناعات سے بہتر بنانے والا ہے۔

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ الخالقین کا معنی ہے صورتیں بنانے والے یا اندازہ کرنے والے لغت میں خلق کا معنی ہے اندازہ کرنا۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ کلام کی بناء فرض محال پر ہے اور فرض محال ناممکن نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ دوسرے بھی خالق ہیں تب بھی اللہ سب سے اچھا خالق ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے حضرت عمر نے فرمایا چار باتوں میں (اتفاقاً) میری موافقت اپنے رب سے ہو گئی۔ ایک یہ کہ جب وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سَلْیْلِیْلِ النَّخِ نَازِلِ ہوئی تو اس کے آخر میں میری زبان سے نکل گیا۔ فَتَبَرَّکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ چنانچہ آخر میں یہی الفاظ نازل ہو گئے (الحدیث)

حضرت عمر کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک آیت سے کم قرآنی عبارت معجزہ نہیں ہے نازل ہونے سے پہلے دوسرے انسانوں کی زبان سے بھی اتنی عبارت نکل سکتی ہے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی

کی کتابت بھی کر لیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ ﷺ کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح لکھ دے یہ یوں ہی نازل ہوا ہے عبد اللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور ﷺ نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبد اللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور ﷺ دیر تک خاموش رہے پھر دیر کے بعد فرمایا اچھا (عبد اللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، حضور ﷺ نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبد اللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔

میں کہتا ہوں سبیل الرشاد میں عبد اللہ کا مرتد ہونا اور فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مباح الدم ہونا اور حضرت عثمان کا سفارش کرنا یہ سب کچھ مذکور ہے لیکن وجہ ارتداد یہ ذکر نہیں کی کہ اس کی زبان سے نزول وحی سے پہلے ہی جملہ مذکورہ نکل گیا تھا اور تاریخی حیثیت سے ایسا ہونا ممکن بھی نہیں کیونکہ عبد اللہ مذکور کے ارتداد کا واقعہ مدینہ میں ہوا تھا اور یہ سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

پھر تم بعد اس (قصہ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ یعنی
كُلَّمَا نَفَاخُكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَكُمْ يُؤْمِنُونَ ۝۱۵
 گزشتہ تمام مراحل زندگی طے کرنے کے بعد جب تمہاری زندگی کے خاتمہ کا وقت آجائے گا تو مر جاؤ گے۔ مطلب یہ کہ لامحالہ تم کو موت کی طرف جانا ہے سب موت کی جانب جا رہے ہو۔

میت اور مات وہ شخص جو مرنے والا ہوا بھی مرانہ ہو اور میت وہ شخص جو مر چکا ہو اسی لئے اس جگہ میتون تخفیف کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے جیسے انک میت وانہم میتون میں تخفیف و تشدید جائز نہیں (کذا ذکر البغوی) صاحب قاموس نے لکھا ہے مات یوموت (نصر) مات (فتح) میت (ضرب) میت اور میت دونوں طرح سے حتیٰ کی ضد ہے۔ مات کا معنی سو گیا اور سکون پایا بھی ہے یا یوں کہا جائے کہ میت بالتخفیف وہ شخص جو مر چکا ہو اور میت ومات وہ شخص جو ابھی مرانہ ہو (آئندہ مرنے والا ہو)

پھر قیامت کے دن یقیناً (قبروں سے حساب فہمی اور جزا و سزا کے لئے) تم اٹھائے جاؤ گے۔
ثُمَّ لَنُكَلِّمَنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝۱۶

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمَا كُنَّا عَيْنَ الْخَالِقِ غَافِلِينَ ۝۱۷
 اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔
 طرائق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے پر چڑھا ہوا ہے اگر نجلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نجلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گزر گاہیں ہیں۔

الخلق سے مراد ہے مخلوق کوئی ہو۔
 غافلین یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی اتیری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت و مصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔

جملہ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ جملہ سابق کی علت ہے۔ پورا مطلب اس طرح ہو گا کہ ہم نے تمہارے لوہے اور سات آسمان بنائے تاکہ رزق اور برکات کے دروازے تمہارے اوپر کھلے رہیں سورج چاند اور ستارے تم پر چمکتے دکتے رہیں کیونکہ تمہاری مصلحتوں اور احوال کو درست رکھنے والے امور سے ہم غافل نہیں ہیں (یا غافل نہ تھے)

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْآرْضِ خَلْقًا وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ لَقَدِيرُونَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے (مناسب) مقدار میں اوپر سے پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرایا اور اس کو (بالکل) معدوم کر دینے پر بھی بلاشبہ قدرت رکھنے والے ہیں۔

پانی سے مراد بارش کا پانی۔ بقدر یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کر دیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔

ذہاب م بہ اس کو لے جانا اکل کر دینا مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

لقدر و بلاشبہ ہم پانی کو فنا کر دینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

بنغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا نازل کئے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات یہ بھی بنغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل، جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے آیت وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْآرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یا جوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگ اسود کو اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھالے گا۔ آیت وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ لَقَدِيرُونَ کا یہی مطلب ہے۔ جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُم فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۶﴾

پھر ہم نے اس (پانی) سے بھجوروں اور انگوروں کے باغ تمہارے لئے پیدا کئے جن کے اندر تمہارے واسطے بکثرت میوے ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ یعنی بھجوروں اور انگوروں کے علاوہ بھی تمہارے لئے بکثرت میوے ان باغوں میں ہوتے ہیں جن سے تم لذت اندوز ہوتے ہو۔

دوسنہا یعنی باغوں کے پھلوں اور غلے کے کھیتوں سے بطور غذا تم بعض کو کھاتے ہو اور سامان زندگی حاصل کرتے ہو۔ بھجوروں اور انگوروں کا خصوصی تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے در نہ کشمش اور چھوڑے اور طرح طرح کے پھل اور شربت سب ہی باغوں کی پیداوار ہیں مہیا پھلوں سے بنائے جاتے ہیں۔ انگور اور بھجور عرب میں دوسرے پھلوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں پس انہی کو بطور مثال ذکر کر دیا۔

اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طور

وَسَجْرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ

سینا میں پیدا ہوتا ہے۔
سیناء کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت، ضحاک نے کہا یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے کلی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو حبشی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے مجاہد نے کہا سیناء خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کر دی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلیہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو ندا دی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پورا نام ہے۔

تَنْبُتٌ بِالدُّهْنِ وَصَبْغٍ لِلْأَكْلِينِ ⑤
جو آگاہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے
سالن لئے ہوئے یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چرغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بنوی نے لکھا ہے صبغ اور صبغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آجاتا ہے اور اوام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھلایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔
مقاتل نے کہا اللہ نے اس درخت کو اوام (سالن) بھی بتلایا ہے اور دہن (روغن۔ زیت) بھی۔ مقاتل نے یہ بھی کہا کہ طور کے ساتھ زیتون کی خصوصیت اس وجہ سے کہ سب سے پہلے طور میں ہی زیتون کا درخت پیدا ہوا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سب سے پہلے زیتون کا ہی درخت پیدا ہوا۔

لَقَدْ لَكُمُ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ ⑥
اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور کرنے کا موقع ہے۔
عبرت، نشانی، دلیل جس سے صالح کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر تم استدلال کر سکتے ہو۔ عام لوگ چونکہ عبرت اندوز نظر سے چوپایوں کو نہیں دیکھتے اور ان کی تخلیق سے سبق نہیں لیتے اس لئے ان کو منکر قرار دے کر کلام کو پر زور طور پر تاکید کے ساتھ بیان کیا (اگر علامات انکار موجود ہوں خواہ مخاطب منکر نہ ہو تب بھی اس کو خطاب اسی طرح تاکید کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسے منکر سے کیا جاتا ہے)

سُقِيَكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ⑦ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ⑧
ہم تم کو ان کے پیٹوں کے اندر (پیدا شدہ) چیز (دودھ) سے پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت فائدے ہیں اور ان میں سے تم بعض کو کھاتے ہو اور ان پر لور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔

مما فی بطونہا سے مراد ہے دودھ یا چارہ، لول صورت میں من (بمعنی کچھ) تبعیضہ ہے لور دوسری صورت میں ابتدا سے کیونکہ دودھ چارے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

فیہا یعنی چوپایوں کی پشت اور بال واکن وغیرہ میں بکثرت فوائد ہیں۔
ومنہا تاكلون اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو (یعنی گوشت چربی وغیرہ)
وعلیہا لور بعض چوپایوں پر سوار ہوتے ہو جیسے لونٹ اور نیل بعض نال علم نے کہا صرف لونٹ مرلو ہیں عرب لونٹوں پر ہی سوار ہوتے تھے لور لفظ فلک کے ساتھ بھی لونٹ مناسب رکھتے ہیں۔ لونٹ خشکی کے جہاز مشہور ہیں۔ ذوالترمہ شاعر نے کہا ہے سفینة بر تحت خدی زمامہا

تحمّلون تم لہے پھرتے ہو خشکی میں اور دریاؤں میں۔

نسقبکم الخ یہ عبرت کا بیان ہے کیونکہ گو بر اور خون کے بیچ میں سے خالص سفید خوشگوار دودھ برآمد کرنا اپنے اندر درس عبرت رکھتا ہے۔ چوپایوں سے دودھ، مکی، لون اور بالوں کی پیدل اور سواری و بار برداری کے لئے ان کا فرماں بردار ہو جانا اور ضعیف الجذہ انسان کی خدمت پر ایسے قوی یکل جانوروں کا لگ جانا اللہ کی قدرت تامہ کو ثابت کرتا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
اور ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا نوح کو ان کی قوم کے پاس۔

اس سورت کے آغاز میں اللہ نے مومنوں کے خصوصی احوال بیان فرمائے پھر ان دلائل و آیات کا تذکرہ کیا جو ایمان و طاعت کی دعوت دے رہی ہیں۔ اس کے بعد ان سرکش کافروں کا اور ان کے انجام کا ذکر فرمایا جو اللہ سے باغی تھے اور پیغمبر کے فرمان سے سر تابی کرنے والے۔

فَقَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِهٖ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۵

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) لاترے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کیسے وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کر دے۔

فَقَالَ الْمَلٰٓئِكَةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَعَّلَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاَوْشَاءَ اللّٰهُ
لَا اَنْ يَّلَ مَلٰٓئِكَةُ ۗ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْ اٰبَابِنَا الْاَوَّلٰئِيْنَ ۝۱۶

(اس کے جواب میں) ان کی قوم کے کافروں نے کہا کہ یہ شخص تو تم ہی جیسا انسان ہے (پیغمبری کا دعویٰ کر کے) چاہتا ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے۔ اگر اللہ کو (رسول بنانا) منظور ہوتا تو وہ (ہدایت کے لئے) فرشتوں کو اتار دیتا، ہم نے تو یہ بات اپنے پہلے بزرگوں سے بھی نہیں سنی۔

الصلاء سر اور ان قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا کہ یہ نوح تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیج دیتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔

یوید یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ دبالا ہو جائے۔

لو شاء اللہ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔

ما سمعنا بهذا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے جھٹلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گزر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ رَجُلٌ مِّمَّ جِنَّةٍ فَتَرْصُوْا بِهٖ حَتّٰى جُنُوْنَ ۝۱۷

یہ صرف ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے اب تم اس کو اس کی حالت پر ایک وقت تک رہنے دو اور منتظر رہو۔

جنۃ جنون، یعنی یہ جو رسالت کا دعویٰ کر رہا ہے یہ اس کا جنون ہے درحقیقت یہ نئی رسالت کی تاکید ہے کیونکہ دیوانہ رسول نہیں ہو سکتا اور اس کو جنون ہے اس لئے رسول نہیں ہو سکتا۔

فترصوا یعنی اس کو برداشت کرو اور اس وقت کا انتظار کرو کہ یہ خود ہی مر جائے یا اس کا جنون دور ہو جائے۔

قَالَ سَتَبِ انصُرْنِي بِمَا كَدَّ بُؤْنٌ ﴿۱۶﴾
 نوحؑ نے کہا اے میرے رب چونکہ انہوں نے میری تکذیب کی اس لئے میرا ان سے بدلہ لے۔ (یا مجھے ان کے مقابلے میں کامیاب کر) حضرت نوحؑ نے یہ دعا اس وقت کی جب آپ کو اللہ کی طرف سے اطلاع دے دی گئی کہ جو ایمان لے آئے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔
 انصرنی میری مدد کر یعنی جس عذاب سے میں نے ان کو ڈر لیا تھا وہ عذاب نازل فرمادے۔ اور ان کو تباہ کر دے۔
 فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ
 (پس ہم نے نوحؑ کی دعا قبول کی) پھر ان کے پاس وحی بھیجی۔
 أَنْ اصْنَعْ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
 کہ میری نگرانی میں میری وحی (تعلیم و حکم) کے موافق کشتی بناؤ۔

باعیننا یعنی ہماری نگرانی اور حفاظت میں کشتی بناؤ، کوئی تمہارا کام بگاڑ نہ سکے گا۔
 فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ فَاذْأَبْجَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ
 پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا یا سوار ہو جانے کا) آجائے اور روئے زمین سے پانی ابلنے لگے تو ہر ایک قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا (لے کر) کشتی میں داخل کر لینا اور اپنے مشفقین کو بھی (کشتی میں سوار کر لینا) استثناء ان لوگوں کے جن کے (ہلاک کرنے کے) متعلق پہلے ہی حکم نافذ ہو چکا ہے۔
 فَاذْأَبْجَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ابلنے لگے۔

حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے حضرت نوحؑ کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا بیوی نے آکر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دائیں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ کی) چوٹی پر آپ رہتے تھے۔

فَاسْلُكْ فِيهَا ايس اس میں داخل کر لے سلک فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی سلکت فی کذا میں ایسے واقعہ میں داخل ہو گیا۔ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے مَا سَأَلْتَكُمْ فِي سَقَرٍ تَمَّ كُودُ بَقِي آگ میں کس نے داخل کیا۔
 مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ مفعول ہے یعنی ہر طرح کے جانوروں میں دو دو زورور مادہ کو داخل کر لو۔
 اس قصہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر قسم کے جانوروں کو حضرت نوحؑ کے پاس جمع کر دیا گیا آپ اپنے دونوں ہاتھ الگ الگ ہر قسم کے جانوروں پر مارتے تھے دایاں ہاتھ زورور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا آپ دونوں کو کشتی پر سوار کر لیتے تھے۔
 واهلك یعنی اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لیا اہل سے مراد ہیں وہ تمام لوگ جو حضرت نوحؑ پر ایمان لے آئے تھے۔
 إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ یعنی ان گھر والوں کو سوار نہ کرنا جن کا کفر کی وجہ سے ہلاک کیا جانا ازل میں طے ہو چکا ہے۔
 من سبق سے مراد ہے حضرت نوحؑ کی بیوی اور بیٹا کعبان۔ علی ضرر کے لئے آتا ہے اور لام نفع کے لئے چونکہ ازلی فیصلہ ان لوگوں کے لئے ضرر رساں تھا اس لئے علیہ فرمایا اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى فِيْ اٰزَلٰى فِیْصَلٰہُ رَسٰلًا تَهَا س لَئِیْ لَہُمْ فَرَمٰی۔

وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الدِّينِ ظَلَمْتُمْ اِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۷﴾
 اور ظالموں کے حق میں مجھ سے کلام نہ کرنا (یعنی ان کو بجانے کی مجھ سے دعانہ کرنا) کیونکہ بلاشبہ وہ غرق کئے جانے والے ہیں۔
 فَإِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَرَجُلٌ مَّعَكَ عَلَى الْفُلِّ فَحَمِدْ لِلّٰهِ الَّذِيْ فُجِّنَا مِنْ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾
 پھر جب تم اور تمہارے ساتھی بیٹھ چکیں تو کہنا اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو کافر

لوگوں (کے افعال اور ایذاؤں) سے نجات دی۔

وَقُلْ رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور (یہ بھی) کہنا کہ اے میرے رب مجھے (زمین پر) برکت کے ساتھ اتارنا اور تو سب اتارنے والوں سے اچھا ہے۔ رب انزلنی حضرت مفسر نے فرمایا سوار ہونے کے بعد کشتی میں اور اترنے کے وقت زمین میں۔ منزلا مبارکاً برکت کا اتارنا، کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا اور زمین میں اترنے کے با برکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا مترجم) اور نسل و رزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایماء ہے کہ حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْنِي نُوْحٍ اَوْرَانِ كِي قَوْمِ كِي قِصِہٖ مِي۔
اس (واقعہ مذکورہ) میں بہت سی نشانیاں ہیں۔
اور (یہ نشانیاں بیان کر کے ہم اپنے بندوں کو) بلاشبہ آزمانے والے ہیں۔

فہی ذلک یعنی نوح اور ان کی قوم کے قصہ میں۔
لایت بلاشبہ بڑی نشانیاں ہیں جو اللہ کی قدرت کاملہ کو ثابت کرتی ہیں اور ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ مومنوں پر مہربانی کرتا ہے اور کافروں پر غضب نازل فرماتا ہے اس قصہ کے اندر درس عبرت ہے اہل نظر کے لئے۔

وَإِنَّ كِتَابَ لَمُبْتَلِينَ ان محقق ہے اصل میں ان تھا یعنی ہم یقیناً قوم نوح کو مصائب میں مبتلا کرنے والے تھے یا اپنے بندوں کی آزمائش کرنے والے تھے بعض مفسرین کے نزدیک ان نافیہ ہے اور لمبتلین میں لام بمعنی الایہ یعنی نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجنا اور ان کا وعظ و نصیحت کرنا اور کسی غرض سے نہ تھا مگر اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ہم کو نوح کی قوم کی جانچ کرنی تھی ان کو آزمانا تھا ان کا امتحان لینا تھا کہ نزول عذاب سے پہلے ان کا عمل کیا ہوتا ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمًا آخَرِينَ ﴿۱۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ

(ہم نے ان کو غرق کر دیا) ان کے بعد پھر ایک اور قوم کو پیدا کیا اور ان کے اندر انہی میں سے ایک شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ قرنا آخرین سے مراد ہے قوم عادی یا قوم نمود۔ بقول بغوی اول زیادہ مناسب ہے (کیونکہ قوم نوح کے بعد قوم عاد ہی پیدا ہوئی جس کی ہدایت کے لئے اللہ نے رسول کو بھیجا تھا)

اگر عاد مراد ہو تو رسول سے حضرت ہو ڈر مراد ہوں گے اور ثمود مراد ہو تو رسول سے مراد حضرت صالح ہوں گے۔ منہم کا یہ مطلب ہے کہ رسول انہی کی قوم سے تھا جس کی سچائی اور خوش رفتاری سے سب لوگ واقف تھے اور سب کو اس کے سچا اور نیک ہونے کا اقرار تھا۔

أَنۡ اَعْبَدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيْرُهُۥ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾
بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں سو کیا تم (اس کے عذاب سے) نہیں ڈرتے (کہ دوسروں کی پوجا کرتے ہو)۔

وَقَالَ الْمَلَأَمِنۡ قَوْمِهِۦ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِآيٰتِنَا ۗ اَلْاٰخِرَةُ وَآتَرَفُنٰهُمۡ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ مَا هٰذَا اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

اور (پیغمبر کی یہ بات سن کر) ان کی قوم میں جو سردار تھے جنہوں نے کفر کیا تھا اور قیامت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور دنیوی زندگی میں ہم نے ان کو عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ یہ تو تمہاری طرح ایک معمولی آدمی ہے۔

بلقاء الاخرہ یعنی قیامت اور قیامت کے عذاب و ثواب کے منکر تھے۔

انرفنہم ہم نے ان کو خوش عیش بنایا تھا، مال و ولولاد کی کثرت عطا کی تھی۔
منلکم تم جیسا ہے یعنی انسانی احوال و لوصاف میں تمہاری طرح ہے۔

جو تم کھاتے ہو وہی یہ بھی کھاتا ہے

يَاكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۱۷﴾

اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتا ہے (یعنی تمہاری طرح کھانا کھانے اور پانی پینے کا ضرور تمند ہے)۔

اور بخدا اگر تم اپنے جیسے آدمی

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشْرًا مِثْلَ مَا كَفَرْتُمْ إِذَا الْخَسِرُونَ ﴿۱۸﴾

کے (کہے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقیناً اس وقت کھانے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار بنو گے اور خود اپنے کو ذلیل کرو گے وہ لوگ عجیب یہ قوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے ذلیل ہونے کا مظاہرہ کرتے تھے۔

کیا یہ شخص تم سے

أَيُّدُكُمْ أَنْتُمْ إِذْ آمَنْتُمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظًا مِمَّا أَنْتُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۱۹﴾

کتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور خاک اور (بلا گوشت پوست کی خالی) ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ زندہ کر کے زمین سے) نکالے جاؤ گے۔

ایعدکم میں استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں کتنا چاہئے یا سوال تقریری ہے یعنی یہ ضرور ایسا کہ رہا ہے۔ نبوت پر جو

انہوں نے طنز کیا تھا اس کو بچتہ کرنے کے لئے کافروں نے یہ بات کہی (کہ یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے یہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا احقانہ عقیدہ رکھتا ہے) کیا مقولہ سابقہ کی علت ہے پہلے انہوں نے کہا کہ اپنے جیسے آدمی کی اگر اطاعت کرو گے تو کھانا پاؤ گے اس کا ثبوت یہ پیش کیا کہ یہ وقوع قیامت کا قائل ہے (دنیا کے سارے عیش میں خلل ڈالنا چاہتا ہے اس کی بات کو ماننے سے اس زندگی میں خسارہ ہی اٹھانا پڑے گا)۔

بمبت ہی بعید اور بمبت ہی بعید (از عقل) ہے جو بات تم سے

هِيَ هَاتِ هِيَ هَاتِ لِمَا تُوْعَدُونَ ﴿۲۰﴾

کہی جا رہی ہے (اور جس سے تم کو ڈر لیا جا رہا ہے)۔

لما توعدون مبتدا محذوف کی خبر ہے (یعنی سچائی یا عقل سے) یہ دوری اس چیز کی ہے جو تم سے کہی جا رہی ہے۔ یا لام

زائد ہے اور ما توعدون ہیہات کا فاعل ہے اور ہیہات بمعنی ماضی ہے) بعض کے نزدیک ہیہات مصدر ہے یعنی دوری ہے اس بات کی جو تم سے کہی جا رہی ہے۔

یہ زندگی اور کچھ نہیں سوائے اس دنیوی زندگی کے حیات دنیا یعنی وہ زندگی جس

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

میں ہم ہیں اور جو ہمارے قریب ہے (دنو کا معنی ہے قرب۔ دنیا مؤنث ادنیٰ کا ہے اور ادنیٰ اسم تفضیل ہے و نون مادہ ہے مترجم)۔

ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے (رہتے) ہیں اور ہم (دوبارہ

نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۲۱﴾

زندہ کر کے) اٹھائے نہیں جائیں گے۔ یعنی ہم میں سے کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے بغوی نے کہا دوبارہ زندگی کے وہ لوگ

منکر تھے اس لئے نغیا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب زندہ ہوں گے بلکہ کلام میں تقدیم تاخیر سے یعنی ہم تم سب پیدا ہوتے ہیں پھر

مر جاتے ہیں۔ یہ مطلب اس وقت ہو گا کہ نموت اور نغیا سے مراد ہوں سب آدمی (لیکن اگر بعض کا مرنا اور بعض کا پیدا ہونا مراد

ہو تو اس تاویل کی ضرورت نہ ہوگی۔ مترجم)

میں کتا ہوں اگر سب ہی لوگ مراد ہوں تب بھی بغوی کی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ واؤ فقط عطف اور جمعیت کو

ظاہر کرتا ہے (ترتیب پر بقول احتاف دلالت نہیں کرتا پس مطلب یہ ہو گا کہ ہم سب مرتے جیتے رہتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں

کہ ہم مر جائیں گے پھر دوبارہ زندہ ہوں گے۔ اِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ وَعَلَى اللَّهِ كَيْدٌ بَا وَمَا نَحْنُ لَكَ

بِمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲﴾ یہ شخص (جو اللہ کی طرف سے رسول ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور وقوع قیامت کا قائل ہے) جھوٹا

ہے اس نے اللہ پر دروغ بندی کی ہے اور ہم تو اس کی بات کا یقین کرنے والے نہیں ہیں یہ جملہ مَا هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِثْلَكُمْ کی

تاکید ہے۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بَعْدُونَ ﴿۵﴾
کی (اب) تو میری مدد فرما اور ان پر عذاب نازل کر یعنی میرا انتقام لے۔

اللہ نے فرمایا کچھ ہی وقت کے بعد یہ لوگ ضرور پشیمان ہوں گے۔
قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۶﴾

عماسیں مازاندے جو مفہوم قلت کی تاکید کر رہا ہے یا نکرہ ہے اور قلیل اس کی صفت ہے یعنی تھوڑے وقت کے بعد مراد یہ ہے کہ جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور ایسا عنقریب ہو جائے گا تو ضرور پشیمان ہوں گے۔

فَاتَّخَذَتْهُمْ السُّبْحَةَ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ عُنُتًا ﴿۷﴾
موافق (دعدہ) حق کے آپڑا اور پھر ہم نے خس و خاشاک (کی طرح پامال) کر دیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صبحہ سے مراد ہے ہلاکت قاموس میں ہے صبحہ اور صیاح سخت چیخ۔ صبح بہم ان کو گھبرا دیا گیا۔ صبح فیہم وہ ہلاک ہو گئے اور صبحہ عذاب کو بھی کہتے ہیں۔

اگر قرنا آخرین سے قوم عاد مراد ہو تو صبحہ سے مراد ہوگا عذاب اور اگر یہ قصہ ثمود کا ہے تو صبحہ سے مراد ہوگی چیخ۔ سورہ اعراف کی تفسیر میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ آسمان سے ایک چیخ سنائی دی اور ہر چیز سے ایک چیخ نکلی اور بادل کا کڑکا بھی ہوا جس سے سب کے دل پھٹ گئے (قوم عاد پر چیخ کا عذاب نہیں آیا تھا بلکہ طوفان ہوائی آیا تھا جس کے جھکڑ سات دن تک مسلسل جاری رہے اور سب ہلاک ہو گئے اس لئے اگر آیت مذکورہ میں عاد کا قصہ بیان کیا گیا ہے تو صبحہ سے مراد چیخ نہ ہوگی عذاب مراد ہوگا۔)

”ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا“ یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہ کر آجاتا ہے۔ ہم نے اس کوڑے کی طرح ان کو کر دیا۔ جو شخص ہلاک ہو جائے، عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال بہ الوادی۔ نالا کا سیلاب اس کو بہا لے گیا۔

قَبْعَدُ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۸﴾
سو خدا کی مار کافر لوگوں پر۔
بعد وہ ہلاک ہو گیا۔ بعد مصدر ہے۔ جملہ یا خبریہ ہے ہلاکت ہو گئی ان کافروں کی۔ یا انشائیہ دعائیہ، ہلاکت ہو ان کافروں کی۔ للقوم الظالمین قائم مقام فاعل کے ہے اور بعد مصدر ہے فعل کے قائم مقام اور لام زائد ہے یا مصدری معنی کو قوت پہنچانے کے لئے لایا گیا ہے۔

نُفِثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۹﴾
جیسے قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب وغیرہ۔
پھر قوم عاد کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۱۰﴾
(ہلاکت کے) مقررہ ميعاد سے پہلے ہلاک ہو سکتی تھی نہ مقررہ وقت ہلاکت سے پیچھے (باقی لڑہ سکتی تھی۔ یعنی ہلاکت کا جو وقت مقرر تھا نہ اس سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے نہ وقت مقرر کے بعد زندہ رہ سکتی تھی۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا ﴿۱۱﴾
پھر ہم نے ان کے پاس اپنے پیغمبروں کو (ہدایت کے لئے) پے در پے بھیجا۔

تتر اصل میں وتر تھا وتر اتر سے مشتق ہے۔ وتر (طاق) شفع (جفت) کی ضد کو کہتے ہیں۔ تو اتر اور مو اترہ چیزوں کا پے در پے یعنی ایک کے بعد دوسرے کا اور دوسرے کے بعد تیسرے کا انا اور بغیر کسی اجتماعیت کے تسلسل قائم ہوتا۔

قاموس میں ہے تو اتر پے در پے ہونا۔ (بغیر کسی انقطاع و خلا کے) یا مع انقطاع کے۔ و اتر مو اترہ و و تار ایک کے پیچھے

دوسرا آیا، کیونکہ موافقت میں الاشیاء اسی وقت ہوتی ہے جب ان چیزوں کے درمیان اتطاع ہو۔

حضرت مفسر نے فرمایا مراد یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اشیاء میں تو اترا اسی وقت ہوگا جب ان کے درمیان اتطاع ہو (اتصال والتصاق نہ ہو) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے لا باس بقضاء رمضان قترا رمضان کے جو روزے ناغہ ہو گئے ہوں ان کو متفرق طور پر ادا کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ کذانی التہایئہ۔ اصحیحی نے کہا واترت الخبر اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک کے پیچھے دوسری خبر دی جائے اور دونوں کے درمیان کچھ وقفہ ہو۔
میں کہتا ہوں اسی وجہ سے خبر متواتر اس خبر کو کہتے ہیں جو الگ الگ اتنی اسناد اور اتنے راویوں سے منقول ہو جن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا ممکن ہو۔

ثم ارسلنا کا عطف ثم انشانا پر ہے اس میں جمع کا جمع سے مقابلہ ضرور ہے مگر اس طور پر کہ ایک جمع کی اکائی کو دوسری جمع کی اکائی کے ساتھ ملا دیا جائے گویا مطلب اس طرح ہوا۔ پھر ہم نے ایک قوم پیدا کی پھر اس کی ہدایت کے لئے ایک رسول کو بھیجا، پھر ہم نے دوسری امت پیدا کی اور اس کی ہدایت کے لئے پھر دوسرا نبی بھیجا۔ اسی طرح آگے اس توضیح کے بعد معنی میں کوئی بگاڑ نہیں ہوگا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ہم نے کچھ اقوام کو پیدا کیا پھر ان کے بعد کچھ پیغمبروں کو بھیجا۔
كَلَّمَا جَاءَ أُمَّةً سُرَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثًا فَبِعَدَا الْقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

جب کبھی کسی امت کے پاس ان کا رسول (ہدایت کے لئے) آیا تو انہوں نے رسول کو جھٹلایا سو ہم نے بھی (ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا اور ان کو کہانیاں بنا دیا پس خدا کی مار بے ایمان لوگوں پر۔
رسول کے ساتھ اگر بھیجنے کا ذکر ہو تو بھیجنے والے کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے۔ (جیسے ہم نے اپنا رسول بھیجا) اور اگر رسول کے ساتھ پہنچنے اور آنے کا ذکر ہو تو جن کی طرف رسول کو بھیجا جاتا ہے ان لوگوں کی طرف رسول کی نسبت کی جاتی ہے (جیسے اللہ کا رسول اولیٰ کی مثال میں اور قوم ثمود کا رسول دوسرے کی مثال میں کہا جاسکتا ہے) بھیجنا مبداء ہے اس لئے مرسل کی طرف نسبت ہونی چاہئے اور پہنچنا مہتما ہے اس لئے مرسل الیہم کی طرف نسبت ہونی چاہئے۔
کذبوہ یعنی اکثر لوگوں نے تکذیب کی اکثر کے لئے حکم کل کا ہوتا ہے اس لئے سب کی طرف نسبت تکذیب کر دی (باوجودیکہ بعض ایمان لانے والے بھی تھے)۔
فاتبعنا بعضہم بعضا یعنی جس طرح پیغمبروں کو ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا اسی طرح امتوں کو بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کر دیا۔

وجعلنہم احادیث اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔
احادیث، احدوۃ کی جمع ہے۔ احدوۃ وہ قصہ ہے جس کو لوگ دل بہلانے کے لئے تعجب کے ساتھ پڑھتے اور بیان کرتے ہیں۔ انہیں نے کہا یہ یعنی لفظ احدوۃ اور احادیث کا استعمال شر کے موقع پر ہوتا ہے اور خیر کے موقع پر یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم نے ان کو احادیث بنا دیا بلکہ یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص حدیث (ایک افسانہ یا واقعہ) ہو گیا۔
بعض نے کہا احادیث حدیث کا اسم جمع ہے احادیث النبی ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں) کہا جاتا ہے۔
فبعدا القوم لایؤمنون یعنی جو لوگ پیغمبروں پر ایمان نہیں لاتے اور ان کو سچا نہیں جانتے ان پر خدا کی مار وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ لَا بَايِنَتْنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۱۷﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَأَسْتَكَبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۱۸﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیات

اور کھلی ہوئی دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا سو انہوں نے (ماننے اور تصدیق کرنے سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر۔

سلطن مسبین کھلی دلیل جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطن مسبین سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا اسی لئے اس کو مستعل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوئے تھے۔ مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادو گروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے انکو یہ لاکھی نکل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا، اسی کی ضرب سے پتھر سے چٹھے جاری ہو جاتے تھے، یہ بڑا ڈر کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد معجزات ہوں، یا دونوں سے مراد معجزات ہوں۔ یہ سب نشان نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھے۔ (عام اہل تفسیر کے نزدیک آیات سے مراد نو معجزات نہیں بلکہ احکام مراد ہیں ہنرمم) عالین یعنی وہ لوگ مغرور تھے لوگوں پر جبر اور ظلم کیا کرتے تھے۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَادُونَ ﴿۳۵﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۳۶﴾

چنانچہ (باہم) کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کو پیغمبر مان لیں، حالانکہ ان کی قوم والے لوگ (سب کے سب) ہمارے زیر حکم ہیں اس غرور کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے موسیٰ و ہارون کو جھوٹا قرار دیا اور ہلاک کردہ (قوموں) میں سے ہو گئے۔

انوس میں استفہام انکاری ہے یعنی ان دونوں کی فضیلت اور نبوت کو ہم تسلیم نہیں کریں گے اور ان کی تصدیق نہیں کریں گے۔ لبشرین بشر کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے جیسے آیت قَتَمَثَلِ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا میں اور جمع پر بھی اطلاق ہوتا ہے جیسے آیت فَاِمَّا نَرِيَنَّ مِنَ الْبَشَرِ اٰحَدًا مِّنْ۔

مثلاً لفظ مثل کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور دو پر بھی اور بہت پر بھی اور مذکر پر بھی اور مؤنث پر بھی۔ وقومہما قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ لنا عبدون ہمارے خدمت گزار ہیں زیر حکم ہیں عرب لوگ ہر اس شخص کو عابد کہہ دیتے ہیں جو کسی کا خدمت گزار ہو۔

من المہلکین یعنی غرق کر دیئے گئے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّكُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۵﴾ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) عطا کی تاکہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) سیدھا راستہ پالیں (یعنی ان کو اللہ کے احکام معلوم ہو جائیں اور معرفت کا راستہ پالیں)۔ لعلہم کی ضمیر بنی اسرائیل کی طرف راجع ہے قوم فرعون کی طرف راجع نہیں ہے کیونکہ قوم فرعون کے ڈوبنے کے بعد توریت کا نزول ہوا تھا۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّةً

اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کو اور ان کی ماں (مریم) کو ایک بڑی نشانی بنایا۔ نشانی بنانے سے مراد ہے بغیر باپ کے پیدا کرنا اور یہ نشانی دونوں کی ایک ہی تھی اس لئے لفظ آیتہ بصیغہ واحد ذکر کیا۔ یا یوں کہا جائے کہ ابن مریم کے بعد لفظ آیتہ محذوف ہے یعنی ہم نے ابن مریم کو نشانی بنایا کہ انہوں نے شیر خوار ہونے کی حالت میں جب کہ پالنے میں تھے بات کی اور ماں کی پاک دامنی ظاہر کی اور دوسرے معجزے ان سے ظاہر ہوئے۔ اور ان کی ماں کو بھی نشانی بنایا کہ بغیر مرد کی قربت کے ان کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوا۔

اٰیةً وَاَوْيٰنُهُمَا اِلٰی رَبْوَةٍ ذَاتِ قَدْرٍ اِمَّا مَوْجِنٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو (بوجہ اونچ اور میوہ جات کے) مہرنے کے قابل اور شاداب جگہ تھی۔

ربوہ زمین میں اونچی جگہ، حضرت عبد اللہ بن سلام نے فرمایا۔ یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول

ہے۔

ضحاک نے کہا غوطہ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا (ابوہ سے رملہ مراد ہے عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے کیونکہ یہودی بادشاہ ہیرودس جب حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے درپے ہو گیا تھا تو حضرت مریم اپنے بچہ کو لے کر مصر چلی گئی تھیں۔ مترجم) سدی کے نزدیک فلسطین کی سر زمین مراد ہے۔

ذات قرار قرار والی، ہموار زمین جس پر رہنے والے ٹھہر سکیں۔

بعض نے کہا پھلوں اور لہاج والی زمین جس کی وجہ سے لوگ وہاں رہ سکیں۔ معین جاری پانی۔ معن الماء پانی بننے لگا۔ یا معین ماعون سے بنا ہے اور ماعون کا معنی ہے نفع پانی بھی بڑی کام کی چیز ہے۔ یا معین عان کا اسم مفعول ہے عان کا معنی ہے آگھ سے دیکھا ربوہ بھی اونچی زمین تھی (دور سے) آنکھوں سے دیکھی جاسکتی تھی۔

اے پیغمبر و حلال چیزیں

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا

کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

طیبت سے مراد ہیں حلال چیزیں اور امر و جوہ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ حرام چیزیں نہ کھاؤ (اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حلال چیزیں کھاؤ یعنی کل حلال چیزیں کھانے کا حکم و جوہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ حرام چیزیں نہ کھاؤ مترجم) یا لذیذ مباح چیزیں مراد ہیں اس وقت امر اباحت اور سہولت پیدا کرنے کے لئے ہو گا اس سے رہبانیت اور ترک لذات کی تردید ہو جائے گی۔

بعض نے کہا اس سے حلال صاف توام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنادے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے اور توام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گزشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یا ایہا الرسول سے خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا کہ صیغہ جمع سے خطاب رسول اللہ ﷺ اور علمائے امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزیں ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا۔ تاکہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی

ل غوطہ نشینی زمین گڑھا۔ غوطہ دمشق کے قریب ایک شہر کا نام ہے (مجمع البحار) یہ بھی مجمع البحار کے مؤلف نے بیان کیا ہے کہ غوطہ دمشق ان باغوں اور چشموں کو کہا جاتا ہے جو شہر کے گرد آگرو ہیں۔

بیروی کریں۔ بیان قصہ کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا جائے۔
 اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۱۷﴾
 جزاؤں کا۔

اور یہ ہے تمہارا
 قِرَانَ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا سَابِقُكُمْ فَاَتَقُوْنَ ﴿۱۷﴾
 طریقہ۔ ایک طریقہ اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو (میری ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ بناؤ اور نہ میری نافرمانی
 کرو۔ مترجم)۔

امستکم یعنی تمہاری ملت اور شریعت جس پر تم سب قائم ہو۔
 امة واحده ایک طریقہ یعنی اسلام عقائد اور اصول اعمال (اور بنیادی دستور) میں سب کا ایک طریقہ ہے۔ فرعی اعمال
 میں حسب حکم خداوندی زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے اختلاف ہے اور منسوخ کو چھوڑ کر ناسخ پر عمل ضروری ہے۔
 فاتقون سیبہ ہے یعنی میں چونکہ تمہارا رب ہوں اس لئے مجھ سے ڈرو۔

سو لوگوں نے اپنے
 فَتَقَطَّعُوا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا لَكَا بِيَهُمْ فِرْحُوْنَ ﴿۱۷﴾
 دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں۔ یعنی جن
 لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے
 کر کے اصولی اختلاف دین بنالیا اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کو اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق
 کرتا رہا یہ ہر زمانے میں الٰہی حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے۔ دوسرے انبیاء و احکام کا انکار کر دیا۔
 جیسے یہودی اور عیسائی اور صابی بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بت پرست مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت
 میں ہو گا جب تقطعوا کو قطعوا کے معنی میں مانا جائے (تفضل بمعنی تفعیل آتا ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ اسرہم سے
 پہلے حرف جر (فی) محذوف ہو۔ اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ وہ دین کے معاملہ میں پارہ پارہ ہو گئے گروہ گروہ بن گئے اور
 ایک دین کے انہوں نے بکثرت دین بنا لئے۔

تقطعوا اور اسرہم اور بینہم کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہیں جن کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ مثلاً
 حضرت نوح کی قوم کے متعلق فرمایا تھا۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ بِاٰنْشَاٰتَا فَرُوْنَا فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رُسُلَنَا تَتْرٰی۔
 زبر اگر وہ گروہ فرقہ فرقہ ٹکڑے ٹکڑے زبر زبور کی جمع ہے۔ زبور کا معنی ہے ٹکڑا فرقہ زبر الحدید لوہے کے ٹکڑے۔
 بعض علماء نے زبرا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبرت الکتاب میں نے جلی حروف میں کتاب لکھی ہر جلی موٹے حروف
 کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن
 انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔

بما لدیہم جو کچھ ان کے پاس تھا یعنی جو دین ان کے پاس تھا یا جو نفسانی خواہش ان کی تھی۔

فرحون اتراتے ہیں اپنے دین کو حق سمجھتے ہیں اسی پر مغرور ہیں۔

فَكَذَّبُوْنٰ فِيْ عَمْرٰتِهِمْ حَتٰیٰ حَبِيْنٌ ﴿۱۷﴾
 سو آپ ان کو اسی جہالت میں ایک خاص وقت تک رہنے

دیتے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا عمرہ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ
 جاننے کے جانے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا
 ہو جاتا ہے۔

حتیٰ حسین ایک خاص وقت تک یعنی وقت موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔

أَيَسْتَبُونَ أَتَمَّا مَدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنَيْنَ ۖ لَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ طَبْلٌ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۵۱﴾

کیا ان لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی زیادہ فائدے دے رہے ہیں (ایسا ہرگز نہیں ہے) بلکہ (اس کی وجہ کا) ان کو احساس نہیں ہے۔ یعنی جو لوگ اپنی گمراہی میں خوش ہیں اور پیغمبروں کا فرمان نہیں مانتے ان کو جھوٹا جانتے ہیں اور جو کچھ ہم ان کو مسلسل دیتے چلے جاتے ہیں اور مال و اولاد کی مدد پہنچا رہے ہیں اس سے ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں اس عطاء میں ان کی بھلائی ہے عزت افزائی ہے اور ان کے اعمال کی جزا ہے اور اللہ ان سے خوش ہے ایسا ہرگز نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں ان میں نہ دانش ہے نہ شعور۔

حسن بصری نے فرمایا مومن نیکی بھی کرتا ہے اور پھر ڈرتا بھی رہتا ہے اور منافق بدی کرتا ہے اور پھر بے فکر بھی رہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۳﴾

بے شک جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ آیات سے مراد ہیں قرآنی آیات جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں یا وہ نشانیاں مراد ہیں جو توحید کو ثابت کر رہی ہیں۔

یومنون ایمان رکھتے ہیں یعنی نشانیاں اور آیات سے جس چیز کا اظہار ہوتا ہے اس کو مانتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرک جلی کرتے ہیں۔ نہ شریک خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدت مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جاسکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ ۚ أَنَّهُمْ إِلَىٰ سَبِيلِهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۵۵﴾

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) جو کچھ دیتے ہیں ایسی حالت میں دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔

ما آتوا یعنی جو کچھ خیر خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ یہ آیت یونون ما آتوا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کار خیر کرنا مراد ہے)۔

وجلة ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچانہ سکے۔

اِنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یہ کلام سابق کی علت ہے لام (علیہ) محذوف ہے یعنی ان کے دل خوف زدہ رہتے ہیں اس وجہ سے کہ ان کی واپسی اللہ کے پاس ہوگی یا من محذوف ہے یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہیں حسن بصریؒ نے فرمایا وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت والذین یوتون ما اتوا وقلوبہم وجلۃ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا (کیا) یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ طاعت نامقبول نہ ہو جائے یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

یہی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ والذین یوتون ما اتوا وقلوبہم وجلۃ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرنا شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ یہ لوگ (البتہ) اپنے فائدے

جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور بھلائیوں کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر خیرات حسن سلوک) اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا۔ جیسا آیت فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحَسُنَ ثَوَابُ الْآخِرَةِ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مومن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مومن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وہم لہا سبقون یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لہا سبقون میں لام بمعنی الی ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لمانہوا عنہم میں امام بمعنی الی ہے اسی وجہ سے کلمہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔

وَلَا تُكَلِّمُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاَلَّا يَنْتَقِبُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۷﴾

اور ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کا حکم نہیں دیتے (پس جتنے احکام شرعی ہیں سب انسان کی وسعت کے اندر

ہیں ناقابل برداشت نہیں ہیں) اور ہمارے پاس ایک دفتر (نامہ اعمال کا) محفوظ ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتا دے گا اور کسی پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

یعنی وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں وہ اپنی خوش دلی اور طبیعت کی رغبت کی وجہ سے دوڑتے ہیں اور ہم نے ان کو برداشت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیا ہم کسی کو وسعت سے بڑھ کر کام کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ ولدینا کتب اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے کتاب سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا اعمال ناموں کا رجسٹر بنطق بالحق جو ٹھیک ٹھیک بولے گی یعنی بتائے گی کہ تمام اعمال اس میں درج ہیں، موجود ہیں، ہم ان میں سے کسی کو ضائع نہیں کریں گے۔ سب کا ثواب دیں گے۔ وہم لا یظلمون اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، نہ نیکیوں میں کمی کی جائے گی۔ نہ گناہوں میں زیادتی۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا
بلکہ ان کے دل اس (دین) کی طرف سے جمالت (اور شک) میں پڑے ہوئے ہیں۔

غمرہ چھا جانے والی غفلت۔

من هذا یعنی عدم شعور سے بھی پس وہ دین کا شعور نہیں رکھتے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ شعور نہیں رکھتے (جاہل مرکب ہیں) یا یہ مطلب ہے کہ نفس شعور سے غافل ہیں نہ اب جانتے ہیں نہ آئندہ سمجھیں گے چھا جانے والی غفلت کی وجہ سے ان میں شعور کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

یایہ مطلب ہے کہ وہ اس امر سے بالکل غافل ہیں کہ انہوں نے اللہ کے پسندیدہ دین کو چھوڑ دیا ہے اور دین کو بدل کر فرقے فرقے بن گئے ہیں اور اپنی خواہش کے موافق دین اختیار کر رکھا ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس قرآن سے غافل ہیں یا اہل ایمان کے محاسن کمالیہ سے غافل ہیں یا اعمال ناموں کے رجسٹر سے غافل ہیں۔

وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰلِمُونَ ﴿۱۷﴾
اور اس کے علاوہ ان کے اور بھی (برے) اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں۔

من دون ذلک اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ شرک اور کفر کے سوا ان کی بد اعمالیاں اور بھی ہیں دوسرا مطلب یہ کہ مومنوں کے جو اوصاف و اعمال ہیں کافروں کے اعمال ان کے علاوہ اور ان سے ہٹ کر ہیں۔

عملوں کرتے رہتے ہیں ان اعمال کے عادی ہیں۔

حَتّٰی اِذَا اَخَذْنَا مَثَرًا لَّهُمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْعَلُونَ ﴿۱۷﴾
یہاں تک کہ جب ان کے خوش حال لوگوں کو (مرنے کے بعد) ہم عذاب میں دھڑ پکڑیں گے تو فوراً وہ چلا اٹھیں گے۔ متر فیہم ان میں کے خوش عیش، آرام میں پڑے ہوئے لوگ۔ بالعذاب ابن جریر نے بوساطت ابن جریج حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ العذاب سے مراد ہے بدر کی لڑائی میں قتل ہونا۔ ضحاک نے کہا وہ قحط مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر پڑا تھا۔ حضور نے بددعا میں فرمایا تھا اے اللہ اپنی روندھ مضر (قریش کتناہ وغیرہ) پر سخت کر دے اور ان پر یوسف کے زمانہ کے کال کی طرح (سات سال کا) قحط ڈال دے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ کتوں کو اور مردار کو اور جلی ہوئی ہڈیوں کو بھی کھا گئے۔ یہ بددعا صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آئی ہے۔

جسٹر دہائی دینا چیخ پڑنا حتیٰ کا ما قبل ما بعد والے کلام کا سبب ہوتا ہے یہاں بھی کافروں کی غفلت ان کے ہلاک ہونے اور چیخ پڑنے کی علت ہے۔

لَا تَجْعَلُوا الْيَوْمَ لَنَا مِثْلَ الَّذِي فَجَرْنَا لَكُمْ ﴿۱۷﴾
اب مت چلاؤ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہیں ہوگی۔ یعنی ان سے کہا جائے گا کہ اب مت چلاؤ تم کو چلانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور نہ ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد

ہوگی اور ہماری مدد کے بغیر عذاب سے تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا۔

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي نَشْرًا عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿۱۷﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ﴿۱۸﴾ بِسْمِ اللَّهِ تَهْتَجُونَ ﴿۱۹﴾

میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جایا کرتی تھیں تو تم اٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے (اس قرآن کی شان میں) بیہودہ بکتے ہوئے۔ نکوص اٹے پاؤں پلٹنا یعنی تم پشت پھیر کر منہ موڑ کر چل دیتے تھے عمل تو کیا اس کو مانتے بھی نہ تھے سنتے بھی نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے سے اور ان پر ایمان لانے سے تمہارا غرور روکتا تھا تم دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے۔

بہ حرم کی وجہ سے بہ کی ضمیر حرم کی طرف راجع ہے اگرچہ حرم کا لفظ مذکور نہیں ہے کیونکہ حرم والے ہونے کی وجہ سے ان کا غرور مشہور تھا۔ اس لئے مرجع کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ قریش کہا کرتے تھے ہم اہل حرم ہیں۔ خانہ خدا کے پڑوسی ہیں ہم کسی سے نہیں ڈرتے ہم پر کوئی غالب نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت نے یہی تفسیر کی ہے۔ بعض علماء قائل ہیں کہ آیات کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ آیات اگرچہ جمع مؤنث ہے لیکن بمعنی کتاب ہے اس لئے واحد مذکر کی ضمیر ذکر کر دی گئی۔ اس صورت میں ب سیبہ ہوگی کیونکہ ان کے اندر مسلمانوں پر اپنی فوقیت کا غرور قرآن سننے کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔

سمرا سمر کا مطلب ہے رات کو داستان قصے کہانیاں کہنا یعنی رات کو کہنے کے گرد گرد اپنے اپنے جلسوں میں قصے کہانیاں کہتے رہتے ہو (اور قرآن سننے سے تکبر کرتے ہو) سامر اسم جمع ہے جیسے باقر اور حامل (اس جگہ جمع مراد ہے کیونکہ سامرا مستکبرین کے فاعل سے حال ہے اور مستکبرین جمع کا صیغہ ہے) ہم سہار بھی کہا جاتا ہے اور ہم سامر بھی کذافی النہایت حدیث قیلہ میں آیا ہے اذ جاء زوجها من السامر جب اس اک شوہر ان لوگوں کے پاس سے آیا جو قصے کہانیاں کہنے میں مشغول تھے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے سمر اسم اور سمور اُپید لربا۔ ہم السمار والسامرہ اور سامر اسم جمع ہے۔ سمر رات رات کی کہانیاں چاندنی، تاریکی، زمانہ، بیضاوی نے لکھا ہے سامر بروزن فاعل اصل میں مصدر ہے جیسے عافیت، بعض کے نزدیک سامر مفرد ہے لیکن محل جمع میں آسکتا ہے جیسے طفل اطفال کے بجائے مستعمل ہے آیت میں آیا ہے یختر حکم طفلا یعنی اطفالاً۔ بعض نے کہا سامر تاریک رات کو کہتے ہیں اور یہاں یہی معنی مراد ہے اس تفسیر پر سامر اطرف ہوگا یعنی فی السامر یعنی رات میں تم اپنے قصوں میں مشغول ہوتے ہو اور قرآن سننے سے تکبر کرتے ہو۔

تہجرون ہجر کا معنی ہے نش بکنا، بری باتیں کہنا، یا یہ لفظ ہجر سے مشتق ہے اور ہجر کا معنی ہے کٹ جانا کتر جانا یا بیہودہ کہو اس کرنا۔ یعنی تم قرآن سے کٹ جاتے ہو کترتے ہو یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں یا قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے ہو ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ قریش کہتے تھے کہ گرد گرد رات کو قصے کہانیاں تو کہتے تھے مگر طواف نہیں کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت مستکبرین بہ سمرا تہجرون نازل ہوئی۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ﴿۲۰﴾ کیا ان لوگوں نے اس کلام الہی میں غور نہیں کیا۔ استنہام انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے۔ القول سے مراد ہے قرآن مجید الف لام عمدی ہے یعنی وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ نے پیش کیا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے تو قرآن پر خوب غور کر دیکھا ہے اور اس کے مقابلے کی بھرپور کوشش بھی کر لی ہے اور ایک چھوٹی سورت کی مثل بھی بناسکے ہیں جس سے قرآن کا اعجاز ان پر واضح ہو گیا ہے اور یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

أَمْ جَاءَهُمُ الْقُرْآنُ بِالرِّبَا أَمْ جَاءَهُمُ الْقُرْآنُ بِالزُّبُرِ ﴿۲۱﴾ یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی۔ ام بمعنی بل ہے اور استنہامی ہمزہ، انکاری ہے پورا مطلب اس طرح ہوا بلکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آئی جو ان

کے لول بزرگوں کے پاس نہ آئی ہو بلکہ وہی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں (حضرت ابراہیم) حضرت اسماعیل اور ان کے اس آجلی ہے۔ یعنی نبوت اور کتاب ان کے اعلیٰ مورثوں کے پاس بھی آچکی ہے اور محمد ﷺ کے پاس بھی اللہ نے بھیجی۔ قریش کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی نبوت کا اقرار تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی انہی کی طرح تھے لہذا کوئی ناممکن (نئی) بات نہیں ہوئی۔

آمَلَكُمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۱۷﴾
 یا یہ لوگ اپنے رسول ﷺ کو پہچانتے نہیں پس (کیا وجہ ہے کہ) ان کے منکر ہیں۔ یعنی بچپن سے بڑے ہونے تک ہمیشہ جانتے رہے ان کے نسب کو لامنت داری سچائی، حسن اخلاق، تہذیب، ادب ایقائے وعدہ کمال علمی اور کسی انسان سے تعلیم حاصل نہ کرنے سے بھی واقف رہے کذا قال ابن عباس۔ خلاصہ یہ کہ جب وجود مذکورہ میں سے انکار کی کوئی ایک وجہ بھی موجود نہیں تو پھر انکار کرنا جائز ہے۔

آمَلِعُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ
 یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو جنون ہے یہ بھی ام مقلعہ سے مطلب یہ ہے کہ کیا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو دیوانہ کہتے ہیں حالانکہ انکو علم ہے کہ اللہ کے رسول کی دانش بڑی وزنی اور نظر و فکر کی گہرائی سب سے زیادہ ہے ایسے شخص کی طرف جنون کی نسبت سوائے دیوانہ یا عنادی دشمن کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام مقامات پر ام متصل ہو اور جملہ افلم بدبروا جملہ مستحق ہے اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ جب آیت قَدْ كَانَتْ آيَتِي تُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ الخ سننے والوں نے سنی تو خواہ مخواہ دل میں سوال پیدا ہوا کہ آخر قرآن سے کترانے، الٹے پاؤں لوٹنے، غرور کرنے اور بیسودہ بکواس کی وجہ کیا ہے۔ کیا قرآن پر انہوں نے غور نہیں کیا یا ان کو اس سے پہلے گزشتہ زمانہ میں کسی پیغمبر کے آنے کی اطلاع نہیں ملی یا اس نبی کی امانت داری اور سچائی وغیرہ کو یہ پہچانتے نہیں۔ یا یہ رسول اللہ صلعم کو دیوانہ خیال کرتے ہیں اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ﴿۱۸﴾

بلکہ (اس عناد اور جھگڑے کا سبب یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔ الحق واقعی سچی بات جس کی سچائی عقلاً نقلاً ظاہر ہو اس کی صحت سورج کی طرح ناقابل انکار ہو۔ اکثر ہم للحق کرہون ان میں اکثر لوگ محض عناد یا سرداری کی خواہش اور حکومت کی طمع یا خواہشات کے پرستار ہونے یا جاہلوں کی تقلید کرنے یا رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے حق سے نفرت کرتے ہیں۔ تقاضائے دانش و فہم باعث نفرت نہیں۔

اکثر کا لفظ اس لئے ذکر کیا کہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی قوم کے خوف یا فہم و دانش کی کمی یا غور و فکر کی وجہ سے ایمان کو ترک کیا تھا ان کے دلوں میں حق سے عناد نہ تھا۔

وَكُوَاتِبَةُ الْحَقِّ أَهْوَاءُهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ﴿۱۹﴾
 اور (بفرض محال) اگر (دین) حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا ہے تو تمام آسمان زمین اور جو ان میں آباد ہیں سب تباہ ہو جاتے۔

اگر حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا یعنی ان کی خواہش کے مطابق چند معبود واقع میں ہوتے تو سارا جہان تباہ ہو جاتا یعنی موجود ہی نہ ہو پاتا عدم سے وجود میں ہی نہ آتا یہی مطلب ہے آیت لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا الخ کا۔

ابن جریج مقاتل، سدی اور اہل حق کی ایک جماعت کے نزدیک الحق سے مراد اللہ ہے فراء اور زجاج کے نزدیک الحق سے قرآن مراد ہے یعنی اللہ اگر ان کی مراد کی موافقت کرتا اور دوسروں کو اپنا شریک بنا لیتا یا اپنے لئے اولاد اختیار کر لیتا اور قرآن کو ان کی خواہشات کے مطابق نازل فرمادیتا اور قرآن شرک و معاصی کی تعلیم دیتا تو اللہ ہی نہ رہتا۔ الوہیت کے لئے شرکت ناقابل برداشت ہے اللہ بیسودہ باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ بیسودہ فحش باتوں کا حکم سخت عیب لور برائی ہے لور الوہیت چاہتی ہے کہ

اللہ کی ذات ہر عیب اور خرابی سے پاک ہو اور جب اللہ اللہ نہ رہتا تو ممکنات کا وجود کہاں سے آتا۔ بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہوتا اور باطل ہو جاتا تو پھر وہ چیز (حق و عدل) ہی باقی نہ رہتی جس پر توام عالم موقوف ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو دین حق رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں اگر وہ کافروں کی خواہشات کا تابع ہو جاتا اور توحید کی جگہ شرک لے لیتا تو اللہ ان کافروں پر عذاب نازل کر دیتا اور سارا عالم اللہ کی آتش غضب سے جل بھن جاتا۔

بَلْ أَنْتُمْ حَرِيصُونَ عَلَيْهِمْ كَمَا وَجَدْتُمْ أَنبَاءَ اللَّهِ يَكْفُرُ بِاللَّهِ الْمُلْكِيُّونَ أَفَرَأَيْتُمْ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾
بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت کی بات بھیجی سو یہ لوگ اپنی نصیحت کی بات سے بھی روگردانی کرتے ہیں۔

ذکرہم یعنی ایسی کتاب جو ان کو اللہ کی یاد دلاتی ہے یا نصیحت و یادداشت۔ یادہ ذکر جس کی انہوں نے اپنے اس قول میں تمنا کی تھی لَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ كَمَا تَعْلَمُونَ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلِصِينَ حضرت ابن عباس نے فرمایا ذکرہم سے مراد ہے وہ کتاب جس میں ان کی بزرگی اور شرف کا بیان ہے یعنی قرآن مجید اسی مضمون کی دوسری آیت آئی ہے۔ فرمایا ہے لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لئے شرف اور بزرگی ہے ایک اور آیت میں فرمایا وَاِنَّ لَدَلِكُمْ لَذِكْرًا لَّا بُدَّ لَهُ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ یہ آپ کے لئے باعث شرف ہے بات یہ ہے کہ قرآن کی زبان وہ اختیار کی گئی جو قریش کی تھی اور زبان میں لوگوں کو قریش کا تابع بنایا گیا اور خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص کر دی گئی۔

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ پس وہ ایسی کتاب کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جو ان کے لئے باعث شرف ہے۔
أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَقَرَأْتَ تُرَابًا وَهُمْ يَكْفُرُونَ ﴿٤٢﴾
یا آپ ان سے کسی آمدنی کے خواستگار ہیں سو آمدنی تو آپ کے رب کی (عطا کردہ) سب سے بہتر ہے اور وہی سب سے اعلیٰ دینے والا ہے۔

یہ بھی استفہام انکاری ہے یعنی آپ ان سے کسی معاوضہ کے طلب گار نہیں ہیں کہ تاوان ادا کرنے کے ڈر سے یہ ایمان لانے میں تامل کریں۔ فخر جاج ربک یعنی وہ معاوضہ اور ثواب جو آخرت میں اللہ آپ کو عطا کرے گا۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے خرج خراج کی طرح بمعنی تاوان ہے بیضاوی نے لکھا ہے خرج (خرج) کو خل (آمدنی) کے مقابل کو کہتے ہیں۔ خرج کا معنی ہے دوسرے کو دینا خرج کا زیادہ استعمال اس ٹیکس کے لئے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے زمین پر مقرر ہوتا ہے خیر بہتر ہے کیونکہ سب سے وسیع بھی ہے اور ہمیشہ جاری رہنے والا بھی ہے اس لئے خدا داد خرج کی وجہ سے آپ ان سے تاوان وصول کرنے کے حاجت مند نہیں ہیں۔

وَأَنْتُمْ لَتَنْتَهُنَّ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٤٣﴾
اور آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں یعنی ایسی راہ (زندگی) پر چلنے کی دعوت دے رہے ہیں جس میں کوئی کجی نہیں جس کی استقامت کی شاہد تمام سلیم عقلیں ہیں۔

اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں ان تمام اسباب کی نفی کر دی جو دعوت رسول ﷺ سے انکار کرنے کے موجب بن سکتے تھے۔ راستہ میں کجی نہیں اس راہ کے مستقیم ہونے کی شاہد ہر عقل سلیم ہے۔ دعوت دینے والے کو کوئی لالچ نہیں وہ کچھ مال مانگتا نہیں۔ اس دعوت نامے میں ان لوگوں کے لئے شرف بھی ہے جن کو دعوت دی جا رہی ہے اس لئے انکار دعوت کا سبب سوائے حق سے عداوت رکھنے کے یا دانش کے فقدان کے اور کوئی نہیں اور ازل ہی میں یہ بد بختی ان کے لئے لکھ دی گئی تھی یوں تو وہ بڑے عقلمند تھے دنیاوی منافع حاصل کرنے کی بہت سوجھ بوجھ رکھتے تھے اس لئے دوائی منافع کے حصول سے محروم رہنا اور ان کو نہ سمجھنا صرف ازلی شقاوت تھی جو مقدر ہو چکی تھی۔ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے اور راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمادیتا ہے۔

وَأَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنْ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾
اور جو لوگ آخرت

پر ایمان نہیں رکھتے وہ بلاشبہ سیدھے راستے سے ہٹے جا رہے ہیں۔

الصرراط میں الف لام ہمدی ہے یعنی سیدھا راستہ لسنکبون مڑ رہے ہیں ان میں استعداد اور صلاحیت ہی نہیں ہے ان کی تخلیق ہی اللہ کے اسم مفضل کے پر تو سے ہوئی ہے ان کے لئے سیدھے راستے پر چلنا ممکن ہی نہیں ہے۔

وَلَوْ رَجَعْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلْجَوَابِ طَغْيًا لَهُمْ يُعَذِّبُونَ ۝

اور اگر ہم ان پر مہربانی کر دیتے اور ان کو جو تکلیف ہے اس کو دور کر دیتے تب بھی یہ لوگ اپنی گمراہی میں جھکتے سرگرداں پھرتے رہتے۔

صر (دکھ) یعنی وہ عذاب جس میں خوشحال لوگوں کو مبتلا کیا گیا تھا خواہ اس سے مراد جنگ بدر میں مد ا جانا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے یا قحط مراد ہو جیسا کہ ضحاک کا قول ہے یہ دونوں قول لو پر ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ للجو اب بھی یہ اڑے رہیں، دشمنی پر جے رہیں۔

فی طغیانہم یعنی اپنے غرور اور حد سے بڑھے ہوئے کفر اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان پر رحم نہیں کیا اور اگر مہربانی کر کے ان کے دکھ کو دور کر دیتے تب بھی یہ کفر پر اڑے رہتے اور اپنی گمراہی میں سرگرداں پھرتے رہتے۔

نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا محمد ﷺ میں تم کو اللہ کا اور قرابت داری کا واسطہ دیتا ہوں (کہ اس مصیبت کو دور کرنے کی دعا کر دو) اب تو ہم لوں اور خون بھی کھانے لگے (بھوک سے انتہائی مجبور ہو گئے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا لِهْمِ الْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝

اور ہم نے ان کو گرفتار عذاب بھی کیا تب بھی انہوں نے اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی اختیار کی نہ گڑگڑائے۔ (نہ زاری کی) العذاب یعنی بدر کی لڑائی میں مد ا جانا قحط پڑنا۔

فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِرَبِّهِمْ یعنی انہوں نے توبہ نہیں کی۔ اپنے رب کی طرف رجوع نہیں ہو۔ بلکہ اپنی سرکشی پر قائم رہے استکانوا یا باب استعمال سے ہے اس کا مادہ کون ہے۔ محتاج بھی ایک کون سے دوسرے کون کی طرف۔ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (ہر دم ایک نئے تغیر کا طلب گار ہوتا ہے) یا استکانوا باب التعلل سے ہے اس کا مادہ سکن ہے ک کے بعد الف اشباعی ہے۔

وما يتضرعون یعنی وہ زاری کرنے عاجزی کرنے اور خشوع کرنے سے مانوس ہی نہیں ہیں (خشو خشوع کا مادہ ہی ان کے اندر نہیں ہے)۔

یہی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے کر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر مکہ اور یرامہ کے درمیان آکر آبیضا اور یرامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا۔ قریش بھوکے مرنے لگے یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباؤ اجداد کو تو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی لولاد کو قحط سالی سے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرے عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔

ایک شبہ

تفسیر مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے خوش حال کافروں کو جس عذاب میں گرفتار کیا تھا وہ عذاب دور نہیں کیا حالانکہ بغوی نے صراحت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ! دور یوسفی کی طرح ان کو بھی قحط سالیوں میں مبتلا کر دے اور قریش قحط زدہ ہو گئے۔ پھر ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میں آپ سے اللہ اور قرابت داری کے حوالے سے پوچھتا ہوں کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو آپ نے باپوں کو تلوار سے قتل کر دیا اور ان کی اولاد کو قحط سے اب اللہ سے دعا کیجئے کہ خدا اس قحط کو دفع کر دے چنانچہ حضور ﷺ نے دعا کی اور اللہ نے قحط کو دور کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بددعا کی وجہ سے جو قحط قریش پر پڑا تھا وہ حضور ﷺ کی دعا سے اللہ نے دور کر دیا (اور آپ کا بیان کردہ تفسیری مطلب بتا رہا ہے کہ قحط سالی دور نہیں کی گئی)

میں اس کے جواب میں لکھتا ہوں کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانہ میں ان پر رحم نہیں کیا گیا اور عذاب دور نہیں کیا گیا کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ عذاب دور ہونے کے بعد بھی یہ لوگ کفر پر اڑے رہیں گے لیکن عذاب (کبھی) دفع نہ ہوگا آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے چنانچہ پہلے ان سے عذاب دور نہیں کیا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے دور کر دیا گیا لیکن انہوں نے پھر بھی توبہ نہیں کی اور اپنی سرکھی پر اڑے رہے اور گمراہی میں ہی سرگرداں گھومتے رہے۔

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ أَهْمُ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٥٠﴾

یہاں تک کہ جب سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھول دیا تو یکدم حیران و نراس ہو گئے یہاں تک کہ سب سے زیادہ سرکش و متمرد شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے رحمت کا طلب گار ہوا اس آیت میں عذاب شدید سے قحط کا عذاب مراد ہے بشرطیکہ آیت حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ میں العذاب سے مراد ہو جنگ بدر میں مارا جانا جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے بھوک کا عذاب قید اور قتل کے عذاب سے سخت ہوتا ہے اسی لئے اس کو عذاب شدید فرمایا اور اگر العذاب سے قحط اور بھوک کا عذاب مراد ہو جیسا کہ ضحاک کا خیال ہے تو پھر عذاب شدید سے مراد ہوگا عذاب موت، یا عذاب قبر یا عذاب قیامت اور عذاب دوزخ اور اس وقت فتحنا ماضی کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہوگا چونکہ آئندہ عذاب کا وقوع یقینی تھا اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال کیا جیسے آیت اذ الشمس کورت میں ماضی بمعنی مستقبل ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ہر طرح کی مصیبت ڈال کر ان کا امتحان لیا۔ قید و قتل کا بھی اور قحط و بھوک کا بھی لیکن انہوں نے عاجزی نہیں کی اور اللہ کے سامنے زاری نہیں کی آخر جب عذاب آخرت میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت حیران اور نراس ہو کر رہ جائیں گے اسی حیرانی اور ناامیدی کا اظہار آیت یوم تقوم الساعة یبلس المجرمون میں کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ اللَّحْمَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٥١﴾

اور اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل پیدا کئے تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کان اور آنکھیں بنائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں تم ان کے ذریعے سے معلوم کرو اور دل بنائے اس لئے کہ تم ان نشانیوں پر غور کرو اور سوچو و پچھو سے کام لو (اور تمام دینی دنیوی منافع کو حاصل کرو)

قلیلا ما میں ما زائد ہے اور قلیلا سے مراد ہے تھوڑا شکر یا کم وقت میں شکر کیونکہ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ کان ناک دل کا استعمال اس غرض کے لئے کیا جائے جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے اور ان کو پیدا کرنے والے کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ بعض نے کہا محاورہ میں قلیل بمعنی عدم کے مستعمل ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ تم بالکل شکر نہیں کرتے۔

اور اللہ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ
تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ زمین پر پھیلایا

وَالْيَوْمِ نَحْشُرُونَ ﴿۱۹﴾ اور (قیامت کے دن اسی کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے یعنی پہلے پر آگندہ اور جدا جدا ہو گے پھر جمع کئے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِي يُعْطِي وَيَمِيتُ قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے زندگی لے لیتا ہے (یعنی زندگی اور موت اسی کے وَلَهُ اِخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۰﴾ اور اسی کے اختیار میں رات و دن کا گھٹنا بڑھنا ہے سو کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے۔

لہ یعنی اسی کے حکم اور فیصلہ کے ماتحت ہے۔ اختلاف اللیل و النهار یعنی تاریکی اور روشنی میں رات دن کا اختلاف ہر ایک کے منافع میں اختلاف یا چھوٹے بڑے ہونے میں اختلاف۔

افلا تعقلون یعنی غور اور فکر سے کام لے کر اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ ہماری قدرت سے ہو رہا ہے اور ساری کائنات ہماری قدرت کے اندر ہے اس لئے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر بھی ہم قادر ہیں۔

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالِ الْاَوَّلُونَ ﴿۲۱﴾ قَالُوا عَزَّ وَكُنَّا بَا وِعِظًا مَّا عَرَّ اَنَا الْمَبْعُوثُونَ ﴿۲۲﴾ بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافروں) نے کہی تھی یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا (دوبارہ) زندہ کر کے ہم اٹھائے جائیں گے۔

یعنی کفار مکہ وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان سے پہلے گزشتہ اقوام کے کافروں نے کہی تھی۔

انا لمبعوثون میں سوال انکاری ہے یعنی ایسا ہو نہیں سکتا کہ ہم دوبارہ اٹھائے جائیں۔ کافروں نے اپنی ابتدائی سیدائش پر غور نہیں کیا اور اتنا نہ سوچا کہ اس زندگی سے پہلے وہ مٹی تھے اور اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھے (محدوم محض تھے عدم سے نکل کر

مٹی کی شکل میں پھر غذائی شکل میں پھر خون اور نطفہ کی شکل میں زندہ انسان کی شکل میں آئے) لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ﴿۲۳﴾

اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ کچھ نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو انگوٹوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔

یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنے کا وعدہ تو ہمارے بڑوں سے وہ لوگ کرتے ہی چلے آئے ہیں جنہوں نے اللہ کے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

ہذا یعنی مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا۔ اس کا وعدہ تمام مدعیان نبوت کرتے چلے آئے ہیں۔ من قبل اب سے پہلے لیکن اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد بھی اب تک وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ ان ہذا نہیں ہے یہ وعدہ قیامت۔

الا اساطیر الاولین مگر اگلے لوگوں کی جھوٹی بنائی ہوئی باتیں۔ سطر، قطار، کتاب کی سطر بوئے ہوئے درختوں کی لائن کھڑے ہوئے آدمیوں کی لائن یہاں اول معنی مراد ہے سطر فلان فلاں شخص نے لکھا سطر کی جمع اسطر لور سطور لور اسطر

آتی ہے اور اساطیر اسطر کی جمع ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بات خدا کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے بلکہ اگلے لوگوں کی بے بنیاد جھوٹ لکھی ہوئی چلی آتی ہے مبرد نے کہا اساطیر اسطرہ کی جمع ہے جیسے اراجیح ارجوحہ کی اور احادیث احدوشہ کی اور اعاجیب اعجوبہ کی اور اضاحیک اضحوکہ کی اس کا استعمال تفریح اور دل بہلانے کے لئے لکھی ہوئی جھوٹی تحریروں کے لئے ہوتا ہے اسی لئے

اساطیر کا تفسیری ترجمہ اکاذیب کیا گیا ہے۔

قُلْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾ آپ ان سے پوچھیے زمین اور جو بھی زمین میں ہیں کس کے (پیدا کئے ہوئے) ہیں اگر تم جانتے ہو (یا اگر تم اہل علم میں سے ہو) تو بتاؤ استفہام تقریری ہے یعنی مخاطب کو

اقرار پر آمادہ کیا گیا ہے کہ اس کو سوائے اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

ان کنتم تعلمون اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو بتاؤ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو نبی اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کتنا پڑے گا۔

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۙ کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے پھر اس اقرار کے بعد
 قُلْ اَفَلَا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾ آپ ان سے کہیے (کہ جب اللہ ہی کا سب کچھ ہے) تو پھر تم کیوں غور نہیں کرتے کہ جس نے زمین اور زمین کے باشندوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا اعادۃ ایجاد کی قدرت کا انکار کیا معنی رکھتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۙ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۷﴾
 آپ (یہ بھی) ان سے کہیے کہ ان سات آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش عظیم کا مالک کون ہے وہ ضرور جواب میں کہیں گے کہ (یہ سب کچھ) اللہ کا ہے آپ کہیے تو پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ یعنی جب تم اقرار کرتے ہو کہ آسمانوں اور عرش عظیم کا خالق اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں تو پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے کیوں دوسروں کو اس کا سا جھمی قرار دیتے ہو اور وہ چیزیں جو اس کے دائرہ قدرت میں داخل ہیں کیوں ان کو قدرت سے خارج سمجھتے ہو۔

قُلْ مَنْ اَبَدٌ مِّنْ اَبَدٍ مَّا مَلَكَتْ اَيْدِي سَعْيٍ ۗ آپ ان سے پوچھیے کہ ہر چیز کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔
 ملکوت کا معنی ہے حکومت عزت علیہ، ملکوت میں واؤ مبالغہ کی ہے۔ یعنی انتہائی غلبہ جتنا تصور کیا جاسکتا ہو اسی لئے اس لفظ کا استعمال صرف اللہ کی حکومت و اقتدار کے لئے مخصوص ہے بعض کے نزدیک ملکوت سے مراد ہیں خزانے اور (بے گنتی) ذخیرے۔

وَهُوَ يُجِيزُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾
 اور وہی (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔
 یجیر حفاظت کرتا ہے برائی سے بچاتا ہے جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے۔
 ولا یجار علیہ یعنی جس کو اللہ پناہ نہ دے اس کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا اللہ جس کو دکھ پہنچانا چاہے اس کو دکھ پہنچنے سے کوئی بچا نہیں سکتا اور کوئی شخص اللہ کو ضرر پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۙ قُلْ فَاَنْتُمْ تَسْحَدُونَ ﴿۱۹﴾ (اب بھی) وہ ضرور کہیں گے کہ (یہ سب حکمت و قدرت اللہ کی ہے تو ان سے کہیے کہ پھر تم کو کیا ضبط ہو رہا ہے یعنی جب تم ان باتوں کا اقرار کرتے ہو تو پھر کس فریب میں پڑ کر حق و ہدایت سے روگرداں ہو رہے ہو یا یہ مطلب ہے کہ جب اس کا اعتراف کرتے ہو تو پھر حق کو باطل تم کس طرح خیال کرتے ہو۔

بَلْ اَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۲۰﴾ بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

الحق سے مراد توحید اور قیامت کا وعدہ اور کاذب ہونے سے یہ مراد ہے کہ یہ توحید اور قیامت کے انکار میں جھوٹے ہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔

اللہ نے کسی کو (اپنی) اولاد نہیں قرار دیا اس کی اولاد نہیں (کیونکہ) اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور اللہ کی مثل اور ہم جنس کوئی نہیں وہ ہر مماثلت اور

مجانست سے پاک ہے اور نہ کوئی اور خدا ہے جو الوہیت میں اللہ کا شریک ہو۔

إِذْ أَلْهَبَ كُلُّ إِلَهٍ مِمَّا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ

(جب کوئی اور بھی

الہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آجاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعداد آہدہ کے وقت باہمی جنگ و جدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آسکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُوْنَ ۙ ۙ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اس کی شان میں بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور

ظاہر کا۔ غرض ان کی شرک آفرینیوں سے اللہ بزرگ و برتر ہے۔ یعنی اولاد اور شریک سے اللہ پاک ہے جس کی دلیل اوپر ذکر کر دی گئی۔

عالم الغیب والشہادۃ نفی شریک کی دوسری دلیل ہے (اگر کسی موصوف کی کوئی خاص صفت بیان کی جائے تو وہ صفت ہی کسی حکم کی علت ہوتی ہے جیسے احسن بیزید صدیقک القدیم اپنے پرانے دوست زید کے ساتھ بھلائی کر۔ بھلائی کرنے کے حکم کی علت زید کی پرانی دوستی ہے۔ پس اللہ کا شریک نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہی پوشیدہ اور ظاہر کا عالم ہے یعنی عالم کل ہے اس کے سوا کوئی ہمہ گیر عمل نہیں رکھتا یہ بات مشرک بھی مانتے تھے کہ علمی ہمہ گیری میں اللہ منفرد ہے۔

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيْبِيْ مَا يُوعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ تُرِيْكَ مَا نَعِدٰهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۳۸﴾

آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جائے گا اگر وہ عذاب تو مجھے دکھا دے تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کر دینا۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس (عقرب) کا وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں وہ آپ کو دکھا دیں۔

لیکن بیخ بن سے اکھاڑ دینے والا غارت کن عذاب ہم ان پر نازل نہیں کرتے کیونکہ آپ ان میں موجود ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور بعض کی نسل میں مومن پیدا ہوں گے۔

انا علی ان نریک دوسرا جملہ معترضہ ہے قیامت کا اور عذاب موعود کا وہ لوگ انکار کرتے تھے اور بطور استہزاء جلد نزول عذاب کے خواستگار تھے ان کے انکار اور عجلت طلبی کو رد کرنے کے لئے یہ جملہ ذکر فرمایا۔

آپ ان کی برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ (خصلت) سے کر دیا کیجئے جو

اِدْفَعْ بِاَلْتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّبِيْئَةِ

ہست ہی اچھا اور نرم ہو۔

سب سے اچھی خصلت سے مراد ہے درگزر کرنا رخ پھیر لینا، صبر کرنا اور بھلائی کرنا۔ یعنی ان کی برائی کے مقابلے میں اپنی طرف سے ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اس تفسیر پر آیت میں کافروں کی ایذا رسانی پر صبر کا اور جنگ سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ قرار دیا جائے گا۔ بعض کے نزدیک حسد سے کلمہ توحید اور سیب سے کلمہ شرک مراد ہے بعض کے خیال میں یہ بر اکام (گناہ کا کام) ہے اور حسد سے مراد ہے برے کام سے بازداشت اور ممانعت۔

وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں یعنی آپ کے متعلق کافر

مَنْ اَعْلَمُ بِمَا يُصِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

جو کچھ کہتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ کے حالات کے خلاف بیان کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں اور سزا دینے پر

قدرت بھی رکھتے ہیں اس لئے آپ خود انتقام کے درپے نہ ہوں اور سارے معاملے کو ہمارے سپرد کر دیں۔ یہ جملہ گویا دفع السیئہ بالحنہ کی علت ہے آپ بھلائی کریں اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے کام لیں اس لئے کہ ہم آپ کا انتقام لے لیں گے ہم ان کے بیان کو بھی خوب جانتے ہیں اور سزا دینے کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَقُلْ رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿۱۷﴾ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُونِ ﴿۱۸﴾

اور آپ دعا کیجئے اے میرے رب میں شیطانوں کے دوسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔

ہمزت زور سے دھکا دینا یعنی دوسو سے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

ان یہ حضروں کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور دوسوہ بھی پیدا کرے گا۔

حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۱۹﴾ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی (کے سر) پر موت آکھڑی ہوتی ہے اس وقت کہتا ہے اے میرے رب مجھے (دنیا میں) پھر واپس بھیج دے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں پھر جا کر نیک کام کروں۔

حتیٰ ابتدائیہ ہے اسکا تعلق یھفون سے ہے یا کا ذیون سے یعنی جب اس کو دونوں ٹھکانے دکھائی دینے لگتے ہیں کہ اگر ایمان لاتا تو جنت کا یہ ٹھکانہ اس کو ملتا اور ایمان نہیں لایا تو دوزخ کے اندر اس کا یہ ٹھکانہ ہے اور اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جنت کے ٹھکانے کی جگہ اللہ نے دوزخ کے اندر یہ ٹھکانہ مقرر کر دیا تو اس وقت وہ کہتا ہے اے میرے رب مجھے دنیا میں واپس کر دیجئے۔

ارجعون میں خطاب رب کو ہی ہے لیکن تعظیماً جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ بعض نے کہا تکرار فعل مقصود ہے اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا اصل کلام یوں تھا ارجعنی ارجعنی بعض کا قول ہے کہ رب اور روح قبض کرنے والے ملائکہ سب کو خطاب ہے لول رب کو مخاطب بنایا کیونکہ فریاد اصل میں اسی سے کی پھر ملائکہ سے درخواست کی کہ وہ دنیا میں پھر لوٹادیں۔

فیما ترکت ما سے مراد ایمان ہے یعنی وہ ایمان جس کو میں نے ترک کر دیا تھا اس میں داخل ہو کر میں نیک کام کروں یا مال یا دنیا مراد ہے یعنی جو مال دنیا میں چھوڑ آیا ہوں پھر اس میں جا کر نیک کام کروں۔

ابن جریر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹادیں۔ مومن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رب ارجعون

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا برا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور نبی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مومن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔

کلام ہرگز نہیں دنیا کی طرف واپسی ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَوْلُهَا
مراد ہے پورے کلام کا ایک کلمہ یعنی مفید جملہ نحو کی اصطلاح میں کلمہ مفرد لفظ کو کہتے ہیں (لیکن عربی محاورہ میں مفید کلام کو کلمہ کہا جاتا ہے)۔

هو قائلها یعنی حسرت اس پر چھا جاتی ہے عذاب کا ڈر ہوتا ہے اس لئے ایسی بات کہتا ہے ورنہ دنیا میں واپس جانا ناممکن ہوتا ہے واپسی کی درخواست بیکار ہوتی ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ بِرِشَابٍ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۷﴾
جبکہ ان کو اٹھایا جائے گا۔

من وراثتہم ان کے آگے برزخ مجاہد نے کہا ان لوگوں کے اور واپسی کے درمیان حجاب ہے (آڑھے) قنادر نے کہا برزخ سے مراد ہے دنیا کی باقی عمر کیونکہ جب تک دنیا کی باقی مدت ختم نہ ہو جائے گی زندگی کی طرف واپسی نہ ہوگی۔ صحابک نے کہا برزخ موت سے قیامت تک کی مدت بعض نے کہا برزخ سے مراد قبر ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۸﴾
پھر جب (قیامت میں) صور پھونکا جائے گا تو ان میں باہمی رشتے ناتے اس روز نہ رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفعہ صور ہے یعنی نفعہ بیہوشی، جس کے متعلق فرمایا ہے فَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیا والی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ ثُمَّ نَفِخَ فِيْهِ اٰخَرٰى فَاِذَا هُمْ قِيٰمًا يَنْظُرُوْنَ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو ایک دم سب (اٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے واقبل نفعہ علی بعض يتساءلون اور ایک دوسرے کی جانب رخ کر کے باہم پوچھیں گے اٹھ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفعہ سے مراد نفعہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی نداء دے گا یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آجائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہو گا وہ خوش ہو گا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے آیت فلا انساب الخ پڑھی۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفعہ سے مراد دوسرا نفعہ ہے۔

فلا انساب بینہم یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ رشتے ناتے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مہربانی کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

بینہم کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے کافروں ہی کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے مومن مراد نہیں ہیں۔ مومنوں کے متعلق تو اللہ نے فرمایا ہے الْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کا دن ہو گا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہو گا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلا دو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے

ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے باپ اندر نہ جائیں گا۔ میں اندر داخل نہ ہوں گے رواہ ابن ابی الدنیاء عن عبد اللہ بن عمر اللہی ابو ذر ارہ کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ایک شبہ

ابن عباسؓ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرے نسبی اور سرالی تاتے کے علاوہ ہر نسبی اور سرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

جواب

مومنوں کی نسبی رشتہ واریاں رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور ﷺ سب مسلمانوں کے باپ تھے اور آپ کی بی بیوں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مومنوں کے رشتے تاتے منقطع نہ ہوں گے) بغوی نے کہا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سود مند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن و ایمان کے۔

ولایتساء لون کا یہ مطلب ہے کہ باہم رشتے نہیں پوچھیں گے جیسے دنیا میں پوچھا کرتے تھے کہ تم کس خاندان اور کس قبیلے سے ہو۔

ایک شبہ

اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَاقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہم احوال دریافت کریں گے۔

جواب

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت کے احوال اور مواقع مختلف ہوں گے کسی مقام پر تو اتنا خوف طاری ہوگا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا اور بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے کہ ذرا افاقہ اور سکون ہوگا اس وقت ایک دوسرے کی حالت دریافت کرے گا۔
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۳﴾
سو جس شخص کا (ایمان اور نیکی کا) پلڑہ بھاری ہو گا وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

موازنین موازن کی جمع ہے یعنی (وزن کئے ہوئے) عقائد اور نیک اعمال بھاری ہوں گے بھاری ہونے سے مراد ہے زیادہ ہونا۔ نیکیوں کا گناہوں کے مقابلے میں نیچے کو جھک جانا یا موازن میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑہ نیچے کو جھکا ہوگا۔ موازن کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

المفلحون نجات پانے والے اور درجات پر پہنچنے والے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولد جانا حق ہے خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت سے حدیث جبرئیلؑ نقل کی ہے اس حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا محمد ﷺ! ایمان کیا ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ کو ماننا اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا اور جنت و دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی برائی ہوتی ہے اللہ نے اس کا علمی اندازہ پہلے سے کر لیا تھا) جبرئیلؑ نے کہا اگر میں ایسا کر لوں تو کیا میں مومن ہو جاؤں گا۔ فرمایا ہاں جبرئیلؑ نے کہا آپ نے سچ کہا۔

حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان وزمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمان کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابوالشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیانے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیل ہوں گے۔

میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں۔

فصل

وزن کشی کیسے ہوگی کیفیت اور وزن کی تفصیل میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ بندے کو مع اس کے اعمال کے تو لایا جائے گا۔ مومن کا وزن اس کی نیکیوں کے موافق ہوگا اور کافر کا کوئی وزن ہی نہیں نکلے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور ﷺ نے آیت **فَلَا يُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا** فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہ

اس تفسیر کی بناء پر جن لوگوں کا وزن ہلکا ہوگا وہ کفار ہی ہوں گے۔ (گناہ گار مومن خفیف الوزن نہ ہوں گے) بعض نے کہا اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن کے اندر نیکیاں اور بدیاں لکھی ہوں گی۔ ان کی وزن کشی ہوگی، ترمذی ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طوما رکھولے جائیں گے ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے وہ شخص عرض کرے گا نہیں اے میرے رب (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقانہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں **اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد عبده ورسوله** لکھا ہوگا بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کواڑ جائے گا۔ (یعنی اٹھ جائے گا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تو لایا جائے گا حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ کی شہادت والا پلڑہ جھک جائے گا۔ (وزی نکلے گا واد الطبرانی۔)

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم عمی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لا کر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک چیز لا کر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دی جائے گی وہ وزنی نکلے گی۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دینا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

میں کہتا ہوں کہ مومن بندہ کو مع اس کے نیک اعمال ناموں یا مع مجسم نیک اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے برے اعمال ناموں کے یا مع اس کے مجسم برے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن چھبر کے پر کی برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ومن خفت موازينه یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا۔ مومن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) کو وزن ہوگا خواہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ مگر مومن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے اچھے عمل بھی ہوں اور برے عمل بھی۔ ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا۔ یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل پچھیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔ اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

حضرت ابن عباس کا یہ قول ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے اس قول میں کافروں کی حالت کا بیان نہیں ہے کیونکہ کافر کی کوئی نیکی ہی نہ ہوگی۔ اور قرآن میں صرف مومنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہ گار مومنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سارے مومن صالح ہی تھے سب صحابہ تھے کبار سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدِينَ ﴿۱۹﴾

اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھائے میں رکھا جنہم میں ہمیشہ رہیں گے یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

بزرگ اور بیہمتی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو میزان پر مقرر کر دیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جن کو ساری مخلوق نے گی کہے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بد نصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق نے گی کہے گا فلاں شخص بد نصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

میں کہتا ہوں شاید گناہ گار مومنوں کے اعمال دوبار تو لے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی

کلام کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں گے ان کی ہر امید ختم ہو جائے گی۔
حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہو گا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آپس بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ قرطبی نے کہا جب اخسثوا فیہا ولا تکلمون ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

ہناد، طبرانی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے بیان کیا اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اس کو نقل کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے فرمایا کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے مالک (جہنم کا داروغہ دوزخ کے فرشتوں کا آفیسر) اب تو تیرے رب کو چاہئے کہ ہمارا کام تمام کر دے مالک چالیس برس تک ان کو کوئی جواب نہیں دے گا چالیس سال کے بعد جواب دے گا تو کہے گا انکم ما کثون تم کو (ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یہ جواب ملنے کے بعد وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے رَبَّنَا اٰخِرْ جَنَّا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظَالِمُونَ اللہ ان کو دنیا کی مدت سے دو گنی مدت تک کوئی جواب نہیں دے گا یوں ہی پڑارہنے دے گا اس مدت کے بعد جواب دے گا تو فرمائے گا اخسثوا فیہا ولا تکلمون اس وقت وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور کوئی بات نہیں کر سکیں گے اور سوائے دم گھٹنے اور گڑ گڑ کرنے کے ایک کلمہ بھی ان کے منہ سے نہیں نکلے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی پانچ مرتبہ پکاریں گے چار دعاؤں کے بعد تو اللہ ان کو جواب دے گا اور پانچویں کے بعد وہ خود بات نہ کر سکیں گے وہ کہیں گے اَتَيْنَا اٰثْنَتَيْنِ وَاٰخِيَّتَيْنَا اٰثْنَتَيْنِ فَاَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوجٍ مِّنْ يَّسْتَبِيْلُ اے ہمارے رب تو نے دوبار ہم کو مردہ کیا اور دوبارہ زندگی عطا کی۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے اللہ اس کے جواب میں فرمائے گا۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهُ اِذَا دَعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يَشْرِكْ بِهِ تُوْمِنُوْا فَالْحٰكِمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ تَمَارِيْ يٰہ حالت اس وجہ سے ہے کہ جب ایک خدا کو پکارا جاتا تھا۔ تو تم انکار کرتے تھے اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا جاتا تھا تو تم یقین کر لیتے تھے پس (آج) فیصل اسی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو سب سے بالا اور بزرگ ہے۔ پھر وہ کہیں گے رَبَّنَا ابْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَاَرُجِعْنَا نَعْمَلْ صٰلِحًا اِنَّا مُّوْقِنُوْنَ اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم ہم نیک کام کریں بلاشبہ ہم یقین رکھتے ہیں اللہ جواب میں فرمائے گا فذوقوا بما نسيتم لقاء يومكم هذا انا نسينكم واذوقوا عذاب الخلد بما كنتم تعملون تم اس دن کے پیش آنے کو بھول گئے تھے۔ (یقین نہ رکھتے تھے سوا اس کا مزہ چکھو) ہم نے بھی تم کو آگ میں ڈال کر بھولا بسرا کر دیا اور اپنے کرتوت کے بدلے دوامی عذاب کا مزہ چکھو۔ وہ کہیں گے رَبَّنَا اٰخِرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نَّجِبْ دُعُوْتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُوْلَ اے ہمارے رب ہم کو تھوڑی مدت کی سہلت دے دے کہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور پیغمبروں کے کہے پر چلیں۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوْلَمْ تَكُوْنُوْا اٰقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَّا لَكُمْ مِنْ زَوٰلٍ كَمَا تَمُنُّنَ اِس (قیامت کے برپا ہونے) سے پہلے (اپنی زندگی میں) قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم کو زوال نہ ہو گا۔ وہ عرض کریں گے رَبَّنَا اٰخِرْ جَنَّا نَعْمَلْ صٰلِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلْ اے ہمارے رب ہم کو یہاں سے نکال لے تاکہ ہم اپنے گزشتہ اعمال کے خلاف (اب) نیک عمل کریں۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوْلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرْ فِيْهِ مَن تَذَكَّرْ وَجَاءَكُمْ النَّذِيْرُ فذوقوا فَمَا لِلظٰلِمِيْنَ مِّنْ نَّصِيْرٍ كَمَا تَمُنُّنَ اِس (آج) کا فروں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضٰلِّيْنَ رَبَّنَا اٰخِرْ جَنَّا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُونَ اللہ جواب میں فرمائے گا اٰخِسُّوْا فِيْهَا وَلَا تَكَلِمُوْنَ اس جواب کے بعد ان کے چہرے پارہ گوشت (کی طرح) ہو جائیں گے جس میں نہ منہ ہوں گے نہ ناک کے سوراخ اور سانس اندر ہی اندر گھومے گا ان پر آگ کے سانپ اور بچھو ٹوٹ پڑیں گے۔ اگر ان میں سے ایک سانپ مشرق میں پھونک مار دے تو مغرب والے سوختے ہو جائیں۔ اور اگر ایک بچھو دنیا

والوں کے ڈنک مار دے تو (اس کے زہر سے) سب جل جائیں گے یہ سانپ اور بچھوان پر ٹوٹ پڑیں گے اور انکے گوشت پوست میں گھس جائیں گے اور ان کی آواز ایسی سنائی دے گی جیسے بیابانوں میں وحشی جانوروں کی آوازیں ہوتی ہیں۔

لَا تَكُنْ كَانْفِرْتُمْ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ سَابِقَنَا آمَنَّا فَأَغْرَيْنَا فَاكْفُرْنَا وَانْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿٥٠﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ
سِخْرِيًّا

میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو کہا کرتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں سو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے سو تم نے ان کو مسخرہ بنایا۔

سخریا کسانوں اور فراء نے کہا سخریا بہ کسر سین کسی کا باتوں میں مذاق اڑانا، استہزاء کرنا اور سخریا بضم سین کسی کو عملاً غلام بنالینا تحقیر کرنا۔ سورہ زحرف میں بافتاق اہل قرأت بضم سین ہے استہزاء قولی کا احتمال ہی وہاں نہیں ہے۔ طیل نے کہا دونوں لفظ ہم معنی ہیں جیسے بُحْرًا لُجَجِيٌّ اور بحر لُجَجِيٌّ اور کوکب دری اور کوکب دری قاموس میں بھی اسی طرح آیا ہے صاحب قاموس نے لکھا ہے سخرہ سخریا و سخریا اس کو روک دیا یا مجبور کیا ایسے کام کا مکلف کیا جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ کذافی النہایہ۔

بہر حال سخری مصدر اور مبالغہ کے لئے یاء بڑھادی گئی ہے اور یہاں استہزاء مراد ہے کیونکہ آگے آتا ہے۔

حَتَّىٰ أَسْوَكَمُ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿٥١﴾

یہاں تک (ان سے مذاق کرنے کا مشغلہ کیا) کہ اس مشغلہ نے تم کو میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے۔ ہنسی استہزاء قولی کے بعد ہی ہوتی ہے یا دُخْدُ اُو بھلانے کی نسبت مومنوں کی طرف مجازاً کی گئی ہے حقیقت میں اہل ایمان کے ساتھ ہنسی کرنے اور ان کا مذاق بنانے کا مشغلہ موجب نسیان تھا اور اس جگہ یہی مراد ہے۔

مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول فقراء صحابہ کے متعلق ہوا جیسے حضرت عمار حضرت صہیب حضرت سلمان وغیرہ قریش کے کافران سے بہت استہزاء کرتے تھے اور ان کی ہنسی بنلایا کرتے تھے۔

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَلِئْتُهُمُ النَّارَ يَوْمَ رَأَى الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

آج ان کے صبر کا بدلہ میں نے یہ دیا کہ بس وہی کامیاب ہوئے۔ ارشاد ہو گا آج یہ بتاؤ کہ سالوں کی کنتی کے اعتبار سے تم پر کتنی مدت زمین پر رہے۔

قال یعنی قیامت کے دن اللہ کافروں سے فرمائے گا۔

کم لبثتم تم زمین میں کتنی مدت رہے یعنی زندگی کی حالت میں اور مرنے کے بعد قبروں میں۔

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ ﴿٥٣﴾

وہ کہیں گے ایک دن یا ایک دن سے کم رہے (صحیح یاد نہیں) تو کنتی کرنے والوں سے دریافت کر لے۔

کافروں نے پچھلی مدت کو بہت کم قرار دیا۔ اس کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گزرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے (۲) پچھلی مدت تو گزر چکی تھی اور جو مدت گزر چکے وہ تحقیر ہی معلوم ہوتی ہے (۳) آخرت کی زندگی لا محدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔

(۴) پچھلی زندگی خوشی میں گزری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مردانہ ہو کیونکہ نصوص قطعاً اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔

فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ کنتی کرنے والوں سے پوچھ لے یعنی ان لوگوں سے دریافت کر لے جو کنتی کر سکتے ہوں۔ ہم تو جس

عذاب میں گرفتار ہیں وہ ہم کو کشتی کرنے سے مانع ہے۔ یا العادین سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے، ملائکہ، اعمال نویس، ملائکہ انسانوں کے اعمال محفوظ رکھتے ہیں تو مدت قیام بدرجہ مولیٰ ان کے پاس محفوظ ہوگی۔

ارشاد ہو گا تم دنیا میں تھوڑے

قُلْ إِنْ لَيْسَ لَكُمْ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

یہ وقت رہے لیکن کیا خوب ہو تا کہ یہ بات دنیا میں تم سمجھتے ہوتے

قلیل یعنی پیش آنے والے عذاب کے مقابلہ میں تم تھوڑے وقت ہی رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، آخر میں یہ دنیا بس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوئی۔ رواہ احمد وابن ماجہ و مسلم عن المستور۔

لو انکم لو تمنائی ہے جس کے اندر تو بخ و دلامت بھی ہے، یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پستی میں نہ کھودیتے تو آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر بارہا گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شہد کرو۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۶﴾

سو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو محض بے کار پیدا کیا ہے اور کیا تم گمان کرتے تھے کہ تم ہمارے پاس لوٹا کر نہیں لائے جاؤ گے

افحسبتم ہمزہ انکار یہ تو بیخبر ہے، عبثاً بے کار بغیر کسی حکمت کے یا محض کھیل کے طور پر یا صرف اس لئے کہ تم کھیلو کود، بے کار زندگی گزارو ایسا نہیں ہے بلکہ تم کو اس لئے پیدا کیا کہ تم اللہ کو پہچانو اس کی عبادت کرو۔ اس کے فرماں بردار بنو۔

فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سَائِبُ الْعَرْشِ الْكَبِيرِ ﴿۱۷﴾

پس بہت ہی عالی شان ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، وہی بزرگی والے عرش کا مالک ہے۔

الملك الحق حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے اور (جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت اور (شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہو سکتا۔

العرش الکبریم عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۸﴾

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس کے معبود ہونے پر اس کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی جا کر ہو گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں پڑے رہیں گے)۔

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ لا برہان لہ بہ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکید ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائے کہ اس عقیدہ و عمل کے خلاف دلیل موجود ہو۔

فانما حسابہ یعنی اللہ بقدر استحقاق اس کو سزا دے گا۔ سزایہ کہ کافروں کو کبھی فلاح نصیب نہ ہوگی۔ جنت میں کبھی نہ جائیں گے، دوزخ سے کبھی رہائی نہ ملے گی۔

آغاز سورۃ میں اللہ نے مومنوں کے فلاح یا ب ہونے کا ذکر کیا تھا اور قد افلح المؤمنون فرمایا تھا اور ختم سورۃ پر

کافروں کے فلاح نہ پانے کی صراحت فرمادی۔ اس سے آگے اپنے رسول ﷺ کو استدعا اور رحمت اور استغفار کا حکم دیا، تاکہ آپ کی امت والے آپ کی پیروی کر کے مدارج فلاح پر فائز ہو جائیں۔

وَقَبْلُ كَذِبٍ اَعْفِرْ وَاَرْحَمَ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيْمِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور آپ کہا کریں اے میرے رب

(میری خطائیں) معاف کر دے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ اغفر اور ارحم کا مفعول محذوف ہے تاکہ ہر طرح کی مضر توں کو دفع کرنے اور ہر قسم کی فائدہ مند چیزوں کے حصول میں عموم پیدا ہو جائے یعنی دعا عام ہو جائے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرمادے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر تکلیف دہ، ضرر رساں چیز سے حفاظت ہو جائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرمادے گا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضر ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حنش نے بیان کیا ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا آپ نے اس کے دونوں کانوں میں آیت افحسبتم انما خلقنکم الخ آخر تک پڑھ کر دم کر دی اللہ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود سے فرمایا، تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود نے واقعہ عرض کر یا، حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔
الحمد لله ماہ صفر ۱۲۰۳ھ کو سورۃ المؤمنون کی تفسیر ختم ہوئی۔

اللہ کا شکر ہے کہ ۲۸ رمضان ۱۳۷۹ھ کو صبح کے وقت ترجمہ پورا ہوا۔

بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت لور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

وَمِائَةٌ جَلْدًا
سو ضربیں مارو۔

زنا کی رعبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ اکثر مردوں کے سامنے خود نمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرتہ میں السارق کا ذکر السارقتہ سے پہلے کیا۔

مسئلہ :- علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد عاقل بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ لور کوئی سزا امام ابو حنیفہ کے نزدیک نہیں دی جاسکتی، لیکن امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے کہ سو کوڑے مار کر ایک سال کے لئے شہر بدر کر کے اتنی مسافت پر بھیج دیا جائے جتنی قصر صلوة کی مسافت ہو (یعنی تین بریدیا ۴۰ سے ۴۸ میل تک باختلاف اقوال) اگر راستہ پر امن ہو خطر ناک نہ ہو تو بغیر محرم کے تہا زانیہ عورت کو شہر بدر کرنے کے مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد کے دو قول ہیں۔ منہاج میں ہے کہ صحیح ترین قول یہی ہے کہ تہا عورت کو جلاوطن نہ کیا جائے بلکہ شوہر یا کسی محرم کے ساتھ شہر بدر کیا جائے خواہ محرم یا شوہر کو ساتھ جانے کا کچھ معاوضہ ہی دینا پڑے لیکن معاوضہ کہاں سے دیا جائے اس کے متعلق پھر دو قول ہیں ایک قول میں آیا ہے کہ عورت کے مال سے دیا جائے دوسرے قول میں ہے کہ بیت المال سے دیا جائے۔ اگر معاوضہ کی پیش کش کے باوجود شوہر یا محرم ساتھ جانے سے انکار کر دے تو ایک قول میں آیا ہے کہ امام (حاکم) اس کو جبراً عورت کے ساتھ بھیجے منہاج میں ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ امام ساتھ جانے کے لئے جبر نہیں کر سکتا۔ امام مالک کے نزدیک زانیہ کو اجراء حد کے بعد شہر بدر نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، البکر بالبکر (کنوار امرد، کنواری عورت سے زنا کرے تو) جلدہ مائة تغریب عام (سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا) والثیب بالثیب (اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو) جلد مائة و الرجیم (سو کوڑے مارنا اور سنگسار کر دینا) اس حدیث کے شروع میں ہے مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو (یعنی مجھ سے یہ حکم سیکھ لو) اللہ نے ان (زانی عورتوں) کے لئے راہ مقرر کر دی (یعنی آخری حکم نازل فرمایا پہلے حکم دیا گیا تھا کہ زانی عورت کو قید رکھو جب تک اللہ ان کے لئے کوئی راہ نہ نکال دے یعنی آخری فیصلہ صادر نہ فرمادے اس آیت میں آخری فیصلہ زانی عورت کے لئے بلکہ زانی مرد کے لئے بھی صادر فرما دیا) سورت النساء کی آیت فَأَسْبِغُوهُنَّ فِي الْمَيِّتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا کی تفسیر کے ذیل میں حدیث مذکور ہم نے نقل کر دی ہے۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ زانیہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور ﷺ نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دے دی پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس

کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) ابھی اٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک نے اس کے جواب میں فرمایا کہ البکر بالبکر جلد ماہہ و تقریب عام میں عورتیں داخل نہیں ہیں (بکر کا لفظ عورتوں کو شامل نہیں ہے) لہذا عورتوں کو شہر بدر کرنے کا حکم اس حدیث سے نہیں نکلتا۔ مگر امام مالک کا یہ قول قطعاً غلط ہے۔ حدیث کی رفتار عورتوں ہی کے لئے ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے شروع میں فرمایا ہے مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ نے عورتوں کے لئے ایک راہ بنا دی۔

پھر لفظ بکر میں عورتوں کو داخل نہ سمجھنا غلط ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا تھا بکر سے اجازت لی جائے (یعنی ستواری بالغ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت لے کر کیا جائے) اس کے علاوہ حضرت زید کی حدیث میں من ذنبی کا لفظ عام ہے مرد اور عورت دونوں اس میں داخل ہیں، امام مالک کی طرف سے صحیح جواب یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا ہے عورت بغیر محرم کو ساتھ لئے سفر نہ کرے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین، و احمد، و ابوداؤد عن ابن عمر۔

حضرت ابن عباس کی روایت سے امام احمد نے بھی اور صحیحین میں بخاری و مسلم نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طلحوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی (کیونکہ من ذنبی کا لفظ جب از روئے حدیث مخصوص البعض ہو گیا تو مزید تخصیص قیاس سے کی جاسکتی ہے جو عام مخصوص البعض نہ ہو اس کی تخصیص قیاس سے نہیں کی جاسکتی۔ مترجم) طلحوی نے لکھا ہے کہ حد زنا میں تغریب (جلاد ظنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ہوتا ہے، حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا جرد تو بیخ نہ کرے (حدیث میں لایثرب علیہا آیا ہے جس کا ترجمہ ایک تو یہی ہے جو ہم نے کر دیا، دوسرا ترجمہ مرادوی میسے کہ صرف جرد تو بیخ پر اکتفا نہ کرے بلکہ حد زنا جاری کرے) اگر وہ پھر (دوبارہ) زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں تہریب نہ کرے تیسری مرتبہ اگر پھر زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اس کو فردخت کر دے خواہ بالوں کی ایک رتی ہی کے عوض فردخت کرنا پڑے۔ متفق علیہ۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے (تیسری بار) زنا کرنے پر باندی کو فردخت کر دینے کا حکم دیا اور ظاہر ہے کہ اگر حد زنا جاری کرنے کے لئے جلاد ظن کرنا ضروری قرار دیا جائے گا تو باندی بائع کے قبضہ میں نہیں رہے گی اور وہ خریدار کو باندی پر قبضہ نہ دے سکے گا اور یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ بائع کو ایسی چیز کو فردخت کر دینے کا حکم دیتے جس پر خریدار کا قبضہ ممکن نہیں، اس حدیث سے زانیہ باندی کو شہر بدر کرنے کی سزا نہ دینے کا حکم نکل رہا ہے اور جب باندیوں کو شہر بدر کرنا جائز نہیں تو آزاد عورتیں جن سے زنا کا صدور ہو گیا ہو پھر وہ اولیٰ جلاد ظن نہ کئے جانے کی مستحق ہیں کیونکہ اللہ نے باندیوں کی سزا آزاد عورتوں سے آدھی رکھی ہے فرمایا ہے عَلَيَّهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ اور جب آزاد عورتوں کے لئے تغریب کا حکم نہیں تو آزاد مردوں کے لئے بھی نہیں ہو سکتا (کیونکہ زنا کی جو سزا آزاد عورت کے لئے مقرر ہے وہی آزاد مرد کے لئے مقرر ہے۔ مرد کو زنا کی سزا زائد نہیں دی جاسکتی لیکن

طحاوی کی یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ عام عورتوں یا باندیوں کیلئے تعزیر نہ ہونے کا حکم تو احادیث میں تعارض کی وجہ سے ہے اور مردوں کے لئے (تہمسفر کرنے کی ممانعت نہیں اس لئے مردوں کے لئے اگر تعزیر کا حکم ہو تو) کوئی تعارض نہیں۔ بعض احناف نے کہا حدیث تعزیر پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی کا معنی یہ ہو گا کہ حکم قرآنی کو حدیث نے منسوخ کر دیا اور خبر آحاد سے آیت قرآنی کا نسخ جائز نہیں۔

احناف کی یہ دلیل قابل قبول نہیں۔ حکم نسخ میں جس زیادتی کو مانا جاتا ہے وہ ہر زیادتی نہیں بلکہ عامورہ میں کسی ہر مکن یا شرط یا وصف کی زیادتی کو حکم نسخ میں جائز قرار دیا جاتا ہے تاکہ جائز کو ناجائز قرار دینا نہ پڑے مثلاً "نماز کے ارکان میں سورت فاتحہ کی تعین یا کفارہ میں بروہ آزاد کرنے کے لئے اس کے مومن ہونے کی شرط یا قضاء روزہ رکھنے میں بے درپے مسلسل روزے رکھنے کی شرط یا طواف میں طہارت کی ضرورت یہ تمام زیادتیاں کتاب اللہ پر زیادتیاں شہد کی جائیں گی جن کا کوئی جواز نہیں ان سے حکم کتاب کا نسخ لازم آئے گا۔ لیکن کتاب اللہ پر ہر زیادتی ممنوع نہیں ہے ورنہ اکثر احادیث باطل قرار پاجائیں گی دیکھو عدت وقات قرآن سے ثابت ہے لیکن عدت میں سوگ کرنے کا ثبوت قرآن سے نہیں، حدیث سے ہے مگر سوگ عدت کی شرط لازم نہیں اگر کوئی عورت چار ماہ دس روز عدت کے پورے کر لے اور اس مدت میں سوگ نہ کرے تو عدت پوری ہو جائے گی مگر ترک واجب کی وجہ سے گناہگار ہوگی۔

بغیر سوگ کیے عدت گزارنے کے بعد اس کے لئے جدید نکاح درست ہو جائے گا۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک سورہ فاتحہ کی نماز میں تعین اور کسی سورت کا اس کے ساتھ ملانا بھی واجب ہے رکن صلوٰۃ نہیں ہے۔ پس اگر حدیث کی روشنی میں کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ ایک سالہ جلا وطنی کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو اس سے جائز ناجائز نہیں ہو جائے گا۔ اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ تعزیر اور عدم تعزیر دونوں کی طرف سے آیت خاموش ہے آیت میں ایسی کوئی تعین نہیں کہ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو آیت کا منسوخ ہونا لازم آجائے پس حدیث کی رو سے تعزیر کا اضافہ نسخ آیت کا موجب نہیں۔

محققین احناف کہتے ہیں کہ جس حکم کا سورت نساء میں وعدہ کیا گیا ہے فجلدوا میں اس کا بیان ہے پس اس آیت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ تکمیل حکم کا درجہ رکھتا ہے اس آیت میں بر قول سیبویہ حکم موعود کا پورا پورا بیان کر دیا گیا اگر اس کو پورا بیان نہ قرار دیا جائے گا تو اس سے جہل مرکب میں مبتلا کرنا لازم آئے گا کیونکہ آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے اور واقع میں پورا بیان ہو گا نہیں تو پڑھنے والے جہل مرکب میں مبتلا ہو جائیں گے، ایسے بیان سے تو ترک بیان لوٹی ہے۔ لیکن اگر مجرد کے قول کے مطابق فاجلدوا کو شرط کی جزا کہا جائے گا تو مطلب یہ ہو گا کہ سو کوڑے مارنے کا حکم تو واقعی موجود ہے اب اگر تعزیر کو بھی سزائے تازیانہ کے ساتھ ثابت مانا جائے گا تو یہ اصل حکم کے معارض اور زیادتی ممنوعہ ہوگی مسکوت عنہ کا ثبوت نہ ہوگا۔

ایک شبہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث مشہور ہے ساری امت نے اس کو حدیث مانا ہے اور ایسی مشہور حدیث سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ امت اسلامیہ نے بے شک اس حدیث کی سند کو صحیح مانا ہے اور حدیث صحیح ہے لیکن صحت سند کو ماننے سے حدیث احادیث فہرست سے باہر نہیں ہو جاتی اور اگر صحیح ماننے کا یہ مطلب ہے کہ سب امت نے اس کے موافق عمل کرنے پر اتفاق اور اجماع کر لیا ہے تو یہ غلط ہے (امت اسلامیہ میں بکثرت اشخاص اور گروہ اس کی ضرورت نہیں مانتے)۔

ایک شبہ :- آیت متواتر قطعی ہے لیکن آیت کا مروی معنی کیا ہے یہ ظنی ہے کیونکہ باجماع علمائے امت آیت میں عموم مخصوص البعض ہے سو کوڑے مارنے کا حکم (اگرچہ آیت میں ہر زانی کے لئے ہے لیکن یہ حکم) آزاد مردوں اور آزاد عورتوں پر جاری ہو گا اور اکثر امت کے نزدیک زانی اور زانیہ کا ناکتخا ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر صرف کوڑے مارنے پر اکتفا کیا جائے یا اس کے ساتھ شہر بدر بھی کیا جائے یہ بات بجائے خود ظنی ہے اس کا استنباط رائے سے کیا گیا ہے، حدیث ہے کہ اکثر فقہاء

اور لغت عربی کے عالم اس استنباط کے قائل بھی نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آیت قطعی السند اور قطعی الدلالت سے اور حدیث مذکور آحاد میں سی ہے قطعی السند ہے مگر قطعی الدلالت ہے (معنی مراد کی تعیین میں کوئی شک استنباط پارائے نہیں کیا گیا الفاظ کے جو معین معنی ہیں وہی مراد ہیں) پس جب حدیث آحاد حکم کتاب کی ناخ ہو سکتی ہے تو بدرجہ اولیٰ اس سے کتاب پر زیادتی جائز ہو سکتی ہے (زیادتی میں تو اصل حکم باقی ہے اور نسخ میں اصل حکم ہی ختم ہو جاتا ہے)۔

ازالہ :- اگر مساوات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی اتنا ماننا ہی پڑے گا کہ زانی مردوں اور عورتوں کے حق میں حدیث کا حکم اول ترین حکم ہے کیونکہ حضرت عبادہ والی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لو مجھ سے (سن) لو اللہ نے ان (زانی عورتوں) کے لئے راہ نکال دی تاکتھا، تاکتھا کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا، اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور سنگسار کر دینا۔ اب (مساوات کی صورت میں) آیت کا حدیث سے تعارض ہو گا اور آیت و حدیث کے تعارض کے وقت آیت ناخ ہوگی۔ منسوخ نہیں ہوگی اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ شادی شدہ کے حق میں کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہے (شادی شدہ زانی کو صرف سنگسار کیا جائے) تو پھر تاکتھا کے لئے تعریب کا حکم (جو حدیث میں مذکور ہے) اگر منسوخ قرار دے دیا جائے تو کیا خرابی ہے اور ناخ بھی یہی آیت ہوگی (کوئی قیاس ناخ نہیں ہوگا)۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تعریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زنا) واجب قرار دے سکیں۔ زائد سے زائد البکر بالبکر جلد ماہود تعریب عام کے الفاظ آئے ہیں اور اس میں ایک واجب (یعنی تعریب) کا عطف دوسرے واجب یعنی (جلد ماہود) پر ہے اور اس عطف سے وجوب تعریب بطور حد ثابت نہیں ہو تا بلکہ بخاری کی روایت میں تو صراحہ حضرت ابو ہریرہؓ کے یہ الفاظ آئے ہیں کہ تاکتھا زانی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے شہر بدر کرنے اور حد کو قائم کرنے یعنی سو کوڑے مارنے کا فیصلہ کیا ہے حضرت ابو ہریرہؓ کے الفاظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ شہر بدر کرنے کا حکم بطور حد زنا تھا، حد زنا صرف کوڑے مارنا تھا، اب زنا کی سزا کے دو ٹکڑے مانے جائیں (سزائے تازیانہ اور جلا وطن) اور ایک جز کا دوسرے جز پر عطف مانا جائے تو یہ تاویل (حضرت ابو ہریرہؓ کے قول کی روشنی میں) انتہائی رکیک ہوگی، کسی دلیل سے اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اقامت حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔

فائدہ :- علمائے شافعیہ نے حدیث تعریب کی ترجیح کے لئے ایک عقلی توجیہ یہ بھی کی ہے کہ جلا کر دینے سے زنا کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے، پھر اس شخص کو زنا کے مواقع ہی حاصل نہیں ہوتے سب چہرے اجنبی ہوتے ہیں۔ علمائے احناف نے کہا اس سے توفتنہ کا دروازہ اور کھل جانے کا خطرہ ہے، زنا کرنے والی عورت جب اپنے کنبہ قبیلہ سے کٹ جائے گی تو اس کو جھجک بھی نہیں رہے گا اگر نفسانی جذبات اس کے قوی ہوئے تو بلا خوف و خطر وہ مزید زنا میں مبتلا ہو جائے گی اور نفسانی جذبہ میں اگر بیجان نہ بھی ہو تب بھی اس کو بعض اوقات گزر بسر کے لئے روپے کی ضرورت ہوگی اور اس مجبوری سے ممکن ہے وہ زنا میں پڑ جائے اس کی تائید عبدالرزاق اور محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الآثار والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ دونوں بزرگوں نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے بروایت حماد بواسطت ابراہیم حنفی بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تاکتھا اگر تاکتھا سے زنا کرے تو دونوں کے سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے حضرت علی نے فرمایا شہر بدر کر دینے سے تو بڑا فتنہ پیدا ہوگا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شہر بخاری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلا وطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہر قل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلا وطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

مسئلہ :- اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے، مصلحت حاکم شہر بدر کرنا

جائز ہے رسول اللہ ﷺ کی ریث تغریب اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے کہ (حاکم کا یہ اختیار تمیزی سے اگر وہ چاہے تو جلا وطن بھی کر دے) نسائی ترمذی اور حاکم نے بیان کیا اور حاکم نے بشرط یحییٰ اس کی تصحیح بھی کی ہے اور دارقطنی کا بیان بھی یہی ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوڑے بھی لگوائے اور شہر بدر بھی کیا اور حضرت ابو بکر نے کوڑے لگوائے اور شہر بدر کیا اور حضرت عمر نے پڑ لیا اور شہر بدر کیا۔ ابن قطان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور دارقطنی نے اس روایت کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے مجہول سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت عثمان نے ایک عورت کو زنا کی سزا میں کوڑے لگوائے اور خیبر کی طرف شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفید کو جلا وطن کر سکتا ہے۔ طحاوی نے حضرت عمر بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ ﷺ نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اس کو حکم دیا۔

سعید بن منصور روایت ہے کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کے دو سو کوڑے لگوائے جلا وطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجہدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضب ناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے یہی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلا وطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبدالرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص) کو شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبہ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو کچھ مدت کے لئے ترک وطن کا حکم دے دیتے تھے تاکہ اس کی نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آجائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلاء معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کئے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دے دے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ :- اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اسی پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم سنگسار کرنے کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے ان احادیث کا تواتر لفظی نہ سہی معنوی تواتر ضرور ہے۔ جیسے حضرت علی کی شجاعت اور حاکم کی سخاوت۔ تفصیلی لحاظ سے اگرچہ تواتر کو نہیں پہنچتی لیکن اجمالی فوقیت متواترہ ہے ناقابل انکار ہے۔ اسی طرح رجم کا ثبوت متواتر ہے گو تفصیلی حالات صورتیں اور خصوصیت خبر آحاد میں آئی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا آپ پر کتاب نازل فرمائی من جملہ دوسری آیات کے آیت رجم بھی نازل فرمائی رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کر لیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کر لیا۔ اور کتاب اللہ میں کتھ ازانی مرد اور عورت کو رجم کر دینے کا حکم صحیح ہے بشرطیکہ گواہوں سے ثبوت ہو جائے یا حاصل ہو جائے یا مجرم اعتراف کر لے۔ متفق علیہ۔

یہی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب

نازل فرمائی۔ نازل کر وہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی آیت یہ تھی الشیخ والشیخۃ اذازنیا فارجموہما البتہ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کر لیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کر لیا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا اور اود نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گزر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا) مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے (حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا) معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا ایجابی ہے (حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔ صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورت احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ والشیخۃ اذازنیا الخ بھی تھی۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت مسلمین کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز درپچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان شخص کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھر اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والتسانی وابن ماجہ والدری۔ رواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ الطبرانی ورواہ الحاکم۔ حاکم نے اس کو بشرط تخمین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابدوؤد..... بخاری نے حسب روایت ابو قلابہ اس حدیث کو نقلی قرار دیا ہے، حضرت ابو قلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے ناحق قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول ﷺ سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن مالک کو سنگسار کر لیا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم و البخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ۔ صحیحین میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور بعض دوسرے لوگوں کے حوالے سے جن کے نام نہیں بتائے گئے نقل کی گئی ہے۔ مسلم نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ معاذ بن مالک نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ الحدیث۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ غامد کی ایک عورت کو بھی سنگسار کر لیا تھا جس نے خود حاضر ہو کر عرض کیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کو زنا کا حمل ہے، حضور ﷺ نے وضع حمل کے بعد اس کو سنگسار کر لیا تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ جب

اس کا بچہ کھانا کھانے لگا اس وقت عورت کو سنگسار کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی ایک عورت کو بھی رجم کر لیا تھا، جب اس نے زنا کا خود اعتراف کیا تھا۔ رواہ مسلم من حدیث عمران بن حصین۔

علمائے فقہ و حدیث قائل ہیں کہ خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا اور ان کا رجم کرنا روایت حد تو اترا کو پہنچ گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ :- اگر ایک شادی شدہ ہو اور دوسرا ناکتھ اتو شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا اور ناکتھ اکو کوڑے لگائے جائیں گے جیسا رسول اللہ ﷺ نے اس مقدمہ میں فیصلہ کیا تھا جس میں ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھی (مزدور کو کوڑے مارے گئے اور شادی شدہ عورت کو سنگسار کر لیا گیا)۔

مسئلہ :- کیا شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے سے پہلے سزائے تازیانہ بھی دی جائے گی۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام احمد نے فرمایا، اس آیت کے حکم کے مطابق پہلے سو کوڑے مارے جائیں گے پھر سنگسار کر دیا جائے گا، گویا امام احمد کے نزدیک آیت کا حکم صرف ناکتھ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے نہ منسوخ ہے۔ امام احمد نے یہ بھی فرمایا کہ کوڑے کا جو حکم آیت میں مذکور ہے وہ پوری سزا نہیں ہے بلکہ سزائے زنا کا ایک حصہ ہے دوسرا حصہ وہ ہے جو حدیث میں مذکور ہے کہ ناکتھ اکو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے اور شادی شدہ کو سنگسار کر دیا جائے اور جس طرح حدیث تخریب اور حکم آیت میں تضاد نہیں ہے (بلکہ حدیث، آیت کا جزء تکمیلی ہے) اسی طرح آیت کے حکم کا ٹکراؤ حدیث رجم سے بھی نہیں ہوتا (آیت کے حکم کا جزء تکمیلی حدیث رجم ہے) اگرچہ حدیث رجم متواتر ہے اس لئے دونوں آیت اور حدیث پر عمل کیا جائے گا، اس کی تائید حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بکر بکر سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگساری۔

حضرت سلمیٰ بن محجن رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو۔ اللہ نے ان زنا کرنے والی عورتوں کی راہ بتادی بکر سے بکر زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو سو کوڑے اور سنگسار کر دینا۔ حضرت علی کے مندرجہ ذیل اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جس کو احمد اور حاکم اور نسائی نے بروایت شعبی بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے کوفہ میں سرحد ہمدانیہ کو کوڑے لگوائے پھر اس کو سنگسار کر دیا۔ جمعرات کے دن کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن رجم کر دیا تھا اور فرمایا تھا، میں کتاب اللہ کے موافق اس کے کوڑے لگوارہا ہوں اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق سنگسار کر رہا ہوں۔ اصل روایت صحیح بخاری میں موجود ہے مگر عورت کا نام مذکور نہیں۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک آیت کا حکم مخصوص ہے ناکتھ کے ساتھ اس کی خصوصیت ہے یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہے۔ حضرت عبادہ اور حضرت سلمیٰ کی روایت کردہ حدیثیں بھی یہی حکم رکھتی ہیں (یا مخصوص البعض ہیں یا شادی شدہ کے حق میں منسوخ ہیں) اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز اور غامد یہ عورت اور جہینہ عورت کو رجم کر لیا، مختلف روایت سے اور متعدد طریقوں سے یہ واقعات منقول ہیں لیکن کسی روایت اور کسی طریقہ سند سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے ان لوگوں کو سنگسار کرانے سے پہلے کوڑے بھی لگوائے تھے۔

حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، حضور ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا (ناخ کی تین قسمیں ہیں (۱) ناخ کسی منسوخ کے حکم کو منسوخ کر دے مگر منسوخ کی طلاق باقی ہو، (دوسرا) وہ ناخ ہوتا ہے جو وحی پر توجہی ہوتا ہے مگر وہ غیر منسوخ ہوتی ہے۔ (تیسرا) وہ ناخ ہوتا ہے جس کا حکم باقی ہوتا ہے اور طلاق منسوخ

تکمیل کی شرط ہے رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدمی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام محمد کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد، اور امام ابو یوسف اسلام کو ضروری نہیں قرار دیتے۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محسن نہیں ہے یہ حدیث اسحاق بن راہویہ نے مسند میں.... حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور دونوں طرح سے بیان کی ہے مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی، یعنی ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کا فرماں قرار دیا ہے اور دوسری جگہ حضرت ابن عمر کا قول۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ سوائے اسحاق کے کسی نے اس حدیث کو مرفوعاً نہیں بیان کیا۔ بعض اہل روایت کا قول ہے کہ اسحاق نے اس حدیث کو مرفوع کرنے سے رجوع کر لیا تھا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے (حضرت ابن عمر کا قول ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت غیر محقق ہے) ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر سند صحیح ہو تو ایسی حدیث کو مرفوع ہی قرار دیا جائے گا کیونکہ راوی اگر مفتی ہو تو اس کے فتویٰ کی بناء کسی واقعہ پر ہی ہوگی۔ میں کہتا ہوں جب اسحاق نے رجوع کر لیا اور اس کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں قرار دیا تو پھر کوئی دوسرا اس کو مرفوع کہنے کا کیا حق رکھتا ہے اور بالفرض اگر اس کو مرفوع مان بھی لیا جائے تب بھی لبس بمحصن کے لفظ سے خصوصیت کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رجم کے لئے جس احسان کی شرط ہے وہ باقی نہیں رہتا قرآن میں احسان کے مختلف معنی آئے ہیں۔ ممکن ہے اس حدیث میں محسن بمعنی عقیف ہو یعنی مشرک عقیف نہیں ہوتا (پاک دامن نہیں ہوتا مشرک سے بڑھ کر تدامنی اور کیا ہو سکتی ہے، جب مشرک ہو گیا تو اس نے اپنی پاک دامنی کھو دی) پس اس پر تہمت زنا لگانے والا حد قذف کا مستحق نہیں ہوتا (کیونکہ پاک دامن آدمی پر تہمت زنا لگانے والا حد قذف کا مستحق ہوتا ہے اگر پاک دامن نہ ہو تو اس پر تہمت زنا دھرنے والا حد قذف کا مستحق نہیں قرار پاتا)۔ پس اس حدیث سے رجم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ضروری نہیں قرار دی جاسکتی۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ حدیث الثیب بالثیب میں لفظ ثیب (شادی شدہ) عام ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ ﷺ کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا رجم کی بابت تورات میں تم کو کیا ملتا ہے۔ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا تورات میں تو سنگسار کر دینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے لولہ آخر کی عبارت پڑھ دی، عبد اللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آگئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد ﷺ! عبد اللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم نافذ فرمادیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد و امام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ حکم تو تورات میں تھا جو شریعت اسلامیہ میں منسوخ کر دیا گیا۔ میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام ہمارے لئے واجب العمل ہیں تا وقت یہ کہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آگیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرارا جاتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ ﷺ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابو حنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی نسخ کے شریعت سابقہ کا

حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث، زانی زانیہ، شیخ، شیخہ، شیبہ اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مومن کو بھی شامل ہیں اور کافر کو بھی اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ حدیث من انس رک باللہ فلیسن بمحصن سے رجم کے لئے مسلمان ہونے کی شرط ثابت نہیں ہوتی۔ آیت میں احسان نہ ہونے سے مراد ہے پاک دامن نہ ہونا، یعنی مشرک پاک دامن نہیں اس لئے اس پر تہمت زنا لگانے سے حد قذف جاری نہ ہوگی۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ نے رجم کے لئے محسن ہونے کی شرط کی تفصیل یہ بیان کی کہ زوجین صحیح نکاح کے ساتھ قربت کر چکے ہوں، دونوں مسلمان عاقل، بالغ اور آزاد ہوں۔ امام احمد نے مسلمان ہونے کی شرط کے علاوہ باقی شرائط میں امام ابو حنیفہ سے اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ اگر کسی آزاد مسلمان عاقل بالغ نے باندی سے یا نابالغہ سے یا دیوانی عورت سے یا کتابیہ عورت سے قرب کر لی ہو اور جماع ہو گیا ہو تب بھی وہ محسن نہیں قرار پائے گا اگر اس کے بعد زنا کرے گا تو قابل رجم نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر آزاد عاقل بالغ عورت نے کسی غلام یا نابالغ یا دیوانے سے نکاح کر لیا اور جماعی قربت بھی ہو گئی تب بھی محسنہ نہیں قرار پائے گی اگر اس کے بعد زنا کی مرتکب ہو جائے گی تو اس کو رجم نہیں کیا جائے ہوگا۔ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی عورت سے نکاح کر لیا، اور قربت کر لی پھر قربت کے بعد وہ مسلمان ہو گئی اور اس کے مسلمان ہونے کے بعد شوہر نے اس سے قربت نہیں کی پھر عورت زنا کی مرتکب ہو گئی و قابل رجم نہیں قرار پائے گی۔

اگر کسی مسلمان عاقل بالغ نے اپنی باندی سے قربت کی پھر اس کو آزاد کر دیا اور آزاد کرنے کے بعد اس سے قربت نہیں کی پھر اس باندی نے زنا کا ارتکاب کیا تو قابل رجم نہ ہوگی۔ سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

حنیفہ نے اپنے قول کے ثبوت میں دار قطنی اور ابن عدی کی روایت کردہ حدیث پیش کی ہے کہ ابو بکر بن عبد اللہ بن ابی مریم نے بروایت علی بن ابی طلحہ حضرت کعب بن مالک کا یہ بیان نقل کیا کعب نے ایک یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا وہ تم کو محسن نہیں بنا سکے گی۔

دار قطنی نے کہا ابو بکر بن عبد اللہ بہت ضعیف رووی ہے اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت کعب بن مالک کو نہیں پایا (اس لئے یہ روایت ضعیف ناقابل اعتماد ہے)۔

ابن ہمام نے کہا اس حدیث کو بقیہ بن ولید نے بحوالہ عتبہ بن نعم بروایت علی بن ابی طلحہ از کعب بن مالک بھی بیان کیا ہے۔ لیکن اس کی سند بھی منقطع ہے۔

میں کہتا ہوں بقیہ بن ولید ضعیف اور تدلیس کرنے والا ہے ابن ہمام نے کہا ہمارے نزدیک کسی روایت کا منقطع ہونا مرسل ہونے کا حکم رکھتا ہے اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے، بشرطیکہ.... تمام روای عاقل ہوں۔ میں کہتا ہوں ایک زانی یہودی اور زانیہ یہودن کو رسول اللہ ﷺ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا، یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے اور روایت مذکورہ اس سے متعارض ہے لیکن صحیحین کی حدیث کی برابر قوت نہیں رکھتی اس لئے اس پر عمل ناجائز ہے۔

امام احمد چونکہ احسان کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کو ضروری نہیں قرار دیتے اس لئے وہ بھی اپنے قول کی تائید میں اس حدیث کو نہیں پیش کر سکتے۔

بیہقی نے بطریق ابو وہب از یونس بیان کیا کہ زہری نے کہا میں نے خود سنا کہ عبد الملک۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے دریافت کر رہا تھا کیا باندی سے (قربت) آزاد مرد کو محسن بنا سکتی ہے۔ عبید اللہ نے کہا ہاں، عبد الملک نے کہا تم یہ کس کی روایت سے بیان کر رہے، عبید اللہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو ایسا ہی فرماتے پایا ہے۔ بیہقی کا قول ہے کہ ہم کو اطلاع ملی ہے کہ محمد بن یحییٰ نے اوزاعی کا قول بھی یہی بیان کیا تھا۔ بیہقی نے بطریق عبد الرزاق از عمر از زہری بھی عبید اللہ بن عبد اللہ کا قول اسی طرح بیان کیا ہے۔

مسئلہ :- اگر مرد اور عورت میں سے ایک محصن ہو اور دوسرا محصن نہ ہو تو شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا اور ناکھرا کو کوڑے مارے جائیں گے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت زید بن خالد اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث لو برز کر کی جا چکی ہے کہ مزدور کو حضور ﷺ نے کوڑے لگوائے اور جس عورت نے اس سے فعل زنا کیا تھا (چونکہ وہ شوہر دار تھی اس لئے) اس کو سنگسار کرنے کا حکم تھا۔ پوری حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ :- اگر دونوں میں سے ایک پاگل ہو تو امام مالک و امام شافعی و امام احمد کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہو گا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔ اور ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ عورت کو مرتکب زنا مجازاً کہا جاتا ہے اور اگر اس کو مان بھی لیں تب بھی یہ مجازی معنی، یعنی مرد کو زنا کرنے کی اجازت دینا، عورت پر حد شرعی جاری ہونے کا موجب ہے۔ باقی یہ کہنا کہ بچے اور دیوانہ کا فعل (غیر مکلف ہونے کی وجہ سے) زنا نہیں ہے ناقابل تسلیم ہے بلکہ لغت اور شریعت دونوں میں اس کو زنا کہا گیا ہے، تکلیف شرعی نہ ہونے کی وجہ سے نفاذ حد نہیں ہوتا۔

فصل

مسئلہ :- مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے جماع کرنا شرعاً اور لغتاً زنا کہلاتا ہے۔ درمیں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت والذان یاتیانہا منکم فاذوہما کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشترک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی۔ کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہ گار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہر یہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابو حنیفہ میں مذکور ہے۔ ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کی یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو اگر اس (جرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موثقاً بیان کیا ہے اور یزید بن زیاد صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ بیہقی نے وکیع کی روایت کو سنن میں اقرب الی، الصواب کہا ہے۔ رشدین نے بواسطہ عقیل بروایت زہری اس کو بیان کیا ہے۔ لیکن رشدین ضعیف ہے۔

حضرت علیؑ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل

نہیں کر سکتا) اس کی سند میں محمد بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔ اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کی سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شہادت سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو رواہ ابن ابی شیبہ، حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر شہادت کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کر دوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شہادت کی موجودگی میں میں حدود جاری کروں۔

ظاہر یہ فرق کہتا ہے کہ ثبوت کے بعد کسی شبہ کی وجہ سے حد ساقط نہیں کی جاسکتی۔ سقوط حد کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان ثابت نہیں بلکہ بعض صحابہ کا قول ہے اور وہ بھی ناپسندیدہ سند سے مروی ہے۔ رہی حضرت ابن مسعود کی موقوف حدیث سو وہ مرسل ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت کے علاوہ عبد الرزاق نے جو حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے اس کی سند میں اسحاق بن ابی فرودہ آتا ہے جو معلل ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھو لیا ہوگا شاید تو نے دبایا ہوگا، گویا حضور ﷺ نے اقرار زنا کے بعد حضرت معاذ کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی درپردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور ﷺ کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور ﷺ ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور ﷺ نے فرمایا میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

غالب یہ عورت جس نے زنا کا اقرار کیا تھا سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح سراح سے جس نے زنا کا اقرار کیا تھا فرمایا تھا، شاید تو سوری ہوگی اور وہ تیرے اوپر آڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہو گیا شاید تیرے آقائے تیرا نکاح اسی سے کرادیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

مسئلہ :- شبہ دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) شبہ اشتباہ :- یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقعی میں دلیل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کر لی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتہ ولادت کی وجہ سے اور بی بی سے رشتہ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کر لی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمت قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کر لی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حد زنا جاری ہوگی۔

(۲) شبہ ملک :- یہ اس وقت ہوتا ہے جب واقع میں حلت کی کوئی دلیل موجود ہے (لیکن شبہ کرنے والے نے سمجھنے میں غلطی کی ہو) جیسے بیٹے کی باندی سے اس حدیث کی روشنی میں قربت کر لی جو حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے

خدمت گرامی میں گزارش کی یا رسول اللہ ﷺ میرا مال بھی ہے اور لولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطن اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصحیح میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے (بظاہر اس حدیث سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ بیٹے کی باندی بھی باپ ہی کی ملک ہے اس لئے باپ کی قربت بیٹے کی باندی سے جائز ہے۔ یہ دلیل اگرچہ غلط ہے لیکن بہر حال دلیل ہے) اسی طرح جس عورت کو طلاق کنائی دی ہو اور وہ عدت میں ہو اس سے طلاق دینے والے نے (بغیر نکاح جدید کے) قربت کر لی تو حد زنا جاری نہ ہوگی کیونکہ صحابہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک طلاق کنائی دینے کے بعد حق رجوع باقی رہتا ہے اسی طرح بغیر گواہوں کے نکاح کا مسئلہ ہے کہ بغیر گواہ منکوحہ سے قربت حد زنا کی موجب نہیں۔ ان تمام صورتوں میں چونکہ حلت کی کسی نہ کسی طرح کی دلیل موجود ہے (اس لئے) قربت کرنے والے پر حد زنا جاری نہ ہوگی خواہ وہ حرمت کا ہی عقیدہ رکھتا ہو۔

اسی طرح اگر پہلی مرتبہ کوئی عورت رخصتی کے بعد شوہر کے گھر میں آئی اور عورتوں نے کہا یہ تیری بی بی ہے اور شوہر نے قربت کر لی (اور واقع میں وہ عورت اس کی منکوحہ نہ تھی) تو حد جاری نہ ہوگی، البتہ مرد دینا پڑے گا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے حضرت علی نے یہی فیصلہ کیا تھا اور عورت کو عدت بھی کرتی ہوگی۔ حد جاری نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہے کہ اس نے عورتوں کی خبر پر اعتماد کیا اور کرنا ہی چاہئے تھا کیونکہ پہلی مرتبہ میں کسی کو بھی اپنی بی بی اور غیر عورت کے درمیان امتیاز نہیں ہوتا (دوسری عورتوں کی اطلاع کا اعتبار کرنا ہی پڑتا ہے ہاں اگر کسی نے اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور اس سے صحبت کر لی تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی، امام مالک، شافعی اور امام احمد کا قول اس مسئلہ میں بھی مسئلہ اول کی طرح ہے ان حضرات کے نزدیک اس صورت میں بھی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ایک مدت تک ساتھ رہنے کے بعد دھوکہ ہو جانے کا کوئی معنی نہیں اگر اس صورت میں بھی اس کو اپنے بستر پر موجود اجنبی عورت پر اپنی بی بی کا گمان ہوتا ہے تو بے دلیل ہوتا ہے۔

اگر مرد نابینا ہے اور عورت کو دیکھ نہیں سکتا تب بھی امام صاحب کا یہی قول ہے کیونکہ وہ سوال کر سکتا ہے اور دوسرے طریقے استعمال کر سکتا ہے ہاں اگر نابینا نے اپنی عورت کو بلایا اور اجنبی عورت پہنچ گئی اور اس نے کہا میں تیری بی بی ہوں تو نابینا دھوکہ کھا سکتا ہے اجنبی عورت اس کی بی بی کی آواز بنا سکتی ہے آواز آواز کے مشابہ ہو سکتی ہے خصوصاً ایسی صورت میں تو زیادہ دھوکہ ہو سکتا ہے جب ساتھ رہتے زیادہ مدت نہ گزری ہو۔

مسئلہ :- جس عورت سے نکاح حرام ہے اور کسی نے اس سے نکاح کر لیا اور صحبت کر لی تو امام ابو حنیفہ، امام زفر اور سفیان ثوری کے نزدیک زنا کی حد اس پر جاری نہ ہوگی لیکن اس جرم کی سزا اس کو بہت ہی شدید دی جائے گی (جو حد زنا سے بھی زیادہ سخت ہوگی)۔

میں کہتا ہوں اس کو قتل کر دینے کا فیصلہ زیادہ مناسب ہے تاکہ حدیث کا اتباع ہو جائے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک کا قول ہے کہ اگر حرمت نکاح کا علم رکھتے ہوئے نکاح کیا ہو تو حد زنا جاری کی جائے گی کیونکہ اس نے ایسی عورت سے صحبت کی جس کی حرمت اجماعی ہے کسی کو اس کی حرمت میں اختلاف نہیں نہ ملک ہے نہ ملک کا شبہ۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہر عورت محل نکاح ہے اس نے عورت سے ہی نکاح کیا ہے ہاں بعض عورتیں نکاح مخصوص کا محل نہیں ہیں اسی لئے ان سے نکاح باطل ہے اس لئے شبہ پیدا ہو گیا، شبہ اسی کو کہتے ہیں جو حقیقت سے مشابہت رکھتا ہو وہ حقیقت تو نہیں بن جاتا پس شبہ نہیں چاہتا کہ کس طور پر اس کی حلت ہو سکتی ہو (قطعاً حرام ہونے کی صورت میں بھی حلت کا شبہ ہو سکتا ہے اور جب شبہ ملک پیدا ہو گیا تو یہ فعل زنا نہیں ہوا، اس لئے حد زنا اس پر جاری نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ یہ عمل زنا سے زیادہ سخت ہے تو اس عمل کی شدت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ اس کو زنا کی سزا دی جائے۔ حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمت زنا لگانے کی سزا شرعاً اتنی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا

شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے اور فرمایا ہے غیبت زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید و جابر (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں)۔

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوائی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً "ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی، پوتی، نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی حرمت یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول و فروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول و فروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے کیونکہ تمام علماء کے نزدیک اس میں (ملکیت کا) شبہ ہے اگر نکاح کی حرمت تو متفق علیہ ہو لیکن یہ حرمت دوائی نہ ہو، جیسے آزاد عورت پر باندی سے نکاح یا مجوسی عورت سے نکاح یا کسی باندی سے اس کے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح یا غلام کا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح یا دوسرے کی منکوحہ سے نکاح یا اس عورت سے نکاح جو کسی کی مطلقہ ہو اور عدت میں ہو یا اس کا شوہر مر گیا اور وہ عدت میں ہو یا بی بی کو تین طلاقیں دینے کے بعد (بغیر حلالہ کیے) اس سے نکاح یا بی بی سے نکاح یا بی بی کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کے زمانے میں سالی سے نکاح یا بی بیوں کے باوجود پانچویں سے نکاح یہ سب نکاح حرام ہیں مگر حرمت دوائی نہیں اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک ان حرمت سے نکاح اور نکاح کے بعد صحبت حد زنا کا موجب نہیں، صاحبین کے دو قول مروی ہیں ایک روایت میں ان سے نکاح کو موجب حد کہا گیا ہے اور دوسری روایت میں صاحبین کا قول امام صاحب کے قول کے موافق کہا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو طحاوی نے بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت سے اس کی عدت کے زمانے میں نکاح کر لیا، یہ معاملہ حضرت عمر تک پہنچا، آپ نے اس کو پٹو لیا مگر حد زنا سے کم اور عورت کو مہر دلویا اور دونوں میں تفریق کراوی اور فرمایا آئندہ یہ دونوں کبھی جمع نہیں ہوں گے۔

مخام سے نکاح کرنے کے مسئلہ میں حضرت جابر کی روایت سے آیا ہے کہ ایسے شخص کی گردن ماری جائے امام احمد اور اسحاق اور اہل ظاہر کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن ابن حزم نے قتل کی سزا صرف اس شخص کے لئے تجویز کی ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے مرنے کے بعد نکاح کیا ہو کیونکہ حدیث میں قتل کی سزا کا حکم اسی شخص کے متعلق ہوا تھا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا دوسری روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ ایسے آدمی کی گردن ماری جائے اور مال ضبط کر لیا جائے۔ کیونکہ حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ میں اپنے ماموں سے ملا اس وقت وہ ایک جھنڈا لئے کہیں جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کہا جانے کا ارادہ کر رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس کی گردن مار دوں اور اس کا مال لے لو۔ رواہ ابو داؤد و الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

طحاوی نے بعض طریقوں سے اس کو بیان کیا ہے لیکن ان میں مال پر قبضہ کر لینے کا ذکر نہیں ہے۔ بعض طریقوں میں مال پر قبضہ کر لینے کا ذکر ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی محرم عورت پر پڑ جائے اس کو قتل کر دو۔ معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا کہ قرہ کے باپ یعنی میرے دادا معاویہ کو حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کی گردن ماری اور اس کے مال پر قبضہ کر لینے کے لئے بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔

حنفیہ ان تمام احادیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی حدیث میں زنا کی مقرر حد جاری کرنے کا حکم نہیں ہے

نہ کوڑے مارنے کا نہ سنگسار کرنے کا نہ کسی محرم عورت سے صحبت کرنے کا ذکر ہے۔ صرف محرم عورت سے نکاح کر لینے کا بیان ہے اور محرم سے صرف نکاح کر لینا باجماع علماء سزا کا موجب نہیں اس لئے کہنا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو قتل کرنے اور اس کا مال چھین لینے کا حکم محض سیاست کے طور پر دیا تھا لہذا کہا جائے کہ جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا اس نے اس نکاح کو حلال سمجھ کر کیا تھا، جاہلیت کے دور میں لوگ ایسا ہی سمجھتے تھے۔ پس حرام قطعی کو حلال سمجھنے والا مرتد ہو گیا اور ممکن ہے وہ محراب (اسلام کے خلاف جنگ کرنے والا) بھی ہو گیا ہو اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے اور اس کے مال پر قبضہ کر کے بیت المال میں داخل کرنے کا اور پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا۔

مسئلہ :- اگر اجرت ٹھہرا کر کسی عورت سے زنا کیا تو حد جاری نہ ہوگی یہ شبہ عقد کی صورت ہے البتہ تعزیر (سیاسی سزا) دی جائے گی، امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے جمہور کے نزدیک حد زنا جاری کی جائے گی، عقد اجارہ سے حلت زنا نہیں ہو سکتا اجرت زنا مقرر کر کے زنا کرنا ایسا ہی ہے جیسے کھانا پکانے کے لئے اجرت پر کسی عورت کو مقرر کرنا اور پھر اس سے زنا کرنا (اجرت بجائے خود اجرت ہے اور زنا بہر حال زنا)۔

امام صاحب نے فرمایا، اجرت زنا مقرر کرنے میں بے شک نفع اندوزی معتقد علیہ ہوتی ہے لیکن محل اجرت مقرر ہے جو عقد اجارہ کا محل ہوتا ہے تو گویا یہ اجارہ منافع اجارہ عین کی طرح ہے (جیسے کوئی گھوڑا مکان استعمال کے لئے کرایہ پر لیا محل اجارہ مقرر ہے نفع اندوزی عقد اجارہ کا نتیجہ ہے لیکن محل اجارہ معین ہونے کی وجہ سے یہ اجارہ منافع اجارہ عین کی طرح ہے) اس لئے شبہ (ملکیت) پیدا ہو گیا۔ کھانا پکانے کی اجرت کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں تو اجارہ کی نسبت استیفاء جماع کی طرف نہیں ہوتی اس لئے یہاں شبہ عقد نکاح نہیں ہو سکتا جب اجارہ کی نسبت دوسرے محل (کھانا پکانے) کی طرف کی تو شبہ عقد کیسے ہو سکتا ہے۔

مسئلہ :- علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی شہادت ضروری ہے عورتوں کی شہادت سے ثبوت زنا نہیں ہوتا اور چار مردوں سے کم کی شہادت بھی کافی نہیں ہے اللہ نے فرمایا ہے فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ عَمْرُوتُوْنَ كَے زنا پر اپنے میں سے یعنی مسلمانوں میں سے چار مردوں کی شہادت لو۔ دوسری آیت میں ہے لَوْلَا جَاؤْا عَلَیْہِ بَا رُبْعَةٍ شَہْدَاءَ اَنھوں نے اس بات پر چار مرد گواہ کیوں پیش نہیں کئے۔

مسئلہ :- اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہو گا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتدا میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعدد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دے دی روشدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ :- کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ محض ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوت زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ امام احمد اور ابو حنیفہ کے نزدیک چار مرتبہ اقرار خواہ ایک ہی مجلس میں ہو ثبوت زنا کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ صحیحین میں بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے

کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص حاضر ہو اور اس نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا ہے حضور ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، وہ شخص گھوم کر پھر حضور ﷺ کے سامنے آ گیا اور کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ شخص گھوم کر پھر حضور ﷺ کے سامنے آ گیا اور کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ جب اس نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا تجھے جنون ہے اس نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا کیا تیری شادی ہو گئی ہے، اس نے عرض کیا، جی ہاں، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا اس کو لے جا اور سنگسار کر دو۔ الحدیث۔

امام ابو حنیفہ نے اپنے استدلال میں وہ حدیث پیش کی ہے جو حضرت بریدہ کی روایت سے مسلم نے بیان کی ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرتکب زنا ہونے کا اقرار کیا حضور ﷺ نے ان کے اقرار کو رد کر دیا، دوسرے روز وہ پھر حاضر ہوئے، آپ نے پھر بھی (ان کے اقرار کو) رد کر دیا۔ پھر ان کے قبیلے کے پاس کسی کو بھیج کر معلوم کر لیا کہ کیا معاذ کی عقل میں کچھ خرابی ہے۔ قبیلہ والوں نے کہا ہم تو ان کو کامل العقل اور نیک جانتے ہیں تیسری مرتبہ پھر معاذ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے (دوسرے قبیلے کی طرح اقرار زنا کیا) آپ نے پھر ان کی قبیلہ والوں سے دریافت کر لیا (کیا معاذ کی عقل میں کچھ فتور ہے) قبیلہ والوں نے کہا نہ اس میں کوئی خرابی ہے نہ اس کی عقل میں جب جو تھی مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ ہوا (کہ معاذ نے حاضر ہو کر اپنے زانی ہونے کا اقرار کیا) تو آپ نے ایک گڑھا کھدوا کر (معاذ کو اس میں کھڑا کر کے) سنگسار کر دیا۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو بکر کی روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا کہ معاذ نے حاضر ہو کر ایک بار (زنا کا) اقرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو رد کر دیا، معاذ پھر آئے اور آکر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے معاذ سے کہا اب اگر جو تھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور تم کو سنگسار کر دیں گے مگر معاذ نے جو تھی بار بھی اقرار کیا اس وقت حضور نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور ﷺ نے سنگسار کر دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحت معلوم ہو رہا ہے کہ معاذ متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر عتاب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنیفہ قائل ہیں کہ اگر عتاب ہو کر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ معاذ بن مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں بدکار مرتکب زنا ہو گیا، حضور نے فرمایا، تیرا برا ہو تو نہیں جانتا کہ زنا کیا ہوتا ہے پھر حسب الحکم معاذ کو دھتکار کے (مجلس سے) باہر کر دیا گیا لیکن اس نے دوبارہ آکر وہی پہلی بات کہی اور حضور نے بھی حکم دے کر دھتکار کر اس کو نکلوا دیا معاذ پھر تیسری مرتبہ آئے اور وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی اور حضور ﷺ نے حکم دے کر دھتکار کر اس کو نکلوا دیا آخر میں معاذ نے جب جو تھی بار آکر وہی پہلی بات کہی تو حضور نے فرمایا کیا تو نے دخول و خروج کیا تھا معاذ نے جواب دیا جی ہاں اس وقت حضور ﷺ نے اس کو سنگسار کر دینے کا حکم دے دیا۔

یہ حدیث اور جیسی دوسری حدیثیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے صاف طور پر تعدد مجالس پر دلالت کر رہی ہیں اس لئے اول الذکر حدیث کو بھی ہم تعدد مجالس پر محمول کریں گے اور پہلی حدیث میں جو آیا ہے کہ معاذ نہت کر رسول اللہ ﷺ کے منہ کے سامنے آئے اس کو اقرار لول کا ہی ایک حصہ شمار کریں گے کیونکہ مجلس نہیں بدلی تھی اس سے آگے جو ذکر کیا گیا ہے کہ معاذ نے چار شہادتیں دیں (چار مرتبہ اقرار کیا) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ چار مجالس میں اقرار کیا تھا اس طرح سب روایت میں مطابقت ہو جائے گی۔

امام مالک، امام شافعی ابو ثور۔ حسن اور حماد بن سلیمان کے نزدیک ایک بار اقرار کرنے سے ہی زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت زید بن خالد اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے کہ جب مزدور نے صاحب خانہ کی بیوی سے زنا

کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے (حضرت انس سے) فرمایا اس عورت کے پاس جاؤ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو۔ حضرت انس نے جا کر اس سے دریافت کیا اس نے اقرار کر لیا حضرت انس نے اس کو سنگسار کر دیا۔ ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ غامدہ یہ عورت کے قصہ میں ایک بار اقرار کرنے کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ثبوت زنا کے لئے ایک بار اقرار کرنا کافی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دینا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا اقرار کر لے جو حد زنا کے لئے قابل قبول یعنی چار بار اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دینا۔ یہ تفصیل حضور ﷺ نے اس لئے بیان نہیں کی کہ آپ واقف تھے کہ صحابہ اس کو جانتے ہیں۔ ماعز وغیرہ کا واقعہ صحابہ کے سامنے گزر ہی چکا تھا۔ باقی یہ کہنا کہ غامدہ یہ عورت کے قصہ میں صرف ایک بار اقرار کرنے کا ذکر ہے قابل تسلیم نہیں ہے بلکہ ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ آپس میں کہتے تھے کہ ماعز اور غامدہ یہ عورت اگر اقرار کے بعد بھی لوٹ جاتے تو حضور ان سے مواخذہ نہ کرتے۔ آپ نے چار مرتبہ اقرار کے بعد ہی دونوں کو رجم کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل ثابت کر رہا ہے کہ غامدہ یہ عورت نے چار بار اقرار کیا تھا۔ البتہ اس کی تفصیل کسی روایت میں نہیں آئی۔ ہاں بزار نے مسند میں زکریا بن سلیم کی وساطت سے کسی قریشی بوڑھے کے حوالہ سے بروایت عبدالرحمن بن ابی بکر، ابو بکرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ غامدہ یہ عورت نے چار مرتبہ اقرار کیا تھا اور ہر مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس کو رد کرتے رہے پھر آخر میں اس سے فرمایا، جا اور وضع حمل کا انتظار کر۔ اس روایت میں ایک روای مجہول ہے اس لئے ابو داؤد و نسائی کی روایت کی کمی اس سے پوری نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ :- حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ :- چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔ امام مالک کے اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں (منفی۔ مثبت) اثمہ کی دلیل یہ ہے کہ اقرار کی طرح خبر میں سچے اور جھوٹے ہونے کا احتمال ہے اور تکذیب کرنے والا کوئی شخص موجود نہیں ہے اس لئے اقرار کے بعد انکار کی وجہ سے اقرار میں شبہ پیدا ہو جائے گا اور حد و ذمہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ ہاں جن مسائل میں حق عبد موجود ہو اور اللہ کے حق کے ساتھ بندے کا حق بھی اس سے متعلق ہو۔) تو اقرار کے بعد انکار معتبر نہیں مثلاً قصاص اور تسمت زنا کی حد کا سقوط نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں انکار کی تکذیب کرنے والا شخص (مدعی) موجود ہوتا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت یزید بن منعم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں رلوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑنے سکے صرف عبد اللہ بن انیس نے ماعز کو جالیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کو توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

فصل

مسئلہ :- اگر مریض زنا کر لے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو۔ مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گھجاس میں سو پچھیاں ہوں لے کر ایک مرتبہ اس کچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر جھجاس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح

السنہ میں لور ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن سعد بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد رہتا تھا جو پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا نعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو گچھیاں ہو ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابو داؤد نے یہ حدیث حضرت ابو امامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابو امامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابو امامہ بحوالہ ابو سعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابو امامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور یہی ہے اس کو ابو امامہ سے مرسل بیان کیا ہے۔

مسئلہ :- حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نکاح..... رسول اللہ ﷺ کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور ﷺ نے مجھے ظم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابو داؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے سے اتنی مدت تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے کیونکہ اگر کوئی شخص بچہ کی تربیت کا ذمہ دار نہ ہو گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا اس لئے بچہ کی حفاظت کے لئے اس صورت میں ماں کا ہونا ضروری ہے مسلم نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ غامدہ عورت کے رجم کرنے کو وضع حمل تک حضور ﷺ نے ملتوی کر دیا تھا ایک انصاری نے اس کی ذمہ داری لے لی جب بچہ پیدا ہو گیا تو انصاری نے آکر اطلاع دی کہ بچہ پیدا ہو گیا فرمایا ابھی رجم نہ کرو کیونکہ اس صورت میں شیر خوار بچہ رہ جائے گا اور کوئی دودھ پلانے والی نہ ہوگی یہ سن کر ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو دودھ پلوانا میرا ذمہ ہے، انصاری کی بات سن کر حضور ﷺ نے غامدہ کو سنگسار کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غامدہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت پھر آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آتا جب غامدہ نے مدت پوری کر کے دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں دودھ کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اب میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینے تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ :- آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کر سکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کر سکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کر سکتا۔ امام شافعی نے کہا اگر آقا کوئی ذمی کافر ہو یا مکاتب ہو یا عورت ہو تو اس کو از خود حاکم کی اجازت کے بغیر حد قائم کرنے کا اختیار نہیں ہے امام شافعی کا اختلاف ہر حد شرعی کے سلسلہ میں یہاں تک کہ مرتد کو قتل کرنے یا راہزن کو مار ڈالنے یا چور کا ہاتھ

کاٹنے کا بھی بغیر حاکم کی اجازت کے اختیار ہے، نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تمذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کر دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

تینوں ائمہ نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا جس باندی نے زنا کیا ہو اور وہ منکوحہ نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اگر اس نے زنا کیا ہو اس کے کوڑے مارو پھر دوبارہ زنا کرے تو کوڑے مارو، پھر بھی زنا کرے تو کوڑے مارو۔ اگر چوتھی بار پھر زنا کرے تو اس کو بیچ ڈالو خواہ بالوں کی ایک رستی کے عوض ہی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جن (باندی غلاموں) کے تم مالک ہو ان پر حدود جاری کرو۔ رواہ التسانی والبیہقی من حدیث علیؑ۔ مسلم میں یہ حدیث حضرت علیؑ پر موقوف آئی ہے۔

امام شافعی نے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنی باندی کے جس نے زنا کیا تھا کوڑے لگوائے تھے (یعنی خود حد زنا جاری کی تھی) ابن وہب نے بوساطت ابن جریج روایت عمرو بن دینار بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ اپنی باندی کے پچاس کوڑے لگوائی تھیں اگر اس نے ارتکاب زنا کیا ہو تا تھا۔ امام شافعی نے بحوالہ، امام مالک بروایت نافع بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبد اللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے یہ کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دے دیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بروایت معمر از ابوب نافع کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر کے ایک غلام نے چوری کی تھی اور ایک غلام نے زنا کا ارتکاب کیا آپ نے از خود حاکم کے پاس بھیجے بغیر چور غلام کا ہاتھ کٹوایا اور زانی کے کوڑے لگوائے۔ ابن ماجہ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کی روایت نقل کی ہے لیکن اس میں یہ قصہ حضرت عائشہ کا بیان کیا ہے سعید بن منصور نے بروایت ہشیم از ابن ابی سلیٰ از نافع بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے اور امام شافعی نے امام مالک کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو تشریف لے گئیں آپ کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن حضرت ابو بکر صدیق کی لولاد کا ایک غلام بھی تھا، اس قصہ میں آیا ہے کہ اس غلام نے چوری کی اور اقرار کر لیا حضرت عائشہ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت حصہ نے اپنی ایک باندی کو قتل کر دیا جس نے جادو کیا تھا۔ عبدالرزاق نے اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے اس فعل کو غیر مشروع قرار دیا۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا، آپ ام المومنین کے اس عمل کو غیر مشروع قرار دے رہے ہیں جو انہوں نے ایک جادوگر عورت کے سلسلہ میں کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوف اور مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوة جمعہ اور مال فی (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔

اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ

ذرا رحمہ نہ آنا چاہئے۔

رافت بمعنی رحم فی، دین اللہ اللہ کی طاعت میں یعنی اللہ کی قائم کردہ حدود کو ترک نہ کرو کہ رحم کی وجہ سے ان کو جاری کرنا چھوڑ دو۔ مجاہد، عکرمہ، عطاء، عثمی، شعبی اور سعید بن جبیر نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ نبی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کر لی انہوں نے مشہور کیا کہ کوئی رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دیتا، سب نے کہا کہ

سوائے اسماء بن زید کے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں گزارش کی حضور نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کر رہے ہو۔ پھر حضور اقدس ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں بھی سختی سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن میں تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کر سکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور زنا کا جرم شراب خواری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہیے) قنادہ کا قول ہے کہ شراب خواری اور تہمت زنا کی سزا میں سختی برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں سختی کی جائے کیونکہ ان کی سزا میں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں سختی اختیار کی جائے کیونکہ شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

بنو کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لا تاخذکم بہما رافقہ فی دین اللہ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبد اللہ نے فرمایا بیٹے اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے کوڑے مار دیئے اور درد پونچھوایا۔ (اتنا ہی کافی ہے)۔

اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یعنی
 اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
 تمہارا ایمان اللہ اور روز آخرت پر ہے تو اللہ کے حکم کی تعمیل میں سستی نہ کرو اور اس کی قائم کی ہوئی، حدود کو کوشش کے ساتھ جاری کرو۔ ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

اور ان کو سزا دینے کے وقت
 وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ①
 مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو تاکہ مجرم کو زیادہ عبرت ہو۔ بعض وقت رسوائی وہ عبرت آفریں اثر کرتی جو سزا نہیں کرتی۔ طائفہ ایک گروہ۔ ممکن ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہو (یعنی تعداد بہت ہو) طائفہ، طوف سے ماخوذ ہے۔ طائفہ کی کم سے کم تعداد بعض علماء نے چار بیان کی ہے۔ جو چار اطراف میں ہوں۔ ہر طرف ایک آدمی۔ بعض نے کہا تین کافی ہیں۔ جمع کی کم سے کم تعداد تین ہے۔ اس مطلب پر طائفہ، طائفہ کی جمع ہوگی۔ بعض نے کہا ایک دو پر بھی طائفہ کا اطلاق ہوتا ہے (اس وقت طائفہ کا معنی ہو گا ایک فریق)۔

اللہ نے فرمایا ہے وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا اگر مسلمانوں کے دو فریق لڑیں۔

قاموس میں ہے طائفۃ من الشئی کسی چیز کا ٹکڑا یا ایک اور زیادہ یا ایک سے ہزار تک یا کم سے کم دو آدمی یا ایک ہی آدمی۔ جب ایک آدمی مراد ہوگا تو نفس کے معنی میں ہوگا۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے یہ جمع ہو جس کو بطور کنایہ واحد کہا جاتا ہو۔ یہ بھی صحیح ہے کہ (بطور مبالغہ) راویہ اور غلامہ کی طرح مبالغہ کا صیغہ قرار دیا جائے۔

مجلسی اور مجاہد نے کہا کم سے کم ایک آدمی اور اس سے زیادہ کو طائفہ کہتے ہیں، حضرت ابن عباس سے بھی یہ معنی ایک روایت میں منقول ہیں۔

امام احمد، عطاء، عکرمہ اور اسحاق نے کہا دو یا اس سے زیادہ طائفہ ہے۔ زہری اور قتادہ کے نزدیک دو اور اس سے زیادہ کو طائفہ کہتے ہیں۔ امام مالک اور ابن زید نے طائفہ کی تعداد چار بتائی ہے۔ (زنا کے) گواہوں کی یہی تعداد ہے۔ حسن بصری نے کہا دس اور اس سے زائد طائفہ ہے۔

میں کہتا ہوں یہی قول صحت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ آیت کا مقصد تشہیر ہے۔

الذَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا سَرَانٍ أَوْ مُشْرِكَةٌ

زنا کرنے والا نکاح نہیں کرتا مگر زنا کرنے والی سے یا شرک کرنے والی اور لور زانیہ سے نہیں نکاح کرتا مگر زانیہ یا شرک۔

ابوداؤد ترمذی نسائی اور حاکم نے بروایت عمرو بن شعیب از شعیب از جد عمر و بیان کیا ہے کہ مرثد نام کا ایک آدمی تھا جو مکہ سے قیدیوں کو سوار کر کے لارہا تھا تاکہ ان کو مدینہ پہنچا دے مکہ میں اس کی ایک عورت دوست تھی جس کا نام عناق تھا مرثد نے رسول اللہ ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضور ﷺ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد حضور ﷺ نے مرثد کے سامنے یہ آیت وحرم ذلک علی المؤمنین تک تلاوت فرمائی اور فرمایا تم اس سے نکاح مت کرو۔

نسائی نے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا، وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سعید بن منصور نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ نے زنا کو حرام کر دیا اس زمانہ میں کچھ زنا کار عورتیں تھیں جو خوبصورت تھیں، کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ جا کر ان سے نکاح کر لیں اس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔

بغوی کا بیان ہے کہ جب مہاجر مدینہ میں آئے تو ان میں کچھ لوگ بالکل نادار تھے کچھ مال و متاع نہ تھا اور قبیلہ والے موجود نہ تھے۔ مدینہ میں کچھ پیشہ ور عورتیں رہتی تھیں جو خود فروش تھیں اور اس زمانہ میں مدینہ کے اندر سب سے زیادہ مالدار تھیں کچھ نادار مہاجروں نے ان سے نکاح کرنا چاہا تاکہ ان بے مایہ لوگوں کے خرچ کی کفالت وہ عورتیں کر لیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت طلب کی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان پیشہ ور عورتوں سے نکاح کرنا مومنوں کے لئے حرام کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ یہ تفصیل و تفسیر عطاء بن ابی رباح، مجاہد قتادہ، زہری اور شعبی نے بیان کی اور عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں سعید بن جبیر کی مرسل حدیثوں کے مجموعے سے نقل کیا ہے (یعنی یہ قول مرسل ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا اس آیت کا نزول مکہ اور مدینہ کی چند عورتوں کے حق میں ہوا۔ جن میں سے نو عورتوں کے جھنڈے پیشہ ور عورتوں کی طرح لگے ہوئے تھے جن سے ان کی شناخت ہو جاتی تھی ان میں سے ایک عورت تھی ام مہزول یہ سائب بن ابی السائب مخزومی کی باندی تھی..... جاہلیت کے زمانہ میں لوگ زنا کار عورتوں سے نکاح کر لیتے تھے پھر ان کی کمائی کھاتے تھے کچھ مسلمانوں نے بھی ان عورتوں سے اسی طور پر نکاح کرنے کا ارادہ کیا (کہ نکاح کے بعد ان کی کمائی کھائیں گے) چنانچہ ایک مسلمان نے ام مہزول سے نکاح کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت اور احادیث مندرجہ بالا کی روشنی میں امام احمد نے فرمایا، جب تک زانی اور زانیہ توبہ نہ کرے ان کا نکاح جائز نہیں۔ توبہ کرنے کے بعد ان کو زانی نہیں کہا جائے گا (گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ الحدیث)

باقی تینوں اماموں کے نزدیک زانی کا نکاح بھی صحیح ہے لور زانیہ کا نکاح بھی۔ (لیکن یہ قول بظاہر مفہوم آیت کے خلاف ہے اس لئے) اس آیت کی تشریح میں تاویل کی گئی ہے بعض نے کہا کہ آیت میں نمی کا صیغہ ہے نفی کی خبر ہے جملہ خبریہ منفیہ ہے (ایک واقعہ اور ایک حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے) زانی فاسق ہوتا ہے اس لئے پاکدامن نیک عورتوں سے نکاح کرنے کی طرف

اس کو رغبت نہیں ہوتی اور زانیہ بھی فاسقہ ہوتی ہے اس لئے نیک مردوں کو بھی اس سے نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا اخلاقی مشابہت اور عملی یکسانیت موجب الفت ہوتی ہے اور خلفی اختلاف باعث نفرت ہوتا ہے۔

تقابلی بیان کا تقاضا تھا کہ الزانیۃ لاینکحہا الا زان کی بجائے الزانیۃ لاتنکح الا من زان کہا جاتا لیکن آیت کا منشا چونکہ مردوں کے احوال کا بیان ہے کہ مردوں کو ایسی عورتوں کی رغبت نہیں ہوتی اس لئے اسلوب بیان بد لا گیا۔

وَحَدِّ مَرَدِّكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ تفسیر کے بموجب اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ مومن ایسا فعل نہیں کرتے ایسی حرکت سے بچتے رہتے ہیں اس عمل سے اہل ایمان کو پاک رکھا گیا ہے گویا تحریم سے مراد ہے پاک کر دینا۔ تنزیہ اور تطہیر کو بطور مبالغہ تحریم فرمایا، امام مالک کے نزدیک زنا کار سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک آیت میں نکاح سے مراد ہے جماع۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زانی زانیہ نہیں کرتا مگر زانیہ سے یا مشرک سے اور زانیہ زانیہ نہیں کرتی مگر زانی یا مشرک سے۔ یہ تفسیری قول سعید بن جبیر اور ضحاک بن مزاحم کا ہے اور والہی نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف بھی کی ہے۔

زید بن ہارون نے کہا مراد یہ ہے کہ زانی اگر زانیہ سے جماع کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مشرک (کافر) ہے اور حرام سمجھ کر کرتا ہے تو وہ زانی ہے۔ اس تفسیر پر بھی جملہ منفیہ خبر یہ ہوگا (انشائیہ منہیہ نہ ہوگا)

علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ آیت میں نفی بمعنی نہی ہے بلکہ لاینکح کی جگہ لاینکح (بصیغہ نہی) بعض قراءتوں میں آیا بھی ہے زانیہ سے حرمت نکاح اپنی جگہ قائم ہے لیکن (ہر شخص کے لئے ممانعت نہیں ہے بلکہ) یہ حرمت ان خاص مہاجرین کے لئے تھی جنہوں نے زنا کار عورتوں سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن یہ تخصیص مہاجرین میرے نزدیک بعید از صحت ہے کیونکہ کلام کا آغاز ممانعت سے کیا گیا ہے اگر ممانعت صرف مہاجرین کے لئے ہوتی تو کلام اس طرح ہوتا کہ مومن نکاح نہ کرے مگر صالح مومنہ سے۔ پھر (اقوال صحابہ کی روشنی میں بھی) یہ تخصیص غلط ہے حضرت ابن مسعود زانیہ سے نکاح کرنے کو حرام قرار دیتے تھے فرماتے تھے جب زانی زانیہ سے نکاح کر لیتا ہے تو ہمیشہ کے لئے دونوں زانی رہتے ہیں۔

حسن نے کہا سزایافتہ زانی نکاح نہیں کرتا نکاح نہ کرے مگر سزایافتہ زانیہ سے اور سزایافتہ زانیہ سے نکاح نہیں کرتا نکاح نہ کرے مگر سزایافتہ زانی۔ ابو داؤد نے عمرو بن شعیب کی روایت سے بوساطت ابو سعید مقبری از ابو ہریرہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سزایافتہ زانی نکاح نہیں کرتا۔ (یا نکاح نہ کرے) مگر اپنی ہی جیسی سے۔ ان دونوں قولوں کا حاصل یہ ہے کہ حرمت عام اور آیت منسوخ نہیں ہے۔

سعید بن مسیب اور اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی آیت کی وجہ سے زانیہ سے نکاح حرام تھا لیکن جب آیت وانکحوا لایامی منکم نازل ہوئی تو اس سے حرمت مذکورہ منسوخ ہو گئی (بے شوہری عورتوں سے نکاح کرانے کی اجازت عام ہو گئی) زانیہ بھی ایامی میں داخل ہے اس سے بھی نکاح جائز ہو گیا۔

زانیہ سے نکاح کا جواز حضرت جابر کی روایت کردہ اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جو بغوی نے نقل کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری بیوی کسی چھوٹے والے (یا طلبگار) کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ فرمایا تو اس کو طلاق دے دے، اس شخص نے کہا وہ خوبصورت ہے مجھے اس سے محبت ہے (طلاق کیسے دے دوں) فرمایا تو اسی سے مزے اڑا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تو ایسی حالت میں اسے رد کے رکھ۔ گذاروی الطبرانی والبیہقی، عن عبید اللہ بن عمر عن عبد الکریم بن مالک عن ابی الزبیر عن جابر۔

ابن ابی جابر نے کہا میں نے اس حدیث کو اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا حدثنا محمد بن عبد کثیر عن معمر،

عن عبد الکریم، حدیثی ابوالزبیر عن مولیٰ لبنی ہاشم۔ ہم سے محمد بن کثیر نے بحوالہ معتمر از روایت عبد الکریم بیان کیا عبد الکریم نے کہا، مجھ سے ابوالزبیر نے بنی ہاشم کے کسی آزاد کردہ غلام کی روایت سے بیان کیا۔ کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے بعد حدیث مذکور راوی نے بیان کی۔

ثوری نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس حاضر ہونے والے آدمی کا نام ہشام بتلایا ہے جو نبی ہشام کا آزاد کردہ تھا ابو داؤد اور نسائی نے عبد اللہ بن عبید اللہ بن عمیر کے طریق سے بروایت ابن عباس بیان کیا ہے اور نسائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس کی روایت تک پہنچایا ہے اور دوسرے راوی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس تک اس روایت کو نہیں پہنچایا۔ موصول ثابت نہیں اس کا مرسل ہونا صحیح ہے۔ شافعی نے اس کی روایت مرسل کی ہے۔ نسائی اور ابو داؤد نے عکرمہ کی روایت سے اس کو حضرت ابن عباس تک پہنچایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس روایت کی سند بہت صحیح ہے۔ نووی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن جوزی نے باوجود یہ کہ اس کو صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے لیکن موضوعات میں اس کو داخل کیا ہے۔ امام احمد کا قول منقول ہے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث نہیں اور ہر روایت بے اصل ہے۔

فائدہ

حدیث مذکور میں آیا ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا وہ کسی چھونے والے یا طلبگار کے ہاتھ کو دفع نہیں کرتی۔ اس کا مطلب کیا ہے۔ بعض اہل علم نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بدکاری کرنا چاہتا ہے اور اس کو چھو تا ہے وہ کسی کے ہاتھ کو نہیں روکتی یہ مطلب نسائی، ابو عبیدہ، ابن الاعرابی، فطابی، فریابی اور نووی نے بیان کیا ہے بغوی اور رافعی نے یہی مطلب سمجھ کر اس سے اپنے مقصد پر استدلال کیا ہے (کہ زانیہ سے نکاح جائز ہے وہ عورت زانیہ تھی مگر رسول اللہ ﷺ نے آخر اس شخص کو اجازت دے دی کہ اگر تو اس کو طلاق نہیں دے سکتا تو اپنے نکاح میں روکے رکھ) بعض علماء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رو نہیں کرتی بڑی فضول خرچ ہے جو کوئی اس سے کچھ چیز مانگتا ہے وہ دے دیتی ہے امام احمد اصمعی اور محمد بن نصر اسی مطلب کی طرف گئے ہیں۔ اس مطلب پر حدیث ناقابل استدلال ہے۔ زانیہ کے جواز نکاح کا ثبوت اس سے نہیں ہوتا۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد ایک عورت کو پڑایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دار قطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔

وَأَنَّ بَيْنَ يَوْمَيْنِ الْمُحْصَنَاتِ

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحہ

لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہوں تو نے زنا کیا کرتا ہے اے زانیہ۔ یہ مولیٰ کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحہ مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر صراحہ زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرح زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابو حنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک تعریض زنا پر بھی حد قذف جاری کی جائے گی۔ کیونکہ زہری نے بوساطت سالم حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ تعریض زنا پر بھی حضرت عمرؓ حد جاری کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے متعلق بھی روایت میں

آیا ہے کہ آپ نے تعریض زنا پر کوڑے لگوائے تھے۔

تعریض زنا حقیقت میں صراحتہً تمہمت لگانے کی طرح ہے اس لئے اس پر بھی حد جاری ہونا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں تعریض، تصریح کی طرح نہیں ہوتی اسی لئے عدت کے زمانے میں بیوہ یا مطلقہ عورتوں کو پردے پردے میں پیام نکاح دینا جائز ہے اور صراحت کے ساتھ پیام نکاح عدت میں دینا جائز ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبة النساء۔ المحصنت پاک دامن عورتیں۔ پاک دامن مردوں کو زنا کے ساتھ مہتم کرنے کا بھی حکم ہے اجماع امت اسی پر ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ پاک دامن عورتوں کا لفظ خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ذکر کیا کہ اس آیت کا سبب نزول ایک خاص واقعہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں پر زنا کی تمہمت مردوں پر تمہمت لگانے کے مقابلے میں کثیر الواقع ہے اور زیادہ شنیع بھی ہے۔

باجماع علماء احسان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو یا بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو یا کد امن ہو اس سے پہلے مہتم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا من اشرك بالله فليس محصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنا یا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں بھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تمہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کر لی ہے اس کی طرف اس نے گزشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا یاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تمہمت زنا لگانے والے پر حد قذف جاری کی جائے گی۔

پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی مہتم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور
 ثُمَّ لَكُمْ يَاتُوا بِأَرْبَعَةٍ شُهَدَاءَ
 تمہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو تو تمہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کر دے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوت زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کر دیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کئے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہو گا اور جس پر تمہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہو گی، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے لیکن تمہمت لگانے والا بھی مستحق سزا نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہر حال موجود ہے گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تمہمت زنا لگانے والے) پر حد قاذف لازم کرنے کے لئے شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے)۔ اسی طرح اگر مہتم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہو گی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہو گی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہو گا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہو گا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہو گی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے مہتم بالزنا پر حد زنا بھی جاری نہ ہو گی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت

میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیت خیر کے لئے زنا کی اور ہر جرم کی شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبروریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ جب گواہوں کو معلوم ہے کہ ہماری شہادت کی تعداد کم ہے اور حد زنا ہم جاری نہیں کر سکتے تو پھر گواہی کیوں دیتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نیت میں شر ہے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان کی رسوائی ہو اور خواہ جرم زنا ثابت نہ ہو سکے) حاکم نے مستدرک میں ابو نعیم نے المعرفۃ میں ابو موسیٰ نے الدلائل میں اور بیہقی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر کے سامنے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی شہادت ابو بکر اور نافع اور خیبل بن معبد نے دی اور چوتھا گواہ زیاد تھا، اس نے صراحت کے ساتھ شہادت نہ دی تو حضرت عمرؓ نے تینوں گواہوں کو کوڑے لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہو اور کسی نے اس فیصلے کے خلاف انکار نہیں کیا۔ (معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ اجماعی تھا) بخاری نے اس واقعہ کے ایک حصہ کو بطور تعلق بیان کیا ہے۔ عبد الرزاق نے بوساطت ثوری بحوالہ سلیمان بنی بروایت ہمدی یہ واقعہ نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جب زیاد نے شہادت دینے سے گریز کیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ آدمی ناحق شہادت دینے والا نہیں ہے پھر تینوں کے کوڑے لگوائے۔

فَاجْلِدُوا هُمْ
تو ان کے کوڑے مارو۔ یعنی اگر وہ شخص جس کے زانی ہونے کی شہادت گواہوں نے دی ہے مطالبہ کرے تو گواہوں کے کوڑے مارو۔ مطالبہ کرنے کی شرط باجماع علماء ہے، کیونکہ اس میں عبد کا حق شامل ہے اگرچہ حق اللہ کا پہلو غالب ہے اور بندے کا حق کمزور حیثیت رکھتا ہے۔ پھر بھی بندے کا حق اس سے متعلق ہے (اس کی عزت و ذلت کا معاملہ ہے) اور بندے کے حق کے لئے مدعی کی طرف سے اپنے حق کی طلب ضروری ہے۔

ثُمَّ يَنْبَغِي جَلْدًا
بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں غلام نہ ہوں اگر گواہ غلام ہوں تو باجماع فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو چپاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہوگی)۔ اللہ نے زانی باندیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ بیہقی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عامر بن ربیعہ نے بیان کیا میں نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد والے خلفاء کے دور خلاف میں ہر خلیفہ کو یہی پایا کہ وہ باندی غلام کو (جس نے کسی پر تہمت زنا لگائی ہو) چالیس کوڑے مارتے تھے۔

امام مالک نے مؤطا میں یہ اثر نقل کیا ہے مگر اس میں حضرت ابو بکرؓ کا نام نہیں ہے، امام اوزاعی کے نزدیک غلام کی حد قذف آزاد کے برابر ہے۔

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا
اور انکی شہادت آئندہ کبھی قبول نہ کرو اس جملہ کا عطف فاجلدوا پر ہے۔ مبتداء میں شرط کا معنی ہے فاجلدوہم ثمینین جلدۃ ولا تقبلوہم شہادۃ ابدًا پوری عبارت جزا ہے، ہمارے نزدیک یہ دونوں ٹکڑے یعنی کوڑے مارنا اور آئندہ کبھی شہادت نہ قبول کیا جانا حد قذف کے دو جزو ہیں، دونوں کا مجموعہ پوری سزا ہے کیونکہ دونوں میں خطاب حاکموں کو ہے انہیں کو حکم دیا گیا ہے کہ کوڑے ماریں اور آئندہ شہادت قبول نہ کریں۔

وَأُولَئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ
اور یہ لوگ یقیناً اللہ کے نافرمان ہیں۔ یہ جملہ علیحدہ ہے اس کا تعلق پہلے

دونوں جملوں سے نہیں ہے، پہلے دونوں انشائیہ ہیں اور یہ جملہ خبریہ ہے حقیقت میں اس جملہ سے ایک شبہ کو دفع کرنا مقصود ہے۔ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ حدود تو صرف شبہ پیدا ہونے سے ساقط ہو جاتی ہیں پھر قاذف پر حد جاری کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ قذف میں سچے ہونے کا بھی تو احتمال ہے (خواہ نصاب شہادت مکمل نہ ہو) اور یہ بھی ممکن ہے کہ قاذف نے محض نیکی کے جذبے کے زیر اثر اللہ کے قانون کو تعطل سے محفوظ رکھنے کے لئے لوجہ اللہ شہادت دی ہو۔ (اور نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے ثبوت زمانہ ہو سکا)۔ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ ایسے لوگ فاسق ہیں، اللہ کے نافرمان ہیں۔ جب چار گواہ نہیں پیش کر سکتے تو معلوم ہوتا ہے ان کی نیت بخیر نہیں یہ مسلمان کی آبروریزی کرنی چاہتے ہیں، ان کے دلوں کے اندر نیکی کا جذبہ نہیں ہے۔ ان کو حد خداوندی کا اجراء مقصود نہیں ہے۔ اس لئے سزا کے مستحق ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا لا تقبلوا الھم علیحدہ جملہ ہے عدم قبول شہادت کو حد قذف میں دخل نہیں (سزائے تازیانہ صرف حد قذف ہے) شہادت قبول نہ کرنے کی حد قذف سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حد قذف ایک فعل ہے جس کی اقامت حاکم پر لازم ہے اور عدم قبول شہادت حرمت فعل ہے۔ (اس کی حیثیت سلبی اور منفی ہے) اس کے بعد اولئک ہم الفسقون شہادت کو رد کر دینے کی علت ہے۔ ہم کہتے ہیں رد شہادت کی مناسبت حد قذف سے بہت زیادہ ہے۔ قاذف پر حد جاری کرنے کا حکم زجر و توبیح کے لئے دیا گیا ہے تاکہ لوگ جھوٹی تہمت زمانہ لگائیں اور دوائی رد شہادت میں زجر ضرب تازیانہ سے زیادہ ہے۔ اسی لئے عدم قبول شہادت کے بعد ابدأ کا لفظ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ فسق سے ہمیشہ کے لئے شہادت رو نہیں ہوتی، فاسق کی شہادت اسی وقت تک قابل رد ہے جب تک وہ فاسق ہو۔

ایک شبہ :- لا تقبلوا الھم مشہادۃً ابدأ کا یہ مطلب ہے کہ جب تک قاذف تہمت زنا پر جمار ہے اس کی شہادت قبول نہ کرو اور جب توبہ کر لے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ کافر کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ کافر پر قائم رہے اس کی شہادت قبول نہ کرو جب کفر سے تائب ہو جائے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔

ازالہ :- کافر پر فاسق کو قیاس کرنا غلط ہے کافر کی شہادت قبول نہیں کی جاتی یا نہ قبول کرو۔ اس کے اندر تو خود یہ مفہوم موجود ہے کہ جب تک وہ کافر ہے اس کی شہادت قبول نہ کرو۔ اس لئے ابدأ کا لفظ بڑھانے کی ضرورت نہیں، اگر کسی مشتق پر کوئی حکم مبنی ہو تو وصفی معنی حکم کی علت ہوتا ہے (جیسے اپنے دوست زید سے اچھا سلوک کرو۔ یعنی اچھا سلوک زید سے اس لئے کرو کہ وہ تمہارا دوست ہے زید کے دوست ہونے کا وصف حسن سلوک کے حکم کی علت ہے بلکہ اصرح الشیخ عبد القاہر۔ مترجم) پس کافر کی شہادت قبول نہ کرنے کے حکم کی ساتھ ابدأ کی قید لغو اور بے فائدہ ہے (لیکن قاذف کی شہادت قبول نہ کرنے کے حکم کے ساتھ ابدأ زیادتی زجر و توبیح کا فائدہ دے رہی ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤

مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنے اعمال و احوال کو) درست کر لیں تو اللہ غفور (درحیم) ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا الا الذین کا استثناء گزشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کر لیں گے اور اپنے احوال کی درست کر لیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ جب استثناء چند جملوں کے بعد آئے تو اس کا رجوع آخری جملہ کی طرف ہوتا ہے ہاں اگر کوئی قرینہ ایسا موجود ہو جو آخری جملہ کی طرف راجع کرنے سے مانع ہو تو مجبوراً اکل کی طرف استثناء کو راجع کیا جائے گا۔

امام صاحب کی تفسیر مذکور کے چند دلائل ہیں (۱) استثناء کے ساتھ آخری جملہ ہی متصل ہے (۲) آخری جملہ اپنے حکم کے لحاظ سے سابق جملوں سے کٹا ہوا ہے اس کی رفتاری ترتیب ہی جدا ہے گو ضمیر اور اسم اشارہ کے لحاظ سے اس کا اتصال گزشتہ

تمام جملوں کے ساتھ ہے (۳) استثناء کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ متصل ہو اور اس جگہ آخری جملہ سابقہ گزشتہ جملوں کے اور مستثنیٰ کے درمیان حائل ہے (۴) استثناء کا رجوع سابق کلام کی طرف اس مجبوری کے تحت ہوتا ہے کہ تنہا استثناء کا کوئی مستقل معنی نہیں ہوتا اور یہ ضرورت صرف ایک جملہ سے مربوط کرنے سے پوری ہو جاتی ہے اور جملہ اخیرہ کی طرف رجوع تو بہر حال سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اس لئے دوسرے جملوں سے وابستہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ گزشتہ کلام استثناء پر موقوف ہوتا ہے کیونکہ اس کے حکم کو بدلنا تو ضروری ہوتا ہے، استثناء سے وہ حکم بدل جاتا ہے اب یہ تغیر حکم کی ضرورت آخری جملہ کی طرف راجع کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

ایک شبہ: سواذ عطف کے لئے اور سابق کلام کو لاحق کلام کے ساتھ شریک کرنے کے لئے آتا ہے اور سابق میں معطوف معطوف علیہ کی شکل میں چند جملے مذکور ہیں۔ لہذا تمام جملوں کا استثناء میں اشتراک ہونا چاہیے۔

ازالہ:- عطف کا یہ مطلب نہیں کہ پورے جملہ کا حکم میں اشتراک ہو حرف عطف تو شرکت اعرابی کو ظاہر کرتا ہے (ہر جملے کا حکم جدا جدا ہوتا ہے) استثناء سے کلام سابق کا حکم بدل جاتا ہے۔ پس ہر جملے کی شرکت استثناء میں نہیں ہوگی۔

(۵) توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اگر کوئی قرینہ مانع نہ ہو تو سابق میں جتنے جملے معطوف معطوف علیہ کی شکل میں ذکر کئے گئے ہوں سب کی طرف استثناء کا رجوع ہوتا ہے۔ اسی لئے امام شافعی کا قول ہے کہ توبہ سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس جگہ استثناء کا رجوع آخر کے دو جملوں کی طرف ہے لول جملہ کی طرف نہیں ہے۔ جملہ لا تقبلوا چونکہ سابق سے بالکل منقطع ہے اور عدم قبول شہادت حد قذف میں داخل نہیں ہے۔ اس لئے استثناء کا رجوع پہلے جملے کی طرف نہیں ہوگا اس سے روکنے والا قرینہ موجود ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ استثناء کا رجوع گزشتہ تینوں جملوں کی طرف ہے اور اس سے لازم نہیں آتا کہ توبہ کے بعد حد ساقط ہو جائے۔ کیونکہ توبہ کا مل اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک حد شرعی کے اجراء کو قبول نہ کر لے، یا جس پر تہمت لگائی ہے۔ اس سے معافی طلب کر لے اور وہ معاف کر دے۔

میں کہتا ہوں توبہ کا معنی صرف یہ ہے کہ اپنے کئے پر ندامت ہو اور اللہ سے معافی طلب کر لے۔ پس اگر توبہ سے حد کا ساقط ہو جانا فرض کر لیا جائے تو پھر حد شرعی کو قبول کرنا واجب نہیں قرار پاتا، اسی بنا پر امام شافعی نے فرمایا کہ تہمت لگانے والے کی شہادت صرف تہمت زنا لگانے سے ہی واجب الرد ہو جاتی ہے، خواہ تہمت زدہ شخص حد قذف کا مطالبہ کرے یا نہ کرے کیونکہ قاذف فاسق ہو جاتا ہے۔ اب توبہ کرنے اور پشیمان ہونے اور اپنی حالت کو درست کر لینے کے بعد اس کی شہادت قابل قبول ہو جاتی ہے۔ خواہ اجراء حد کے بعد پشیمان ہو جائے اور توبہ کر لے یا اجراء سزا سے پہلے بہر حال فسق کا دھبہ توبہ کے بعد زائل ہو جاتا ہے اور آئندہ مردود الشہادہ نہیں رہتا۔

بغوی نے لکھا ہے یہ تشریح حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، شعبی، عکرمہ، زہری اور عمر بن عبد العزیز کا بھی قول ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا، حد لگائے جانے کے بعد تو قاذف کی حالت اجراء حد سے پہلے کے مقابلہ میں بہتر ہو جاتی ہے کیونکہ حدود گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ (ان سے گناہوں کا اتار ہو جاتا ہے) تو پھر کیا وجہ اچھی حالت ہونے کے بعد تو اس کی شہادت رد کر دی جائے اور بری حالت میں جبکہ اس پر ابھی حد جاری نہ کی گئی ہو اس کی شہادت قابل قبول ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جو قاذف کی شہادت محض قذف سے ہی (اجراء حد سے پہلے ہی) کو واجب الرد ہو جاتی ہے خواہ تہمت زدہ معصوم مطالبہ کرے یا نہ کرے کیونکہ تہمت زنا لگاتے ہی وہ فاسق ہو جاتا ہے اب اگر تہمت زدہ شخص اجراء حد کا مطالبہ نہیں کرتا تو حد جاری نہیں کی جائے گی، لیکن جب تک توبہ نہ کرے گا شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ حضرت عمرؓ

کی روایت میں آیا ہے کہ آیت الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا توبہ کرنا ہی اپنے قول (تہمت زنا) کو جھٹلانا ہے (یعنی جب انہوں نے توبہ کی اور اپنے کبے ہوئے پر پشیمان ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو جھوٹا مان لیا اور تسلیم کر لیا کہ ہم نے جھوٹ کہا) اب اگر انہوں نے خود اپنی تکذیب کر دی (یعنی توبہ کر لی) تو مردود الشہادۃ آئندہ نہ رہے، یہ حدیث اگر پایہ صحت کو پہنچ جائے تو امام شافعی کے مسلک کا ثبوت اس سے ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں احادیث احاد اگر صراحت قرآن کے خلاف ہوں تو ان کو نہیں مانا جاسکتا۔ قرآن میں تو لا تقبلوا الھم شہادۃ ابد صراحت کے ساتھ آ گیا ہے اب اگر توبہ کر لے گا تو قبول شہادت کے قابل ہو جائے گا۔ فسق کا دھبہ چھوٹ جائے گا۔ اور اگر تہمت زدہ کے مطالبہ کی وجہ سے حد جاری ہو گئی اور اسی کوڑے لگ گئے تو اس کی شہادت اب کبھی قبول نہیں کی جائے گی خواہ اس نے توبہ کر لی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ رد شہادت کا حکم حق عبد کی وجہ سے ہے اور بندے کا حق توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

فائدہ

علماء کا اتفاق ہے کہ حد قذف سے اللہ کے حق کا بھی تعلق ہے اور بندے کے حق کا بھی تہمت زدہ شخص کی رسوائی اور آبروریزی کے عار کو دور کرنے کے لئے حد قذف کا قانون جاری کیا گیا ہے۔ اس سے تہمت زدہ شخص کو خصوصی فائدہ پہنچتا ہے اسی لئے علماء اس کو حق عبد قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حد قذف جرائم سے روکنے والی ہے اس لئے اس کو حد کہا جاتا ہے اس قانون کو جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی دنیا تباہی فساد اور فتنہ سے محفوظ رہے اس لئے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے چونکہ یہ بندے کا حق ہے اس لئے اس کو جاری کرنے کے لئے مدعی کی طرف سے مطالبہ شرط ہے اور قدیم ہونے کی وجہ سے شہادت باطل نہیں ہو جاتی اور مستامن کافر پر بھی اس کا اجراء ہوتا ہے اور قاضی کو اگر اس کا علم مدت حکومت کے زمانے میں ہو تو وہ یہ سزا جاری کر دے گا، لیکن اگر زمانہ حکومت سے پہلے علم تھا تو جب تک حکومت کے زمانہ میں شہادت اس کے سامنے نہ آئے وہ سابق شہادت پر حد جاری نہیں کرے گا اور اگر ایک شخص حد زنا اور حد قذف دونوں کا مستحق ہو یا حد سرقہ اور حد قذف دونوں کا مجرم قرار پائے تو حد قذف پہلے جاری کی جائے گی (کیونکہ حد زنا اور حد سرقہ دونوں خالص حق اللہ ہیں اور بندے کا حق اللہ کے حق پر مقدم ہوتا ہے) اور اقرار کے بعد اس سے لوٹ جانا درست نہیں (زنا کے اقرار سے لوٹ جانا تو صحیح ہے لیکن شہادت زنا دینے کے بعد لوٹ جانا جائز نہیں) اور چونکہ حد قذف سے اللہ کا حق متعلق ہے اس لئے تہمت زدہ شخص یعنی مدعی خود قاذف کو سزا نہیں دے سکتا۔ سزا جاری کرنے کا اختیار صرف حاکم کو ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں حد قذف ساقط ہو جاتی ہے (کیونکہ حق اللہ ہے) اور حد ساقط ہو جانے کے بعد (دیت کی طرح) مالی معاوضہ میں بتدیل نہیں ہو جاتی۔ اور نہ قاذف سے قسم لی جاسکتی ہے (اگر بندہ کا خالص حق ہوتا ہے تو شہادت نہ ہونے کی صورت میں قاذف سے حلق لیا جاتا) اور غلام قاذف ہو تو سزا آدمی ہو جاتی ہے۔ حقوق اللہ کی حیثیت سے جو سزائیں واجب ہیں ان سب میں غلام کے لئے تنصیف ہو جاتی ہے۔ علوم ہو کہ حد قذف بھی اللہ کا حق ہے۔ البتہ حق عبد کے سلسلہ میں کی جو سزائیں ہیں اور ان کی مقدار کی کمی بیشی تلف حق کی کمی بیشی کے موافق ہوتی ہے۔ حق تلف کرنے والا کوئی ہو غلام ہو یا آزاد اس سے سزا کی کمی بیشی کا تعلق نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا تمام فردی مسائل پر ائمہ کا اتفاق ہے اور حد قذف میں اللہ اور بندے کے حق کا مشترک ہونا اجتماعی فیصلہ ہے لیکن اس میں غالب کس کا حق ہے اللہ کا یا بندہ کا، اس میں ضرور اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک بندے کا حق غالب ہے، بندہ محتاج ہے اور اللہ بے نیاز۔ امام ابو حنیفہ کا قول اس کے برعکس ہے کیونکہ بندے کے حق کا ذمہ دار تو اللہ ہے، اللہ کے حق میں بندے کا حق بھی ملحوظ رہتا ہے اور اللہ کا حق بندہ وصول نہیں کر سکتا، ہاں اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے وصول کرتا ہے اس اختلاف پر بہت سے مختلف مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حد قذف کے مطالبہ کا حق تہمت زدہ کے وارثوں کو بھی منتقل ہو سکتا ہے، امام شافعی کا یہی قول ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد قذف کے مطالبہ کا حق وارثوں کو نہیں ہوتا اللہ کے حق میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ بد نون کے حقوق کا انتقال

دارتوں کی جانب ہو سکتا ہے خواہ وہ حقوق مالی ہوں یا مال سے تعلق رکھنے والے ہوں جیسے ضمانت و کفالت یا مال میں تبدیلی ہو جاتے ہوں جیسے قصاص۔ اور حد قذف ان تینوں شقوں میں سے کسی میں شامل نہیں ہے اس لئے تہمت زدہ شخص کے دارتوں کو یہ حق منتقل نہیں ہو سکتا، بلکہ مقذوف کے مرنے کے بعد حد قذف باطل ہو جاتی ہے خواہ اقامت حد سے پہلے مقذوف مر جائے تو جتنی حد باقی رہ گئی ہو باطل ہو جائے گی۔ شافعی کا قول اس کے خلاف ہے۔

(۲) ثبوت حد کے بعد مقذوف معاف کر دے تو حد ساقط نہیں ہو جاتی۔ امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے بموجب امام ابو یوسف کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہے ہاں اگر مقذوف کہے کہ اس نے مجھے تہمت زدنا نہیں لگائی اور گواہ بھروسے میں تو بااقتناع حد قذف ہو جاتی ہے کیونکہ (مدعی کے انکار و تردید کی صورت میں) تہمت زدنا کا تحقق ہی نہیں پھر سزا کا وجوب ایسے ہو گا یہ بات نہیں ہے کہ سزا کا وجوب ہو گیا تھا پھر ساقط کر دی گئی۔ ہاں قصاص، وجوب (یعنی ثبوت قتل) کے بعد بھی وراثت، مقول کی معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے کیونکہ قصاص میں حق عید غالب ہے۔

(۳) امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مال یا کوئی اور چیز قذف کا عوض نہیں قرار دی جاسکتی کیونکہ حد قذف میں اللہ کا حق غالب ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حد قذف کا معاوضہ ہو سکتا ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد قذف میں مدخل ہو سکتا ہے (یعنی متعدد جرائم کی سزا میں ایک ہی مرتبہ حد جاری کی جائے گی) یہاں تک کہ اگر ایک ہی شخص پر چند مرتبہ تہمت زدنا لگائی یا چند آدمیوں پر لگائی (اور ثبوت شرعی نہ ہوگا) تو سب کی پاداش میں ایک ہی حد قذف جاری کی جائے گی۔ بشرطیکہ ایک قذف کے بعد سزا نہ دی جا چکی ہو (یعنی اگر تہمت زدنا میں حد قذف جاری کر دی گئی اور سزا پانے کے بعد اس شخص نے پھر دوبارہ کسی اور پر یا پہلے ہی شخص پر تہمت زدنا لگائی تو دوبارہ حد جاری کی جائے گی پہلی سزا بعد والے جرم کے لئے کافی نہ ہوگی) اور اگر ایک مقذوف نے مطالبہ کیا اور حد جاری کر دی گئی اور ابھی کوڑے پورے ہی ملنے نہ پائے تھے کہ دوسرے شخص نے (جس پر اسی شخص نے تہمت لگائی تھی) بھی اپنے حق کا مطالبہ کیا تو (دوسری حد جاری نہ ہوگی بلکہ) پہلی ہی سزا کا باقی حصہ پورا کر دیا جائے گا۔ امام شافعی جو ازمدخل کے قائل نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ بات مسلمہ ہے کہ حد قذف میں اللہ کا حق اور بندے کا حق دونوں مشترک ہیں مذکورہ الصدر متفق علیہا مسائل اس کے شاید ہیں لہذا یہ امر بھی ثابت شدہ ہے کہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں تو گویا اس طرح کہا جائے کہ ایک حق تو جو حد کا مقتضی ہے اور دوسرا حق سقوط حد کا خواستگار لہذا سقوط حق کا فتویٰ ہونا چاہئے کیونکہ اگر غلط طور پر معافی ہو جائے تو اس سے بہتر ہے کہ غلط طور پر سزا دی جائے (حضرت عمر کا یہ قول پہلے نقل کر دیا گیا ہے) اس نتیجے کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ جو حد قذف میں وراثت کو جائز نہیں قرار دیتے ان کا یہ قول صحیح ہے اور اگر مقذوف معاف کر دے تو سزا ساقط نہ جانا چاہئے مقذوف کی طرف سے مطالبہ ہی نہیں رہا اور اجرائے حد کے لئے مطالبہ شرط ہے پس امام شافعی جو اس صورت میں سقوط حد کے قائل ہیں ان کا قول اس مسئلہ میں درست ہے اور ازمدخل بھی حد قذف میں ہونا چاہئے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور اگر قذف اور مقذوف نے کسی معاوضہ پر باہم صلح کر لی تو چونکہ مقذوف سقوط حد پر راضی ہو گیا اس لئے حد ساقط ہو جانا چاہئے لہذا چونکہ اللہ کے حق کا بھی تعلق ہے اس لئے قذف کے ذمہ مال کی ادائیگی لازم نہ ہونی چاہئے۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ بلال بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحما سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) یا تو شرعی ثبوت پیش کرو (اور نہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلا شک و شبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی۔ اس وقت جبرئیل آیات ذیل لے کر نازل ہوئے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ
اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت
وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ان کان من الصدقین تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں
نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے
کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کر لے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا جب
پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب
بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں
اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہو) اور آنکھیں سرگیں ہوں سرین بھاری ہوں
اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لیتا کہ وہ شریک بن سکا ہے چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر
کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عمیر عجلانی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی
شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل
کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتائیے وہ کیا کرے حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے
معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت
رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عمیر نے عرض کیا یا رسول اللہ اب اس کے بعد میں اس
عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زنا کار عورت کو اپنے نکاح میں
نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذرا دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا
ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عمیر (یعنی ابن عمیر) نے سچ کہا تھا اور
اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عمیر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ویسا ہی تھا
جس سے رسول اللہ ﷺ کے بیان کے مطابق عمیر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد
عمیر نہیں کہا جاتا تھا)

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ
لَمْ يَأْتُوا بَرْبَعَةٍ شُهَدَاءَ فَجَلَدُوهُمْ ثَمَنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت
سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار
کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کو آپ برائے کہیں یہ بڑے غیرت مند
آدمی ہیں بخدا انہوں نے (بھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتھا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق
دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھالیا ہو اس کو انہوں نے بھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی
عورت کو طلاق نہیں دی کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص
جرات نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ
میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس
بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی
اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھانہ دوں خدا کی قسم جب تک
میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال

ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی (غزوہ تبوک کو تین شخص باوجود مقدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا محکم دیدیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرمادی، واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا بڑے اپنی زمین سے واپس آئے آکر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا بڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بارگزی۔ دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور ﷺ نے سنائی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی والذین یرمون ازواجہم الخ ابو یعلیٰ نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرادو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا شہادت دو ہلال سے فرمایا ہلال اللہ سے ڈرو دنیاوی عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈرو پانچویں شہادت یقیناً واجب کر دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر کہنے لگی خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہوگا تو) عورت کا ہو گا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہو گا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہو گا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاستری رنگ کے اونٹ کی طرح بد شکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت والذین یرمون المحصنات الخ نازل ہوئی اور منبر پر رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمائیے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق

کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لاسکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے فارغ ہو کر چاچکا ہوگا۔ انہی عاصم کے ایک چچا زادے تھے جن کا نام عومیر تھا اور عومیر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محسن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عومیر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار خود شریک بن سچا کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور آئندہ جمعہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ گزشتہ جمعہ جو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں بتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عومیر، خولہ اور شریک سب عاصم کے بنی عم (یعنی ایک ہی دادا کے اولاد) تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کو طلب فرمایا اور عومیر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عومیر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا اس کو اگر حمل ہے تو کسی اور کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورت سے فرمایا اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ عومیر بڑا غیرت مند آدمی ہے اسنے دیکھا کہ میں اور شریک دیر تک بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی) رسول اللہ ﷺ نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے۔ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہی میں کہتا ہوں۔ اس پر اللہ نے آیت والذین یرمون ازواجہم نازل فرمائی۔ حضور ﷺ نے منادی کو حکم دیا کہ الصلوٰۃ جا معتہ کی نداء کر دے منادی نے ندا کر دی لوگ جمع ہو گئے آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عومیر سے فرمایا اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بلاشبہ سچا ہوں۔ عومیر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی پھر دوسری شہادت میں عومیر نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بلاشبہ سچا ہوں۔ پھر تیسری شہادت میں عومیر نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عومیر نے کہا میں اللہ کو شاہد جان کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشک میں سچا ہوں پھر پانچویں مرتبہ عومیر نے کہا اگر عومیر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور ﷺ نے خولہ سے فرمایا کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عومیر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عومیر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عومیر جھوٹا ہے پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عومیر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے۔ پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عومیر نے بھی مجھے زنا کی حالت میں بتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عومیر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو الگ کر دیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سچا کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال کھنکھریالے ہوں۔ اعضاء کے جوڑاؤں کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عومیر کا ہوگا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آئمہ (روایت) کا اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے کسی کے نزدیک عومیر کے حق میں اس کا نازل ہونا راجح ہے کسی نے ہلال کے بارے میں اس کے نزول کو راجح قرار دیا ہے۔

قرطبی نے آیت کا نزول دو مرتبہ مانا ہے بعض نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے یہ آیت ہلال کے متعلق نازل ہوئی اور اتفاق سے اسی زمانے میں عومیر کا قصہ بھی ہو گیا اس لئے (کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات سبب نزول ہیں) علامہ نووی کا بھی اسی قول کی طرف میلان ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ پہلے ہلال

سے متعلق آیت کا نزول ہو یا نہ ہو یہ سب محرم اپنا قصہ لے کر آئے اور ان کو ہلال کے واقعہ کا کچھ علم نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو طلاق دینی بتا دیا۔ اسی سے حضرت ہلال کے قصے میں کیا ہے کہ جبرئیل نے آیت لے کر قرعے اور حضرت محرم سے فرمایا کہ تم سے جو طلاق دینی تھی تم سے واقعہ ہلال کا ایک واقعہ ایک اور شخص کا ہو تھا اس کے معاملہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

اسی واقعہ کے بیان میں بھی نبی جو اسے بیان کیا۔
 مسئلہ: یہ کہ طلاق دینی اور احکام اللہ عام ہے اس لئے لامہائک امام شافعی اور امام احمد نے فرمایا کہ جو بوجہ شوہر اور اس کی بیوی "ایسا اور نہ فن سے درمیان طلاق ہو سکتی ہو فن کے درمیان لعان کا حکم بھی جاری ہو گا خود دونوں کو یہ دونوں باہر سے نکال دیا جائے۔ اگر وہ مرد و بیوی ہوں یا دونوں فاسق یا ایک عادل ہو اور دوسرا فاسق بلکہ دونوں کافر ہوں تو بھی طلاق دینی نہیں۔ ایک مسلمان ہو اور دوسری کافر (متعلقہ) یا دونوں کافر ہوں۔ لامہائک نے کفر فریقین کی صورت میں اختلاف کیا ہے یہ ظاہر ہے کہ نزدیک کافروں کا آپس میں نکاح صحیح نہیں ہو تا اس لئے طلاق بھی صحیح نہیں ہوتی اور طلاق بھی صحیح نہیں۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا جب تک وہ شوہر نہیں ہے ہوں کی لعان جائز نہ ہو گا ایک شرط یہ ہے کہ مرد دل شدت ہو یعنی مسلمان مرد کا نفس پلٹ ہو اور بیوی شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگانا جا سکتی ہو یعنی مسلمان ہو اور وہ حاکم ہو یا باطل ہو اور اس سے پہلے اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو لام صاحب کے اس قول پر اگر عورت لگتی ہو۔ (اس کے قذف کو حد لگانا جا سکتی ہو اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمت زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت زنا کا ہے) اتھان کا حکم نہیں لیا جائے گا بلکہ حاکم مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔ پس اگر شوہر ناجائز فاسق ہے تو دونوں میں جان کا حکم لیا جائے یہ ظاہر ہے کہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنے کا اختیار نہیں ہے اور بیوی کی جان کا حکم لیا جائے تو اس کا معاہدہ تو اس کا ذاتی ہے وہ اپنے آپ کو پھانسا ہے اور اپنی بیوی سے اپنا اختیار کرتا ہے اس لیے شہادت کا عمل ہے اور بیوی شہادتوں کا عمل نہیں ہے اس لیے مبدک نے لام ابو حنیفہ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لام صاحب کے نزدیک ناجائز قذف ہو تو لعان نہیں کر لیا جائے گا۔ اسی طرح لام صاحب کے نزدیک مندرجہ صورتوں میں نہ حد قذف ہے نہ جان۔ عورت باندہی ہو یا کافر ہو یا باطل ہو یا اس نے نکاح فاسد کیا اور شوہر نے نہ نکاح فاسد اس سے آیت لیں ہو یا اس کا وہ بیچہ ہو جس کا باپ معلوم نہ ہو یا اس نے اپنی عمر میں کبھی زنا کیا ہو خود ایک ہی مرتبہ کیا ہو پھر توبہ کی ہو یا اس کے شوہر نے طلاق کر لیا ہو اور واقع میں وہ جماع حرام ہو مرد کو حلال ہونے کا شبہ ہو گیا تو ان تمام صورتوں میں نہ حد قذف قذف پر جاری ہو گی نہ لعان کا حکم دیا جائے گا البتہ حاکم مناسب سمجھے تو عورت کو تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

لام صاحب نے جو عورت کے لئے شرط لگائی ہے کہ وہ ایسی ہو جس کے قذف کو حد لگانا جا سکتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر سے حد قذف کو دور کرنے کے لئے لعان کا حکم دیا گیا ہے جن احادیث میں نزول آیت کا سبب بیان کیا گیا ہے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ہلال سے فرمایا ہلال تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شوہر کے حق میں لعان حد قذف کا بدل ہے اسی لئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ سے زبرد نیا کا عذاب یعنی حد مذاب آخرت کے مقابلہ میں بہت آسان ہے پس جب ایسی عورت ہی نہ ہو جس کے قذف پر حد قذف جاری ہو سکتی ہو تو یہ حد کا بدل یعنی لعان کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ ایک شرط امام صاحب نے یہ بھی لگائی تھی کہ شوہر شہادت کا عمل ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

اور ان کے پاس سوائے اپنے آپ کے اور گواہ نہ ہوں۔ اللہ نے
 وَاَكْمَرُ يَكْنُ لَهُمْ شَهَادَةً إِلَّا أَنْفُسَهُمْ
 اس آیت میں خود ازواج (شوہروں) کو شہداء (گواہ) قرار دیا ہے کیونکہ الا انفسہم کا نفی ہے استثناء کیا ہے اور نفی سے استثناء
 اثبات ہوتا ہے (ترجمہ یوں ہو گا اور نہ ہوں ان کے لئے گواہ سوائے اسکے کہ وہ اپنے آپ ہی گواہ ہوں)

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں مجازاً شہداء سے مراد ہیں قسم کھانے والے کیونکہ اس تاویل پر مطلب یہ ہو گا کہ ان
 کے پاس قسم کھانے والے نہ ہوں سوائے اس کے کہ وہ خود ہی اپنے لئے قسم کھانے والے ہوں یہ مطلب درست نہیں ہے
 حقیقت میں اس جگہ شہادت کو بمعنی حلف لینا ایک گلیہ کی فرع ہے جس کا بجائے خود کوئی وجود نہیں گلیہ یہ ہے کہ (اپنے لئے اپنی
 شہادت ناجائز ہے اور دوسرے کے لئے حلف جائز ہے۔ اگر شہادت کا حقیقی معنی قسم ہوتا بھی تب بھی اس جگہ مجازی معنی (یعنی
 گواہی) کی طرف رجوع کرنا پڑتا (کیونکہ دوسرے کے لئے حلف کا کوئی وجود نہیں) اور جب شہادت کا حقیقی معنی حلف ہے ہی
 نہیں بلکہ شہادت سے قسم مجازاً مراد لے لی جاتی ہے تو بدرجہ اولیٰ اس جگہ شہادت سے مراد قسم نہیں بلکہ گواہی ہے۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو
 جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جاسکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا
 ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

(۱) دارقطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار (صور تیں) ہیں جن
 میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے
 مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ بخاری ابو
 حاتم راوی اور ابوداؤد نے کہا عثمان ابن عبدالرحمن کچھ نہیں ہے (بیچ ہے ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کتا تھا
 ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش
 کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دارقطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

(۲) دارقطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار عورتوں
 سے لعان نہیں۔ عیسائی عورت، مسلمان مرد، یہودی عورت، باندی عورت، آزاد مرد، آزاد عورت، غلام مرد، سحی
 اور دارقطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابو حاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید
 نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید
 بن زریع بھی ضعیف ہے۔

(۳) دارقطنی نے عماد بن مطر کی وساطت سے عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
 عتاب بن اسید کو بھیجا اس کے بعد حدیث مذکور نقل کی ہے۔

ابو حاتم رازی نے کہا عماد بن مطر جھوٹ بنایا کرتا تھا، ابن عدی نے کہا اس کی حدیثیں بے حقیقت ہیں یہ متروک الحدیث
 ہے۔ امام احمد نے کہا حماد بن عمرو (جو عمار بن مطر کا راوی ہے) جھوٹ بناتا تھا اور حدیث خود گڑھتا تھا۔ ساجی نے کہا باجماع اہل
 روایت یہ متروک الحدیث ہے۔ نسائی اور دارقطنی نے حماد بن عمرو کے راوی زید بن رفیع کو ضعیف کہا ہے (گویا عماد بن مطر از حماد
 بن عمرو از زید بن رفیع از عمرو بن شعیب کے سلسلہ میں اول الذکر تینوں راوی ضعیف جھوٹے اور ناقابل اعتبار ہیں)

ابن جوزی نے لکھا ہے، اوزاعی اور ابن جریج نے جو امام الحدیث ہیں یہ حدیث بوساطت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ
 بیان کی ہے اور اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل

استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں لاموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کی اور مر فوغا نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑤
تو ان میں سے ایک (یعنی مرد) کی شہادت یہی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہہ دے کہ بلاشبہ میں سچا ہوں امام شافعی نے اس آیت سے اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اس آیت میں شہادات سے مراد قسمیں ہیں۔ گواہیاں مراد نہیں ہیں کیونکہ لفظ شہادت میں دونوں معنی کا احتمال تھا گواہی اور قسم لیکن لفظ باللہ سے قسم کا معنی محکم ہو گیا۔ لفظ اشهد کہہ کر اگر کوئی قسم مراد لے تو قسم ہو جائے گی معلوم ہوا کہ شہادات کا لفظ بوں کر قسمیں مراد لینے کا احتمال تھا لفظ باللہ نے اس معنی کو متعین کر دیا۔ شریعت میں اپنی ذات کے لئے خود شہادت دینا قابل قبول نہیں ہاں اپنے لئے قسم کھا سکتا ہے اور اس کی بھی شریعت میں کوئی نظیر نہیں کہ ایک مقام پر (ایک وقت میں) ایک ہی شخص بار بار شہادت ادا کرتا ہو، ہاں قسم کی تکرار کی مثال موجود ہے جیسے قسامت میں ہوتا ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ شہادت کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی اور قسم نفی کے لئے۔ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ حقیقت شہادت کا تعلق ایک ہی امر سے ہو لا محالہ ایک کی حقیقت اور دوسرے کے مجازی معنی پر عمل واجب ہو گا اور لفظ شہادت کا مجازی معنی (یعنی قسم) مراد ہو گا اور جب شہادت سے قسم مراد ہوگی تو لعان کے لئے شہادت کا اہل ہونا لازم نہ ہوگا۔

ہم کہتے ہیں بیشک اپنے لئے خود شہادت دینے اور بار بار ایک مقام پر شہادت ادا کرنے کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں ہے تو دوسرے کے لئے قسم کھانے کی مثال بھی تو کوئی نہیں ہے۔ اور کسی حکم کو واجب کرنے کے لئے قسم کھانا بھی تو شریعت میں کہیں موجود نہیں ہے۔ قسم تو دفع حکم کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ایجاب حکم کے لئے پس جس کو موجود کرنے معدوم کرنے اور جیسا چاہے ویسا حکم دینے کا کامل اختیار و استحقاق ہے جب ایک محل میں دونوں امور کو ابتداء مشروع کرنا اس کے لئے جائز ہے تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ابتداء اس کو مشروع کر دے (اور اس کا ابتداء قانون بنا دے نظیر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں)

رہا اپنے لئے خود شہادت دینے کی مثال تو یہ قرآن مجید میں موجود ہے اللہ نے فرمایا ہے شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اللَّهُ

خود شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے جو مؤذن کو اذان میں اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کہتے سنا تو فرمایا اَنَا أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ أَشْهَدُ فِيهِمْ بَشَرٌ فِي شَهَادَاتِهِمْ وَيَتَاهُونَ۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنی رسالت کی شہادت دینا خود اپنے لئے شہادت ہے۔

باقی اس جگہ تکرار شہادت کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کے گواہ جب کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہو تو اس کی جگہ یہ چار شہادتیں بطور بدلیت ضروری قرار پاتی ہیں کیونکہ تہمت کے وقت اپنے لئے شہادت (یعنی ایک شہادت) قبول نہیں کی جاسکتی (اس لئے تکرار شہادت ضروری قرار پائی) اگر تہمت کا موقع نہ ہو تو ایک شہادت بھی اپنے لئے قبول کی جاتی ہے جیسے مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے پس کسی تہمت کے مقام میں اپنے لئے بار بار شہادت دینا اور قسم سے اس کو پختہ کرنا اور بصورت کذب اپنے لئے لعنت اور غضب خدا کی بددعا کرنا (اور لعنت و غضب کا اپنے کو مستحق ظاہر کرنا) بعید از فہم نہیں ہے۔

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِنَّ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَلْبِيِّينَ ⑥
اور پانچویں شہادت یہ ہو کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

مسئلہ :- اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے یا یہ کہے کہ یہ حمل میرا نہیں ہے اور دونوں اہل لعان بھی

ہوں (جس کی اختلافی بحث اوپر گزر چکی) اور عورت قذف کی سزا کا مطالبہ کرے تو شوہر پر لعان کرنا واجب ہو جاتا ہے اگر مرد لعان سے انکار کر دے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک حاکم اس کو قید رکھے جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار نہ کر لے اگر خود اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لے تو اس پر حد قذف جاری کرے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک صورت مذکورہ میں قید نہیں لیا جائے گا بلکہ لعان سے انکار کرتے ہی اس پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ قذف تو حد شرعی کے اجراء کو ہی چاہتا ہے لعان کی صورت تو شوہر کی سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی اور جب قاذف خود اپنی سچائی ظاہر کرنے سے قاصر ہو تو فوراً حد جاری کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے قید کا مستحق نہیں ہوتا۔

امام شافعی کے نزدیک لعان سے انکار کرنے سے فاسق ہو جاتا ہے امام مالک کہتے ہیں صرف انکار سے فاسق نہیں ہو جاتا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحتاً اس نے اقرار کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جاسکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحتاً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جاسکے۔

اگر شوہر لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کر لے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔

امام شافعی کے نزدیک اگر زوج نے لعان کر لیا تو عورت و مرد میں فرقت ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے اس پر عورت حرام ہو گئی اور بچے کی نسبت بھی اس کی طرف نہیں ہو گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے دونوں لعان کرنے والے کبھی جمع نہیں ہوں گے۔

ہم کہتے ہیں لعان اس وقت تک مستحق نہیں ہو تا جب تک عورت بھی لعان نہ کر لے (کیونکہ لعان باب مفاعلتہ سے ہے اور دونوں کی شرکت کے بغیر باب مفاعلتہ کا مصدر متحقق نہیں ہوتا) اس لئے صرف شوہر کے لعان کرنے سے تفریق نہیں ہو سکتی جب تک دونوں لعان نہ کریں فرقت واقع نہ ہو گی۔

وَيَذَرُهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ يَا لَيْلَى إِنَّ لِمَنْ الْكُذِبِينَ ⑤ وَالْخَامِسَةَ أَنْ

عَضَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ كَانَ مِنَ الظَّالِمِينَ ⑥ اور عورت سے عذاب کو دور کر دے گا۔ چار مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے یہ شہادت دینا کہ وہ یعنی شوہر جھوٹا ہے۔ اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے العذاب سے مراد ہے حد زنا جس طرح آیت فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب میں العذاب سے حد زنا مراد ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ہلال کی بیوی سے فرمایا تھا وان عذاب اللہ اشد من عذاب الناس اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب یعنی حد زنا سے زیادہ سخت ہے۔

لمن الكذابين کا یہ مطلب ہے کہ یہ شخص جو زنا کی تمہمت مجھ پر لگا رہا ہے یا اپنا بچہ ہونے کا انکار کر رہا ہے ان دونوں باتوں میں یہ جھوٹا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی بات میں جھوٹا ہے یا یہ مراد ہے کہ دوسری بات میں جھوٹا ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مرد کے لعان کرتے ہی حد زنا عورت پر واجب ہو جاتی ہے لیکن جب عورت لعان کر لیتی ہے تو وہ حد ساقط ہو جاتی ہے آیت کا مفہوم یہی ہے۔ آیت میں العذاب سے مراد حد زنا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا عورت کے لعان کرنے سے صرف ایک ہی حکم کا تعلق ہوتا ہے یعنی حد زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر مرد گواہوں سے زنا ثابت کر دے تو لعان بیکار ہے، حد زنا اس سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ اب اگر عورت نے لعان سے انکار کر دیا تو حد زنا واجب ہو گئی۔ امام صاحب نے فرمایا اگر عورت لعان سے انکار کر دے تو اس کو قید کر دیا جائے گا اور اس وقت تک قید رکھا جائے گا کہ وہ یا تو لعان کرے یا مرد کی تصدیق کرے اگر اس نے مرد کی تصدیق کر دی تو وجوب لعان کا سبب (یعنی عورت کا

انکار نہ رہا اس لئے لعان کا حکم باقی نہیں رہا اور نہ حد زنا کا وجوب ہو گیا کیونکہ تصدیق براہ راست بالذات اقرار نہیں ہے اس لئے اس سے حد کا وجوب نہیں ہو جاتا ہاں لعان کا حکم جاتا رہتا ہے اور اگر بالفرض تصدیق کو اقرار مان بھی لیا جائے تو ایک ہی مرتبہ حد زنا جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے پھر یہ کہنا کہ *يَذْرُوْا عَنْهَا الْعَذَابَ* میں العذاب سے مراد حد زنا ہے یہ بات بھی بلا دلیل ہے کیونکہ قید کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے قید بھی عذاب ہے ہر حال شبہ پیدا ہو گیا اور شہادت سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ :- اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکار ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زنا ثابت ہوگی اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہو اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں امام شافعی اور امام ابو حنیفہ دونوں کے قول میرے لئے تعجب خیز ہیں امام شافعی کے قول پر تو تعجب کی یہ وجہ ہے کہ ان کے نزدیک لعان (یعنی لعان کی شہادت) قسم ہے اسی لئے وہ مرد کے لئے شہادت کی اہلیت کی شرط ضروری نہیں قرار دیتے اور ہر مرد کے لئے لعان کا حکم جاری کرتے ہیں خواہ قاذف غلام ہو یا کافر یا اس سے پہلے تہمت زنا کا سزا یافتہ ہو (کیونکہ یہ سب لوگ قسم کھا سکتے ہیں گواہل شہادت نہیں ہیں) اور ظاہر ہے کہ قسم موجب مال بھی نہیں ہو سکتی (اگر مدعی قسم کھا کر کہے کہ میرا اتارو پیہ فلاں شخص پر قرض ہے اور مدعی علیہ انکار کرے اور مدعی کے پاس ثبوت کے گواہ نہ ہوں تو مدعی کے صرف قسم کھانے سے مال کا وجوب مدعی علیہ پر نہیں ہو جاتا) اور جب قسم سے وجوب مال نہیں ہو جاتا تو عورت کو سنگسار کرنے کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے رجم تو ہر حد سے زیادہ سخت سزا ہے۔

امام صاحب کا قول یوں عجیب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک لعان قسم نہیں شہادت ہے اسی لئے لعان کرنے والے کے لئے شہادت کی اہلیت ان کی نظر میں ضروری ہے اور یہ بھی امام صاحب نے فرمایا کہ ایک محل میں چار شہاد تیں ایک ہی شخص کی، یہ زنا کے شاہدوں کے قائم مقام ہیں زنا کے چار گواہ ہونے ضروری ہیں اس لئے شاہد نہ ہونے کی صورت میں چار باد خود شہادت دینی ضروری ہے اور یہ بھی آپ نے فرمایا کہ مرد کے حق میں یہ چار شہاد تیں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور عورت کی چار شہاد تیں حد زنا کے قائم مقام ہیں پھر تعجب ہے کہ مرد کی چار مرتبہ شہاد توں کے بعد حد زنا عورت پر امام صاحب کے نزدیک کیوں واجب نہیں ہو جاتی۔ اللہ نے تو *يَذْرُوْا عَنْهَا الْعَذَابَ* فرمایا ہے یعنی عورت کے لعان سے عذاب ساقط ہو جاتا ہے۔ دراء کا لفظ خاص ہے اس کا معنی ہے ساقط کرنا یعنی موجب عذاب نہ رہے تو عذاب ساقط ہو جاتا ہے (معلوم ہوتا ہے کہ انکار لعان کی صورت میں حد زنا کا وجوب ہو جاتا ہے اور لعان کے بعد حد زنا کا سقوط ہو جاتا ہے) عورت کے حق میں جو لعان کو حد زنا کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر عورت لعان کر لے گی تو حد زنا اس پر جاری نہ ہوگی اور لعان سے انکار کر دے گی تو حد زنا جاری ہوگی (انکار لعان کی صورت میں قید کر دینے کی سزا کہاں سے نکل سکتی ہے عورت کا لعان تو حد زنا کے قائم مقام ہے قید کے قائم مقام نہیں، پس لعان سے انکار کی صورت میں حد زنا جاری ہو جانی چاہئے)

ایک شبہ

شوہر کی چار شہاد تیں اگر چار مرد گواہوں کی شہاد توں کے قائم مقام ہیں لیکن قائم مقام ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ان سے زنا کا یقینی ثبوت ہو جاتا ہے ان چار شہاد توں کا چار گواہوں کی شہاد توں کے قائم مقام ہونا مشتبہ ضرور ہوتا ہے اس لئے حد قذف تو اس کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور حد زنا ثابت نہیں ہوگی۔ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

ازالہ

مدعی کی چار شہاد توں کا چار مردوں کی شہاد توں کے قائم مقام ہونا تو یقینی اور قطعی ہے اس کا ثبوت قرآن سے بھی ہے اور حدیث سے بھی اور اجماع امت سے بھی۔ ہاں زنا کا قطعی ناقابل شک ثبوت مدعی کی چار شہاد توں سے نہیں ہوتا تو چار

گو اہوں کی شہادتوں سے بھی ناقابل شک ثبوت زنا کا نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ چاروں نے جھوٹی شہادت دینے پر اتفاق کر لیا ہو اور کوئی خبر بھی ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں جھوٹی ہونے کا احتمال ہی نہ ہو۔ ہاں اگر حد تو اترا تک پہنچ جائے اور خبر دینے والا منجانب اللہ معصوم ہو تو ضرور موجب یقین اور قطعیت ہو جاتی ہے۔ دو یا چار گواہوں کی شہادت پر حکام جو فیصلہ کر دیتے ہیں وہ صرف حکم شریعت کی تعمیل ہے اس سے غلبہ ظن حاصل ہو جاتا ہے اور غلبہ ظن کی بناء پر حاکم فیصلہ کر دیتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اس سے حاکم کو یقین ہو جاتا ہے مگر وہ حکم شریعت کی وجہ سے معذور ہے۔

جب چار مردوں کی شہادتوں سے زنا کا ثبوت (شرعی) ہو جاتا ہے اور حد زنا جاری ہو جاتی ہے تو مدعی کا چار مرتبہ قسم کھا کر شہادت دینا تو زیادہ موجب ثبوت ہونا چاہئے۔ اس کی شہادتیں تو اتنی پختہ ہوتی ہیں کہ دروغ ہونے کی صورت میں وہ اپنے لئے اللہ کی لعنت کا خواستگار ہوتا ہے۔ پھر وہ عادل بھی ہوتا ہے فاسق نہیں ہوتا۔ شہادت کی ہر طرح اہلیت بھی رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ عورت لعان سے انکار بھی کرتی ہے۔ دیکھو چار آدمی (جھوٹ پر) اگر متفق ہو جائیں تو ناممکن نہیں ہے اور کسی عورت کا شوہر اگر اس پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور عورت کو یقین بھی ہے کہ اگر میں لعان کر لوں گی تو زنا کی سزا سے بچ جاؤں گی اور باوجود اس کے وہ لعان سے گریز کرتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شوہر کی تصدیق کرتی ہے۔ وہی یہ بات کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں تو اس سے مراد اس قسم کا شبہ نہیں ہے یہ شبہ شریعت کی نظر میں بیچ ہے ایسا شبہ تو بہر حال باقی رہتا ہے۔ چار شخصوں کو ایہ دیدیں یا شوہر لعان کر لے اور عورت لعان سے انکار کر دے بہر حال جھوٹ کا وہم تو باقی رہتا ہی ہے۔

پس میرے نزدیک امام ابو حنیفہؒ نے شوہر کے لئے اہلیت شہادت کی جو شرط ضروری قرار دی ہے اور عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اس درجہ کی ہو کہ اس پر الزام رکھنے والے کو (ثبوت نہ ہونے کی صورت میں) کذف کی سزا دی جا سکے امام صاحب کا یہ قول زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے اسی طرح امام شافعی نے جو فرمایا ہے کہ اگر عورت لعان سے گریز اور انکار کرے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے سو امام شافعی کا یہ قول اقرب الی الصحت ہے۔

مسئلہ :- امام شافعی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ فقط مرد کے لعان کرتے ہی زوجین میں فرقت ہو جاتی ہے یہ قول بے دلیل ہے امام زفر امام مالک اور (ایک روایت میں) امام احمد کا قول ہے کہ جب دونوں لعان کر گزریں تو زوجین میں فرقت ہوتی ہے خواہ حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو لیکن امام ابو حنیفہ امام محمد، امام ابو یوسف اور (ایک روایت میں) امام احمد کا قول ہے کہ حاکم کے فیصلہ سے پہلے فرقت نہیں ہو جاتی خواہ دونوں لعان کر چکے ہوں فریقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کرا دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک یہ فرقت ایک طلاق بائنہ ہوگی، باقی اماموں کے نزدیک طلاق بائن نہیں بلکہ اس کو فسخ نکاح قرار دیا جائے گا۔ مؤخر الذکر قول کی دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کی طرح لعان سے دوائی حرمت ہو جاتی ہے (اور اسی کا نام فسخ ہے) صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یعنی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوائی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا مال (یعنی جو میرے مال نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مرد) اس علت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابو داؤد نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوائی) تفریق کرا دی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دارقطنی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے اس باب میں روایات عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ کے مصنف میں منقول ہیں۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حضرت ہلال بن امیہ کے قصہ کے آخر میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں تفریق کرا دی اور حکم دے دیا کہ عورت پر تہمت زنا قائم نہ کی جائے اور نہ اس کے بچہ کو ولد الزنا کہا جائے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا، لعان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں تفریق کرا دی اور بچہ کا نسب ماں سے ملا دیا۔ (لعان کرنے والے مرد کو اس کا باپ نہیں قرار دیا نہ بچہ کو ولد الزنا قرار دیا) جمہور آئمہ کے قول کی سب سے واضح دلیل وہ روایت ہے جو ہلال بن امیہ کے قصہ میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے ابو داؤد نے سنن میں بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعان کے بعد فیصلہ فرمادیا کہ (تفریق کے بعد) عورت کا نفقہ مرد پر نہیں ہے نہ رہنے کی جگہ دینا مرد کے ذمے ہے کیونکہ دونوں میں تفریق ہوئی ہے نہ عورت بیوہ ہوئی ہے کہ اس کا شوہر مر گیا ہو نہ مرد نے اس کو طلاق دی ہے، لعان کے بعد جب خود دوائی حرمت ثابت ہو گئی تو اب حاکم کی تفریق کی ضرورت نہیں۔ دوائی حرمت نکاح کے منافی اسی طرح ہے جس طرح حرمت رضاعت نکاح کے خلاف ہے اس لئے حرمت لعان کو فتح نکاح قرار دیا جائے گا (طلاق بائینہ نہیں مانا جائے گا)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا ثبوت حرمت نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فتح نہیں ہوتا (بلکہ کفارہ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن و خوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عومیر نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روک رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عومیر نے اس کو تین طلاقیں دیدیں۔ اور رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

دارقطنی نے جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ دونوں کو الگ الگ کر دیا جائے آئندہ یہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کا فرمان رسول ہونا محل تامل ہے شیخ ابو بکر رازی نے اس کے فرمان رسول ہونے پر نکتہ چینی کی ہے۔

صاحب تنقیح نے لکھا ہے اس کی سند جید ہے (اس لئے اس کا فرمان رسول ہونا محقق ہے) اور اس کا مفہوم بتا رہا ہے کہ صرف لعان کرنے سے دونوں الگ الگ نہیں ہو جاتے (بلکہ فرمان حاکم کی ضرورت ہے یا اس مرد کا طلاق دینا لازم ہے) امام شافعیؒ کے خلاف اس حدیث کا مفہوم ایک بڑی دلیل ہے۔

رہی حضرت ابن عباسؓ کی بہ روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمادیا کہ مرد پر عورت کا نفقہ ہے نہ مسکن اس لئے کہ دونوں بغیر طلاق کے الگ الگ ہو جاتے ہیں تو نفقہ و مسکن نہ ہونے کی یہ دلیل حضرت ابن عباسؓ کی اجتہادی رائے کا نتیجہ ہے (رسول اللہ ﷺ نے یہ دلیل بیان نہیں فرمائی) مرفوع حدیث تو صرف اتنی ہے کہ (لعان ہو چکنے کے بعد) مرد پر عورت کا نفقہ ہے نہ حق سکنی۔ میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا جماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعیؒ امام زفر اور دوسرے آئمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فتح نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابو حنیفہؒ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یعنی ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

لیکن یہ حرمت دوائی ہے حرمت ظہار کی طرح نہیں ہے حرمت ظہار تو کفارہ ادا کرنے سے ختم ہو جاتی ہے اور حرمت

دوامی نکاح کے بالکل منافی ہے، ہنگامی حرمت سے تو نکاح باقی رہتا ہے (نکاح کے فائدے سے وقتی محرومی ہو جاتی ہے) اور حرمت دوامی کا معنی سوائے نکاح کے اور کچھ نہیں ہے اور جب لعان سے خود نکاح منسوخ ہو گیا تو حاکم کے حکم کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ابن ہمام نے خود لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول پر قضاء قاضی پر تفریق موقوف نہیں رہتی کیونکہ قضاء قاضی سے پہلے ہی حرمت باتفاق علماء ثابت ہو چکتی ہے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کر اپنے کا فیصلہ کر دے تریح بالا احسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کا حکم جاری کر دے اور حکم تفریق بعد الا نکار جاری کرنے کا تو کوئی بھی قائل نہیں نہ رسول اللہ ﷺ نے طلاق دینے کا حکم دیا (عمیر نے خود طلاق دی)

رہی یہ بات کہ حضرت ابن عباس کا قول (عورت کے لئے نہ نفقہ ہے نہ حق سکنی کیونکہ بغیر طلاق کے دونوں میں تفریق ہو جاتی ہے) گو حدیث رسول اللہ ﷺ نہ ہو لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی حقیقت اور کیفیت سے واقف تھے (جانتے تھے کہ حضور نے عورت کو نفقہ اور سکونت کے حق سے کیوں محروم قرار دیا) باقی یہ بات کہ جب تفریق لعان سے ہی ہو گئی تو عمیر نے طلاق دینی کیوں ضروری سمجھی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عمیر کو اس کو اس وقت تک معلوم نہ ہو گا کہ لعان سے خود تفریق ہو جاتی ہے۔

رہا مفہوم شرط کا شافعی کے نزدیک حجت ہونا تو بے شک شافعی مفہوم شرط کو حجت جانتے ہیں لیکن اس جگہ چونکہ دوامی حرمت ثابت ہے اس لئے مفہوم شرط پر عمل ترک کر دیا گیا۔

یابیوں کہا جائے کہ المتلاعنان اذا افترا قالایجتمعان ابداکا یہ مطلب ہے کہ جب دونوں لعان کر چکے تو دونوں جدا ہو گئے آئندہ بھی دونوں ساتھ نہیں رہیں گے امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث "المتبايعان بالخيار مالم تيفرقا" کا یہ مطلب ہے کہ جب تک ایجاب و قبول نہ ہو گیا ہو اور قولی تفریق نہ ہو گئی ہو اس وقت تک ہر شخص کو بیع نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (یعنی اس حدیث میں امام صاحب کے نزدیک تفریق سے مراد قولی تفریق ہے پس اسی طرح حدیث اذا افترا قالایجتمعان میں افتراق قولی (یعنی قول لعان) مراد ہے۔

مسئلہ :- لعان کر چکنے کے بعد اگر شوہر خود اپنی تکذیب کر لے اور اپنے جھوٹے ہونے کا اظہار کر دے تو کیا عورت سے دوبارہ اس کا نکاح ہو سکتا ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس کا اقرار تکذیب مان تو لیا جائے گا لیکن صرف اس حد تک کہ جھوٹی تہمت زنا لگانے سے جو ضرر اس کو پہنچتا ہے وہ پہنچ جائے گا اور جو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ نہ پہنچے گا مطلب یہ کہ حد قذف اس پر جاری کی جائے گی اور بچہ اس کا مانا جائے گا لیکن حرمت دوامی دور نہ ہوگی اس عورت سے نکاح بھی نہ کر سکے گا۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا (اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے) کہ حد قذف جاری کی جائے گی اور چونکہ قذف کے اقرار کے بعد وہ لعان کا اہل نہیں رہا تو لعان کو صحیح نہیں مانا جائے گا اور جو حکم (یعنی نکاح جدید نہ کر سکنے کا حکم) لعان سے وابستہ تھا وہ بھی اٹھ جائے گا اور دوبارہ نکاح کر سکے گا اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص پر تہمت زنا لگانے کی وجہ سے اس پر حد قذف جاری کر دی گئی ہو (تو لعان کا اہل نہیں رہے گا) یہی حکم اس وقت ہو گا جب عورت زنا کر چکی ہو اور سزا یاب ہو چکی ہو تو اہل لعان نہیں رہے گی۔ اس لئے ان دونوں لعان کرنے والوں کے لئے جائز ہو گا کہ (شوہر نے جب اپنی تکذیب خود کر دی تو) دونوں باہم نکاح کر لیں۔

ہم کہتے ہیں اہلیت لعان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ لعان ہو ہی نہیں (اور جب لعان ہو گیا تو پھر تزوج کے ناجائز ہونے کا حکم جاری رہے گا) دیکھو اگر کسی نے کسی اور پر الزام زنا رکھا (اور زنا ثابت نہ کر سکا) اور اس پر حد قذف جاری کر دی گئی پھر مقدوف نے (یعنی جس پر جسمانی تہمت زنا لگائی تھی اس نے) زنا کیا اور زنا کی سزا اس کو دیدی گئی تو باوجودیکہ زانی اہل لعان نہیں ہوتا پھر بھی اس کے قاذف کی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی (بالکل یہی صورت اختلافی مسئلہ کی ہے کہ اپنی خود تکذیب کرنے کی وجہ سے وہ اہل لعان نہیں رہا۔ لیکن جو لعان ہو چکا اس کا حکم باقی رہے گا اور کبھی لعان کرنے والی عورت سے نکاح نہ کر سکے گا)

حفیہ کہتے ہیں کہ احتلاعنان لایجتعمان ابدأ قضیہ عرفیہ ہے اور قضیہ عرفیہ میں حکم کی بنا تصاف پر ہوتی ہے اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ لعان کرنے والے جب تک صفت لعان کے ساتھ متصف رہیں گے جمع نہیں ہو سکتے (اور جب صفت لعان ختم ہو گئی تو عدم اجتماع کا حکم بھی ختم ہو گیا کیونکہ مرد نے اپنی تکذیب خود کر دی تو صفت لعان جاتی رہی اور عدم اجتماع کا حکم زائل ہو گیا) ہم کہتے ہیں یہ قضیہ عرفیہ نہیں ہے، قضیہ عرفیہ میں صفت موضوع پائیدار ہوتی ہے اور لعان استمراری وصف نہیں ہے اس لئے اس جگہ حکم بشرط وصف نہیں ہو سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس مرد عورت نے کبھی لعان کر لیا ہو ان کا آئندہ کبھی نکاح میں اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جب تک وہ لعان پر قائم رہیں اور ہر ایک دوسرے کو جھوٹا کتار ہے تو عدم تزوج کا حکم جاری رہے گا اور جب دونوں میں سے کوئی اپنے کو جھوٹا مان لے تو تزوج باہمی جائز ہو جائے گا۔ مسئلہ :- اگر مرد نے کہا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو قاضی (لعان کے بعد) بچہ کا نسب اس شخص سے نہیں جوڑے گا (بچہ کا باپ اس لعان کرنے والے کو نہیں قرار دے گا) اور ماں سے اس کا الحاق کر دے گا جو لوگ لعان کے بعد تفریق کے لئے حاکم کے فیصلہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مذکور الصدر فیصلہ کے اندر ضمنی طور پر تفریق کا فیصلہ بھی ہو جائے گا (اور جو لوگ تفریق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں سمجھتے ان کے نزدیک بہر حال تفریق ہو جائے گی) بصورت مذکورہ لعان کے وقت مرد کو یہ الفاظ کہنا ہوں گے کہ میں نے جو اپنا بچہ ہونے کا انکار کیا ہے خدا گواہ ہے میں اس قول میں سچا ہوں عورت بھی لعان میں ان الفاظ کا اضافہ کرے گی۔

اگر عورت کے زانی ہونے اور اپنا بچہ نہ ہونے کا مرد نے اظہار کیا ہے تو لعان میں دونوں باتوں کا ذکر کرنا ہو گا، پھر بچہ کا الحاق اس کی ماں سے کر دیا جائے گا حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کر لیا۔ مرد نے اپنا بچہ ہونے کا انکار کیا تھا حضور نے دونوں میں تفریق کرادی اور بچہ کا الحاق ماں سے کر دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مسئلہ :- اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (بچہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابو حنیفہ امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہوگی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو) امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک لعان کر لیا جائے گا امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا اگر بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو جائے گا تو لعان واجب ہو جائے گا اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ بچے کے پیدا ہونے تک لعان نہیں کر لیا جائے گا اگر چھ ماہ سے کم میں بچہ ہو گیا تو لعان واجب ہو گا ورنہ نہیں۔ بعض طرق روایت میں حضرت ہلال کے قصہ میں آیا ہے کہ لعان ولادت کے بعد کیا گیا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حضرت ہلال کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ظاہر فرمادے اور بچہ اس شخص کی شکل کے مشابہ پیدا ہوا جس کے ساتھ زنا کا الزام ہلال نے قائم کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں لعان کر دیا۔

امام مالک اور امام شافعی نے اپنے قول کی دلیل میں حسب روایت ابو داؤد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہلال اور من کی

بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور فیصلہ فرمایا کہ بچے کو باپ کی طرف منسوب نہ کیا جائے اور نہ اس کو ولد الزنا قرار دیا جائے۔ اور نہ اس کی ماں کو متہم بالزنا کیا جائے۔

جو شخص عورت کو زنا کے ساتھ اور بچہ کو والد الزنا ہونے کے ساتھ متہم کرے اس پر حد (زنا) جاری کی جائے۔
عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہو اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جانی تھی۔
اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کر لیا، بیوی اس وقت حاملہ تھی، عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عقد النخل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچنا نہ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی بری شکل کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ ہلال نے عورت پر زنا کا الزام قائم کیا تھا انکار حمل نہیں کیا تھا اسی لئے لعان کر لیا گیا۔ وسیع کی روایت میں جو آیا ہے کہ ہلال منکر حمل تھے اس لئے انہوں نے لعان کیا تھا۔ امام احمد نے اس روایت کی صحت سے انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ وسیع کی غلطی ہے کہ انہوں نے لعان کی وجہ انکار حمل کو قرار دیا حقیقت یہ ہے کہ ہلال جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیوی کے زنا کی انہوں نے شہادت دی تو رسول اللہ ﷺ نے لعان کر لیا انکار حمل لعان کی وجہ نہیں تھی۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ ہلال نے دونوں الزام قائم کئے تھے بغوی نے حضرت ابن عباس اور قتادہ کی روایت سے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

اگر ہلال کی طرف سے صرف زنا کا الزام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ (صراحت کے ساتھ) اس کی طرف بچہ کو منسوب کرنے کی ممانعت نہ فرماتے، کیونکہ زانی کے علاوہ ہلال کے تخم سے بچہ کا ہونا بھی محتمل تھا صرف نفی حمل کی وجہ سے لعان کا جواز ہلال والی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت ابن عباس نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرنے کا جو واقعہ بیان کیا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت وہ حاملہ تھی اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عجلانی نے صرف انکار حمل کیا تھا (اور زنا کا الزام قائم نہیں کیا تھا) بلکہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے عومیر کے حالات کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر نے فرمایا میرے سامنے کا واقعہ سے میں موجود تھا جب کہ عومیر بن حارث عجلانی نے اپنی بیوی پر شری بن سحبا سے زنا کرنے کا الزام قائم کیا تھا اور اس کے حمل کا بھی انکار کر دیا تھا عورت حاملہ تھی رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں لعان کر دیا میں نے خود دیکھا کہ منبر کے پاس کھڑے ہوئے دونوں لعان کر رہے تھے کچھ مدت کے بعد بچہ پیدا ہوا تو شریک بن سحبا سے وہ بہت زیادہ مشابہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بچے کا الحاق اس کی ماں سے کر دیا۔

عومیر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عومیر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلائل سے ثابت ہے کہ عومیر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

صاحبین کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے انکار حمل کر دیا اور چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس سے ثابت ہو جائے گا کہ انکار کے وقت حمل موجود تھا لہذا قذف محقق ہو گیا اور حد قذف سے بچنے کے لئے لعان کیا جائے گا۔

امام صاحب نے فرمایا حمل کا وجود بالفعل یعنی نہیں تو گویا انکار ولد مشروط ہو اور مطلب یہ ہو کہ اگر تو حاملہ ہو تو تیرا یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اور قذف کو مشروط کرنا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ :- اگر شوہر نے یہ الفاظ کہے تو نے زنا کیا اور تیرا حمل زنا کا ہے تو بالافتقار لعان کرنا ہوگا۔ کیونکہ صراحت کے ساتھ اس نے زنا کا ذکر کیا ہے اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک حاکم نفی نسب کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ (یعنی یہ حکم نہیں دے گا کہ یہ بچہ تیرا نہیں ہے کسی اور کا ہے) امام شافعی کا قول اس کے خلاف کے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بچہ کا الحاق ہلال کے ساتھ نہ کرنے کا حکم دیا تھا اور ہلال نے جس وقت عورت پر الزام لگایا تھا اس وقت وہ حاملہ تھی۔ امام صاحب نے فرمایا احکام کا اجراء تو ولادت کے بعد ہوگا۔ ولادت سے پہلے محل کا یقین نہیں۔ باقی رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حمل کا موجود ہونا رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا (اس لئے آپ نے فوراً فیصلہ کر دیا کہ بچہ کا الحاق ہلال سے نہ کیا جائے)

میں کہتا ہوں امام صاحب کی یہ بات بعید از فہم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ظاہری امور کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے تھے تاکہ مسلمان آپ کا اتباع کریں (پوشیدہ) وحی پر آپ کے فیصلوں کی بناء نہ تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے بلکہ یقین کے ساتھ دونوں میں سے ایک کے متعلق فرمادیتے کہ تو جھوٹا یا تو جھوٹی ہے۔

مسئلہ :- اگر بچہ کے پیدا ہونے کے بعد شوہر اپنا بچہ ہونے کا انکار کر دے تو امام شافعی کے نزدیک اس کا انکار صحیح مانا جائے گا بشرطیکہ پیدا ہونے کی خبر سنتے ہی اس نے انکار کر دیا ہو اس صورت میں لعان کیا جائے گا اور اگر خبر ولادت سنتے ہی کچھ نہیں کہا بعد کو انکار نسب کیا تو نسب ثابت مانا جائے گا (انکار صحیح نہ ہوگا) اور (قذف کی وجہ سے) لعان کرنا ہوگا۔

امام صاحب نے فرمایا مبادک باد کے وقت اس نے اگر انکار نسب کر دیا تو انکار صحیح مانا جائے گا۔ (ظاہر روایت کے اعتبار سے) تعیین مدت کے سلسلہ میں امام صاحب کا قول نہیں آیا۔ ابواللیث کی روایت میں آیا ہے کہ امام صاحب نے تین روز کی مدت (انکار کے لئے) مانی ہے۔ حسن کی روایت میں سات روز کا لفظ آیا ہے صاحبین کے نزدیک پوری مدت نفاس انکار کی مدت ہے ظاہر قیاس کا تقاضا ہے کہ فوراً ولادت کی خبر سن کر اگر انکار نسب کر دیا ہو تو مانا جائے اور کچھ وقفہ خاموشی میں گزر گیا ہو تو پھر انکار کو صحیح نہ قرار دیا جائے کیونکہ (موقع اظہار میں) خاموشی رضامندی کی علامت ہے لیکن دقیق قیاس (استحسان) کا فیصلہ ہے کہ اس کو سوچنے اور غور کرنے کی کچھ مدت ملنی چاہئے بغیر غور کئے اگر انکار نسب کر دے گا (اور واقع میں وہ بچہ اس کا ہوگا) تو یہ حرام ہے اور اگر دوسرے کا بچہ ہے اور اسکو وہ اپنا بچہ قرار دے دے گا تو یہ بھی حرام ہے (اپنے بچے کا باپ کسی دوسرے کو قرار دینا یاد دوسرے بچے کا باپ اپنے کو ظاہر کرنا دونوں کبیرہ گناہ ہیں)

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما ہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کرنے کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ و دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہو گیا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو سوا کرے گا۔ رواہ ابو داؤد والنسائی و الشافعی وابن حبان والحاکم۔ دارقطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

صعبین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ :- اگر بچہ کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبادک باد

کی برابرت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ :- اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تھائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہو اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔ یا قربت تو کی تھی لیکن وقت قربت سے ابھی چھ مہینے گزرنے نہیں پائے تھے کہ بچہ ہو گیا یا دو سال گزرنے کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ ان سب صورتوں میں بچے سے انکار کر دینا اس کے لئے جائز ہے ہاں اگر چھ ماہ سے اوپر دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا یا حیض نہ آنے کی وجہ سے استبراء رحم نہیں دہا تو اس صورت میں بچہ کی ولدیت سے انکار ناجائز ہے اور حیض آنے کے وقت سے اگر چھ ماہ سے زیادہ عرصہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو اپنانے سے انکار جائز ہے۔

مسئلہ :- اگر جماع کیا یا عزل کیا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اسی کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۰﴾

اور (اے امت محمدی) اگر تم پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی۔
اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (تو اللہ تم کو

رسوا کر دیتا اور دنیا میں ہی فوری عذاب دیدیتا)

نواب (لوٹنے والا) ہے یعنی جو شخص پشیمان ہو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کا طلبگار ہوتا ہے اللہ اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف التفات فرماتا اور لوٹتا ہے حکیم ہے یعنی جو حدود وغیرہ اللہ نے تم پر فرض کی ہیں وہ ان کی حکمت سے واقف ہے۔

شیخین وغیرہ نے بروایت زہری بوساطت عروہ بن زبیر و سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص و عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود ام المومنین حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ نے یہ بیان اس وقت دیا تھا جب تممت تراشوں کے الزام سے اللہ نے حضرت عائشہ کی پاک دامنی ظاہر فرمادی۔

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا۔ بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیویوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک جہاد پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی میرا نام نکل آیا۔ مجھے آپ نے ساتھ لے لیا یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا) مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چل دیئے۔ جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹھولا تو عقیق سے یعنی کاجوہار میں پسنے بھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی۔ ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی بھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا کھانا تھوڑا کھاتی تھیں اس لئے لوگوں نے ہودج کی نخت محسوس نہ کی۔ پھر میں تو کم سن لڑکی ہی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لا دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل

۱۔ یعنی غزوہ بنی مصلط جو ۶ ہجری میں ہوا۔ ۲۔ جزع اظفار۔ اظفار ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے صحیح روایت میں اظفار آیا ہے ظفار یمن میں ایک شہر کا نام تھا جزع ظفار سے یعنی پوتھ یعنی عقیق یعنی مراد ہے۔

یے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے بدل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا مجبور امیں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آگئی اور میں سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمیٰ کو انی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نمرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا کہ وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے انہوں نے ذہاک کوئی سورہا ہے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا خد اکی قسم اسوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا اپنی لوفنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھلای اور اس کا دھنگنا باندھ دیا۔ میں اٹھ کر لوفنی پر سوار ہو گئی وہ مہار پڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمد لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا میں۔

اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔ میرے معاملہ میں جس (تمت تراش) کو بلاک ہونا تھا وہ (فلا فواہیں پھیلا کر) لدا گیا۔ اس تمت تراشی کا سب سے بڑا ذمہ دار عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا میں مدینے پہنچ کر بیدار ہو گئی اور ایک مہینہ بیدار ہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔ بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیداری میں پہلے ہو کر تھا۔ بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ نہ تھا پریشانی ہوتی۔ لیکن رات کا پتہ نہ تھا۔ جب میں اچھی ہو گئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں مسطح کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمدے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب نہیں بتانے سے (بدبو سے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابوہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی مانی محو بن عامر کی بیٹی تھی محو کی بیٹی حضرت ابو بکر صدیق کی خالہ تھی، اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی کرتے ہی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بری بات لہی کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی۔ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی۔ اس بات کو سن کر میری بیداری اور بڑھ گئی جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ ﷺ (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یعنی خبر ماں باپ سے مل جائے گی۔ آپ نے اجازت دیدی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا ماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا سبب نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چمکیلی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوئیں بھی ہوتی ہیں تو سوئیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے گھروالوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ

نے کوئی سختی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی رسول اللہ ﷺ نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزر رہا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اسکی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں نکتہ چینی کر سکوں ہاں بس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آنا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔ اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور عبد اللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبد اللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بری بات نہیں معلوم ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے۔ (تمنا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ دکھ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اس کے قبیلہ میں ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزر جی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سکر قبیلہ خزر ج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا احسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی۔ یعنی سعد بن عبادہ سردار خزر ج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچا زاد بھائی اسید بن حنیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اس کو ضرور بالضرور قتل کر دیں گے۔ تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اس اور خزر ج دونوں قبیلے جوش میں آگئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ ﷺ منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھمانہ خیند آئی والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر نہ پھٹ جائے۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی میں نے اجازت دیدی وہ آکر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ ﷺ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ نے اول کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرمادے گا اور اگر تو انفا تا کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو ٹھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیجئے، والدہ نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نو عمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سکر اپنے دلوں میں جمالی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف کے باپ نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ماتصفون (پس میں یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ

لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرمادے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھادیا جائے گا۔

خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھروالا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمادی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ ﷺ پر جو تکلیف ہوتی تھی وہ ہونے لگی سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی سے ٹپکے لگتے تھے۔

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا۔ عائشہؓ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا، میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف جاؤں گی۔ نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی۔ اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے اللہ نے مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں۔

جو لوگ طوفان لائے وہ تمہاری ہی

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ

ایک جماعت ہے۔

یہ دس آیات ہیں افک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا الٹ دینا، حضرت عائشہؓ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں صدیق اکبرؐ کی بیٹی تھیں رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی الٹ دیا یہ قلب حقیقت ہو گیا۔

عصبة دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت اس کا کوئی واحد نہیں کذافی النہایت۔

منکم یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں (ام المؤمنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بجائے رکھا۔ انہوں نے سوائے کلمہ خیر کے اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی بہنوں کی) یہ باتیں کرنے والے مسطح، حسان بن ثابت اور عبد اللہ بن ابی منافق تھے۔ عبد اللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کئے۔ مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عصبة منکم فرمایا ہے (اور عصبة دس سے کم کو نہیں کہتے)

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فان ابی ووالدتی و عرضی

میرے ماں باپ اور میری آبرو

یعنی حضور ﷺ کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔

تم اس بات کو اپنے لئے برانہ سمجھو یہ تو تمہارے

لَا تَحْسَبُوا سَرَائِكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ

لئے بہتر ہے۔

لا تحسبوه کا خطاب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو ہے حضرت عائشہؓ پر عیب لگانے کا رنج رسول اللہ ﷺ کو تھا اور تمام مسلمانوں کو بھی تھا۔ حضرت عائشہؓ تمام مسلمانوں کی ماں تھیں۔

خیر لکم تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ کے احکام تم کو ملے۔ تمہاری عزت عند اللہ کا اظہار ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی اور عظمت شان کے اظہار کے لئے اللہ نے اپنے رسول پر آیات نازل فرمائیں۔ جن تہمت تراشی کرنے والوں نے یہ باتیں کیں اللہ نے ان کے لئے ہولناک وعید نازل فرمائی اور یہ تمام آیات قیامت تک محرابوں اور نمازوں میں پڑھی جائیں گی۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا كَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ
ان میں سے ہر شخص کے لئے وہی گناہ ہے جو اس نے کمایا یعنی جس نے جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لئے مقرر ہے کسی نے خود الزام تراشی کی کسی نے اس کو پھیلا نا پسند کیا۔ کسی نے دوسرے سے سن کر خود بھی بیان کرنا شروع کر دیا۔ کوئی صرف ہنس دیا زبان سے کچھ نہیں کہا اور کوئی سن کر خاموش رہا تو دید نہیں کی۔ غرض جتنا گناہ کیا اتنی سزا اس کے لئے مقرر ہے۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک (پر حد تذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہوگی مل جائے گی۔

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ①
اور ان میں سے جس نے اس طوفان میں بڑا حصہ لیا اس کو سخت سزا ہوگی۔

یعنی جس نے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے لئے یہ طوفان سب سے پہلے اٹھایا اور اس کو پھیلا یا اس کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

زہری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا اور عذاب عظیم سے مراد ہے دوزخ کا عذاب۔

ابن ابی ملیحہ نے بروایت عروہ قصہ اُفک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا پھر میں سوار ہو گئی۔ صنوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے مہار گزر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ (مسلمانوں کے عام لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے) ان کی فرود گاہ عام مسلمانوں کی فرود گاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی کمنے لگایا عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہؓ ہے عبد اللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔ بعض کا قول ہے کہ الذی تولى کبرہ سے چار شخص مراد ہیں۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول حسان بن ثابت مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے اگر ایسا ہوتا تو والذی تولى بجائے والذین تولوا (بصیغہ جمع) ہوتا اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پیچھے گناہ اللہ نے معاف فرمادئے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہو سکتا)

رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر سے فرمادیا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عذاب نہ ہو گا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الذی تولى سے حسان مراد ہیں۔ بخاری نے مسروق کا بیان نقل کیا ہے۔ مسروق نے کہا میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہؓ کی شان

میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حصان وزان ماتزون بریبة و تصبح غرثی من الحوم الغوافل
وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں۔ کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جاسکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)
ام المؤمنین نے فرمایا مگر تم ایسے نہیں ہو۔ مسروق کہتے ہیں میں نے ام المؤمنین سے عرض کیا اب ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت کیوں دیتی ہیں۔ اللہ نے تو فرمادیا ہے وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ام المؤمنین نے فرمایا تاہنا ہو جانے سے سخت عذاب اور کیا: دو گنا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (اپنے اشعد میں) دفاع کیا کرتے تھے یعنی جب مشرک رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کرتے تھے تو یہ مشرکوں کی ہجو کرتے تھے۔ مسروق کے اس بیان کی روشنی میں عذاب عظیم سے مراد نبوی عذاب ہی ہو گا لیکن اول تفسیر ہی صحیح ہے۔

كَوْلًا اذ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا

جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے (یعنی اپنے بھائیوں کے) متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا۔

اذ سمعتموه یعنی جب تم نے یہ خبر سنی تھی تو اپنے دینی بھائیوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں رکھا۔ دوسرے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔ انفسہم (یعنی اپنی ذات) سے تعبیر کیا کیونکہ تمام مومنوں بلکہ ہر مذہب کے علمبردار آپس میں ایک ذات کی طرح ہوتے ہیں۔ بعض دوسری آیات میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ لَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ سَلِمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ وَغَيْرِهِ۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ ایمان کا تقاضا ہے تمام مومنوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا۔ ان پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہنا جو لوگ مومنوں کی عیب چینی کریں ان کا دفاع اس طرح کرنا جس طرح اپنی ذات کے خلاف حرف گیری کے وقت کیا جاتا ہے (خلاصہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی اپنی ذات کی طرح سمجھنا ایمان کا تقاضا ہے)

اور کیوں (نہیں) کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے۔

وَقَالُوا هَذَا أَفْلَکٌ مُّبِينٌ ﴿۱۶﴾

ایمان تو مدح اور تعظیم کا سبب ہے جو شخص اہل ایمان پر طعن و تشنیع کرتا ہے وہ گویا حقیقت ہی کو الٹ دیتا ہے اور تہمت تراشی اور غیبت کی وجہ سے فاسق گناہ گار ہو جاتا ہے اور فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

مسئلہ :- اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق حسن ظن رکھنا واجب ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے خلاف موجود نہ ہو ہر مومن کے متعلق اچھا خیال رکھنا لازم ہے۔

اپنے قول کے ثبوت کے لئے چار گواہ کیوں نہیں لائے کہ

كَوْلًا جَاءَ وَعَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءٍ

ان کی شہادت کے بعد حد زنا جاری کی جاتی۔

پس جب گواہ نہ

فَإِذْ كُفِّرَتْ بَوَاقِرُ الشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۷﴾

لائے تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں کہ انہوں نے جو زنا کی خبر کا تذکرہ کیا وہ یہ نیت ثواب کیا (اللہ کی قائم کی ہوئی حد جاری کرانے کی کوشش باعث ثواب ہے) اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرنا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے تو عند اللہ جھوٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے عند اللہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کی جیجی ہوئی شریعت کی رو سے جھوٹے ہیں ان پر تہمت زنا

کی حد جاری کی جائے گی اس وقت آیت کا پورا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو ان کو تہمت زناگانے کی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ حکم شریعت کے لحاظ سے وہ جھوٹے ہیں۔

بنوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے چار آدمیوں پر حد قذف جاری کی عبد اللہ بن ابی، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس حرکت میں تم پڑے تھے اس میں تم پر سخت عذاب واقع ہو جاتا۔

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی ﷺ کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (جملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا میسر آ جانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے غنودہ گزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) تو جس نازیبا اور پر محصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔

افاضہ کسی کام میں گھس جانا بعض کے نزدیک افاضہ کا معنی ہے پھیلانا، خبر مستفیض مشہور خبر کو کہتے ہیں۔ لمسکم تو ضرور تم کو لگ جاتا جیسے دنیا میں عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب پر عذاب آیا کہ ان کی جڑیں ہی اکھڑ گئیں۔ یہ آیت ان مومنوں کے متعلق ہے جو تھے تو اہل اقلک کے ساتھ مگر مومن تھے منافق نہ تھے۔ اور آیت والذی تولى كبره منهم له عذاب عظيم میں صرف منافق مراد ہیں جن میں سے عبد اللہ بن ابی بھی اور زید بن رفاعہ جیسے لوگ بھی تھے۔

آیت میں لولا کا لفظ بتا رہا ہے کہ اللہ کے فضل و رحمت کی وجہ سے ان مومنوں پر عذاب نہ آیا جو افواہ میں شریک ہو گئے تھے کیونکہ لولا کا مفہوم ہے کسی چیز کا وجود میں نہ آنا کسی دوسری چیز کے موجود ہو جانے کی وجہ سے پس اللہ کا فضل و کرم چونکہ بروئے ظہور آ گیا اس لئے عذاب وجود میں نہ آ سکا اور والذی تولى كبره منهم له عذاب عظيم میں عذاب ہونے کی صراحت فرمادی ہے اس لئے ثبوت عذاب یقینی ہے۔

إِذْ تَلْقَوْنَهُ بِالْإِنتِخَاءِ وَتَقُولُونَ يَا فَوَهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّئًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ⑤

(تم کو عذاب پہنچ جاتا) جب کہ تم اس (طوفان دہستان) کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی دلیل تم کو بالکل معلوم نہ تھی اور تم اس کو بھلی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت سخت بات تھی۔

اذ ظرفیہ ہے اس کا تعلق مستکم یا افضتم سے ہے۔

تلقونہ تم اس کو اپنی زبانوں سے لے رہے تھے یعنی ایک دوسرے سے پوچھتا اور نقل کرتا تھا۔ کلی نے کہا اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے سے ملتا اور کہتا تھا مجھے ایسی خبر ملی ہے کیا واقعہ ہے اس طرح ایک دوسرے سے زبانی لیتا تھا۔

مجاہد نے کہا ایک دوسرے سے روایت اور نقل کرتا تھا۔ زجاج نے کہا بعض بعض سے سیکھتے تھے۔

وَتَقُولُونَ يَا فَوَهِكُم الخ یعنی تم صرف افواہی باتیں کہتے تھے جن کی کوئی حقیقت نہ تھی منہ سے ایسی باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت تم کو معلوم نہ تھی۔

ہینا آسان خفیف، جس کے نتیجے میں کوئی خرابی تمہاری نظر میں نہ تھی۔

عند اللہ عظیم وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی بھاری گناہ تھا جو بڑے عذاب کا موجب تھا۔ یوں بھی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانی بہت بڑا گناہ ہے۔ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عام طور پر موجب عذاب ہو جاتے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان الفاظ کی عذاب آفرینی کا کیا ٹھکانہ جن سے اللہ کے رسول کی عزت پر حرف آتا ہو اور آپ کی آبروریزی ہوتی ہو۔ حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جس کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) سا جھی نہ بناؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافَى جُنُوبَهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَعْمَلُونَ تِلْكَ مَلَائِكَةً مِّنَ السَّمَوَاتِ يَسْمَعُونَ فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں۔ اسلام اس کا سر ہے نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمائیے حضور ﷺ نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روک رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ فرمایا معاذ، تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے۔ (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی رواہ احمد، والترمذی و ابن ماجہ۔)

وَكَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا آذْ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾

اور (مسلمانوں) جب تم نے (منافقوں سے یہ بہتان اور جھوٹ) سنا تھا تو ان کی تردید کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول پاک ہے تیرے رسول کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

مایکون لناعنی ہمارے لئے جائز نہیں سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ ﷺ کی بیوی کے متعلق ایسے بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابل پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سبحنک یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو کیونکہ بیوی کی زنا کاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے نبی لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے اس کے گھر میں ایسی بات ہونی جو دوسروں کی نفرت کا باعث ہو کسی طرح جائز نہیں۔ (نہ عقلاً نہ نقلاً) پیغمبر کی بیوی کا فرہ تو ہو سکتی ہے (کافروں کے لئے کفر باعث نفرت نہیں ہوتا اور پیغمبر کی بیوی کا کفر کسی کافر کو پیغمبر کے پاس آنے سے نہیں روکتا نہ بیوی کے کفر سے ان کی نظر میں نبی کی ذلت ہوتی ہے) جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں کافر تھیں لیکن بدکار نہیں تھیں۔

ہذا بہتان یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جارہی ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی طرف ایسی ذلیل حرکت کی نسبت سننے والے کو تحقیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جانی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ٹکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوذُوْا بِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اللّٰهُ تم کو نصیحت کرتا ہے (اور ممانعت فرماتا ہے) کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر بھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی بازداشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو ظلیل نے کما وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاد دہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔ ان تعودوا المثلہ کہ ایسی بات دوبارہ زندگی بھر نہ کونہ سنو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے اور ڈراتا ہے

کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔

مجاہد نے بعضکم کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔

(یعنی) اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو، ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت

إِنْ كُنْتُمْ مَوَدِّعِينَ ۝۱۵

تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

جو شیعوہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں (یہ حضرت مؤلف کا استنباط ہے)

اور اللہ تمہارے لئے آیات کھول کر بیان کرتا ہے یعنی ایسی آیات بیان کرتا

وَيَسِّرُ اللَّهُ لَكُمْ الْأَيْدِي ۝

ہے جو اوامر و نواہی اور محسان آداب و اخلاق کی کھلی تعلیم دیتی ہیں۔

اور اللہ خوب جانتا ہے یعنی اچھے برے امور سے بخوبی واقف ہے اس لئے بھلائیوں کا حکم دیتا ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ ۝

اور برائیوں کی ممانعت فرماتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمام حالات کو جانتا ہے عائشہؓ کی پاکدامنی کو بھی جانتا ہے اور بہتان طرازیوں کے جھوٹ کو بھی۔

وہ حکمت والا ہے۔ اس کی سب تدبیریں حکمت سے پُر ہیں وہ اپنے نبی کی طرف کسی برائی کی نسبت

حَكِيمٌ ۝۱۶

کو جائز نہیں قرار دیتا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

جو لوگ مسلمانوں میں بہت بری باتیں پھیلنے کے خواستگار ہیں ان کے لئے سخت تکلیف وہ سزا ہے۔

الفاحشہ حد سے زیادہ بری بات۔

فِي الدُّنْيَا ۝

دنیا میں بھی کہ حد قذف ان پر جاری کی جاتی ہے۔

وَالْآخِرَةِ ۝

اور آخرت میں بھی کہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

وَاللَّهُ يَعْلَمُ ۝

اور اللہ جانتا ہے یعنی دلوں میں چھپی باتوں سے اللہ واقف ہے کہ کس کی نیت بخیر ہے اور کون بے

حیاتی کی باتیں مسلمانوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۱۷

اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہئے

تھا۔ اگر الزام زنا کے ثبوت میں کوئی چار شہادتیں شرعی پیش کر دے تو اس کے متعلق گمان اچھا رکھو سمجھ لو اس نے بہ نیت ثواب

ایسا کیا ہے کسی مسلمان کی آبروریزی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرنا اور زمین سے بگاڑ کو دور کرنا چاہتا ہے

لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزام زنا لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدود الہیہ کو قائم نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کی آبروریزی

کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے بموجب وہ جھوٹا

ہے تمام ظاہری احکام کے باندہ ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور حسمت تراشی کی سزا مقرر کر دی ہے۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝۱۸

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے اور اللہ بڑا شفیع اور بڑا رحم کرنے والا ہے (تو تم بھی سزا سے نہ بچتے)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہؓ کے قصہ میں کچھ دخل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزاء محذوف

ہے۔ یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخود بن اکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو

بیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔

اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور

جرم بہت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ الْخ میں عبد اللہ بن ابی اور اس کے

ساکھی مراد ہیں اور لَہُم عَذَابٌ لَّیْمٌ لَّا فِی الدنیا و الاخرۃ سے مراد ہے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دوائی دوزخ اور ولولوا فضل اللہ علیکم ورحمته میں مراد ہیں حسان اور مسطح اور منہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
اے ایمان والو شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ (تو ہمیشہ ہر

شخص کو) بے حیائی اور نامعقول کام کرنے ہی کو کہے گا۔

الفحشاء وہ کام جس کی برائی عقلاً و تقلاً حد سے زیادہ ہو۔

المنکر وہ کام جو شرعاً نامعقول ہو۔

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی۔ یہ خطاب

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

ان مسلمانوں کو ہے جو (اپنی نادانی کی وجہ سے) منافقوں کے ساتھ افواہ پھیلانے میں شامل ہو گئے تھے۔ اللہ کی ان پر یہ مہربانی ہوئی کہ گناہوں کو مٹا دینے والی سزا کا حکم جاری کر دیا گیا اور اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق عنایت فرمادی۔

تو (اس طوفان و بہتان کے گناہ سے) تم میں سے بھی کوئی پاک نہ

مَا زَكَ مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا

ہوتا۔

اور اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا

وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۲۱

ہے (توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے) اور اللہ ہر شخص کے کلام کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں اور بعض دوسرے اہل روایت نے ذکر کیا ہے کہ جب افک کا واقعہ ہوا تو حضرت ابو بکر نے فرمایا بخدا آئندہ مسطح کے لئے میں کچھ خرچ نہیں کروں گا۔

مسطح بن اثاثہ کی حضرت ابو بکرؓ سے رشتہ داری تھی اور مسطح نادار مفلس تھے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ

اور جو لوگ تم میں (دینی) بزرگی اور (دنوی) وسعت والے

ہیں وہ اہل قربت کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں۔

ولا یا تل یعنی قسم نہ کھائیں۔ یہ لفظ باب افعال سے ہے الیہ سے مشتق ہے الیہ کا معنی ہے قسم۔ یا اس کا مادہ الو ہے

الوکا معنی ہے کمی کرنا یعنی کمی نہ کریں۔ اس جگہ قسم کا معنی لینا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اثاثہ کو کچھ نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔

الفضل سے مراد ہے دینی فضیلت (مال مراد نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد السعة کا لفظ مذکور ہے اور سعة کا معنی مالی

کشائش) اگر مال مراد ہوگا تو تکرار لازم آئے گی (جو بے ضرورت جائز نہیں) اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ممانعت صرف

انہیں لوگوں کے لئے ہے جو دینی فضیلت رکھتے ہوں ان کے مرتبے کا یہی تقاضا ہے ورنہ۔ کسی رشتہ دار سے اگر دکھ پہنچا ہو تو اس

کو اپنا مال نہ دینا اور اس کے مصارف برداشت نہ کرنا عام لوگوں کے لئے حرام نہیں ہے۔

منکم میں حضرت ابو بکر اور ان جیسے صاحبان فضل کو خطاب ہے اس سے حضرت ابو بکرؓ کی دینی فضیلت ظاہر ہوتی

ہے۔

یابہ مطلب ہے کہ تم میں سے دولت مند لوگ دنیا ترک نہ کریں۔ خیرات کا حکم مال داروں کے لئے ہے (نادار کیا خیرات

کرے گا)

أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ سے حضرت مسطح اور ان جیسے لوگ مراد ہیں حضرت مسطح مسکین بھی

تھے، مہاجر بھی تھے، بدری بھی تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی خالہ کے بیٹے بھی تھے۔

اور (جو ان کی طرف سے زیادتی ہو گئی ہے اس کو) معاف کریں۔

وَلْيَعْفُوا

اور ان سے درگزر کریں۔

وَلْيَصْفَحُوا

أَلَّا تَجِبُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰﴾

(اے فضیلت اور

دولت والو!) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے درگزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

تینین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطح کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلہ رحمہ جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بدلہ واصل رحمہ شخص سے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑ لے تو تم اس کو جوڑے رکھو رواہ البخاری۔ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھالی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾

جو لوگ پاکدامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر زنا کی

تہمت لگاتے ہیں وہ یقیناً دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

المحصنات پاکدامن عورتیں۔

العفلت زنا سے بے خبر بدکاری کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آتا۔

المؤمنات اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والیاں۔

عذاب عظیم یعنی دوزخ کے اندر ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یہ حکم ہر شخص کا ہے جو کسی پاکدامن ایماندار زنا سے بے خبر عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے اور آیت والذین یرمون

المحصنات ثم لم یاتوا باریعة شہداء فاجلدوہم الخ میں ہر اس شخص کا حکم بیان کیا گیا جو پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگاتا ہے خواہ وہ عورت زنا کے تصور سے بے خبر ہو یا نہ ہو، ہر حال حد قذف اور شہادت کا ہمیشہ کے لئے قبول نہ ہونا ہر قاذف اور تہمت تراش کی سزا ہے خواہ وہ سچا ہی ہو مگر شرعی چار گواہ نہ پیش نہ کر سکتا ہو یا جھوٹا ہو اور ملعون ہونے کا حکم صرف اس شخص کے لئے مخصوص ہے جس نے جھوٹی تہمت لگائی ہو بے چاری بھولی بھالی عورت اس تہمت سے بے خبر ہوتی ہے۔ ایسے تہمت تراش کا جرم بہت بڑا ہوتا ہے لیکن جرم کتنا ہی بڑا ہو اس پر کفر عائد نہیں ہوتا۔ ایسا مجرم کافر نہیں ہو جاتا۔ صرف کافر ہی نہیں بعض کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا بھی شرعاً مستحق لعن ہو جاتا ہے مثلاً قصداً مومن کو قتل کرنے والا بھی مستحق لعن ہوتا ہے۔

مقاتل نے کہا یہ حکم صرف عبد اللہ بن ابی کے لئے تھا مقاتل کے خیال میں ملعون صرف کافر ہوتا ہے۔

طبرانی نے لکھا ہے کہ خصیف نے بیان کیا میں نے سعید بن جبیر سے پوچھا زنا کرنے اور تہمت زنا لگانے میں سے کون زیادہ سخت ہے۔ (کس کا گناہ زیادہ ہے) سعید نے کہا زنا (زیادہ سخت ہے) میں نے کہا اللہ نے تو فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فرمایا یہ آیت حضرت عائشہؓ کے حق میں نازل ہوئی تھی، اس روایت کی سند میں یحییٰ حمانی ضعیف راوی ہے۔ بغوی نے بھی خصیف کی یہ روایت نقل کی ہے۔

عوام بن حوشب نے قبیلہ بنی کابل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہ اور دوسری امہات المؤمنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ کا ذکر نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے اس کے بعد حضرت ابن عباس نے آیت وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمَخْضُنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِرَبْعَةٍ شَهَدَاءِ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المؤمنین کے حق میں ہوا تھا۔

دوسرے اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ (اول) اس آیت کا نزول حضور ﷺ کی بیویوں کے حق میں ہوا تھا یہاں تک کہ (اس کے بعد) وہ آیت جو شروع سورت میں گزری نازل ہوئی یعنی آیت وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمَخْضُنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِرَبْعَةٍ شَهَدَاءِ الخ بعد کو نازل ہوئی اور اس میں حد قذف اور توبہ کا ذکر کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں ان مختلف اقوال کی بنیاد دو باتوں پر ہے (۱) اول یہ کہ آیت مذکورہ کے نزول کا سبب قصہ آنک ہے۔ (۲) دوم یہ کہ کفر کے علاوہ دوسرے کبیرہ گناہوں کے مرتکب پر لعنت شریعت میں وارد نہیں ہے۔ اول کا جواب یہ ہے کہ مورد اور سبب نزول کی تخصیص عموم حکم سے مانع نہیں ہوتی، الفاظ میں عموم ہے اس لئے آیت کے اطلاق میں بھی عموم ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ لعنت کی خصوصیت کفر ہی کے ساتھ نہیں ہے قصداً قاتل کو بھی ملعون قرار دیا گیا ہے معلوم ہوا کہ بعض کبیرہ گناہ بھی مستحق لعنت بنا دیتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس آیت میں توبہ اور مغفرت کا ذکر نہیں کیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امہات المؤمنین پر تہمت لگانے والوں کی توبہ قبول ہی نہ ہو اور ان کی مغفرت ممکن ہی نہ ہو اللہ نے صراحتاً فرمایا ہے وَيَغْفِرْ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ اور شرک کے علاوہ جس کو چاہے گا اللہ بخش دے گا۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيُهُمْ وَأَسْرَجُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾

جس روز کہ ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف (ہو کر) ان کے کئے ہوئے اعمال پر گواہی دیں گے (اس روز ان پر عذاب عظیم ہوگا)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اس کے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جن سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب۔ (بندے کے سامنے لائے جائیں گے) مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے۔ اقرار کرانے کے بعد اللہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرمادے گا وہ گناہ اس طرح چھپا دیے جائیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق ان کو نہ دیکھ سکے گی۔ ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے بن کئے کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابو موسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی۔ پھر ابو موسیٰ نے آیت الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابو یعلیٰ اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

احمد نے سند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمادے تھے جس روز

منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی ہڈی جو کلام کرے گی وہ اس کی بانیں ران کی ہوگی۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاذ بن جیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مونہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور پھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے روایت باری تعالیٰ کے باب میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

ایک شبہ

اس جگہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی زبانیں شہادت دیں گی اور دوسری آیت میں فرمایا ہے ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے (بظاہر) دونوں میں اختلاف ہے۔

ازالہ

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کلام نہ کر سکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ ان کے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہو جائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمال نامہ کے اندر لہجہ کو غلط بتائیں گے) اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضاء جسم شہادت دیں گے۔ میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گزشتہ آیات کا نزول عبد اللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قادیان کا خیال ہے۔

يَوْمَئِذٍ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ
يعني تُهَيِّكُ تُهَيِّكُ وَاجِبِي بَدَلَه۔

دین بدلہ، عوض، حق واجب لازم

بعض کے نزدیک دین سے مراد ہے حساب اور الحق سے مراد ہے انصاف والا۔

اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا

وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ⑮

نور (بات کی حقیقت کو) کھول دینے والا ہے۔

الحق المبین موجود حقیقی اصلی ہے۔ تمام چیزوں کو (خواہ وہ جو اہر ہو یا عرض) پیدا کرنے والا ہے تمام حقائق کائنات کو تمہارے رکھنے والا ہے۔ گویا اسی کا وجود اصلی ہے اور ساری کائنات اسی کے وجود کا عکس ہیں۔ اس کی الوہیت کھلی ہوئی ہے الوہیت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور ثواب عذاب دینے پر اس کے سوا اور کوئی۔ قادر نہیں۔

یا الحق سے مراد ہے ذوالحق اور المبین سے مراد ہے بین یعنی اس کا انصاف ظاہر ہے یا المبین (ظاہر کرنے والا) کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو اس نے وعدہ کیا ہے قیامت کے دن اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا عبد اللہ بن ابی (دین کی صداقت) میں شک کرتا تھا قیامت کے دن اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حق مبین ہے۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت ابن عباس کے قول کا یہ مطلب ہے کہ عام لوگ خصوصاً کافر خیال کرتے ہیں کہ خدا کی ہستی مہووم ہے (واقعی خدا کا وجود نہیں) یہاں تک کہ وہ حوادث کائنات کو زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں یا ستاروں کی چال سے ان کو وابستہ سمجھتے ہیں اور انسانوں کے ہاتھ میں نفع نقصان کا حقیقی اختیار جانتے ہیں اسی لئے جتنا بادشاہوں سے ڈرتے ہیں خدا سے نہیں ڈرتے قیامت کے دن ان کے سامنے آجائے گا کہ جو کچھ وہ خیال کرتے تھے غلط تھا اور اللہ ہی حق مبین ہے۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالْكُفَرَاءُ لِلْكُفَرَاتِ

لور (یہ قاعدہ عام ہے کہ) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں لور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں لور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق۔

اکثر اہل تفسیر کے نزدیک الخبیثات سے مراد ہیں گندی باتیں، مذمت، تحقیر لور توہین کرنے والے ناپاک الفاظ ایسے الفاظ، کلمات گندے لوگوں کے لئے ہی زیبایاں ناپاک لوگوں کو ہی ایسی بری باتوں کا استحقاق ہے لور خبیث لوگ ہی مذمت و تحقیر وغیرہ کے لائق ہیں لور ناپاک کلمات یعنی تعریف ثناء لور دعا کے مستحق ناپاک لوگ ہیں لور ناپاک کلمات انہیں کے لئے زیبایاں۔ پس انہیں نہ ماننا لور تعریف کی مستحق ہیں دعا لور تعریف ہی ان کے لئے زیبایاں ان پر تہمت تراشی لور بہتان بندی قطعاً ناجائز اور غیر مناسب ہے۔

یہ لوگ (یعنی حضرت عائشہ لور ان جیسے لوگ) ان (یسودہ) باتوں سے پاک ہیں جو یہ (بہتان بندی کرنے والے) کہتے ہیں۔

زجاج نے آیت مذکورہ بالا کی تفسیر حسب ذیل کی ہے۔ گندے کلمات جیسے کلمہ کفر، جھوٹ، صحابہ لور اہل بیت کو برا کہنا یا ناپاک دانستن عورتوں پر زنا کا بہتان رکھنا لور اسی جیسی دوسری باتیں ناپاک آدمیوں جیسے عبد اللہ بن ابی وغیرہ کے لئے ہی چھتی ہیں وہی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔ پاک لوگ ایسا کلام زبان سے نہیں نکال سکتے۔ گندے لوگوں کو انہیں گندی باتوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے ان کے خیر میں یہی باتیں رکھی گئی ہیں۔ لور ناپاک کلمات جیسے اللہ کا ذکر، رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام، مومن مردوں اور عورتوں کے لئے دعا و مغفرت لور تلاوت قرآن وغیرہ کی توفیق پاک لوگوں کو ہی ملتی ہے پاک لوگوں کی تخلیق ہی پاک کلمات کے لئے کی گئی ہے ان کے خیر میں یہ پاک باتیں رکھ دی گئی ہیں یہی پاک لوگ اس جرم کے ارتکاب سے پاک ہیں جو تہمت تراشی ان کے متعلق کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تہمت تراشی کرنے والوں کی مذمت ہے اور جن کی اللہ نے انہیں پاک ہونے کی صراحت کی ہے ان کی مدح ہے۔

ابن زید نے کہا خبیثات سے گندی عورتیں لور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے لور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے لور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں۔ لور عائشہ پاک ہیں اسی لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہ لور ان جیسے لوگ ان خبیثات پر الزام کی تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر

ان کے (یعنی عائشہ لور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت و الارزاق یعنی جنت ہے۔

بنو ی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت عائشہ کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لیٹ کر) لائے لور کہنا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہ کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔

(۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکھرا (دوشیزہ) سے رسول اللہ ﷺ نے شادی نہیں کی۔
 (۳) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضور والا کاسر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔
 (۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔
 (۵) جب رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (بہی اسی حالت میں) کوچی آجاتی اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہ تھا۔

(۶) حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔

(۷) آپ رسول اللہ ﷺ کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔

(۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھیں۔

(۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

سروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ ﷺ کی چیمتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہؓ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا۔ فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی۔ میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کر دے گا۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ جبرئیل ہیں تم کو سلام کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا و علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کا بیان ہے کہ لوگ قصد انعام عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعین سے) ان کو رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کے دو گروہ (جد اجدا) ہو گئے تھے۔ ایک گروہ عائشہؓ، حصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرمادیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجتا ہو تو رسول اللہ ﷺ جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہؓ کے اور کسی عورت کی چادر میں اگر میں موجود ہوتا ہوں تو میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی۔ فاطمہؓ کو اسی غرض سے حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گزارش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے) فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ حضور نے فرمایا عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا صحابہ کو جب کسی حدیث سے

سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی اور ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی
حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ رواہ الترمذی۔ بیضاوی نے لکھا
ہے اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ پاکی (یعنی تہمت سے برأت) عنایت کر دی۔

(۱) یوسف کو زینحہ کے ایک گھروالے (بچے) کی شہادت کی وجہ سے
(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔
(۳) مریم کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۴) عائشہؓ کو ان مذکور آیات کے ذریعے سے اور مختلف پُر زور طریقوں سے حضرت عائشہؓ کی پاک و امنی کا اظہار اتنی
موہک عبارتوں میں محض منہب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔
میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت و شان کا اظہار بھی مقصود ہے۔

فرمائی اور ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں
حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس
حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آجاتا ہے اور اس حالت میں
مجھے دیکھ لیتا ہے میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا
اے ایمان والو! تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے علاوہ غیر گھروں میں داخل
مت ہو جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔

غیر بیوتکم یعنی ان مکانوں کے علاوہ جن میں تم رہتے ہو (خواہ ان غیر مکانوں کے تم ہی مالک ہو)
غیر بیوتکم میں اضافت تملیک کے لئے نہیں ہے، کیونکہ جو شخص اپنا مملوکہ مکان کسی دوسرے شخص کو کرایہ پر یا
مفت رہنے کے لئے دیدے (وہ اگرچہ اس مکان کا مالک ہوتا ہے لیکن) اس کو بھی اجازت نہیں کہ رہنے والے کی اجازت کے بغیر
اس مکان میں داخل ہو سکے۔

تستائسوا کا مرادی معنی ہے اجازت حاصل کر لو ایک روایت میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب کی
قرأت میں تستائسوا کی جگہ تستائسوا بھی آیا ہے۔

لغت میں انس کا معنی ہے دیکھنا جاننا احساس کرنا اور وحشت نہ ہونا۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابو ایوب کے بھتیجے
حضرت ابو سوره نے بیان کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا
مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ کے اور کھنکھارے (تاکہ گھروالے کو
اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دیدے۔ (تواندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے انس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) انس الہی کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا انس الصوت آواز کو
سنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی ہے دیکھنا۔ انت نار میں نے آگ دیکھ پائی ہے طلب اذن کو استیناس کے لفظ سے اس لئے تعبیر
کیا کہ طلبگار اجازت کے دل میں ایک طرح کی وحشت ہوتی ہے اس کو اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید داخلے کی اجازت نہ ملے۔ جب
داخلے کی اجازت مل جاتی ہے تو اس کی وحشت خاطر دور ہو جاتی ہے۔ طلبگار اجازت طالب علم بھی ہوتا ہے اس کو معلوم نہیں
ہو تاکہ داخلے کی اجازت گھروالے کی طرف سے ملے گی یا نہیں۔ اجازت ملنے کے بعد اس کو علم ہو جاتا ہے۔

تسلموا علی اہلہا یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹے جب
تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر، تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہوگی۔ رواہ الترمذی۔

طلب اجازت پہلے کی جائے یا سلام یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ آیت میں طلب لڑن کا ذکر پہلے ہے اس لئے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ پہلے اجازت داخلہ طلب کی جائے پھر سلام کیا جائے لیکن یہ قول بے دلیل ہے واؤ (عاطفہ) کا یہ معنی ہے کہ دونوں کام کئے جائیں پہلے پیچھے کس کو کیا جائے یہ واؤ سے نہیں معلوم ہوتا۔ پھر حضرت ابن مسعود کے مصحف میں تسلموا کا لفظ تستاذنوا سے پہلے آیا ہے۔

اکثر علماء کا قول ہے پہلے سلام کیا جائے حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا پہنچا۔ نہ اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا حضور ﷺ نے فرمایا واپس جاؤ اور واپس جا کر کو سلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں، رواہ ابو داؤد والترندی۔

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ رواہ الہیثمی فی شعب الایمان۔

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا میں اندر آسکتا ہوں حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر۔ حسب مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمر نے اجازت داخلہ دیدی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے اگر آنے والے کی نظر (گھر کے اندر) کسی آدمی پر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے اور کوئی نظر نہ آئے تو طلب اجازت پہلے کرے پھر سلام کرے۔

حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے حسن نے عطاء بن یسار کی روایت سے مرسل بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کیا میں اپنی ماں کے پاس بھی داخلے کی اجازت لے کر جاؤں۔ فرمایا ہاں اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں تو اس کے ساتھ رہتا ہی ہوں۔ فرمایا اس کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کر۔ اس نے عرض کیا حضور ﷺ میں تو اس کا خادم ہوں۔ فرمایا (پھر بھی) داخلے کی اجازت مانگ۔ کیا تو اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا پسند کرے گا۔ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو پھر اس سے داخلے کی اجازت مانگ رواہ مالک۔

مسئلہ :- اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابو داؤد۔

دوسری روایت میں آیا، کسی کو بلوانے کے لئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسم جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔ حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے۔ انعم اللہ بک عینا اللہ تم کو خشک چشم رکھے۔ انعم صبا حاصح بخیر جب اسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کرنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابو داؤد

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ
تم مکانوں کے اندر کسی کو نہ پاؤ۔ (کہ تم کو اجازت دے) تو جب تک اجازت نہ ملے اندر نہ جاؤ۔ یعنی جب تک گھر والا آکر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے نکال کھلا آدمی سامنے آجاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض

ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جن کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا مگر رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو)

وَلَنْ قَبِيلَ لَكُمْ اَرْجِعُوا فَاَرْجِعُوا هُوَ اَزْكَى لَكُمْ
جاؤ تو لوٹ آؤ (داخل ہونے پر اصرار نہ کرو) یہ ہی تمہارے لئے بہت پاکیزہ (عمل) ہے۔

یعنی دروازے پر کھڑا رہنے اور داخلے کے لئے اصرار کرنے سے بصورت انکار واپس چلا آنا تمہارے لئے پاکیزہ فعل ہے اڑنا اور داخلے کے لئے اصرار کرنا یہی بات ہے اس میں شرف نفس کا ضیاع ہے۔

تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد بھی اگر گھر والا اجازت نہ دے (اندر سے اجازت نہ ملے خاموشی رہے) تو اس کا حکم بھی انکار اور رجوع کی طرح ہے یعنی لوٹ آنا چاہئے۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابو موسیٰ اشعری آئے اور کہا مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ارشاد پر شہادت پیش کر دو (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دیدے) حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا میں اٹھ کھڑا ہوں اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دیدی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت میں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کے السلام علیکم، کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

بغوی نے لکھا ہے حدیث مذکور کو بشر بن سعید نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے یہ الفاظ ہیں اگر تم میں سے کوئی تین بار اجازت (داخلہ) طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو لوٹ جائے۔

حسن نے کہا پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ (سلام و اجازت طلبی) ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ (الفاظ مذکور کہنا) واپسی کے لئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ حضرت سعد نے چپکے سے جواب دیدیا علیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ ﷺ نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور ﷺ نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں) مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے سعد نے کشمش پیش کی۔ حضور ﷺ نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا، تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھلایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزول

رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البخوی فی شرح السنہ۔

مسئلہ :- اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دیدی ہوتی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ :- اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازہ کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبد اللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پان کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابو داؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ ﷺ کو اندر جھانک کر دیکھا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی حضور ﷺ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البخوی۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾
اور اللہ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے وہ جانتا ہے کہ جو تم کو حکم دیئے جاتے ہیں ان کی کس قدر تعمیل کرتے ہو اور کتنی تعمیل نہیں کرتے۔

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کا بیان نقل کیا ہے کہ جب گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابو بکر نے فرمایا رسول اللہ ﷺ قریش کے تاجر جو مکہ مدینہ اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں ان کا کیا ہوگا سر راہ ان کے (قیام اور اترنے کے) مکان مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی رہتا نہیں ہے (صرف راستہ میں کسی جگہ ٹھہرنے کے لئے قریش کے تاجر بنا کر چھوڑ دیتے ہیں) وہاں کس سے اجازت داخلہ مانگیں گے اور کس کو سلام کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ﴿۱۶﴾

(اجازت طلب نہ کرنے اور سلام نہ کرنے میں) تم پر کوئی گناہ (اس وقت تک) نہیں کہ تم غیر مسکونہ مکانوں میں داخل ہو جاؤ تمہارا سامان (یعنی نفع کی چیز) ہو۔

بخوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دکانیں کوٹھریاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔ ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لئے لوگ

داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم غمی نے کہا بازار کی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت یعنی ضروری نہیں۔ ابن سیرین جب بازار کی کسی دکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم میں داخل ہو جاؤں پھر جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے تھے۔ عطاء نے کہا یہ ان کھنڈر مراد ہیں اور متاع سے مراد ہے بول و براہ کے لئے جانا۔

بعض نے کہا وہ تمام مکان مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو کیونکہ اجازت طلبی کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے کہ کسی ننگے کھلے پر نظر نہ پڑ جائے جن مکانوں کے اندر کوئی رہتا نہ ہو ان کے اندر داخل ہونے میں کسی برہنگی پر نظر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں اس لئے اجازت طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو
وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۵﴾
کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یَغْضُوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ
ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ آنکھیں نیچی رکھیں۔ یعنی جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں اس کو دیکھنے سے آنکھیں بند رکھیں حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (ناحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس صورت کو دیکھا جائے اس پر۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

یغضوا امر کا صیغہ ہے لام محذوف ہے من ابصار میں بر قول اغض من زائد ہے۔ اغض کے نزدیک کلام مثبت میں بھی من کا زائد ہونا جائز ہے۔ سیبویہ کے نزدیک من تبعیضیہ ہے کیونکہ مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ ناحرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا علیؓ پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد والدارمی۔

حضرت جریر بن عبد اللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کروں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔ رواہ احمد۔

و یحفظوا فر وجہہہ
اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں۔ یعنی اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ دوسروں سے اپنی شرمگاہوں کو بچائے رکھیں، استثناء لفظی کی ضرورت نہیں تھی عقلاً اور نقلاً بیویاں اور باندیاں مستثنیٰ ہی ہیں۔

ابوالعالیہ نے کہا سوائے اس جگہ کے باقی جہاں بھی شرم گاہ کی حفاظت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں زنا اور حرام سے حفاظت مراد ہے۔ صرف اس جگہ شرم گاہ کی حفاظت سے پردہ کرنا چھپائے رکھنا تاکہ کسی غیر کی نظر نہ پڑے۔ بنزین حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے لوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ برہنہ سے بچو تمہارے ساتھ (ہر وقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذَلِكَ اَزْكٰى لَهٗوَدٍ
یہ (آنکھیں بند کر لینا اور شرم گاہوں کی حفاظت رکھنا) ان کے لئے نہایت پاکیزہ یا نہایت مفید عمل ہے اس میں زنا کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

بے شک اللہ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ لِّمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۵﴾

ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ ہانوں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آ رہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بری ہیبت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِلّٰهِ مُؤْمِنَاتٌ يَّغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

اور مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، یعنی جس کو دیکھنا جائز نہیں اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عورت کے لئے اجنبی مردوں کو دیکھنا مطلقاً جائز ہے امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اگر میلان صغلی کا اندیشہ نہ ہو تو عورت اجنبی مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو ایک مرد دوسرے مرد کا دیکھ سکتا ہے۔ امام شافعی نے اپنے قول کے ثبوت میں یہ حدیث پیش کی ہے کہ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آگئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ ناچینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی ناچینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد و ابوداؤد الترمذی۔

امام ابو حنیفہ نے حضرت ابن عباس کی روایت مندرجہ ذیل سے استدلال کیا ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بندوں پر اللہ نے جو حج فرض کیا ہے وہ میرے بوڑھے باپ پر (بھی عائد ہوتا ہے اور) ایسے وقت میں (اس پر یہ فرض) عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے ٹھیک طرح سے سواری پر بیٹھ بھی نہیں سکتا اگر میں اس کے بدل میں حج کر لوں تو کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ فرمایا ہاں حضرت ابن عباس نے فرمایا فضل (جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی رسول اللہ ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ الحدیث رواہ البخاری۔

ترمذی نے حضرت علی کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عباس نے کہا آپ ﷺ نے اپنے چچا کے بیٹے کا منہ موڑ دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ایک جوان مرد کو (جوان عورت کی طرف) اور جوان عورت کو جوان مرد کی طرف نظر کرتے) دیکھا مجھے دونوں کے متعلق شیطان (کی مداخلت) کا اندیشہ ہوا۔ اس روایت کو ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

ابن قتان نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ اگر قنہ کا اندیشہ نہ ہو تو (عورت کا مرد کی طرف) نظر کرنا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو منہ چھپانے کا حکم نہیں دیا اور اگر حضرت عباس نظر کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تو سوال نہ کرتے اور جو کچھ حضرت عباس سمجھتے تھے اگر وہ درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر حضرت عباس کو قائم نہ رکھتے۔ دوسری حدیث حضرت فاطمہ بنت فیس کی روایت سے آئی ہے کہ جب ان کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی اور قطعی طلاق دیدی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حضرت ام ابن مکتوم (ناچینا) کے گھر میں لیا م عدت بسر کرنے کا حکم دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت اجنبی ناچینا مرد کو دیکھ سکتی ہے یعنی میلان صغلی کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے۔

مسئلہ :- مناف سے زنا تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابو سعید خدری رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت عورت کے ستر کو مرد مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ

لیئے اور نہ عورت عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لینے۔ رواہ مسلم۔

اور اپنی شرمگاہوں

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

کی غمداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں زیور، کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو بھی ظاہر نہ کریں۔ زینت کے اعضاء کا ظاہر نہ کرنا تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔

ماظہر سے مراد ہیں وہ چیزیں جو زیور وغیرہ کو استعمال کرنے کے لئے وقت ظاہر رہتی ہیں جیسے کپڑے، انگوٹھی وغیرہ کہ ان کے چھپائے رکھنے میں بڑی دشواری ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک زینت سے مراد ہیں اعضاء زینت یا زینت سے مراد ہیں فطری اور بناوٹی محاسن۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک چہرہ اور پہنچے تک دونوں ہاتھ حکم ستر سے مستثنیٰ ہیں۔ ترمذی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا یہی قول نقل کیا ہے کہ ماظہر سے مراد ہے چہرہ اور دونوں کف (یعنی پہنچے سے نیچے ہتھیلیاں وغیرہ) عطاء کی روایت میں حضرت عائشہ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں چہرہ اور کفین کے ساتھ قدموں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ صرف چہرہ مستثنیٰ ہے بہر حال چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق چہرہ ستر سے مستثنیٰ ہے، امام ابو حنیفہ، امام مالک امام احمد کے پاس ایک روایت کے بموجب کفین بھی مستثنیٰ ہیں۔ مختلفات، قاضی خان میں آیا ہے کہ کف کا بیرونی اور اندرونی حصہ پہنچے تک مستثنیٰ ہے اور ظاہر الروایت میں آیا ہے کہ ہتھیلیاں ستر نہیں ہیں مگر ہتھیلیوں کا بیرونی حصہ قابل ستر ہے۔ کذا قال ابن ہمام دونوں قدم عورت (قابل ستر) ہیں لیکن ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول اس کے خلاف آیا ہے۔ حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اگر عورت صرف کریمہ لوڑھنی پہن کر نماز پڑھ لے ازار پہننے نہ ہو تو کیا نماز ہو جائے گی، فرمایا کوئی ہرج نہیں بشرطیکہ کریمہ (لبا) ہو کہ قدموں کو لوپر سے ڈھانک لے۔ رواہ ابوداؤد الحاکم۔ شیخ عبدالحق نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ مالک وغیرہ نے اسکو موقوفاً نقل کیا ہے اور اس کو موقوف قرار دینا ہی صحیح ہے۔ ابن جوزی نے کہا اس حدیث کو مرفوع کہنے میں کلام ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن عبد اللہ بھی ہے جو ضعیف ہے یحییٰ نے اس کو ضعیف کہا ہے ابو حاتم رازی نے کہا اس کی روایت کردہ حدیث ناقابل استدلال ہے۔

بالائے قدم کا عورت ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یحفظن من زینتھن اپنے پاؤں اس طرح نہ ماریں کہ جو زینت وہ چھپاتی ہیں وہ معلوم ہو جائے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پازیب، جھانجن وغیرہ چھپی ہوئی زینت ہیں (اور باطنی زینت کو چھپانا لازم ہے) اس لئے پازیب وغیرہ کی جگہ یعنی بالائے قدم بھی قابل ستر ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سار ابدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادوائے شہادت وغیرہ حنفی فقہ کی کتابوں میں چہرے کو ستر سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور یہ استثناء صرف نماز کے ساتھ مخصوص نہیں ہے ہدایہ میں ہے کسی مرد کے لئے اجنبی عورت کا کوئی حصہ بدن سوائے چہرے اور کفین کے دیکھنا جائز نہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے ولا یبدین زینتھن الا ماظہر منھا (اس آیت میں ماظہر یعنی چہرے اور کفین کو مستثنیٰ کر دیا ہے) اس کے علاوہ چہرہ اور کفین کے چھپائے رکھنے میں سخت دشواری بھی ہے۔ ان کا ضرورت کے وقت کھلا رہنا ضروری ہے۔ مردوں سے لین دین میں ان کا کھلنا لازم ہے۔

اگر نفسانی میلان کے ابھار کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں سوائے خالص مجبوری کے چہرے کو دیکھنا بھی جائز نہیں۔ سخت مجبوری ہو تو خیر جیسے گواہ بننے گواہی دینے اور قاضی کے سامنے جانے کی اجازت کی مجبوری ہو لیکن اگر نفسانی میلان کے ابھار کا یقین نہ ہو

بلکہ شبہ ہو کہ عورت کا چہرہ دیکھ کر شاید شہوانی ابھار ہو جائے یا غالب گمان نفسانیت کے ابھار کا ہو تو چہرے کو دیکھنا مباح نہیں۔ میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے اور اسی کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے مرسل بیان کی ہے کہ لڑکی جب بالٹہ ہو جائے تو سوائے اس کے چہرے اور پہنچے تک ہاتھ کے اور کچھ دیکھنا درست نہیں۔ میں کہتا ہوں جن مردوں کو عورتوں کی حاجت نہیں ہوتی (بست بوڑھے ہونے کی وجہ سے عورتوں کی طرف ان کا میلان خاطر باقی نہیں رہتا) ان کے سامنے عورتوں کا اپنی پوشیدہ زینت کو نمودار کرنا باجماع علماء جائز ہے اور قرآنی صراحت سے بھی ثابت ہے کیونکہ اس صورت میں فتنہ کا کوئی خوف نہیں ہوتا پس جب پوشیدہ زینت کا اظہار جائز ہے تو ناکارہ مردوں کے سامنے ظاہری زینت کو لے آنے میں بدرجہ اولیٰ کوئی ہرج نہیں ہاں اگر اجنبی عورت کو دیکھ کر نفسانیت کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہو خواہ یہ اندیشہ صرف شبہ کی حد کے اندر ہو تب بھی اس کے چہرے پر نظر کرنا جائز ہے۔ صاحب ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر اجنبی عورت کے یا مرد لڑکے کے چہرے کو دیکھ کر نفسانیت میں بیداری اور ابھار کا شبہ ہو تب بھی نہ اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہے اور نہ امر لڑکے کے چہرے کو۔ جن صورتوں میں اجنبی عورت کے چہرے کو دیکھنے کی ممانعت ہے انہیں صورتوں میں عورت کے لئے اپنا چہرہ اجنبی مرد کو دکھانا بھی ناجائز ہے اگر مرد کے اندر اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر نفسانی ابھار کا شک ہو رہا ہو تو عورت اس کو اپنا چہرہ دکھانے سے فتنہ اور بگاڑ کی تخم کاری ہوگی اور چونکہ ہر اجنبی عورت کا چہرہ ہر جوان نامحرم مرد کے لئے نفسانیت میں ابھار پیدا کرنے کا احتمال رکھتا ہے جو مرد اپنے اندر عورتوں کی طرف میلان کی صلاحیت رکھتا ہے (اور پیر فرتوت کی حدود میں داخل نہیں ہوا ہے) اجنبی عورت کا چہرہ دیکھ کر اس کے نفسانی میلان میں بیداری نہ ہونا قابل تصور ہے اس لئے ہم کو کہنا پڑے گا کہ آزاد (جوان) عورت کے لئے اجنبی مرد سے چہرے کا پردہ رکھنا بھی لازم ہے بشرطیکہ مرد عورت کا شوہر اور محرم نہ ہو اور عورت کی طرف میلان کی اس میں صلاحیت ہو۔ حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے۔ (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے۔ سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آسکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مراد ہی معنی دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعود نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں اور (استدلال میں آیت) خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ تَلَاوت فرمائی تھی (اس آیت میں زینت سے مراد کپڑے ہیں اور مسجد سے مراد نماز۔ مترجم) اس صورت میں زینت یعنی لباس اور زیور کو ظاہر کرنے کی صراحت ممانعت ہوگی اور مواضع زینت یعنی اعضاء کو ظاہر کرنے کی حرمت دلالت النص سے بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی اس وقت الا ملاحظہ کا مطلب بالکل صاف ہو گا کہ جو کپڑے بیرونی ہیں اور اوپر کا لباس ہیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اور اگر زینت سے مواضع زینت یعنی اعضاء مراد ہوں تو استثناء کا مطلب یہ ہو گا کہ جب ضروری کام کاج کے لئے یا گواہوں کو فراہم کرنے کے لئے یا الوائے شہادت کے لئے مواضع زینت یعنی اعضاء کو کھولنا پڑ جائے اور کھولنے کا ارادہ نہ ہو تو ایسی ضرورت کے وقت ان اعضاء کی بے پردگی جائز ہے۔ بہر حال چہرے اور سفین کھولنے کا استثناء صرف نماز ہی میں نہیں ہے (جیسا کہ بیضاوی کا خیال ہے بلکہ عام حالات سے اس کا تعلق ہے۔ مترجم)

چہرہ کھلا رکھنے کا عدم جواز اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا قُلْ لَا زَوَاجَکَ وَبَنَاتَکَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِنَ عَلَیْہِنَّ مِنْ جَلَابِیْہِنَّ۔ لآیت۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں (اس آیت کی تفسیر میں) حضرت ابن عباس اور ابو عبیدہ نے کہا، مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادر سے ڈھانک لیا کریں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں۔ صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں۔ رہا قبیلہ خشم کی عورت کا واقعہ جس نے اپنے بوڑھے باپ کے عوض خود ج کرنے کا مسئلہ پوچھا تھا اور حضرت فضل بن عباس اس کی طرف دیکھنے لگے تھے (تو اس عام حالات میں چہرہ کھلا رکھنے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا) یہ تو مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت کی وجہ سے تھا اور مجبوری کے وقت بہر حال چہرے کا پردہ نہیں رہتا۔ اسی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فضل کے چہرے کو عورت کی طرف سے پھیر دینا خود بتا رہا ہے کہ نامحرم عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ :- اس آیت کا حکم باجماع علماء آزاد عورتوں کے لئے مخصوص ہے، باندیاں خواہ کامل ہوں یا ناقص یعنی مکاتب ہوں مدبر ہوں، ام ولد ہوں یا خالص باندی، ان کے لئے سر، چہرہ، کلائیوں اور پنڈلیاں کھولنا جائز ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک۔ باندی کے لئے واجب الستر حصہ ناف سے زانو تک مردوں کی طرح ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک باندی کا پیٹ اور پشت بھی عورت (واجب الستر) ہے۔ اصحاب شافعی کہتے ہیں کہ باندی کا حال بھی آزاد عورتوں کی طرح ہے، صرف سر، کلائیوں اور پنڈلیاں عورت یعنی واجب الستر نہیں ہیں۔ یحییٰ نے صحیحین میں حضرت صفیہ کے قصہ میں بیان کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت صفیہ کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ اگر حضور ﷺ ان کا پردہ کرائیں تو سمجھ لو وہ پیوی ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو سمجھ لو ام ولد ہیں۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ باندی کے پردے کا احکام آزاد عورت کے پردے کے احکام سے جدا ہے، حضرت انس کا بیان ہے حضرت عمر کے سامنے ایک باندی مقصد پوش حالت میں نکلی آپ دُورہ لے کر اس پر جا پہنچے اور فرمایا کہ میں نے آزاد عورتوں کی شکل اختیار کر رہی ہے یہ مقصد اتار۔

اس کے علاوہ آیت کیا یٰہَا النِّسَاءُ قُلْ لَا زَوَاجَکَ وَبَنَاتَکَ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِیْنَ ذٰلِکَ اٰذْنِیْ اَنْ یَّعْرِفُنَّ فَلَآ یُؤَدِّیْنَ۔ کا آخری حصہ مفہوم کے لحاظ سے بتا رہا ہے کہ باندی کا حکم پردہ اور ہے اور آزاد عورت کا اور۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ باندی کے لئے، سر کلائیوں اور پنڈلیاں کھلی رکھنے کا جواز استثناء (الماظہر منها) کی وجہ سے ہے۔ پردے کی آیت کا حکم تو باندیوں کو بھی شامل تھا لیکن آقا کی خدمت کے لئے باندی کا باہر نکلتا بہر حال ضروری ہے اور بے چاری کے کام کے کپڑے چھوٹے ہونا بھی لازم ہیں اور چھوٹے کپڑوں سے کلائیوں، پنڈلیاں اور چہرے کا چھپانہ رہنا بھی قرین عقل ہے اس لئے ضرورت کے تحت باندی کے لئے ان اعضاء کا پردہ ضروری نہیں قرار دیا گیا۔

وَلِیَضْرِبَنَّ بِخُمْرِہُنَّ عَلٰی جُیُوْبِہُنَّ
اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں تاکہ ان کے
بال گردن اور کان چھپے رہیں۔

وليضربن یعنی اپنی اوڑھنیوں کا کچھ حصہ گریبانوں پر رکھ لیں۔ ضرب الید علی الحائط (دیوار پر ہاتھ رکھا) محاورہ ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا، سابق مہاجر عورتوں پر اللہ کی رحمت ہو جب اللہ نے آیت ولیضربن بخمیرہن علی جیوبہن نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ کر ان کے خمد بنا لئے۔

وَلَا یُبَیِّنُ زَیْنَتَہُنَّ
اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ یعنی وہ زینت جس کا ظاہر کرنا ممنوع ہے اس کو ظاہر نہ کریں۔

مگر اپنے شوہروں کے لئے۔ زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن
إِلَّا لِبُعُولَتِہُنَّ

کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کر لے۔ دونوں گدھوں کی طرح بچکے نہ ہوں۔ رواہ الشافعی والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود عن عتبہ بن غیر والتسانی عن عبد اللہ بن سر جس والطبرانی ایضاً عن ابی امامتہ۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی شرم گاہ کبھی نہیں دیکھی۔

یا اپنے باپوں کے لئے۔ اسی طرح دادا، نانا، پردادا، پرانا غرض سارے اصول کا بالا جماع یہی

أَوْ آبَائِهِمْ

حکم ہے۔

یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لئے۔ شوہروں کے سارے اصول کا بھی یہی حکم ہے۔
یا اپنے بیٹوں کے لئے۔ پوتوں، نواسوں اور تمام فروع کا بد لالت النص اور بالا جماع یہی حکم ہے۔
یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لئے۔ شوہروں کی ساری نسل کا یہی حکم ہے۔
یا اپنے بھائیوں کے لئے۔ بھائی حقیقی ہوں یا علاقائی یا خیالی۔
یا اپنے بھتیجیوں کے لئے۔ بھتیجیوں کے بیٹوں اور بھتیجیوں کے بیٹوں کا۔ غرض بھائیوں کی

أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِمْ

أَوْ أَبْنَاءِهِمْ

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِمْ

أَوْ إِخْوَانِهِمْ

أَوْ بَنَاتِ إِخْوَانِهِمْ

ساری فروع کا یہی حکم ہے۔

أَوْ بَنَاتِ إِخْوَانِهِمْ

یا اپنے بھانجیوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورہ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمد و رفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول و فروع سے صحتی تعلقات کو طبعاً لوگ برا سمجھتے ہیں پھر حیا اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورہ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصہ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ، پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلہ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجیوں اور بھانجیوں کا ہے اسی پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا، دونوں رشتے برابر کے ہیں۔ اسی طرح خالہ بھانجی کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہی تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام و احوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضاء احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔ (حضرت مفسر کی توجیہ انتہائی ریک ہے اصل بات یہ ہے کہ چچا اور ماموں سے رشتہ اتنا قریب اور قوی ہوتا ہے کہ باپ دادا اور نانا کے بعد اصول میں اور کسی سے اتنا قریب رشتہ نہیں ہوتا۔ جب چچا اور ماموں کے اصول کا ذکر کر دیا تو خود ان کا ذکر بدرجہ اولیٰ ہو گیا۔ مترجم)

مسئلہ :- محرم عورت کے جس حصہ کو دیکھنا جائز ہے اس حصہ کو ہاتھ لگ جانا اور چھو جانا بھی جائز ہے۔ سفر میں کبھی ایسا ہو جاتا ہے اور ضرورت پڑ جاتی ہے اور حرمت نکاح دوائی ہے اس لئے فتنہ کا اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر اس سے اپنی یا محرم عورت کی نفسانی خواہش کے بیدار ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں نہ محرم کی طرف دیکھنا جائز ہے نہ اس کو چھونا اور ہاتھ لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا بری نیت سے دیکھنا۔ اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور

ان کا زنا بری نیت سے پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً
 محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

یا اپنی عورتوں کے لئے۔ یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانوں تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابو حنیفہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورت کی طرف دیکھنا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نساء لہن سے مراد ہے مسلمان عورتیں (اپنی عورتیں یعنی اپنی ہم مذہب بہنیں) اس تفسیر پر مسلمان عورت کے لئے کسی غیر مسلم عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار جائز نہ ہو گا کیونکہ غیر مسلمہ عورت اپنی نہیں ہے غیر ہے۔ غیر مسلمہ عورت کو مردوں کے سامنے مسلم عورتوں کے احوال بیان کرنے سے کوئی باک نہیں ہوتا۔
 حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورت عورت کے سامنے برہنہ نہ ہو کہ وہ جا کر اس طرح بیان کر دے کہ مرد کے سامنے وہ منظر آجائے۔

بغوی نے لکھا ہے عمر بن عبدالعزیز نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو لکھ کر بھیجا تھا کہ کتابی عورتوں کو مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جانے سے منع کر دیں۔

یا ان باندیوں کے سامنے جو ان کی مملوک ہیں۔

ابن جریج کا قول ہے کہ نساء لہن سے مراد ہیں مسلمان آزاد عورتیں اور ماملکت ایما نھن سے مراد ہیں باندیاں خواہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں غلام مراد نہیں ہیں۔ اس تشریح کے بموجب کسی مسلمان عورت کا کسی مشرک عورت کے سامنے اپنی زینت کا انکشاف جائز نہ ہو گا۔ ہاں اگر باندی ہو خواہ مشرک ہی ہو لہٰذا سے زینت کا انکشاف ضروری نہیں اور جب ماملکت سے اپنی باندیاں مراد ہیں تو اپنے غلام کے سامنے اظہار زینت درست نہ ہو گا نہ غلام کے لئے اپنی مالکہ کے جسم کا کوئی ایسا حصہ دیکھنا جائز ہو گا جس کو اجنبی مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے۔

امام ابو حنیفہ اور بعض شوافع کا یہی قول ہے۔ شیخ ابو حامد شافعی نے کہا ہمارے رفقاء (شافعیہ) کا صحیح قول یہی ہے کہ غلام اپنی مالکہ کا محرم نہیں ہے۔ نووی نے لکھا ہے یہی صحیح ہے بلکہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہ فیصلہ قطعی ہے، غلام اپنی مالکہ کا محرم ہو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے کہ ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں صاحب ہدایہ نے کہا ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ غلام بہر حال مرد ہے اور شوہر نہیں ہے اور نہ محرم ہے (اجنبی ہے) اور اشتہائے نفسانی کا خطرہ موجود ہے۔ آزاد ہونے کے بعد اپنی مالکہ سے وہ نکاح کر سکتا ہے اور ایسا پیش خدمت نہیں ہے کہ اس سے زینت کا انکشاف نہ کیا جاسکتا ہو۔ غلام تو باہر کا کام کرج کرتے ہیں اندرون خانہ خدمت تو باندیاں کرتی ہیں۔ پس آیت مذکورہ میں صرف باندیاں ہی مراد ہیں۔ سعید بن مسیب اور حسن وغیرہ نے کہا تھا تم کو سورہ نور کی آیت کا غلط مطلب نہ لینا چاہیے، وہ تو صرف عورتوں کے متعلق ہے مردوں کے لئے نہیں ہے۔

یہ تفسیر اسی وقت صحیح ہوگی جب نساء لہن سے مراد آزاد مسلمان عورتیں ہوں۔ عام مسلمان عورتیں مراد نہ ہوں۔ ورنہ ماملکت ایمانھن سے بے فائدہ تکرار لازم آئے گی۔ حاصل یہ کہ مسلمان عورت کے لئے کافر آزاد عورت کے

سامنے اپنی زینت کا اظہار امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں۔

امام مالک نے فرمایا ما ملک ایمانہن کا لفظ اپنی باندیوں کو بھی شامل ہے اور اپنے غلاموں کو بھی۔ اپنا غلام بھی مثل دوسرے محارم کے ہوتا ہے جو زینت دوسرے محرم کے سامنے ظاہر کی جاسکتی ہے وہ اپنے غلام کی سامنے بھی ظاہر کی جاسکتی ہے اور عورت کا جو حصہ زینت محرم دیکھ سکتا ہے وہ اس عورت کا غلام بھی دیکھ سکتا ہے۔

امام شافعی نے بھی اس کی صراحت کی ہے اور جمہور شافعیہ کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح بھی ہے (ابو حامد شافعی اور نووی شافعی کی رائے اس کے خلاف اوپر گزر چکی) مگر کے غلام بغیر اجازت طلب کرنے کے اندر آتے جاتے رہتے ہی ہیں اور بغیر اجازت اندر آنے کی عام ضرورت بھی رہتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ سے بھی ایسی ہی روایات منقول ہیں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابو داؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا)

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کسی مکاتب غلام کی رقم (کتابت) پوری ادا ہو جائے تو اس کو مکاتب سے پردہ کر لینا چاہیے۔ رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ اس حدیث سے (غلام سے کامل پردہ نہ کرنے پر) استدلال مفہوم مخالف کے اعتبار سے کیا جاسکتا ہے۔ (حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر بدل کتابت پورا ادا نہ ہو اور غلام آزادی حاصل نہ کر سکا ہو تو اس سے پردہ نہ کرنا چاہیے)۔

یا ان مردوں پر جو طفیلی کے طور پر رہتے

أُولَئِكَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُؤْمِنُونَ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو۔

غیر اولی الاربۃ یعنی جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہ رہی ہو۔ مراد ہیں پیر فرقت۔ بہت بوڑھے، اذکار رفتہ۔ ان کو تابعین اس لئے کہا گیا کہ یہ خود کوئی کمائی نہیں کر سکتے، گھر والوں کے تابع ہوتے ہیں تاکہ بچا کھچا کھانا ان کو مل جائے۔ حسن نے کہا غیر اولی الاربۃ وہ لوگ ہیں جن کو انتشار نہ ہو سکتا ہو، عورتوں سے قربت نہ کر سکیں اور نہ عورتوں کی رغبت ان میں باقی رہی ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا مرد مراد ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا ناقص العقل خبطی مراد ہیں عکرمہ نے کہا ذکر بریدہ مراد ہیں بعض نے کہا منث مراد ہیں۔ مقاتل نے کہا پیر فرقت اذکار رفتہ اور نامرد اور خصی اور ذکر بریدہ سب مراد ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامرد عورت کے معاملہ میں ترک حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی ز قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے، مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بد فعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بد چلن نہ ہوتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور منث کو بھی شامل ہے اور یہ شمول قطعی ہے۔ اور آیت التابعتین غیر اولی الاربۃ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔ صاحب کفایہ نے لکھا ہے کہ ہدایہ میں جو منث کے ساتھ بالرووی من الافعال کی شرط لگائی گئی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ منث مراد ہیں جو مفعولیت میں مبتلا ہوں وہ منث مراد نہیں ہیں جن کے اعضا میں نرمی اور زبان میں لوج اور لچک ہو قطعی منثوں کی مشابہت ان میں پائی جاتی ہے، عورتوں کی طرف نفسانی میلان نہ رکھتے ہوں اور فاسقانہ مفعولیت میں مبتلا

نہ ہوں۔ ہمارے بعض مشائخ نے ایسے لوگوں کو عورتوں کے پاس آنے جانے کی اجازت دی ہے یہ غیر اولی الاربہ من الرجال میں داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثی جس کے پاس آلہ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورت کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جاسکتا ہو تو ایسا خنثی عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثی مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

یحین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک منخت بھی موجود تھا، منخت نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرمادے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے سے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موز کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہی کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور ﷺ نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔

بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں کے پاس منخثوں کا آنا جائز نہیں۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ جب تک اس منخت نے بنت غیلان کے حسن کے احوال بیان نہیں کئے تھے حضور ﷺ نے اس کو گھر کے اندر برقرار رکھا تھا اور گھر میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں فرمائی تھی پھر جب اس نے بنت غیلان کی کیفیت بیان کی تو آپ نے ممانعت فرما دی گویا بناء حکم بنت غیلان کی حالت کا بیان (اور مرد کو اس کی طرف راغب بنانا) تھا تو یہ علت وہی ہے جس کی موجودگی میں عورت کا عورت کے پاس داخلہ بھی ممنوع ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود کی حدیث میں اوپر آچکا ہے۔

اَوِ الْطِّفْلِ الَّذِي لَمْ يَظْهَرُوا عَلٰى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ
ایسے لڑکوں کے لئے جو عورت کے پردہ کی باتوں سے نادانف ہیں۔ الطفل اسم جنس ہے جمع پر اس کا اطلاق کیا گیا، کیونکہ اس کی صفت بصیغہ جمع ذکر کی گئی ہے۔ لم يَظْهَرُوا الخ یعنی بالغ نہ ہوئے ہوں۔ یا جماع کی قدرت نہ رکھتے ہوں ظہر علی زید کا معنی یہ بھی آتا ہے کہ وہ زید پر قابو پایا گیا قادر ہو گیا۔ یا یہ مراد ہے کہ عورتوں کے پردے کے مقامات کو انہوں نے کھولا نہ ہو یا پردہ کی باتوں کی ان کو ابھی واقفیت نہ ہوئی ہو۔ بہر حال مراد یہ ہے کہ حد شہوت کو نہ پہنچے ہوں اور ان میں ابھی صلاحیت نہ پیدا ہوئی ہو۔

مجاہد نے کہا اتنے چھوٹے بچے مراد ہیں جن کو عورتوں کو چھپی اور کھلی باتوں میں کوئی تمیز ہی نہ ہو وہ جانتے ہی نہ ہوں پردہ کی چیز کیا ہوتی ہے۔ لول معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے کیونکہ جو بچے شعور و تمیز کو پہنچ گئے ہوں حد شہوت کو نہ پہنچے ہوں ان کے سامنے عورت میں باقی حصہ بدن کھول سکتی ہیں صرف ناف سے زانو تک نہیں کھول سکتیں۔ آیت لَيْسْتَ اِذِ نَكَمُ الدِّينِ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نَلْتَمِسْ اِيْتِ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اگر بچہ اتنا چھوٹا ہے کہ کچھ شناخت اور تمیز نہیں رکھتا تو وہ چوپایوں درختوں اور پتھروں کی طرح ہے اس کے سامنے ہر طرح کی پردہ کشائی جائز ہے یہاں تک کہ عورت مغالطہ کی برہنگی بھی درست ہے۔ اور اگر لڑکا مراہق ہے (حد بلوغ کے بالکل قریب پہنچ گیا ہے) تو وہ مردوں کے حکم میں ہے۔

ابن جریر نے حضرت ام سلمہ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک عورت نے چاندی کی دو بازبیں بنوائیں اور ان میں گھنگھرو لگائے، پھر لوگوں کے سامنے سے گزری اور پاؤں زمین پر پٹختے اور اس طرح گھنگھرو پاؤں سے ٹکرا کر بولے، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَا يَضْرِبْنَ يَأْرُجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ
اور اپنے پاؤں زمین پر نہ ماریں کہ ان کا چھپا ہوا زیور (لوگوں کو) معلوم ہو جائے۔

بنفوی نے لکھا ہے عورت جب چلتی تھی تو پاؤں زمین پر مارتی تھی تاکہ اس کی بازپ کی آواز لوگ سن لیں۔ اس کی ممانعت کر دی گئی، کیونکہ یہ حرکت مردوں کے دلوں میں اس عورت کی طرف میلان پیدا کرتی تھی۔

بیضاوی نے لکھا ہے زیور کو ظاہر کرنے کی ممانعت سے زیادہ زور اس بات میں ہے کہ زیور کی آواز پیدا ہونے سے ہی روک دی جائے۔ اس لئے بیضاوی نے النوازل میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہتا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے لام کو نماز میں اگر سو ہو جائے تو اس کو بیتنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ ﷺ نے اس کو تالی بجانے کا حکم دیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ
اور اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام نبی آدم خطاوار ہیں اور خطاواروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ و الدارمی۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دور کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بد اعمالیوں کی یاد آجائے ان پر ندامت تو بہر حال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکارا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۱۱﴾
تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔
فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمال نامے میں بکثرت استغفار پائے گا۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے لوگو! اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آجاتی ہے میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رب اغفر لی و قب علی انک انت التواب الغفور۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و ابو داؤد۔

وَ أَنْتُمْ حَوَالِي مَنكُمْ
جب کہ گزشتہ آیات میں اللہ نے ان باتوں کی ممانعت فرمادی جو اکثر زنا کی طرف لے جاتی ہیں تو اب اس آیت میں نکاح کا حکم دیا۔ (تاکہ فطرت انسانی کا تقاضا جائز طور پر پورا ہو سکے) نکاح نظروں کو نیچا رکھنے والا اور زنا سے بچانے والا ہے۔ انکحوا میں خطاب لولیا اور سر پرستوں کو ہے۔ لیاہی اصل میں لیاہیم تھا، جیسے یتلی کی اصل

یتام بھی ایمن کی جمع لائی ہے ایم اس مرد کو بھی کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو۔
 وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ
 نکاح کر دو جو صلاحیت رکھتے ہوں۔ یہ امر استجابی ہے (واجب نہیں ہے) صالحین نیک لوگ۔ صالح ہونے کی شرط نکاح کرانے کے لئے لازم نہیں غیر صالح کا نکاح کرانا بھی مستحب ہے لیکن جو باندی غلام نیک ہوں ان کے دین کی حفاظت اور ان کی پرہیزگاری کی نگہداشت کی اہمیت زیادہ ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ صالحین کا نکاح کرانے کی ہدایت کی۔
 بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔

مسئلہ :- اگر جوشِ صفتی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور بچنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پاسکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاءِ معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوق نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضہ نکاح کے تلف ہونے کا حق یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوشِ شہوانی (کے وقت جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس) کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر متعجل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوشِ شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہ گار ہوگا۔

اگر اعتدال کی حالت ہو تو داؤد اور دوسرے اہل ظاہر کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی ہر مرد اور عورت پر نکاح فرض عین ہے۔ لیکن عمر میں ایک مرتبہ بشرطیکہ جماع پر قدرت ہو اور نفقہ برداشت کر سکتا ہو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ (یعنی یہ امر وجوب کے لئے ہے) حضرت سرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا۔ نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا، نہیں۔ فرمایا تو خوش حال مالدار بھی ہے عکاف نے کہا میں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا، تب تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔
 یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ برے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔

حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد و ابوداؤد و النسائی۔

سورۃ نساء کو آیت فَإِنْ خِفْتُمْ الْآتَاعِدَ لَوْ افواحدةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کی تفسیر میں اسی طرح کی حدیث گزر چکی ہے۔ بعض حنفیہ قائل ہیں کہ نکاح واجب بالکفایہ ہے یعنی سب پر واجب ہے لیکن سب کا نکاح کرنا ضروری نہیں کچھ لوگ نکاح کر لیں تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جائے گا۔ قانون نکاح جاری کرنے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں باقی رہیں ان کی نسل ختم نہ ہو جائے اور یہ غرض کچھ لوگوں کے نکاح کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے، داؤد جیسے لوگوں کا اس کو فرض عین قرار دینا خلاف اجماع ہے، بعض علماء نے واجب بالکفایہ ہونے کے ثبوت میں آیت فانکحوا ما طلب لکم من النساء پیش کی ہے اس آیت میں جتنی عورتوں سے بیک وقت نکاح کیا جاسکتا ہے ان کی تعداد بیان کرنی مقصود ہے اور خطاب سر پرستوں کو ہے کما اگر ایامی نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح سے نہ روکیں۔ رہیں احادیث مذکورہ تودہ آحاد ہیں اور احادیث سے آحاد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ بعض کے نزدیک نکاح تو سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قوی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اے گروہ جو انان تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے اور جس میں مالی استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے روزہ اس کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا) متفق علیہ من حدیث ابن مسعود۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے متعلق نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہئے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرا نہیں ہے مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)۔

ترمذی نے ایوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں، حیا، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔ ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

نکاح کا جو حکم ہم نے سطور بالا میں بیان کیا وہ علماء حنفیہ کے موافق ہے امام احمد کا بھی یہی قول ہے امام شافعی کے نزدیک ہر حالت میں نکاح استحباب سے آگے نہیں بڑھتا اور استحباب بھی اس وقت ہو گا کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو، خرچ برداشت کر سکتا ہو اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو، ان شرائط کی موجودگی میں اگرچہ نکاح مستحب ہے لیکن عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے نکاح نہ کرنا افضل ہے اور اگر مذکورہ تینوں شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح حرام یا مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر جوش شہوانی سے مغلوب ہو اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو تو نکاح کا استحباب زیادہ قوی ہو جاتا ہے، اس حالت میں نفل نماز، نفل روزے، نفل حج اور نفل جہاد سے نکاح افضل ہے، امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

فریقین کے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ

جس شخص کو حقوق ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو یا نکاح کرنے کی وجہ کسی حرام کام میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے نکاح حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور جو شخص جوش شہوانی سے مغلوب ہو اور خوف ہو کہ نکاح نہ کرنے کی وجہ سے زنا میں مبتلا ہو جائے گا اور حقوق نکاح ادا کرنے کی اس میں استطاعت بھی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک واجب تو نہیں مگر تاکید مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں زنا حرام ہے اور حرام کی ضد واجب ہی ہے پس جس شخص کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو اس کے لئے

نکاح واجب ہی ہوگا۔ باقی اگر اعتدال کی حالت ہو مغلوب کن جوش نہ ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نکاح کرنے کی صورت میں حق تلفی کا خطرہ نہ ہو اور حقوق نکاح ادا کرنے پر قدرت ہو تو ایسے شخص کے لئے نکاح اگرچہ سنت مستحبہ ہے لیکن عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے نکاح نہ کرنا افضل ہے یا نکاح کرنا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک عبادت کے لئے یکسوئی حاصل کرنے سے نکاح افضل ہے اور امام شافعی عبادتی یکسوئی کا حصول اور ترک نکاح کو افضل کہتے ہیں۔ امام شافعی نے اپنے قول کے ثبوت میں حضرت یحییٰ پیغمبر کی شخصیت کو پیش کیا ہے جن کی اللہ نے تعریف کی ہے، انہوں نے عورتوں سے کامل انقطاع کر لیا تھا باوجود یہ کہ ان کے اندر قدرت اور مردانگی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روکے رکھا اللہ نے ان کی تعریف میں **سَيِّدًا وَحَصُورًا** فرمایا، حضور کا یہی معنی ہے۔ ابن ہمام نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ وصف قابل ستائش حضرت یحییٰ کی شریعت میں تھا، اس لئے اللہ نے اس وصف کی وجہ سے حضرت یحییٰ کی تعریف فرمائی ہے۔ ہماری شریعت میں تو رہبانیت ناجائز ہے پھر ایک طرف حضرت یحییٰ کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی عورت سے نکاح نہیں کیا، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے کہ حضور ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح کئی، دونوں میں تضاد ہے ہمارے لئے ہمارے رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی شمع راہ ہے اگر ترک نکاح افضل ہو تا تو ناممکن تھا کہ اللہ افضل الانبیاء کو وقت وفات تک ترک افضل پر قائم رکھتا۔

تیسرے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المؤمنین سے اندرون خانہ پوشیدگی میں رسول اللہ ﷺ کے اعمال کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ ﷺ کی طرح ہو سکتا ہے، حضور ﷺ کی فرد گزشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرمادی ہیں ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو بھی پہنچ گئی (دوسرے دن حضور ﷺ نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں) حمد و ثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

بخاری نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے۔ ابن عباس نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرور بننے کی حضور ﷺ نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

تحقیق موضوع

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے رسول اللہ ﷺ اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علمائے صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہے ان کا مرتبہ یقیناً "بہت اونچا تھا اور ان کا ثبات فکر و نظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق و موانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتار آخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل و عیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیری اوقات میں فرق آجائے گا اس کے دل کی دنیا اجاڑ ہو جائے گی وہ پر آگندہ خاطر ہو کر ذکر اللہ کی کثرت نہ کر سکے گا۔ اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی انضیلت اس وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جماد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسباب دنیا اور پر فریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُونَ۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نِ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ۔

یا ایہا الذین امنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم۔ فاحذروہم۔
اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال و اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کریں جو لوگ ایسا کریں گے وہی گھائے میں رہنے والے

ہیں۔

اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں اور تمہارے مال جو تم نے
کمائے ہیں اور تجارت جس کے خراب ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان جو تمہارے مسکن ہیں اگر تم کو اللہ اور
اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو منتظر رہو کہ اللہ اپنے امر کو لے آئے۔
اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے احتیاط رکھو۔

یہ ظاہر ہے کہ نفل عبادت بہر حال عبادت ہے اور نکاح فی نفسہ ایک جائز کام ہے اپنی اصلیت کے لحاظ سے عبادت نہیں
ہے اس کو عبادت کے لئے وضع نہیں کیا گیا اگر نکاح فی نفسہ عبادت ہوتا تو نکاح کرنے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہوتا، تمام
عبادات کے لئے اسلام اولیٰ شرط ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اس کی ہجرت (نبی سبیل اللہ
ہجرت نہ ہوگی بلکہ) اسی کام کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے وطن چھوڑا ہوگا۔ غور کرو کہ اگر نکاح فی نفسہ عبادت ہوتا تو کسی
عورت سے نکاح کرنے کے لئے ترک وطن کرنے کو نبی سبیل اللہ (یعنی عبادت کے لئے) ہجرت قرار دیا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ
نے یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی چیزوں میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو مرغوب بنا دی گئی ہیں اور خشکی چشم مجھے نماز میں ملتی
ہے۔ رواہ النسائی والطبرانی و اسنادہ حسن۔

یہ حدیث صراحۃً بتا رہی ہے کہ عورتوں سے نکاح خوشبو کی طرح دنیوی مباح امور میں سے ہے۔ حقیقت میں نکاح سے
جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو مصالح اس سے وابستہ ہیں ان کی وجہ سے نکاح کو امر مستحب کہا جاتا ہے ورنہ امر مباح سے زائد
اس کی فی نفسہ کوئی حیثیت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح اور خوشبو لگانے کو پیغمبروں کا طریقہ فرمایا ہے اور سنن انبیاء میں سے قرار دیا ہے اس کا مطلب
یہ نہیں کہ یہ چیز سنن ہدیٰ میں سے ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنت زائدہ ہے سنت عادیہ ہے۔ سنت ہدیٰ تو وہ سنت ہے
جس پر بطور عبادت رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ پابندی کی ہو۔

ایک شبہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے نکاح میری سنت ہے اور جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں
ہے۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ نکاح سنت ہدیٰ ہے۔

جواب :- اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح سنن ہدیٰ میں سے ہے، بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے
جس کام کو خود کیا اور پسند فرمایا اس سے کترانا اور برا سمجھنا ضرور موجب عتاب اور باعث نارا نسکی ہے لیکن برانہ سمجھنا اور انکار نہ
کرنا صرف ترک کرنا تو موجب عتاب نہیں ہے۔ حدیث میں اعراض سے مراد ہے انکاری اعراض اور برا سمجھ کر ترک کرنا۔ ہاں
سنت ہدیٰ کو تو ترک کرنا بھی موجب عتاب ہے اس لئے نکاح سنت ہدیٰ نہیں ہے۔

معارضہ

حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، دنیا کی تین چیزیں مجھے محبوب ہیں، (۱) خوشبو، (۲) عورتیں اور (۳) نماز نماز کو میری آنکھ کی ٹھنڈک بنا دیا گیا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نکاح دنیوی امور میں سے ہے تو نماز بھی دنیوی امور میں سے ہے۔

جواب

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو مسند نہیں قرار دیا اور صراحت کی ہے کہ کسی مسند طریق سے ہم کو تین کا لفظ نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کے خلاف وہ حدیث ہے جو مسلم نے حضرت عمر بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے۔ اور دنیا کے متاع میں صالحہ عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیوی امور میں سے ہے۔

حاصل مدعا یہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں نکاح کے متعلق جو امر کا صیغہ آیا ہے اس سے مراد امر اباحت یا امر استحباب ہے (و جو بی امر مراد نہیں ہے)۔

رہی عکاف والی حدیث جس میں عکاف کو بیوی اور جاریہ نہ ہونے اخوان الشیاطین میں سے قرار دیا گیا ہے تو اس کا تعلق ایک خاص حالت سے ہے جب جوش شہوانی مغلوب کن حدود میں داخل ہو گیا ہو اور فتنہ عزا میں پڑ جانے کا خوف ہو (جیسا کہ عکاف کا واقعہ تھا) تو اس وقت بے شک یہی حکم ہو گا۔

نکاح اگرچہ امر مباح ہے عبادت نہیں ہے لیکن اگر اس کے اندر حسن نیت کا شمول ہو تو عبادت بن جاتا ہے مثلاً اپنی نظر نیچی رکھنا یا مسلمانوں کی تعداد بڑھانا مقصود ہو تو نکاح عبادت بن جاتا ہے مگر یہ بات صرف نکاح ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ کھانا، پینا، خریدنا بیچنا اور دوسرے مباح معاملات میں بھی اگر حسن نیت شامل ہو اور ثواب کے ارادہ سے کئے جائیں تو وہ بھی عبادت بن جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود۔ طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کی ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے اور تجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے فرض کفایہ ہیں، اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری وحسنہ، و ابن ماجہ من حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالقیر ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحج۔

حضرت یحییٰ کے مجرد رہنے کے سلسلے میں یہ کہنا کہ ان کی شریعت میں مجرد رہنا افضل تھا اور ہماری شریعت میں رہبانیت منسوخ کر دی گئی ہے یہ جواب قطعاً بے کار ہے بلکہ تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدم، نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، ایوب، داؤد، سلیمان، زکریا وغیرہ ہم سب ہی نے نکاح کئے تھے اور یہ سب یحییٰ سے افضل تھے، شاید حضرت محییٰ نے اپنے حق میں نکاح کرنا مناسب نہ سمجھا ہو، ان کو خوف ہو کہ نکاح سے میرے بعض اہم امور میں خلل پڑ جائے گا، پھر یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ کی شریعت میں رہبانیت افضل تھی اور شریعت اسلامیہ میں منسوخ کر دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رہبانیت جو نصاریٰ نے اختیار کی تھی وہ بدعت تھی اللہ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اللہ نے فرمایا ہے وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوهَا حَدِيثٌ فِيهِمْ جَسْرٌ بَيْنَ يَدَيْهِمْ لِيُحْمَلُوهُمُ اثْمُهُمْ وَيُكْفَرُوا بِهِمْ وَيَأْمُرُوا بِالْبَغْيِ وَيُخْلِفُوا الْمِيثَاقَ وَالْحَمَانَ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ لَكَاذِبُونَ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْ النَّاسِ لَغَيْرُ الْمَعْلُومِ۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہٹکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا، ستر پر سونا ترک کر دینا۔ گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

فائدہ

امام شافعی کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے بغوی نے لکھا ہے کہ آیت میں اللہ نے بیوہ عورتوں کے سر پرستوں کو رائیوں کے نکاح کر دینے کا حکم دیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے آقاؤں کو غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرانے کا اختیار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیواؤں کے نکاح کرانے کا کامل اختیار ان کے سر پرستوں کو ہے۔ بغوی کا مقصد یہ ہے کہ (حسب مسلک شافعی) آزاد عاقل بالغ عورت کا نکاح (خواہ وہ اپنی زبان سے ایجاب کر لے) بولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ سورہ بقرہ کی آیت وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف مفصل بیان کیا ہے۔ اس موضوع پر بغوی کا اس آیت سے استدلال غلط ہے کیونکہ (ایمانی کا ترجمہ صرف بیوائیں غلط ہے) ایم اس مرد کو کہتے ہیں جس کی بی بی نہ ہو اور اس عورت کو بھی کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ دونوں کی شادی ہی نہ ہوئی ہو۔ ناکتھ اہوں، یا شادی ہونے کی بعد شوہر سے اور شوہر بیوی سے محروم ہو گیا ہو۔ نابالغ اور بالغ کی بھی کوئی شرط نہیں، بڑے ہوں یا بچے بہر حال سب پر لفظ ایم کا اطلاق ہوتا ہے اور علماء امت کے نزدیک بالاتفاق مسلمہ ہے کہ بالغ مردوں کے نکاح کا اختیار سر پرستوں کو نہیں ہے اور یہ بھی مسلمہ ہے کہ نابالغ چھوٹی لڑکی کا کامل اختیار ولی کے ہاتھ میں ہے اس لئے ایمانی سے صرف عورتیں مراد لیتا ہے دلیل بات ہے ہاں اگر چھوٹے لڑکے اور نابالغ لڑکیاں مراد ہوں تو ٹھیک ہے (کیونکہ بالاتفاق نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار سر پرستوں کا ہے)۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بطور مجاز نکاح کر دینے سے مراد ہو نکاح سے نہ روکنا اور نکاح کرنے میں مدد کرنا گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے بالغ عورت سر پرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہو گا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہو گا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سر پرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں۔ یہی مفہوم آیت وَلَا تَعْضَلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ کا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زنا کاری کا برا نتیجہ پیدا ہو گا) رواہ الترمذی۔

حضرت عمر بن خطاب اور انس بن مالک روای ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو ریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابو سعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جو ان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جائے نہ کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا، دونوں حدیثیں بیہتی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔

إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے عینی بنا دے گا اور اللہ سہمی والا (اور) بخوبی جاننے والا ہے۔

نکاح سے روکنے والی چیز ناداری ہو سکتی ہے اس کے رو میں فرمایا کہ ناداری تم کو نکاح سے مانع نہ ہو کیونکہ اللہ تمام بندوں کے رزق کا ذمہ داری ہے مال تو آنے جانے والی چیز ہے (نہ اس کی ہونے پر بھروسہ نہ منہ ہونے پر مایوسی) بعض نے کہا اس جگہ غنی بنا دینے سے مراد ہے قانع بنا دینا۔ بعض نے کہا غنا عطا کرنے سے مراد ہے، دوہر ارزق عطا کرنا۔ شوہر کا رزق اور بیوی کا رزق۔ اول الذکر تفسیر معنی زیادہ صحیح ہے۔ نکاح کرنے والے سے اللہ نے اس آیت میں وعدہ کیا ہے کہ نکاح کے بعد اس کی محتاجی اللہ دور کر دے گا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا، اس شخص پر تعجب ہے جو بغیر نکاح کے غنا کا طلب گار ہوتا ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ دوسری جگہ فرمایا ہے إِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كِلَا بَيْنَ سَعْيِهِ۔

حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو تم سے غنی بنا دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلب گار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنا کا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بزار، خطیب اور دارقطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو، وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابو داؤدنی مر اسیلہ مرسل عن عروہ۔

ثعالبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔ میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواست گار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

وَلَيْسَتَعْفِيفِ الدِّينِ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور جن لوگوں کو نکاح میسر نہ ہو وہ پاک دامن رہیں، یہاں تک اللہ ان کو اپنے فضل سے صاحب مقدرت کر دے۔

نکاح سے مراد ہے نکاح کا سامان اور وہ چیزیں جن کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، مثلاً امر مجمل (اگر اس کی ضرورت ہو) اور خرچ۔ بیوی کا نان نفقہ۔ ناداری کی وجہ سے اس کو ڈر ہو کہ بیوی کا خرچ کہاں سے دوں گا، میری وجہ سے غریب کی حق تلفی ہوگی، ایسے شخص پر لازم ہے عفت قائم رکھنے کی کوشش کرے کم کھائے۔ زیادہ روزے رکھے۔ روزے رکھنے سے جوش شہوانی ٹوٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس میں استطاعت (یعنی نکاح کرنے کی استطاعت) نہ ہو اس پر روزے رکھنے لازم ہیں، روزہ اس کے لئے شہوت شکن ہو جائے گا۔

يُعِينَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ یعنی اللہ اس کے لئے رزق میں کشائش پیدا کر دے۔ فضل سے مراد ہے رزق اور غنی بنادینے سے مراد ہے رزق کو کشادہ کرنا۔

ابن اسکن نے معرفت الصحابہ میں عبد اللہ بن صبیح کے باپ کا بیان نقل کیا ہے عبد اللہ کے باپ نے کہا میں حضرت حویطب بن عبد العزی کا غلام تھا، میں نے حویطب سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے، انہوں نے انکار کیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ حَرَامًا وَلَا حَرَامًا وَمَا كُنْتُمْ بِأَعْيُنِنَ قَوْمًا يَعْلَمُونَ

(باندیاں ہوں یا غلام) مکاتب بنائے جانے کی درخواست کریں تو تم ان کو مکاتب بنا دو۔

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سودینا اور کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چنانچہ غلام نے کمائی کر کے سودینا ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ خنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے (وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں) صاحب ہدایہ نے یہی لکھا ہے اور اسی کی صحیح قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے بعض اکابر جو آیت میں کَا تَبْتِغُونَهُمْ کو امر اباحت کہتے ہیں یہ غلط ہے یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ باندی غلام کو مکاتب بنانا تمہارے لئے جائز ہے بلکہ مراد ہے مکاتب بنانے کا مستحب ہونا، کیونکہ اگر امر کو اباحت کے لئے قرار دیا جائے گا۔ تو غلام کے اندر صلاحیت ہو یا نہ ہو بہر حال اس کو مکاتب بنانا جائز ہے، پھر صلاحیت کی شرط بے فائدہ ہے۔

دلیل استحباب کارو اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ بر قول اباحت شرط صرف عادی ہوگی۔ (احترازی نہ ہوگی) قاعدہ یہی ہے کہ آقا اپنے غلام کو اسی وقت مکاتب بناتا ہے جب اس میں مکاتب ہونے کی صلاحیت پاتا ہے۔ اسی کو آیت میں بطور شرط بیان کر دیا گیا ہے۔ ورنہ یہ واقعہ کا اظہار ہے۔

بعض متقدمین کے نزدیک کاتبوں کو جو ب کے لے ہے (اگر مکاتب ہونے کی غلام درخواست کرے اور اس کے اندر اس کی صلاحیت محسوس کی جائے تو مکاتب بنانا واجب ہے) عطا اور عمرو بن دینار کا یہی قول ہے، ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول آیا ہے۔ لیکن اس وجوب کی شرط یہ ہے کہ اتنے معاوضہ پر غلام مکاتب ہونے کی درخواست کرے جو واقعی بازار میں اس کی قیمت ہو سکتی ہو، یا اس سے زیادہ ادائیگی کا وعدہ کرے۔ بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر ڈر لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔

مکاتبیت، عقد معاوضہ ہے اور عقد معاوضہ میں طرفین سے ایجاد و قبول ہونا ضروری ہے (ایک طرف کا ایجاب کافی نہیں ہے) کتابت کا معنی ہے ایجاب اور مکاتبیت طرفین سے کتاب میں شرکت کو چاہتا ہے پس آقا کی طرف سے ایجاب اور غلام کی طرف سے قبول لازم ہے۔

مکاتبیت، آزادی، بشرط ادا مال نہیں ہے (جس کی درستی کے لئے غلام کی طرف سے قبول لازم نہیں) لہذا جو نابالغ

غلام خرید و فروخت کا شعور رکھتا ہو وہ عقد کتابت کو قبول بھی کر سکتا ہے۔ ہاں اگر اتنا بچہ ہو کہ اس کو خرید و فروخت کا بھی شعور نہ ہو یا دیوانہ ہو تو اس کے قبول کرنے سے عقد کتابت منعقد نہیں ہوتا۔

اگر آقا نے غلام سے کہا، میں نے تجھے اتنے مال کی شرط پر مکاتب بنایا اور غلام نے کہا، میں نے قبول کیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک معاہدہ مکمل ہو گیا، آقا کو یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ اگر تو اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے۔ امام مالک اور احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی نے کہا، صرف الفاظ مذکورہ کے کہنے سے عقد مکاتب مکمل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بھی کہتا ہو گا کہ میں نے قسط وار اتنے مال کی ادائیگی کی شرط پر تجھے مکاتب کیا۔ اگر تو اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے۔ اگر (اتنا مال ادا کر دے تو آزاد ہے کا لفظ) زبان سے نہ کہا مگر نیت یہی تھی تب بھی کافی ہو جائے گا، کذا فی المنہاج۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر معاوضہ کتابت فوری ادا کرنے کی شرط لگادی تب بھی صحیح ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک کم سے کم ادائیگی دو قسطوں میں ہو نا ضروری ہے اور قسط وار ادائیگی کی شرط لازم ہے۔ فی الفور ادائیگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ غلام کو فوراً مال کہاں سے مل سکتا ہے۔

امام اعظم نے کہا۔ عقد کتابت عقد معاوضہ ہے جیسے عقد بیع۔ بدل کتابت۔ ثمن (قیمت) کے مشابہ ہے۔ قیمت کا قرار زبانی خرید کی صحت کے لئے کافی ہے۔ ادائیگی قیمت پر قدرت مشتری صحت عقد کے لئے لازم نہیں۔ مفلس بھی ہزاروں روپے کا مال خرید سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عقد کتابت کے وقت غلام کو کوئی شخص زکوٰۃ کی یا کسی اور قسم کی امدادی رقم دے دے اور غلام فوراً ادا کر دے۔ اگر غلام معاوضہ کتابت ادا کرنے سے قاصر رہے تو آقا دوبارہ اس کو حسب سابق بحیثیت غلام واپس لے سکتا ہے۔

مسئلہ :- عقد مکاتب ہو چکنے کے بعد غلام پر آقا کا قبضہ نہیں رہتا، اب وہ ہر طرح کی خرید و فروخت، محنت مزدوری اور سفر کرنے کا مجاز ہو گا۔ البتہ آقا کی ملک سے باجماع علماء اس وقت تک خارج نہ ہو گا جب تک بائی پائی معاوضہ کی ادائیگی نہ کر دے گا۔
مسئلہ :- عقد کتابت آقا کے لئے عقد لازم ہے آقا با اختیار خود غلام کی رضامندی منسوخ نہیں کر سکتا..... عقد کتابت کے بعد غلام کو آزادی کا استحقاق ہو جاتا ہے اور جس طرح آزاد کرنے کے بعد کو آقا منسوخ نہیں کر سکتا اسی طرح غلام کے استحقاق آزادی کو بھی سلب نہیں کر سکتا۔ البتہ غلام پر اس عقد کا لزوم نہیں ہو تا وہ اگر کمائی نہ کرے اور معاوضہ کتابت ادائیگی نہ کر سکے تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی رضامندی سے عقد کتابت کو منسوخ کر دیا جائے گا، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے، ہاں اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ وہ مقررہ معاوضہ ادا کر سکتا ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک عقد مکاتب منسوخ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کو ادائے معاوضہ پر مجبور کیا جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک نادر غلام کو کمائی کرنے پر مجبور کیا جائے گا، کتابت کو منسوخ نہیں کیا جائے گا۔ غلام کو حق نہیں کہ وہ ناداری کی وجہ سے کتابت کو منسوخ کر سکے۔

مسئلہ :- مکاتب چونکہ آقا کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا اس لئے عقد کتابت کے بعد آقا کو اختیار ہے کہ غلام کا اس میں فائدہ ہے اس لئے بلاشبہ، بلا معاوضہ آزادی پر وہ راضی ہی ہو گا۔

مسئلہ :- مکاتب کو آقا فروخت کر سکتا ہے، دوسرا آقا پہلے آقا کے قائم مقام ہو جائے گا اور عقد مکاتب حسب سابق قائم رہے گا منسوخ نہیں ہو گا، غلام کتابت کا معاوضہ دوسرے آقا کو ادا کرے گا یہ امام احمد کا قول ہے اور شافعی کا بھی یہی اول قول تھا، امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مکاتب کو بغیر اس کی رضامندی کے فروخت نہیں کیا جا سکتا اگر مکاتب اپنی فرد خستگی پر راضی ہو جائے گا تو بیع صحیح ہو گی اور کتابت منسوخ ہو جائے گی۔ امام شافعی کا قول جدید یہی ہے۔

امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل :- مکاتب اپنی آزادی کا مستحق بن جاتا ہے اور استحقاق کو آقا نہیں چھین سکتا۔ اگر کوئی شخص مکاتب کو خرید کر مالک بن جائے گا تو مکاتب کا استحقاق آزادی سلب ہو جائے گا۔

جواب :- خریدنے کے بعد ملکیت ضرور مشتری کی ہوگی جس طرح پہلے آقا کی بھی مکاتب کا عقد کتابت صحیح نہ ہوگا۔

مکاتب کو استحقاق باقی رہے گا۔ امام احمد کے قول کی دلیل :- حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ بریرہ آئی اور اس نے کہا مجھے اپنے مکاتب ہونے کا معاوضہ دینا ہے، آپ اس معاوضہ کی ادائیگی میں میری مدد کیجئے اس وقت تک بریرہ نے بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو خرید کر آزاد کر دو۔ حق دلاء آزاد کرنے والے کا ہوتا ہے۔ رواہ احمد۔

اصل حدیث صحیحین میں اس طرح ہے کہ بریرہ نے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا ہے میں نے ۹ اوقیہ (سونے) معاوضہ پر عقد کتابت کیا ہے۔ سالانہ ایک اوقیہ دینا ہوگا آپ میری مدد کیجئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اگر تیرے مالک پسند کریں تو میں نیکشت ان کی پوری رقم گن دوں گی لیکن حق دلاء میرا ہوگا۔ بریرہ نے جا کر اپنے مالکوں سے یہی بات کہی انہوں نے انکار کر دیا۔ بریرہ نے واپس آکر حضرت عائشہؓ سے کہا، انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا، وہ حق دلاء اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ نے بھی سنی اور دریافت فرمایا، کیا بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے واقعہ عرض کر دیا، فرمایا، تم بریرہ کو لے کر آزاد کر دو اور حق دلاء کی شرط انہیں لوگوں کے لئے کر لو۔ حق دلاء آزاد کرنے والے کا ہی ہوتا ہے (یعنی شرط کر لینے کے بعد حق دلاء تم ہی کو پہنچے گا پہنچنے والوں کو نہیں) نسائی نے بھی یہ قصہ بروایت بریرہ بیان کیا ہے۔

اس حدیث میں امام احمد کے قول کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ آئمہ میں اختلاف تو اس صورت میں ہے جب مکاتب کو اس کی رضامندی کے بغیر فروخت کیا جائے اور مکاتب رضامند ہو تو امام اعظم بھی جو از بیع کے قائل ہیں امام سے جو ظاہر روایت آئی ہے وہ صورت رضامندی میں ہی ہے اور بریرہ کے قصہ سے ظاہر ہے وہ اپنی بیع پر راضی تھیں۔ اسی لئے امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے باب بیع المکاتب اذ رضی۔

مسئلہ :- پورا زر معاوضہ ادا کرنے کے بعد ہی مکاتب آزاد ہوتا ہے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مکاتب غلام ہے جب تک اس کے زر کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہے۔ رواہ ابو داؤد و الجاحم و النسائی من طرق۔ نسائی اور ابن ماجہ نے دوسری سند سے بوساطت عطاء حضرت عبد اللہ بن عمرو کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں جو غلام سو اوقیہ معاوضہ کی شرط پر مکاتب بنایا گیا ہو، جب تک ایک اوقیہ بھی ادائیگی سے باقی رہے گا وہ غلام رہے گا۔ نسائی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ عطاء خراسانی ہے جس نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

ترمذی اور ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے اپنے غلام کو سو اوقیہ معاوضہ پر مکاتب بنایا اور غلام نے ۹۰ ادا کر دیئے، صرف دس اوقیہ یا (فرمایا) دس دینار باقی رہ گئے پھر وہ ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ غلام (ہی) رہے گا۔

امام مالک نے مؤطا میں بوساطت تابع حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی رہے گا وہ غلام رہے گا۔ ابن قانع نے دوسرے طریق سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اس کو مرثوعاً بھی بیان کیا ہے، لیکن ابن قانع نے اس کے مرفوع ہونے کو مجروح کیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس مسئلہ میں صحابہ میں یا ہم اختلاف تھا۔ کفایہ میں ہے کہ حضرت زید بن ثابت کا قول ہمارے مسلک کے موافق ہے۔ حضرت علی نے فرمایا جتنی رقم مکاتب نے ادا کر دی ہو اتنی ہی اس کو آزادی مل جائے گی۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا، اگر مکاتب اپنی بازاری قیمت کے بقدر ادا کر چکا ہو تو آزاد ہو جائے گا، اس سے زیادہ اگر آقا کی طرف سے مقرر کردہ معاوضہ باقی رہ جائے گا تو دوسرے قرض خواہوں کی طرح آقا بھی ایک قرض خواہ کی حیثیت میں ہو جائے گا (مکاتب بہر حال آزاد ہو جائے گا مقرر قرض رہے گا)۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا، عقد کتابت ہوتے ہی مکاتب آزاد ہو جاتا ہے (اس کی آزادی ادائے معاوضہ پر موقوف نہیں رہتی) ہاں آقا کا قرض دار ہو جاتا ہے جیسا دوسروں کے قرض دار دیا ہی آقا کا قرض دار۔ ہم نے حضرت زید بن ثابت کے قول کو اختیار کیا کیونکہ اس کی بناء مرفوع حدیث پر ہے۔

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کسی کے مکاتب کے پاس اگر بقدر ادائے معاوضہ رقم ہو تو اس کو پھر اس مکاتب سے پردہ کرنا چاہئے۔

مسئلہ :- مکاتب اگر ایک قسط مقرر وقت پر ادا نہ کر سکے تو حاکم اس کے معاملے پر غور کرے اگر مکاتب کا کسی پر قرض ہو جس کے وصول ہونے کی قریبی امید ہو یا مال ملنے کا کوئی اور راستہ ہو تو تین روز کی اس کو مہلت دے دے اس سے زیادہ مہلت نہ دے۔ اور اگر مال آنے کی اس کے پاس کوئی سبب نہ ہو اور آقا ﷺ کتابت کرنا چاہتا ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک فتح کتابت کی ڈگری دے دے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، جب تک دو قسطیں غلام پر نہ چڑھ جائیں حاکم غلام کو ادا سے عاجز نہ قرار دے اور فتح کتابت کی ڈگری آقا کو نہ دے، آقا کو خود یہ اختیار نہیں کہ غلام کو عاجز عن الاداء قرار دے لے۔ حاکم کی ڈگری اور غلام کی رضامندی ضروری ہے۔

مسئلہ :- اگر مکاتب کو کہیں سے زکوٰۃ کا مال مل گیا اور اس نے بدل کتابت میں آقا کو دے دیا لیکن اس سے پوری رقم ادا نہ ہو سکی اور حاکم نے غلام کے عاجز عن الاداء ہونے کا فیصلہ کر دیا تو وصول شدہ زکوٰۃ کا مال آقا کے لئے حلال ہے۔ خواہ آقا مالدار ہو یا ہاشمی ہو (جس کے لئے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہوتا) کیونکہ اس صورت میں ملکیت کی حیثیت مختلف ہو جائے گی، غلام کے لئے تو وہ مال زکوٰۃ ہی ہو گا اور آقا کو معاوضہ کتابت میں ملا ہو گا۔

حضرت عائشہ کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، ام المومنین نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، ہانڈی چڑھی ہوئی تھی اس میں گوشت جوش کے ساتھ پک رہا تھا آپ ﷺ کی خدمت میں روٹی اور گھر کا معمولی سا لپٹا پیش کیا گیا، فرمایا، کیا ہانڈی میں گوشت نہیں ہے۔ حاضرین نے عرض کیا گوشت ضرور ہے لیکن وہ صدقہ کا گوشت ہے جو بریرہ کو دیا گیا تھا اور آپ ﷺ صدقہ کی چیز نہیں کھاتے ہیں فرمایا، وہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے تو ہدیہ ہے (ملک بدل گئی اور حیثیت ملک میں بھی تغیر آگیا) متفق علیہ۔ ہاں اگر (مکاتب) غلام نے وہ مال جو اس کو زکوٰۃ کا ملا ہے کسی مال دار یا ہاشمی کو کھانے کی صورت میں اجازت دے دی تو چونکہ ملک نہیں بدلی اور غلام ہی کی ملکیت باقی ہے اس لئے غنی اور ہاشمی کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں۔ جیسے کسی شخص نے بعد فاسد کوئی چیز خریدی اور کسی دوسرے شخص کو اجازت دے دی کہ تم اس کو کھا سکتے ہو تو اس کہنے سے وہ چیز اس دوسرے شخص کے لئے حلال نہیں ہو جائے گی۔ البتہ اگر (بہرہ کر دے یا دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دے یعنی) اپنی ملکیت سے خارج کر دے تو دوسرے شخص کے لئے وہ چیز جائز ہو جائے گی۔

مسئلہ :- مقررہ معاوضہ ادا کرنے سے پہلے اگر مکاتب مر جائے تو امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک غلامی کی حالت میں مرے گا عقد کتابت ختم ہو جائے گا، خواہ اس نے کچھ مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو جیسے بیع مشتری کے قبضہ میں پہنچنے سے پہلے بائع کے قبضہ میں ہی اگر تلف ہو جائے تو عقد بیع صحیح ہو جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، عمر بن عبد العزیز اور قتادہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری، عطاء طاؤس، حسن بصری اور غمی کا قول ہے کہ اگر مکاتب کا اتنا کہ ہو جو معاوضہ کتابت ادا کرنے کے قابل ہو تو وہ مال بطور معاوضہ آقا کو دے دیا جائے گا اور غلام کو آزادی کی حالت میں وفات یافتہ قرار دیا جائے گا اور اگر ادائے معاوضہ سے زائد مال باقی ہو گا تو اس کے آزادواروں کو حسب میراث شرعی دے دیا جائے گا۔

اِنَّ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۙ

اگر تم کو ان غلاموں باندیوں کے اندر کوئی خیر (بھلائی) محسوس ہو۔

حضرت ابن عمر، امام مالک اور سفیان ثوری کے نزدیک خیر سے مراد ہے کمائی کی قوت، حسن، ضحاک اور مجاہد نے کہا

مراد ہے وصیت کے سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے ان ترک خیرا اگر اس نے مال چھوڑا ہو..... روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان کے کسی غلام نے آپ سے مکاتب بنا دینے کی درخواست کی حضرت سلمان نے فرمایا، کیا تیرے پاس مال ہے۔ غلام نے کہا نہیں، حضرت سلمان نے اس کو مکاتب نہیں بنایا اور فرمایا تو مجھے لوگوں کا میل کچیل (صدقہ، خیرات، کمال) کھلائے گا۔ مجاہد وغیرہ کی تشریح غلط ہے، غلام کے پاس اپنا مال ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں، غلام جب تک غلام ہے وہ اور اس کے پاس جو کچھ ہے سب آقا کا ہے اور ادائیگی معاوضہ مالک مال ہونے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

زجاج نے کہا اگر خیر سے مال مراد ہوتا تو فیہم نہ ہوتا لہم ہوتا (نی ظرفیت کے لئے، اور لام تملیک کے لئے آتا ہے۔ آدمی مال کا ظرف نہیں ہوتا مالک ہوتا ہے۔ مترجم)

ابراہیم بن زید اور عبید نے خیرا کا ترجمہ کیا صدقہ اور امانت۔ اور حسب نقل بیہقی حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا سچائی اور وفائے عہد۔ امام شافعی نے فرمایا، خیر کا سب سے اچھا معنی ہے کمائی اور امانت۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے خیر سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو ضرر نہیں پہنچائے گا اور اگر غلام کافر ہو، مسلمانوں کو اس سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ کافروں کا مددگار ہو رہا ہو تو ایسے غلام کو مکاتب بنانا مکروہ ہے لیکن اگر کر دیا تو کتابت ناجائز نہیں ہے۔ ایک روایت میں عبیدہ کا قول آیا ہے کہ اس آیت میں خیر سے مراد ہے اقامت صلوٰۃ۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ خیر سے مراد ہے عاقل، بالغ ہونا۔ بچہ لور دیوانہ اہل کتابت نہیں۔

میں کتا ہوں، اللہ نے پہلے فرمایا وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ اس کے بعد مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ طلب مکاتب بغیر عقل کے معتبر نہیں۔ معلوم ہو کہ مکاتب اسی غلام کو بنانے کا حکم ہے جو طلب کتابت کا اہل ہو یعنی دیوانہ نہ ہو۔ اب اگر خیر سے مراد بھی عقل ہو تو یہ شرط بے فائدہ ہوگی۔ رہا مکاتب کا بالغ ہونا تو یہ شرط ناقابل تسلیم ہے اگر ہوشیار سمجھ دار لڑکا ہو تو وہ (خرید فروخت کی طرح) عقد کتابت کا اہل ہے مکاتب بنائے جانے کی درخواست کر سکتا ہے۔

مسئلہ :- جو غلام نکما ہو کمائی نہ کرتا ہو اس کو بھی مکاتب بنانا، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بلا کراہیت درست ہے۔ امام احمد کا دوسرا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ چونکہ آیت مذکورہ میں خیر سے مراد ہے کمائی کی قدرت اس لئے جو غلام کمائی کے قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنانا مکروہ ہے۔ میرے نزدیک یہ استدلال غلط ہے، اگر فرض کر لیا جائے کہ خیر سے مراد کمائی کی قدرت ہے پھر بھی شرط کے مفقود ہونے کی صورت میں کتابت کیسے مکروہ ہو جائے گی (زائد سے زائد یہ مکاتب بنانا واجب یا مستحب نہیں رہے گا) کیونکہ بغیر کمائی کے غلام کو زکوٰۃ، صدقات کمال بھی مل سکتا ہے۔

مسئلہ :- جو باندی ہنرمند اور کمائی کے قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنانا بائنا اتفاق ائمہ مکروہ ہے کیونکہ بے ہنری کے باعث باندی کے لئے زر کتابت حاصل کرنا بغیر زنا کے عام طور پر ممکن نہیں، پس بہت ممکن ہے کہ وہ آزاد ہونے کے لئے زنا کی مرتکب ہو جائے۔

وَأَنْتُمْ مِّنْ مَّنِ الْإِنْسَانِ الْأَشْكُفِّ

اور اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا

کچھ مال ان کو (بطور امداد) دیا کرو۔

یہ خطاب عام لوگوں کو سب کو غلاموں کی آزادی میں مدد کرنے کی ترغیب دی ہے خواہ زکوٰۃ کے مال سے ہو یا عام خیرات اور غیر واجب صدقات سے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک فرض زکوٰۃ کا وہ حصہ مراد ہے جو آیت فی الرقاب میں اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ حسن بصری اور زید بن اسلم کا یہی قول ہے لیکن اس آیت میں لفظ عام ہے زکوٰۃ کے ساتھ حکم کو مخصوص قرار دینا تقاضا امر کے خلاف ہے۔ کیونکہ غلاموں کی آزادی کے لئے زکوٰۃ کا ایک حصہ دینا تو فرض ہے اور اس جگہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ مکاتب بنانے کا حکم ہی وجوبی نہیں استحبابی ہے۔ بعض اہل علم نے کہا خطاب آقاؤں کو ہے آقاؤں کے لئے مستحب اور بقول بعض واجب ہے کہ بدل کتابت کا کچھ حصہ مکاتب کو خود چھوڑ دیں۔

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور تابعین و صحابہ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ امام شافعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

کتنا حصہ چھوڑ دے، یہ بحث اختلافی ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا جو معاوضہ مقرر ہو اس کا ایک چوتھائی معاف کر دے۔ عبد الرزاق، سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ اور بیہقی نے ابن عبد الرحمن سلمیٰ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ بعض نے حضرت علیؓ کی روایت سے اس کو مرفوع (فرمان رسول اللہ ﷺ) بھی قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ ایک تمائی چھوڑ دے۔ بعض نے کہا کوئی مقدار مقرر نہیں جتنا چاہے معاف کر دے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ نافع کا بیان ہے حضرت عبد اللہ بن عمر نے اپنے ایک غلام کو ۳۵ ہزار درہم معاوضہ مقرر کر کے مکاتب بنایا اور (جب ۳۰ ہزار ادا ہو چکے تو) آخر میں ۵ ہزار معاف کر دیئے۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عمر جب کسی غلام کو مکاتب بناتے تو آخر میں جو کچھ معاف کرنا ہو تا معاف کر دیتے تھے شروع میں (پہلی دوسری یا اس سے کم و بیش رقم) معاف نہیں کرتے تھے آپ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ اگر یہ غلام بدل کتابت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے پھر غلامی میں حسب سابق آگیا تو معاوضہ کتابت کا جو حصہ وہ معاف کر چکے ہوں گے وہ پھر ان کی ملک میں آجائے گا (کیونکہ غلام تو پورا کا پورا اغلامی میں واپس آجائے گا اور غلام کا جو معاوضہ قرار پایا تھا مثلاً پانچ ہزار اور اس میں سے ایک ہزار معاف کر دیا تھا تو گویا ۱۱۵ حصہ غلام کا ملکیت سے خارج کر دیا تھا پھر جب غلام واپس ملکیت کی طرف آگیا تو ۱۱۵ حصہ جو معاف کر دیا تھا وہ بھی واپس آگیا) آخری ادائیگی کے وقت آپ کو حسب منشا معاف کر دینا زیادہ مرغوب تھا۔

میں کہتا ہوں معاف کر دینے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ غلام کو کچھ دیا گیا بلکہ معافی کا مطلب ہے اصل معاوضہ میں سے کچھ حصہ ساقط کر دینا، گردینا، اسقاط میں تملیک نہیں ہوتی تملیک کچھ دینے میں ہوتی ہے اسی لئے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ آقا پر واجب نہیں ہے کہ طے شدہ معاوضہ کا کوئی حصہ معاف کر دے کیونکہ بیع کی طرح عقد کتابت بھی عقد معاوضہ ہے اور کسی عقد معاوضہ میں معاوضہ کا وجوب کیسے ہو سکتا ہے۔ عقد کتابت سے غلام پر مقررہ معاوضہ کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اب اگر اسی عقد معاوضہ میں آقا پر کچھ معاوضہ کا معاف کرنا بھی واجب قرار دیا جائے گا تو عقد کتابت وجوب معاوضہ کا بھی سبب قرار پائے گا اور اسقاط معاوضہ کے وجوب کا بھی۔ ایسی معافی سے فائدہ ہی کیا ہوا آسان بات تو یہ تھی کہ جب غلام کے عوض ایک ہزار روپیہ لیتا ہی تھا تو تیرہ سو یہ عقد کتابت کرتا تین سو بطور وجوب ساقط کر دیتا ایک ہزار وصول کر لیتا۔

اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔

وَلَا تَكْرَهُوا فِتْنَتَكُمْ عَلَى الْبِعَاءِ

مسلم نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول اپنی باندی سے زنا کی کمانی کراتا تھا، یہ بھی مسلم کی روایت ہے عبد اللہ بن ابی کی دو باندیاں تھیں ایک کا نام مسیحہ اور دوسری کا نام امیمہ تھا عبد اللہ دونوں سے زنا کی کمانی کراتا چاہتا تھا، دونوں باندیوں نے خدمت گرامی میں اس کی شکایت کی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

حاکم نے بطریق ابوالزبیر حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسیحہ کسی انصاری کی باندی تھی اس نے شکایت کی تھی کہ میرا آقا مجھے زنا کی کمانی کرنے پر مجبور کرتا ہے اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بزار اور طبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی ایک جاہلیہ (باندی) تھی جو دور جاہلیت میں زنا کرتی تھی پھر جب اسلام میں زنا کی حرمت کر دی گئی تو اس باندی نے قسم کھالی کہ آئندہ میں زنا نہیں کروں گی۔ اس کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے اس روایت میں اس باندی کا نام معاذہ بتلایا گیا ہے۔ سعید بن منصور نے حضرت عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی دو باندیاں تھیں مسیحہ اور معاذہ۔ عبد اللہ دونوں سے زنا کی کمانی کراتا تھا آخر دور اسلامی میں ایک نے کہا اگر یہ فعل اچھا تھا تو میں اس کو بہت کر چکی اور اگر اچھا نہ تھا تو اب اس کو ترک کر دینا ہی مناسب ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

بقوی نے لکھا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک باندی عبد اللہ کے پاس زنا کی کمائی میں ایک چادر لے کر آئی اور دوسری ایک دینار لائی۔ عبد اللہ نے دونوں سے کہا جاؤ ابھی کچھ اور کمائی کر کے لاؤ باندیوں نے کہا خدا کی قسم اب تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اسلام آچکا ہے۔ اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے (جب عبد اللہ نے مجبور کیا تو) دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنا دکھ بیان کیا اور یہ آیت اتری۔ ثعلبی نے حسب بیان مقاتل کہا کہ عبد اللہ کے پاس اس کام کے لئے چھ باندیاں تھیں۔ اور ان کے بارے میں آیت وَلَا تُكْرَهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَيَّ الْبَغَاءُ نازل ہوئی۔

إِنْ أَرَدْنَ مَحْضَنًا
جب وہ پاک دامن رہنا چاہیں۔

بیضاوی نے لکھا، اس جملہ میں ان شرطیہ اکراہ کی قید نہیں ہے (یعنی قید احترازی نہیں ہے) کیونکہ مرضی کے خلاف ہونے کی صورت میں ہی جبر اور اکراہ کا تحقق ہوتا ہے (اکراہ نام ہی مرضی کے خلاف کرانے کا ہے) نہ یہ عدم اکراہ کی قید ہے کیونکہ (بر قول شافعیہ مفہوم مخالف یہ ہو گا کہ اگر وہ پاک دامن... رہتا نہ چاہیں تو اکراہ جائز ہے اور یہ مطلب غلط ہے کیونکہ) نہی کا عدم معنی عنہ کے عدم کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے یعنی پاکدامنی کا ارادہ نہ ہو تو اکراہ بھی نہیں ہو تا بلکہ بخوشی زنا کا تحقق ہوتا ہے..... میں کہتا ہوں اس جگہ ان (شرطیہ شیعہ) اذا ظرفیہ کے معنی ہے شرطیہ نہیں ہے سبب نزول کے یہی مطابق ہے (باندیوں نے پاکدامن رہنے کا ارادہ کیا ہی تھا) واقعہ کو بصورت شک اس لئے ظاہر کیا کہ (اگرچہ اس موقع پر باندیوں نے پاک دامن رہنے کا ارادہ کیا تھا لیکن) باندیوں کی طرف سے پاکدامنی کی خواہش شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اس میں آقاؤں کو زجر اور تشنیع بھی ہے کہ وہ باندیاں جو ضعیف العقول ہوتی ہیں اور نفسانی خواہشات کا ان پر غلبہ بھی ہوتا ہے، جب انہوں نے پاکدامن رہنے کا ارادہ کر لیا تو تم کیسے غیر تمند مرد ہو کہ ان کو زنا پر مجبور کرتے ہو ایسا نہ کر دو تم مرد ہو غیر تمند ہو تم کو یہ دیوٹی نہ کرنی چاہئے۔

حسین اور فضیل نے کہا کلام میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہو امیں پاکدامن رہنا چاہیں تو ان کا نکاح کر دو اور اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔

لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
کچھ دنیوی سامان کی طلب میں (باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو) یعنی تم ان کی کمائی چاہتے ہو اور ان کی اولاد کو فروخت کر کے مال حاصل کرنے کے خواہشمند ہو (اس لئے تم ان کو زنا کرنے پر مجبور کرتے ہو ایسا نہ کرو)۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اٰكْرِهِنَّ عَفْوٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾
اور جو ان کو زنا پر مجبور کرے گا تو گناہ مجبور کرنے والے پر ہو گا اللہ ان کو معاف کر دینے والا بڑا مہربان ہے (جبر یہ زنا کے بعد اللہ ان کو معاف فرمادے گا) حسن جب یہ آیت پڑھتے تھے تو آخر میں کہتے تھے لہن واللہ لہن یعنی بخدا اللہ ان باندیوں کو معاف کر دے گا۔ اس مطلب پر من بکر ہمن مبتدا ہو گا اور خبر محذوف ہو گی بعد والے جملہ میں چونکہ رابطہ کوئی ضمیر نہیں ہے اس لئے بعد والا جملہ خبر نہیں ہو سکتا، مطلب اس طرح ہو گا کہ جو جبر کرے گا اس پر باندیوں کے زنا کرنے کا عذاب ہو گا باندیوں کو تو اس جبر کے بعد اللہ معاف کر دے گا۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جبر کرنے والوں کو اللہ معاف کر دے گا بشرطیکہ وہ آئندہ کے لئے توبہ کر لیں لیکن یہ مطلب رفتار کلام اور غرض کلام کے خلاف ہو گا۔ کیونکہ کلام کا نشانہ تو جبر کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنانا ہے امیدوار مغفرت بنانا مقصود نہیں ہے پھر عبد اللہ بن ابی کے حق میں آیت کا نزول ہوا ہے اور وہ منافق تھا اور منافق کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے اِسْتَعْفَرْتُ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ (آپ ان کے لئے معافی کے طلبگار ہوں یا نہ ہوں دونوں باتیں برابر ہیں اللہ ہر گز ان کو معاف نہیں کرے گا، ایسے موقع پر تلقین توبہ کرنا اور امیدوار رحمت بنانا مناسب نہیں۔

ایک شبہ :- جس باندی کو زنا پر مجبور کیا گیا تو جب وہ گناہ گار ہی نہیں ہے پھر مغفرت کی کیا ضرورت۔
جواب :- اکراہ کے بعد ذمہ داری اور عقل کا فقدان نہیں ہو جاتا، اس لئے اہلیت فعل ساقط نہیں ہوتی اور مکروہ (جس

پر جبر کیا گیا ہے) مخاطب ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو کسی کے قتل کرنے پر یا جس مرد کو زنا کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اس کے لئے قتل کر دینا یا زنا کرنا حرام ہے امام زفر کی نزدیک تو ایسا قتل موجب قصاص ہے، امام ابو حنیفہ موجب قصاص نہیں مانتے (یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے) ہاں اللہ نے بعض صورتوں میں مجبور کردہ شخص سے گناہ اٹھایا ہے اور بعض مواقع پر امر حرام کی اجازت بھی دے دی ہے جیسے کسی جابر کے جبر کرنے سے کلمہ کفر زبان سے کہہ دینا۔ بشرطیکہ دل میں ایمان قائم ہو یا نماز روزہ توڑ دینا، احرام حج کھول دینا کسی کا مال تباہ کر دینا وغیرہ۔ یہ سب صورتیں اس وقت رخصت کے تحت آئیں گی جب اگر وہ کامل ہو۔ ان صورتوں میں گناہ گار نہ قرار دینا تو رحمت و مغفرت کی نشانی ہے دیکھو اللہ نے فرمایا ہے فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ جو شخص مضطر مجبور ہو بشرطیکہ دل سے طلب گار نہ ہو اور حد سے تجاوز بھی نہ کرے تو اس پر گناہ گار نہ قرار دینا تو رحمت و مغفرت کی نشانی اور نتیجہ ہے یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبد اللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ایسی آیات جو احکام و حدود کو کھول کر بیان کرنے والی ہیں۔ یا (باب تفہیل بمعنی تفہیل ہے) یہ مطلب ہے کہ کھلی کھلی واضح آیت ہم نے نازل کیں جن کی تصدیق گزشتہ آسمانی کتابوں سے بھی ہوتی ہے اور سالم عقلمیں بھی ان کو مانتی ہیں۔

وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسف، مریم وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہ کا بھی بیان کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گزشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دردغ بندی، تمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہو اور ہی تمہارا ہوگا۔

وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ اور (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کی باتیں کیونکہ خدا سے ڈرنے والے ہی اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں (اس لئے یہ آیات انہی کے لئے حقیقت میں نصیحت ہیں۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک آیات سے مراد پورا قرآن ہے اور مذکورہ تینوں صفات قرآن ہی کی ہیں۔

الحمد لله سورة نور کے چوتھے رکوع کا ترجمہ

۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء مطابق ۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ کو تمام ہوا۔

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے اور اک کرتی ہے پھر اس کے ذریعہ سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذات باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارض مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں (۱) مضاف کو

مخدوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے۔ (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہو نا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں زید، عدل یا اعلیٰ ترین کریم کو کرم کہہ لیتے ہیں۔ (۳) یا مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی اللہ زمینوں اور آسمانوں کو چاند سورج اور ستاروں سے اور انبیاء، ملائکہ اور مومنوں سے روشن کرنے والا ہے۔ کذا قال الضحاک۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کو درختوں اور ہری بھری گھاس سے نورانی کر دینے والا بھی اللہ ہے۔

بعض نے کہا اللہ نور ہے یعنی تمام انوار اسی کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص ہمارے لئے رحمت ہے یعنی ہم کو جو رحمت حاصل ہوئی ہے وہ اسی سے حاصل ہوئی ہے۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔ جب کسی رات کو عبد اللہ مرد سے چلا جاتا ہے تو مرد کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصل ظہور وجود ہستی ہے جس طرح اصل خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السموات سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ (توت بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اور اک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہر حال اعلیٰ ترین مدبر ہے آنکھ اپنا اور اک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی اور اک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا اور اک بھی اسی پر موقوف ہے یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذات خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا اور اک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضان اور اک ہوتا ہے کبھی بلا واسطہ اور کبھی ملائکہ و انبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ ملائکہ بھی نور ہیں انبیاء بھی نور ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ نور ہے اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کے اس تفسیری قول سے ہوتی ہے جو بغوی نے نقل کیا ہے کہ اللہ نور السموات والارض کا معنی یہ ہے کہ اللہ اہل آسمان و زمین کا ہادی (راہنما) ہے۔ اسی کی رہنمائی سے سب حق کی طرف چل رہے ہیں اور گمراہی سے، حیرت سے نجات پا رہے ہیں۔ نور کی اضافت بتا رہی ہے کہ اس کا جلوہ سب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے پایا ہے کہ اس کی اندر تمام حسی اور عقل نور سمائے ہوئے ہیں۔

مثلاً نوراً کا اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پر تو اندازی کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات و صفات کی طرف راستہ پاتا ہے، عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقل بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا ہے، فہو علی نور من ربہ۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مثل نوره فی قلب المومن۔ بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت و صفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جمادیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

جیسے ایک طاقتی جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوٰۃ طاقتی جس میں آریار سوراخ نہ

گمشکوٰۃ فیہا مصباح

ہو اگر آریار سوراخ ہو تو اس کو کوہ (روشن دان کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مکھوۃ جشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مکھوۃ کا ترجمہ قذیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قذیل کی طرح جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

الْمَصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ
چراغ شیشہ کے فانوس میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجہ ذکر کیا۔

الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔
دری میں یا سستی ہے۔ در موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرف۔

ایک شبہ
تارے کی چمک اور روشنی تو موتی سے زیادہ ہوتی ہے پھر موتی سے تارے کو تشبیہ دینے کا کیا معنی (وصف مشبہ تو مشبہ بہ میں زیادہ ہونا چاہیے اور اس جگہ مشبہ میں زائد ہے)۔

ازالہ

مطلب یہ ہے کہ وہ تار تمام تاروں سے زیادہ چمکیلا اور پُر نور ہے۔ جیسے موتی کا دانہ تمام دانوں سے زیادہ صاف اور چمکدار ہوتا ہے۔

بعض نے کہا پانچ ستارے جو سب سے بڑے ہیں یعنی زحل و مریخ، مشتری، زہرہ، عطارد ان میں سے کسی ایک ستارے کو کوكب دری کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں شاید زہرہ کو کہتے ہیں زہرہ کی چمک دمک اور روشنی دوسرے ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایک شبہ

دوسرے ستاروں سے تشبیہ دی۔ چاند سورج سے تشبیہ کیوں نہ دی ان دونوں کی چمک اور روشنی تو دوسرے ستاروں سے زیادہ ہے۔

ازالہ

چاند سورج کو کبھی گرہن لگ جاتا ہے دوسرے ستارے گرہن میں نہیں آتے۔ میں کہتا ہوں چراغ کو سورج سے تشبیہ دی جاتی ہے، اللہ نے فرمایا فَجَعَلْنَا الشَّمْسُ سِرَاجًا اسی لئے زجاجہ کو تارے سے تشبیہ دی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فانوس کی روشنی چراغ سے کم ہے۔ اگر سورج سے تشبیہ دی جاتی تو مضمون الٹ جاتا اور فانوس کی چمک چراغ سے زیادہ ہونا سمجھا جاتا اور یہ بات مقصود کے خلاف ہو جاتی۔

ثُبُوقًا مِّنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ
وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

زیتون کا درخت بڑا با برکت درخت ہوتا ہے اس سے گونا گوں فوائد حاصل ہوتے ہیں اس کا تیل چراغوں میں بھی جلایا جاتا ہے اور نہایت نفیس مفید روشنی دیتا ہے یہ بطور سالن بھی کام میں آتا ہے اور ایک قسم کی خاص لذت بھی اپنے اندر رکھتا ہے کمال یہ ہے کہ درخت سے تیل نکالنے کے لئے کسی کو لھو کی ضرورت نہیں ہر شخص باسانی خود نکال سکتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہوتا ہے۔ چوٹی سے جڑ تک اس کے درختوں میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ و احمد و الترمذی و الحاكم۔ عن ابی اسید و رواہ ابن ماجہ و الحاكم عن ابی ہریرہ۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا

ہے۔

ابو نعیم نے الطب میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لا شَرْقِيَّةَ وَلَا غَرْبِيَّةَ
 چونہ شرقی ہونہ غربی۔ سدی اور ایک جماعت علماء کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نہ ایسے مقام میں ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو اور اس کو جلا ڈالے نہ ایسی پوشیدہ جگہ میں ہے کہ سورج ہمیشہ اس سے غائب رہے۔ کبھی اس پر دھوپ نہ پڑے اور اس کے نتیجے میں وہ کپارہ جائے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ وہ نہ مشرق میں اس طرح واقع ہے کہ صرف طلوع کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو غروب کے وقت بالکل نہ پڑتی ہو۔ نہ غرب میں اس طرح واقع ہے کہ صرف غروب کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو طلوع کے وقت نہ پڑتی ہو بلکہ وہ پہاڑ کی چوٹی یا کھلے وسیع میدان میں واقع ہے کہ ہر وقت اس پر دھوپ پڑتی ہے اسی وجہ سے اس کے پھل نہایت پختہ اور تیل بہت صاف ہوتا ہے۔

بغوی نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب کہتے ہیں وہ نہ کالا ہے نہ گورا، نہ بیٹھانہ کھٹا یعنی بالکل خالص سفید بھی نہیں ہے نہ بالکل سیاہ ہے بلکہ درمیانی رنگ اور معتدل مزہ رکھتا ہے، بروایت عکرمہ یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے، کلبی اور اکثر اہل تفسیر نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

حسن نے کہا ایسا کوئی درخت دنیا میں نہیں جو نہ شرقی ہو نہ غربی اللہ نے اپنے نور کی تشبیہ ایسے درخت زیتون سے دی ہے جو مغرب میں بھی نہ ہو اور مشرق میں بھی نہ ہو (یعنی اللہ کا نور نہ مغرب کے لئے خاص ہے نہ مشرق کے لئے) میں کہتا ہوں اس قول پر شاید درخت زیتون سے مراد جنت کا شجرہ زیتون ہو جس سے اللہ نے اپنے نور کو تشبیہ دی ہے۔

عِكَادُ زَيْتُهَا بِيضِيَّةٌ وَكَوْلُهَا تَمَسُّسَةٌ نَارًا
 اس کا تیل اتنا چمکیلا اور روشن ہے کہ قریب ہے وہ خود بغیر آگ کو مس کرنے کے روشن ہو جائے۔ اس آیت میں روغن زیتون کی صفائی اور چمک کا پر زور اظہار ہے۔

نُورٌ عَلَى نُورٍ
 نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہر نور ہے۔ بلکہ چند در چند نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقتور کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سورج اور آریار راستہ نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس تمثیل کی تشریح میں اہل علم کے اقوال مختلف ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نور محمد کی تمثیل ہے، حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے فرمایا تھا، آیت مثل نورہ کمشکوٰۃ کے معنی کی تشریح کرو۔ کعب احبار نے کہا اللہ نے اس آیت میں اپنے نبی کی حالت بطور تمثیل بیان کی ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور شیشہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت۔ اور عِكَادُ زَيْتُهَا بِيضِيَّةٌ کا یہ مطلب ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور لوگوں کے سامنے آپ کا نبی ہونا خود آجاتا۔

کعب احبار کی تشریح میری نظر میں نہایت لطیف ہے واقعی نور محمدی کی یہی حالت تھی بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کے کچھ احوال ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں جو اس موضوع پر روشنی ڈالنے والے ہیں۔

فصل :- خلاصہ السیر کے مؤلف نے رسول اللہ ﷺ کے ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو بعثت سے پہلے ذات مبارک سے ظہور پذیر ہوتے تھے ہم ان کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصری علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھلایا، حافظ ابن

حجر نے لکھا ہے کہ جو نبی رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

ابو نعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتے نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہو گئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

بیہقی ابن ابی الدنیا اور ابن اسکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور سادات جمیل خشک ہو گئی۔

حضرت عائشہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کما لے کر وہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریاں کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی والدہ کے پاس پہنچے اور نو مولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب مسہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے پوچھا ارے ارے تجھے کیا ہو گیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔ موابہب لہ یزید میں عمیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ عمیصا مکہ والوں سے کتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے سارے عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہو گا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس بن عبد المطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سر بسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمیرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دبا اور میں نے خوب سیر ہو کر پراور شوہر نے بھی خوب پراور وہ رات بڑے چین سے گزری، محمد ﷺ کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی اذرا اٹھرتو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہو گئی تھی بار بار ان کو رکن پڑتا تھا۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ ﷺ نے کہا اللہ اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تاکہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں جنگل میں اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ کہیں مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیمانے کہا ماں! تجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی۔ جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی ان کے اوپر ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

شمال مجدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود سستی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کا رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آجاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آکر سایہ کر لیتی تھی اور جنگل جانور آپ کے پاس آکر آپ ﷺ کو چومتے تھے۔

خلاصہ السیر میں ہے کہ آپ کی اتانے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قرشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لپیٹے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا کیا واقعہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابو یعلیٰ، ابو نعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا، ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں، پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا (اور اس کو صاف کیا) یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بونی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو مجسم نور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوندا ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگادی مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا نور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خشکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی دستلی لکیر (خطابض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا نور آشکاف جڑ گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور ﷺ کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابو طالب حضور ﷺ کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کے

پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور ﷺ کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا کھلا بھیجی نہ تھا، فوراً دھرا دھرا سے بادل آگیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اسی واقعہ کی طرف ابو طالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے، "ان کارنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے۔ وہ تیسوں کی پناہ گاہ اور رائیوں کی عصمت بچانے والی ہیں۔"

خلاصہ السیر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بخیر راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آرہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابو طالب سے بھرانے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ ﷺ ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اور سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترتا۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوماد اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول بنی اسرائیلی ہاشمی عربی کی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہو اور گرمی سخت ہو گئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور ﷺ سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچ سو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترتا ہو۔ سہیلی کی توجیہ (ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ) لفظ قط کے خلاف ہے قط کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترتا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر ہے غیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترتا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) کو اللہ اعلم۔

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مشکوٰۃ سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور زجاجہ سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور شجرہ مبارک سے مراد ہیں حضرت ابراہیم اور شرقی غربی نہ ہونے سے مراد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور نوز علیؑ نور کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیمؑ کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ ﷺ کے دل کا نور۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا مشکوٰۃ حضرت ابراہیم تھے اور زجاجہ حضرت اسمعیل اور مصباح رسول اللہ ﷺ۔ آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سر اجامیر میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیم کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیم یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کے نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہونہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔ **يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيُّ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ** سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی آنے کے لئے تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے) نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدی ﷺ اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہو گیا، ابو العالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ **شجرۃ مبارک** سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو انصاف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ کو چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطر تہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بلاء نور ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے، حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا ہو۔ رواہ البخاری فی التاریخ بخسہ حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا علم آجاتا ہے تو اس کے اندر یقین و ہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ نور علی نور کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن لور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھنا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرمادی تھیں، پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ سے پایوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام و خیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں۔ پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جگمگاتا رہتا ہے) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ

علمی اور اکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش و معاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہے۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لاسکے۔

(۳) قوت عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرّد اور استنباط کر لیتی ہے۔

(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ اس کا کام دلائل

کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف

ہوتا ہے آیت وَلَکِن جَعَلْنَا نُورًا نَهْدٰی یَهْدِیْہُمْ مِّنْ نَّشَآءٍ مِّنْ عِبَادِنَا مِیْ قُوْتِ مِرَادِہٖ۔ آیت زیر تفسیر میں یہی پانچویں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا درشنان ہے جس کا رخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ کو جانتی ہے، اپنے پیچھے کا اس کو کچھ اور اک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بالذات نہیں۔

قوت خیالیہ، اس قدر بے یاسیشتے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوت عاقلہ، ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوت متفکرہ، ایک مبادک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے، یہ

درخت نہ غربی ہے نہ شرقی کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف شفاف ہے، بغیر سوچ بچد اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف و علوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوت عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی

قوت عقلیہ و علمیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبول علم کی اس میں صلاحیت و استعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسب صراحت ابہروی و شیخ ابن سینا قوت عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

اس مرتبہ سے ترقی کر کے قوت عقلیہ کا دوسرا درجہ آتا ہے کہ بدیعی علوم اس کو حاصل ہو جاتے ہیں، بغیر سوچ بچد اور فکر و نظر کے بعض چیزوں کا اس کو علم ہو جاتا ہے لیکن کسی نظری چیز کا علم بالفعل نہیں، ہاں صلاحیت (قریب یا بعیدہ) نظری علوم کو

حاصل کرنے کی موجود ہوتی ہے۔ احساس جزئیات سے حاصل شدہ بدیعی علوم کی تصویریں اس کے اندر موجود ہوتی ہیں اور ان بدیعی علوم کو ترتیب دے کر وہ نظری امور کا علم حاصل کر سکتی ہے گویا اس درجہ میں پہنچ کر وہ ایک جگمگاتا شیشہ ہوتی ہے اگر اس

درجہ میں پہنچ کر قوت عقلیہ فکر و اجتہاد کے ساتھ نظری علوم حاصل کرنا چاہتی ہے تو زیتون کے درخت کے مشابہ ہے اور اگر حدس کے ذریعہ سے تحصیل علم کرتی ہے تو روغن زیتون کی طرح ہے فکر کا معنی ہے مادی اور مقدمات کے ذریعہ سے نتائج کی

جانب قوت فکریہ کی حرکت اور حدس کا معنی ہے نتائج سے مبادک کی طرف بازگشت اور اگر تحصیل کا سرچشمہ قوت قدسیہ ہے تو اس کی حالت ایسی ہے جیسے اتنا صاف و شفاف روغن کہ بغیر آگ اور دیاسلانی کو مس کئے بھی گویا مشتعل ہو جائے گا (یعنی بہت ہی

قریب الاشتعال ہے) وحی اور الہام کا فرشتہ قوت عقلیہ کے لئے مرکز نور و اشتعال ہے قوت قدسیہ کا مرتبہ اتنا جلی اور نورانی ہوتا ہے کہ وحی و الہام کے ملائکہ سے اتصال و تعلق کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود اس میں اشتعال و نورانیت کا ظہور

ہو جائے گا، اس سے آگے بڑھ کر جب قوت عقلیہ کو علوم نظریہ حاصل ہو جاتے ہیں تو دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) علوم نظریہ عقل کے سامنے ہر وقت حاضر نہیں ہوتے لیکن عقل جب ان کو حاضر کرنا چاہتی ہے حاضر کر لیتی ہے، تصویریں موجود ہیں التفات نظر کی ضرورت ہے، جب چاہا اور التفات نظر سے کام لے کر حاضر کر لیا اس مرتبہ کو ہم مصباح سے تشبیہ دے سکتے ہیں (۲) لیکن اگر تصاویر ہر وقت عقل کے سامنے حاضر ہوں تو یہ نور بالائے نور ہو جاتا ہے (یاد رکھو کہ دوسرے درجہ کو اہل فلسفہ عقل بالمعنی اور تیسرے درجہ کو عقل بالفعل اور چوتھے درجہ کو عقل مستفاد کہتے ہیں یا تیسرے درجہ کو عقل مستفاد اور چوتھے درجہ کو عقل بالفعل کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کے کشف الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) اللہ نور السموات و الارض یعنی آسمان وزمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مثل نورہ۔ نور سے مراد ہے وجود۔ عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانہ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہ راست پیدا کی ہوئی تبرک او نغی) کہا جاتا ہے۔ یایوں کہا جائے کہ ماہیات ممکنات پر وجود خداوندی پر تو انداز اور سایہ افکن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطہ زمین آجاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

کمشکوۃ یعنی جیسے مشکوۃ (طاقیہ، چراغ دان) کی روشنی، مضاف محذوف ہے۔

فیہا مصباح یعنی مشکوۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوۃ پر نور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات و اسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

المصباح فی زجاجة یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادی تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پر تو اور ظل مبد تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفات کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائص کو بھی یعنی وہ اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفات سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جمالت نقیض علم ہے کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے ناپید ہونا پیدائے ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا بااختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائص کی تصویریں صفات سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہے ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیاء کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے۔ یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادی تعین ہوتے ہیں۔ یہی حقائق امکانیہ کی مربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جاسکتی ہے اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیات امکانیہ کے وجود و ظہور کو مشکوۃ قرار دیا جاسکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قارورہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ جگمگا جاتا ہے، پھر اس قارورہ اور شیشے کی جلوہ افکنی مشکوۃ پر ہوتی ہے اور مشکوۃ میں نورانیت اور چمک پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح فصات کا نور ظلال صفات کو منور کر دیتا ہے، صفات، ظلال پر تو انداز ہوتی ہیں اور ان کو روشن کر دیتی ہیں اور ظلال صفات کی عکس ریزی ماہیات امکانیہ پر ہوتی ہے اور ممکنات کو نور وجود حاصل ہو جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ مشکوۃ کا نور یعنی ممکنات کا وجود اور ظہور شیشہ سے یعنی ظلال صفات سے حاصل ہوتا ہے اور شیشہ کی نورانیت یعنی ظلال کی نور چینی اور نور پاشی اصل مصباح یعنی صفات کی پر تو اندازی کی ممنون کر م ہے۔

مسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نور اللہ کے چہرہ کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس کے چہرے کے چمکارے (شعائیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک

اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوار وجہ سے مراد ہیں صفات۔ بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نور وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں، اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء و اولیاء اپنی استعداد و صلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں، پس جس طرح ظلال، صفات سے براہ راست نور چمیں ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء بھی براہ راست صفات سے نور اندوز ہوتے ہیں اور چونکہ ان کے اصول میں شرک کوئی شائبہ نہیں ہوتا اس لئے وہ سرسستی طور پر گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

الزجاجۃ کا گناہ کو کب ڈرتی یعنی نور مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہوتا ہے کہ شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کہا خوب کہا ہے۔

رق الزجاج و رقت الخمر
فتشما بہا و تشاکل الامر
(شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں)۔

دکانما زجاج ولا خمر
نکانما خمر ولا زجاج
(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ ہمیں اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے) ظلال و صفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظر فریب میں مبتلا ہو گئے، ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افکن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اٹھے، لیس فی الکون الا اللہ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا، لیس فی جبتی سوی اللہ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا ملک سلیمان ولا بلقیس
ولا ادم فی الکون ولا ابلیس
شامل وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ آدم نہ ابلیس۔

یا من هو للقلوب مقناطیس
والکل صور وانت المعنی
اے وہ ذات جو دلوں کے اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو یہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں مور تیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔
يُوَقَّدُ بَيْنَ شَجَرَةٍ سَبَّارَكَةَ زَيْتُونَةٍ یعنی وہ چراغ زیتون کے برکت والے درخت کے تیل سے روشن ہے۔
خاص ہدایت :- اللہ کی صفات کا خارج میں وجود و ظہور اللہ کی ذات سے وابستہ ہے اس لئے صفات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن ہیں اور ذات خداوندی کی وجہ سے واجب (یعنی صفات فی نفسہا ممکن ہیں ممکن بالذات ہیں اور واجب بالذات)۔ پس صفات امکانی و ذاتی لحاظ سے انبیاء اور ملائکہ کے تعین کا مبداء ہیں اور وجود کے لحاظ سے قدیم ہیں کیونکہ ان کا قدم ذات خداوندی سے مستفاد ہے (اور ذات خداوندی قدیم ہے اس لئے صفات بھی قدیم ہیں جیسے صفات میں امکان ذاتی ہے اور وجوب بالذات اس طرح ان میں قدم بھی بالذات ہے۔ مترجم) پس ذات خداوندی زیتون کے باہر برکت درخت کے مشابہ ہے جو نہ شرفی ہے نہ غربی (اس کی کوئی جہت خاص نہیں وہ ہر جہتی ہے) اور صفات مثل چراغ کے ہیں ذات سے (حسب المفہوم) زائد ہیں۔ قرآن اور اقوال رسول اللہ ﷺ سے یہی مستفاد ہے اور اسی پر اجماع اہل سنت ہے۔
ابو الحسن اشعری کا خیال ہے کہ صفات نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات یعنی ذات سے (حسب المفہوم) زائد ہیں اس لئے

عین ذات نہیں اور ذات سے (حسب الوجود) جدا نہیں ہیں اس لئے غیر ذات بھی نہیں ہیں فلاسفہ اور معتزلہ وجود صفات کے منکر ہیں (یعنی ذات سے زائد نہیں مانتے بلکہ ذات کو عین صفات کہتے ہیں کہ اگر ذات خداوندی کوئی نفسہا صفات سے الگ مانا جائے گا اور صفات کو ذات سے الگ قرار دیا جائے گا تو ترتب آثار کے لئے ذات کو صفات کا محتاج ماننا پڑے گا (کیونکہ متعدد صفات کی وجہ سے ہی مختلف آثار کا ذات سے ظہور ہو گا تھا مجرد عن الصفات ذات ظہور آثار کے لئے کافی نہیں ہو سکتی)۔ متکلمین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ذات کی احتیاج اپنی صفات کی طرف محال نہیں صفات سے الگ کسی اور چیز کی طرف ذات کی احتیاج ممنوع ہے۔

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہ ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تمايزات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہو گا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تمايزات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تمايزات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شان بصارت کہا جائے گا پس یہی شیون ذات، صفات کے اصول ہیں اور صفات، ظلال کے اصول ہیں۔ شان کہو یا اعتبار، بہر حال یہ اس روغن کے مشابہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت کے اندر ہوتا ہے۔ اس تقریر پر یکاد زیتھا یضیی ولولہم تمسسہ نار کے ساتھ تشبیہ کامل ہو گئی صفات نہ ہوں تب بھی شیون ذات پر آثار مرتب ہوتا یعنی ہے گو صفات چراغ کی آگ کی طرح ہیں اور زیت شیون ذات ہیں۔ نور علی نور یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے، جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیون ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یهدی اللہ لنورہ من یشاء یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

اس توجیہ پر اس آیت میں ایجاد اشیاء کی طرف اشارہ ہو گا وجود خارجی ظلی کے میدان میں پردہ عدم سے نکل کر آنا مراد ہو گا اور اس بات کا ثبوت ہو گا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورہ قاف کی آیت وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے اللہ نور السموات و الارض یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض و سماء اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قریب من المحسنین اور آیت اللہ وَلَمْ يَلْمِ الَّذِينَ آمَنُوا بِبِحُرْجَتِهِمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ میں در پردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام دلایت خاصہ ہے۔

مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفات الہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے اور صفات خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک باہرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو جس

شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفات الہیہ ذات الہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

المصباح فی زجاجہ الزجاجۃ کانہا کو کب دری اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفات الہیہ سے برتواندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر برتواندوز ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے، انبیاء کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں کا مبد تعین یہی ظلال صفات ہیں صفات نہیں ہیں عام اولیاء کی براہ راست ترقی اپنے اصول یعنی ظلال تک ہوئی ہے ظلال ہی کی وساطت سے وہ انوار صفات کی خوشہ چینی کرتے ہیں انہی انوار ظلال میں اولیاء کی فنا بقاء ہوتی ہے اسی وساطت سے ان کو تقرب الہی حاصل ہوتا ہے اور اس تقرب کا نام ولایت ہے لیکن یہ ولایت صغریٰ کہلاتی ہے، ہاں کچھ کامل ترین اولیاء ایسے بھی ہوتے ہیں کہ صاحب شریعت کے اتباع کی وجہ سے ان کو مقام صفات تک بلکہ مرتبہ شیون تک ترقی مل جاتی ہے اور یہی مقام ان کے لئے فنا و بقاء کا مقام ہوتا ہے، مرتبہ صفات کی دو حیثیتیں ہیں (۱) ظہور۔ (۲) بطون۔ ظہور حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات ولایت کبریٰ یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایت علیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، **مَلَأْنَا مِنْ الْأَوْلِيَاءِ** اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقیوں کے متعلق فرمایا، **وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ** صدیق مرتبہ صفات و شیون کے حجاج کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علی نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجہ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پر تو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد و الترمذی، مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مخلوق کو جمالت و گمراہی کے حال میں پیدا کیا۔ اس جمالت کا سرچشمہ عدم ذاتی ہے اس کے بعد اپنے اس نور کا کچھ حصہ اس پر ڈالا۔ یعنی ظلال میں جو نور صفات سے آتا ہے اس نور کا کچھ حصہ مخلوق پر ڈالا جس پر اس نور کا کچھ چمکارا پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا، نہ پڑا تو گمراہ ہو گیا۔ نور پڑنے اور پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذات گرامی کو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نور حکمت اور ایمان کو بھر دیا اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا اجن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمت عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے، تاکہ اپنا دل بھی بقدر نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گمراہ ہے جس نے صورت ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گمراہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقت ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نور ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر ادھر بھٹکتا رہا۔ یہ گمراہ اہل ضلالت کا ہے۔

حضرت ابو عبسہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ کے نور کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پیچھے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی۔ **وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ** اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے، تاکہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے، آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالم مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے

جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آجائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، لیکن یہ قرب (جسمانی نہیں، مادی نہیں) بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جاسکتا ہے نہ عقل نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے، نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم، حضوری ہو سکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف سے اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنا یہ بیان کیا گیا ہے اس حدیث قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعہ الذی یسمع بہ (میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علم وجدانی کے حصول کا براہ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالم مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو اتنا بت اور رجوع الی اللہ کے ذمے بر آگے بڑھاتا ہے اس کو اپنی ذات دائرہ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرہ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدود صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھودیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولہ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا سَتَرْنَاهُمْ بِمَثَابَتْهِمُ الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ هَمَّ ان كَوَانِ نَفْسِي اَوْرِ اَفَاقِي نَشَانِيَا دَكْهَاتِي هِي تَا كِه اِن كَو كَا مِل اِن كَشَاف هُو جَا ئِي كِه اَللّٰهُ هِي حَقُّ هِي (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت)

اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے۔)

فِي بَيِّنَاتٍ اذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرَفَعَهُ

یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت کہ اذِيزُ فَعِ اِبْرَاهِيْمَ الْقَوَا عِدْمِنَ الْبَيْتِ وَاسْمِعِيْلَ فِي بَيْتِهِمْ (جنت ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، یعنی بنا رہے تھے) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنا دے گا (متفق علیہ من حدیث عثمان)

۱۔ اگر کسی چیز کا علم اس چیز کے عکس اور صورت کے ذریعہ سے ہو تو اس کو علم حصولی کہتے ہیں علم حصولی میں مبداء انکشاف نفس شئی نہیں ہوتی نہ اصل شے قوت مدرک کے سامنے ہوتی ہے بلکہ اس چیز کی صورت نفس مدرک کے سامنے آتی ہے اور اس صورت کے ذریعہ سے اصل چیز کا علم ہو جاتا ہے۔ علم حضوری میں ذات شے قوت مدرک کے سامنے ہوتی ہے اور مبداء انکشاف ذات شے ہوتی ہے جیسے ہر شخص اپنے آپ کو بعلم حضوری جانتا ہے ایسا نہیں کہ اپنی ذات کی صورتوں میں لائے۔ پھر اس صورت کو اپنی ذات کو جاننے کا ذریعہ بنائے، یہ دونوں قسمیں ذہنی اور دماغی علم کی ہیں خواہ علم حسی حزنئی ہو یا کلی عقلی، لیکن حصول علم کا ایک تیسرا ذریعہ متکلمین اور صوفیاء کے نزدیک اور بھی ہے جس کو وجدان کہا جاتا ہے وجدان کا تعلق قلب سے ہوتا ہے کشف الہام اور وحی کا موقوف علیہ وجدان ہی ہے اس علم کا فیضان براہ راست قلب پر ہوتا ہے آپ اس کو ایک غیبی نوری چمک یا شراق قدسی کہہ سکتے ہیں۔ (مترجم)۔

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تَرْفَعَ كَامَطْلَبِ يَهْءُ كَه اللّٰهُ نَهْءُ حَكْمٌ دِيَا هَءُ كَه اس كَه گھر كِي تعظيم كِي جائے، یعنی اس ميں يه سو ده بري باتيں نہ كِي جائیں، آيت اَنْ طَهَّرَ اَبْنِيَّتِي ميں پاك ركنے سے مراد بھي يهي هے كَه اس ميں بري باتيں نہ كِي جائیں۔ بغوي نے بروايت صاح بن حبان بريده كا قول نقل كيا هے كَه يه صرف چار مسجدیں هیں جن كو پيغمبروں نے بنايا تھا كعبه كو حضرت ابراهيم و حضرت اسماعيل نے بنايا بيت المقدس كو حضرت داؤد حضرت سليمان نے بنايا مسجد مدينه اور مسجد قبا كو رسول اللّٰهُ صلعم نے بنايا مسجد قبا. وهي مسجد هے جس كِي بنياد اول دن سے هي تقويٰ پر ركهي گئي هئي۔

ميں كرتا هوں يه مسجدیں كو بڑي فضيلت ركھتي هیں ليكن انهي كو خاص طور پر مراد قرار دينے كِي كوئي دليل نهيں۔ ني بيوت كا تعلق گزشتہ عبارت سے هے يعني اللّٰهُ كَه نور كِي مثال ايسي هے جسے اللّٰهُ كَه گھروں ميں مشكوة كِي روشني ميرے نزديك يه تفسير كزور هے پچھلي عبارت ختم هونچكي اس ميں اللّٰهُ نے اپنے نور كو نور مشكوة سے تشبيه دي اور مشكوة كِي كچه صفتیں اور قيدين ذكر كر ديں جو نور كِي شدت اور قوت پر دلالت كر رهي هیں اور اس آيت سے نور كِي چمك ميں كوئي اضافہ نهيں هوجاتا اس لئے اس كا تعلق ما قبل سے نهيں هے يه شبه بھي بے بنياد هے كَه مسجدوں كِي قديليں زياده روشن اور چمكيلى هوتی ہیں سرمايه داروں كَه مكانوں كِي قديليں تو مساجد كِي قديلوں سے كهيں زياده چمكيلى اور روشن هوتی هیں۔

اس لئے زياده مناسب يه هے كَه ني بيوت كو يه دي اللّٰهُ لتوره سے وابستہ قرار ديا جائے اكثر هدايت الهيه مسجدوں كَه اندر اعتكاف كرنے والوں اور نماز ادا كرنے والوں كو حاصل هوتی هے اللّٰهُ كَه رسول ﷺ نے فرمايا نماز مومن كِي معراج هے۔ يه بھي ارشاد فرمايا بنده اپنے رب سے بهت زياده قريب سجده كِي حالت هوتا هے لہذا تم (سجده ميں) دعا بهت كيا كر رواه مسلم و ابوداؤد والتسائي عن ابي هريرهؓ

يہ بھي ممكن هے كَه ني بيوت كا تعلق امر محذوف سے هونے ليا اللّٰهُ كَه گھروں ميں اللّٰهُ كِي پاكي بيان كر و۔

وَيَذِكرُ فِيهَا اسْمُهُ ۝ اور اللّٰهُ نے يه بھي حکم ديا هے كَه ان كَه اندر اللّٰهُ كا نام ديا كيا جائے۔ نماز ميں هوي نماز سے باهر۔

حضرت ابن عباسؓ نے (ذکر اسم كِي تفسير كرتے هونے) فرمايا اللّٰهُ تعالیٰ كِي كتاب كِي تلاوت كِي جائے۔

يُسَبِّحُ كَذِ فِيهَا بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ ۝ صبح و شام ان مسجدوں ميں اللّٰهُ كِي پاكي بيان كرتے هیں كچه لوگ۔

اهل تفسير نے لكھا هے كَه صبح شام كِي تسبيح سے پانچوں فرض نمازیں، مسجدوں كِي تمير انهي نمازوں كِي ادا كنگي كَه لئے كِي جاتی هے فجر كِي نماز صبح كِي تسبيح هے اور باقی چاروں نمازیں شام (یعنی پچھلے وقت) كِي نمازیں۔ آصال اصل كِي جمع هے یعنی شام (يا پچھلا دن) بعض نے كها صرف فجر اور عصر كِي نمازیں مراد هیں ان لوقات كِي نمازوں كِي اهميت بهت زياده هے فجر كا وقت سونے كا وقت هے اور عصر كا وقت بازاروں ميں كاروبار كا وقت۔ اسی لئے رسول اللّٰهُ ﷺ نے ارشاد فرمايا تھا كَه جس نے دونوں ٹھنڈي نمازیں پڑھیں وه جنت ميں داخل هونگيا۔ رواه مسلم من حديث ابي موسى اللّٰهُ نے فرمايا هے حَافِظُوا اَعْلَى الصَّلَاةِ الْوَسْطَى سب نمازوں كِي پابندی كر و (خصوصاً) درميانی نماز (یعنی عصر) كِي۔

بغوي نے لكھا هے ايك روايت ميں حضرت ابن عباس كا قول آيا هے كَه صبح كِي تسبيح سے چاشت كِي نماز مراد هے، رسول اللّٰهُ ﷺ نے ارشاد فرمايا جو شخص با وضو فرض نماز كَه لئے چل كر جاتا هے اس كا ثواب محرم حاجي كِي طرح هوتا هے اور جو چاشت كِي نماز كِي غرض سے چل كر جاتا هے اور صرف چاشت كِي نماز كا اراده هے اس كو كھڑا كرتا هے اس كا ثواب عمره كرنے والے كَه ثواب كَه برابر هوتا هے اور (ايك) نماز كَه پچھے (دوسري) نماز عليين ميں لكھ دي جاتی هے۔

بغوي اور طبرانی نے حضرت ابولمامه كِي روايت سے حديث مذکور ان الفاظ كَه ساتھ بيان كِي هے جو شخص فرض نماز كَه لئے پيدل چل كر گیا تو (اس كا يه عمل) ايسا هے جسے ايك حج كرنا اور جو شخص نفل نماز كَه لئے پيدل چل كر گیا تو يه نماز نفل عمره كِي طرح هونگی۔

رِجَالٌ مرد، عورتوں سے قطع نظر کر کے خصوصیت کے ساتھ مردوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ عورتوں پر مسجد کے اندر جا کر نہ جمعہ لازم ہے نہ جماعت کی نماز۔ یا یہ وجہ ہے کہ عام طور پر عورتوں پر جمالت اور غفلت چھائی رہتی ہے۔
لَا تَلْمِزُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ان کو اللہ کی یاد سے نہ کوئی تجارت عاقل بیانی ہے نہ بیع۔
 تجارت کا لفظ خرید و فروخت دونوں کو شامل ہے اس لئے لفظ تجارت کے بعد لفظ بیع کی ضرورت نہ تھی لیکن خرید سے فروخت کی زیادہ اہمیت ہے خرید نے میں تو نفع کی امید ہوتی ہے اور فروخت میں فائدہ (سامنے ہوتا ہے اس لئے) یعنی ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وضع لغوی کے لحاظ سے اگرچہ تجارت میں خرید و فروخت دونوں داخل ہیں لیکن اس جگہ تجارت کے مقابلہ میں بیع کا لفظ ذکر کیا گیا ہے اس لئے تجارت سے مراد ہے خرید۔ اور اشتراء کو چھوڑ کر لفظ تجارت کو اس لئے اختیار کیا کہ اشتراء (خرید) سے تجارت کا آغاز ہوتا ہے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اسکے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔ فراء نے کہا تجارت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو باہر سے مال لانے والے ہیں اور بیع کا تعلق دست گردان بیع سے ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی لوگ اٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لا تلمیہم تجارة ولا بیع الخ نازل ہوئی۔

یاذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہو گا اس کے مصداق وہ لوگ بھی ہوں گے جو سب سے کنارہ کش ہو کر سارے دنیوی دھندوں کو چھوڑ کر ہر وقت طاعت الہی میں ڈوبے رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی مصداق قرار پائیں گے جنہوں نے دنیوی معاملات ترک نہیں کئے لیکن تجارت وغیرہ میں مشغول رہنے کے باوجود تجارت نے ان کے دل کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں بنایا وہ باہم بھی ہیں اور بے ہمہ بھی۔ ظاہر میں لوگوں کے ساتھ دنیوی مشاغل میں ہیں اور باطن میں اپنے خالق کے ساتھ ساری مخلوق سے بے نیاز۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور نماز قائم کرنے سے بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آجاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں (فوراً ادا کر دیتے ہیں) بعض علماء کا قول ہے زکوٰۃ سے تمام اچھے اعمال مراد ہیں۔

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ایسے دن کی (دارو گیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں ہمت سے دل اور ہمت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔

تقلب یعنی مضطرب ہو جائیں گے اور ہول کی وجہ سے حالت غیر ہو جائے گی۔ بعض نے تقلب کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ کافروں کے دل اس کفر و شرک سے پلٹ جائیں گے جس پر دنیا میں قائم تھے اور ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ چیزیں ان کو دکھائی دیں گی جو کبھی نہ دیکھی ہوں گی بلکہ خیال و گمان میں نہ آئی ہوں گی رہے مومن تو پہلے وہ (جنت کی موجود نعمتوں پر) قناعت کئے ہوئے ہیں پھر ان کے دل اور آنکھیں پلٹا کھائیں گی اور وہ اپنے رب کو چودھویں کے چاند اور چوتھی ساعت کے آفتاب کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

بعض نے کہا خوف و امید کی وجہ سے مومنوں کے دل الٹ پلٹ ہوں گے ہلاکت کا خوف ہو گا اور نجات کی امید ہوگی۔ آنکھیں گرد و پیش کی طرف دیکھ کر چکرائیں گی اور ہر طرف پلٹ کر دیکھیں گی کہ کس طرف سے پلڑ ہوتی ہے دائیں جانب سے یا بائیں جانب سے اور کس رخ سے اعمال نامہ ملتا ہے سیدھی طرف سے یا الٹی طرف سے یا پیچھے سے، بعض اہل علم نے کہا خوف

کی وجہ سے دل الٹ پلٹ ہوں گے اور گلے تک آکر پھنس جائیں گے۔ نہ نیچے اتر سکیں گے نہ لوہر آکر نکل سکیں گے اور حالات کی ہولناکی دیکھ کر آنکھیں پتھر اجائیں گی۔

لَيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ تَاكُ اللَّهُ ان کو ثواب عطا کرے اس جملہ کا تعلق یسبح یا لاتلہیہم سے ہے اور یہ کلام سابق کی غایت و غرض ہے۔ یا اس کا تعلق یخافون سے ہے اس وقت لام عاقبت ہو گا کلام سابق کی علت و غایت بیان کرنے کے لئے نہ ہو گا کیونکہ خوف غیر اختیاری چیز ہے اور علت و غایت اختیار افعال کی ہوتی ہے۔

أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا بہترین ثواب یا اچھے اعمال کا ثواب مؤخر الذکر ترجمہ پر احسن (اسم تفصیل) بمعنی حسن (صفت مشبہ) کے ہوگا۔

وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ زِيَادَةٌ (اتنا زیادہ کر دے) کہ ان کے خیال میں بھی نہ آیا ہو۔ اور ہر (عمل کے ثواب کا جتنا) اس نے وعدہ کر رکھا ہے اپنی مہربانی سے اس سے

وَاللَّهُ يَرْضَىٰ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور اللہ بے گنتی (یعنی بے نہایت) عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَظِيًّا إِذَا جَاءَ لَمْ يَجِدْهَا شَيْئًا اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چمکتا میدان میں چمکتا ہو اریت کہ پیاسا (آدمی دور سے) اس کو پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا تو اس کو (اپنے گمان کے موافق) کچھ بھی نہ پایا۔

یعنی کافروں کے اعمال (قیامت کے دن) ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے کیونکہ وہ سراب کی طرح (بے حقیقت) ہوں گے۔ سراب اس سفید ریت کو کہتے ہیں جو ریگستانی میدان میں دوپہر کے وقت دھوپ میں آب رواں کی طرح دور سے نظر آتی۔

قیعہ اور قاع (مفرد) میدان اس کی جمع قیعان آتی ہے اور قویع صیغہ تصغیر ہے بعض کے نزدیک قیعہ قاع کی جمع ہے۔ کافر قیامت کے دن سخت ناکام ہو گا اس کو تشبیہ اس پیاسے سے دی جو پانی کا سخت ضرورت مند ہو اور سراب کو آب سمجھ کر نامراد ہو جائے۔

اذا جاء یہاں تک کہ اس ریت کے پاس جس کو پانی خیال کیا تھا پہنچ جائے یا سراب کے مقام پر پہنچ جائے۔ لم یجدہ شئیًا یعنی گمان کے مطابق اس کو کچھ نہ ملے۔

وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابًا اور اس کے پاس اللہ کی قضا کو پایا پھر اللہ نے اس کی عمر کا حساب کتاب برابر چکا دیا۔

ووجد اللہ عنده یعنی اس نے اللہ کا عذاب اپنے پاس پایا اور اللہ نے اس کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا۔ ایک شبہ

وجد کا فاعل ظمان ہے (لیکن اس صورت میں مطلب خطبہ ہو جاتا ہے) پیاسے کا سراب کے پاس اللہ کا عذاب پانا ایک بیکاریات ہے۔ (حقیقی مراد تو یہ ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جا کر کافر اپنی سزا پائے گا لیکن کافر کی طرف وجد کی ضمیر راجع نہیں ہے)۔

ازالہ

میرے نزدیک اس شبہ کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ (۱) قیامت کے دن کافر سخت پیاسا ہو گا آگ بصورت آب اس کے سامنے آئے گی وہ آگ کو پانی سمجھے گا اور اس کی

طرف دوڑے گا لیکن وہاں اس کو اللہ کا عذاب بصورت آتش ملے گا اور اپنی خیالی مراد نہیں ملے گی۔

(۲) عذاب سے مراد (آخرت کا عذاب نہیں ہے بلکہ) وہ دکھ اور نامرادی مراد ہے جو سخت پیاسے کو سراب پر پہنچ کر حاصل ہوتی ہے اور اس سارے دکھ کی بنیاد اس کی بد اعمالیاں ہوتی ہیں اللہ نے فرمایا ہے تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوت کے بدلہ میں پہنچتی ہے اور اللہ تمہارے بہت سے جرائم سے درگزر فرماتا ہے (ورنہ پوری بد اعمالیوں کی سزا تو دنیا ہی میں اس سے کہیں زیادہ ہونی چاہئے) اولیٰ یہ ہے کہ حتیٰ کہ ابتدائیہ قرار دیا جائے اور اس کا تعلق **أَعْمَالَهُمْ** کستراب سے مانا جائے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافر جب قیامت کے دن اپنے اعمال پر پہنچے گا اور اس کا کیا کر لیا سامنے آئے گا۔ تو وہاں سوائے اللہ کے عذاب کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس وقت جاءہ میں جاء کی ضمیر کافر کی طرف راجع ہوگی ظلمان کی طرف راجع نہ ہوگی اورہ ضمیر مفعول عمل کی طرف لوٹے گی سراب کی طرف نہیں لوٹے گی۔

وَاللَّهُ سَوِّعُ الْحِسَابِ اور اللہ تیزی کے ساتھ حساب لینے والا ہے ایک کے حساب میں مشغولیت اس کو دوسرے کے حساب سے نہیں روکتی۔ اس دنیا کے آدھے دن کے بعد وقت میں وہ سب بندوں کا حساب لے لے گا۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ (یا ان کے اعمال) تاریکیوں کی طرح ہیں۔

کظلمت کا عطف کسراب پر ہے اور اونٹن خیر کے لئے ہے یعنی مخاطب کو اختیار ہے کہ ان کی بد اعمالیوں کو سراب کی طرح سمجھے یا تاریکیوں کی طرح۔ ان کے اعمال قیامت کے دن موجب حسرت اور غیر مفید ثابت ہوں گے اس لئے ان کو سراب کی مانند کہا جاسکتا ہے اور حق کی روشنی سے بالکل خالی ہیں اس لئے ان کو تہ بہ تہ تاریکیاں قرار دیا جاسکتا ہے۔

یایوں کہا جائے کہ اونٹنوع کے لئے ہے کیونکہ کافروں کے اعمال دونوعیتوں کے ہیں کچھ اچھے ہیں جیسے دان خیرات عزیزوں کے ساتھ حسن سلک وغیرہ کچھ برے ہیں اول کو سراب سے تشبیہ دی اور دوسری قسم کے اعمال کو تاریکیوں سے یایوں کہا جائے کہ اونٹنوع کے لئے ہے اور اختلاف وقت کی وجہ سے ان کے اعمال کی تشبیہ بھی مختلف طور پر ہے دنیا میں ان کے اعمال کو اندھیریوں کی مثل قرار دیا اور آخرت میں سراب کی طرح فرمایا۔

فِي بَحْرٍ لَّجِيٍّ (وہ تاریکیاں) جو گہرے سمندر میں ہوں۔

لجی گہرا جہاں پانی بہت ہوتا ہے یہ لفظ لج کی طرف منسوب ہے (لج کا معنی ہے کند، جہاں پانی اکٹھا ہوتا ہے) بیضاوی نے لجی کا ترجمہ کیا ہے (سمندر کا وہ حصہ جہاں پانی بہت ہوتا ہے نہایت اور قاموس میں بھی لجی کا معنی **مُعْظَمُ الْمَاءِ** بیان کیا گیا ہے بعض نے کہا لجی کا معنی سے موجزن لہریں مارتا ہوا سمندر۔

يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ جس میں موجوں پر موجیں چڑھی ہوئی ہوں۔

موج وہ لہر جو ہواؤں کے تلاطم سے پانی پر نمودار ہوتی ہے موج پر موج چڑھنے سے مراد ہے پے در پے لہریں چڑھنا۔

مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ (اور) اس لہر پر بادل ہوں، جو ستاروں کی روشنی نیچے نہ پہنچنے دیں۔

ظَلُمَاتٍ بَعْضُهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ یہ تاریکیاں ایسی ہوں کہ ایک کے اوپر دوسری چھائی ہو۔

إِذَا أَخْرَجْنَاكَ لَهَا يَوْمَئِذٍ نَّارًا اگر (ایسی تاریکیوں میں پھنس جانے والا) اپنا ہاتھ (جو اس

کے بہت قریب ہے) تاریکی میں باہر نکالے تو ہاتھ بھی اس کو سوجھائی نہ دے۔

اخراج بدہ یکدیگر یہ سب فاعلی ضمیرس تاریک متواج سمندر میں سفر کرنے اور پھنس جانے والے کی طرف راجع ہیں جس کا ذکر بطور دلالت کلام موجود ہے اگرچہ صراحتہ نہیں ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ کافر کی بد اعمالیوں کی تاریکیاں اس کے دل پر تہ بہ تہ چڑھی ہوئی ہیں جو اس کو اور اک حق اور ہدایت کو قبول کرنے سے روکتی ہیں قلبی انکار حق ایک تاریک موجزن سمندر ہے جس پر گناہوں کی تہ در تہ تاریکیاں سمندر کی اٹھتی ہوئی لہروں کی طرح چھائی ہوئی ہیں پھر دل پر گہرا ہی کی مراد اور چھاپ اس (کالے) بادل کی طرح ہے جو سمندر کی موجوں کے اوپر چھایا ہوا ہو۔ کافر جب واضح ترین حقیقت یعنی ایمان و اسلام پر

غور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو (دل کی تہ بہ تہ تاریکیوں میں) دیکھ نہیں پاتا، تمام انبیاء کا انکار کرتا ہے باوجودیکہ ان کے معجزات واضح طور پر نظر کے سامنے ہوتے ہیں اور پتھروں کو جو ساری کائنات غصری میں پست ترین درجہ رکھتے ہیں معبود قرار دیتا ہے۔
 وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّوْرِۙ
 اور جس کو اللہ نے روشنی عطا نہ فرمائی ہو اس کو روشنی نہیں مل سکتی۔

یعنی ہدایت خدا داد چیز ہے بلکہ اہل حق کے ساتھ منطقی لوگ جو صغریٰ کبریٰ کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالتے ہیں وہ بھی بتوفیق خداوندی اور امر وہی ضروری نہیں کہ مقدمات کے بعد بھی نتیجہ نکل آئے (یعنی فکر و نظر اور استدلال عقلی بھی عطیہ خداوندی ہے خود عقل بغیر اللہ کی راہنمائی کے صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتی) بہت سے وہ لوگ جو دنیوی معاملات میں بڑے بھولے اور نادان پر آخرت کے معاملات میں بہت تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں اور بکثرت آدمی دنیوی امور میں روشن عقل رکھنے والے مگر آخرت کی طرف سے غافل اور دینی امور میں بے سمجھ جانوروں کی طرح ہوتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر اپنا کچھ نور اس پر ڈال دیا۔ پس جس پر اس کے نور کا کوئی چھینٹا پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ علم خداوندی پر قلم (لکھ کر) خشک ہو گیا (آئندہ تحریر میں تغیر نہ ہوگا)
 بغوی نے بحوالہ مقاتل لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول عقبہ بن ربیعہ کے حق میں مواعقبہ دور جاہلیت میں دین حق کا متلاشی تھا تاٹ کا لباس پہن رکھا تھا (اور حق کی جستجو میں سرگرداں تھا) لیکن جب اسلام آیا تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا۔
 اَلَمْ تَرَۙ
 کیا آپ نے نہیں دیکھا یعنی کیا وحی عقلی، استدلال اور کشف کے ذریعہ سے آپ کو ایسا علم نہیں حاصل ہوا جو یقینی و چٹکتی میں مشاہدہ چشم کی طرح ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَسْتَبْحِرُ لَهٗ
 کہ اللہ کی (تمام عیوب و نقائص سے) پاکی بیان کرتے ہیں یعنی اس کی پاکی کی شہادت دے رہے ہیں۔

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
 اور جو زمین میں ہے یعنی انسان جن اور دوسری مخلوق کائنات سماوی و ارضی سے مراد ہے ساری مخلوق۔
 وَالْاَرْضِ
 من کا لفظ جو اہل عقل کے لئے خاص ہے (اس جگہ استعمال کیا گیا، صرف اس لئے کہ اہل عقل کی شہادت غالب حیثیت رکھتی ہے۔

وَالطَّيْرِۙ
 اور پرندے بھی جب کہ وہ (ہو ایں) پر پھیلانے ہوئے ہوں۔
 صافات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ جو پرندے زمین پر ہیں وہ تو من فی السموات و الارض کے ذیل میں شامل ہی تھے اگر صافات کی قید ذکر نہ کی جاتی تو الطیر کا لفظ سوائے تکرار ذکر کے اور کوئی فائدہ نہ دیتا۔
 كُلٌّۦۙ قَدْ عَلِمَ صَلٰتَهٗۙ وَتَسْبِيْحَهٗۙ
 (پاکی بیان کرنے والوں میں سے) ہر ایک اپنی دعا اور پاکی بیان کرنے سے واقف ہے (یعنی تقدیس و تسبیح و دعا کا طریقہ اس کو معلوم ہے) صلوة سے مراد ہے دعا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہر پاکی بیان کرنے اور دعا کرنے والے کی تسبیح و دعا کو اللہ جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَۙ
 اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔
 وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۙ
 اور آسمانوں کا اور زمین کا ملک اللہ ہی کا ہے وہی مالک ہے وہی خالق ہے آسمان و زمین اور ان کی اندرونی کائنات خواہ ذوات (جو اہر) ہوں یا صفات یا افعال سب کا پیدا کرنے والا اور مالک وہی ہے۔
 وَاِلٰى اللّٰهِ الْمَصِيْرُۙ
 اور اللہ ہی کی جانب ہے سب کی واپسی وہی ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدل دے گا۔ یہاں تک کہ سینگوں والی بکری سے منڈی بکری کو بدلہ دلوائے گا۔
 اَلَمْ تَرَۙ اَنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِۙ
 کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو ہنکاتا ہے۔

تذیبہ کسی چیز کو دھکا دینا، بے ساختہ مزاجہ (حقیر پونجی) جس کو ہر شخص پھینک دیتا ہے (یعنی ناقابل قدر سمجھتا ہے)
 ثُمَّ يُكَلِّمُ بَيْنَهُمْ
 ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَّامًا
 پھر اس کو (یعنی اس کے متفرق منتشر ٹکڑوں کو یکجا کر کے) جوڑتا ہے۔
 پھر اس کو تہ برد بنا دیتا ہے۔

فَكَرَى الْوَدُوقَ يَخْذُبُ مِنْ خَلِيلِهِ
 پھر اسکے شکافوں سے (موسلا دھار) بارش تم کو نکلتی دکھائی دیتی ہے۔

وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ
 اور آسمان سے یعنی آسمان میں موجود پہاڑوں سے اولے اتارتا ہے ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ آسمان، سے اولوں کے (بڑے بڑے تودوں کے) پہاڑ اتارتا ہے۔ اول ترجمہ پر من السماء اور من جبال میں من ابتدا سے ہو گا اور من برد میں من بیان سے
 حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں دوسرے ترجمہ کی بناء پر من جبال من برد مفعول ہو گا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔
 فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ
 ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ
 (ایسا لگتا ہے کہ) عنقریب بادل کی بجلی کی چمک نکالوں کو (جھپک) لے جائے گی۔

يُعَلِّبُ اللَّهُ الْاَيْلَ وَالنَّهَارَ
 رات کے بعد دن اور دن رات کا گھماؤ بڑھاؤ بھی ہوتا رہتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گرمی، سردی، روشنی اور تاریکی کے لحاظ سے رات دن میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ (کو اٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے میں ہی رات دن کا اول بدل کرتا ہوں (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ
 بلاشبہ ان (مذکورہ واقعات میں بصیرت والوں کے لئے عبرت ہے۔

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کامر ہون قدرت و مشیت ہے۔)

الابصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ
 اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے اس لئے بطور تغلیب لفظ کل استعمال کیا۔ ملائکہ اور جن دابہ میں شامل نہیں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا، ماء کا تعلق خلق سے نہیں ہے بلکہ یہ دابہ کی صفت ہے یعنی جو جانور نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اللہ ہی ان کا خالق ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے۔ لہٰذا بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا، پھر اس

لہٰذا اسطور اور اس کے پیر وکتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ؟ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے کچھ حصہ کو ہوا بنا دیا جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔

فِيهِمْ مَّنْ يَّمِشُ عَلَىٰ بَطْنِهِ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمِشُ عَلَىٰ سُرْجَلَيْنِ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمِشُ عَلَىٰ أَرْبَعٍ

سوکچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ گنڈا رو غیرہ۔
اور کچھ دو ٹانگوں سے چلتے ہیں جیسے انسان اور پرندے۔
اور کچھ وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں جیسے چرندے، درندے، چارے
زیادہ پاؤں سے چلنے والے جانوروں کی بھی کچھ قسمیں ہیں جیسے مکڑی ٹیکڑا وغیرہ ان کا ذکر آیت میں اس وجہ سے نہیں کیا کہ ان کی رفتار کی صورت بھی وہی ہوتی ہے جو چوپایوں کی رفتار کی ہوتی ہے (یعنی چلنے میں ان کی گردن اور منہ اوپر کو اٹھا ہوا نہیں ہوتا)
اللہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔

یعنی بساط ہوں یا مرکبات لہ اللہ نے مختلف شکلوں، مزاجوں، طبیعتوں، ہیئتوں کے بنائے ہیں مادہ سب کا ایک ہے لیکن اللہ کی مشیت و مصلحت کے زیر اثر طبیعت، صورت، مزاج اور افعال و حرکات کا تخلیقی اختلاف ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵﴾
بلاشبک اللہ کے قابو میں سب کچھ ہے اس لئے جو کچھ وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ
ہم (حق کو) واضح کر دینے والی آیات (قرآن میں) اتار چکے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس عالم وجود میں جو وجود حقیقی کے سایہ اور پر تو کی طرح ہے ایسی دلائل کھول کر ہم نے ظاہر کر دی ہیں جو خالق عظیم و حکیم کی ہستی کی شہادت دے رہی ہیں اور حق کو واضح کر رہی ہیں۔

وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵﴾
اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے یعنی اسلام کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور یہی راستہ اس کو دوزخ سے بچا کر جنت اور مقام قرب تک پہنچا دیتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان ایک خدا داد وہی چیز ہے بغیر اللہ کی توفیق اور ہدایت کے محض غور و فکر کرنے اور عقلی گھوڑے دوڑانے سے حاصل نہیں ہوتی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی زمین کے متعلق جھگڑا تھا، یہودی چاہتا تھا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرائے (کیونکہ اس کو یقین تھا کہ محمد ظلم اور حق تلفی نہیں کریں گے) منافق نے کہا اس کا تصفیہ کعب بن اشرف یہودی سے کراؤ محمد ہماری حق تلفی کریں گے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔
وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فِرْيَنٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ
اور وہ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (دونوں کے) فرماں بردار ہو گئے پھر اس (قول) کے بعد ان میں کا ایک فریق (قبول حق سے جب کہ اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے) پھر جاتا ہے۔

لہ حکماء یونان کی اصطلاح میں بسیط اس جسم کو کہتے ہیں جس کے ہر جز کا نام اور حقیقت وہی ہو جو دوسرے اجزاء اور اجزاء کے مجموعہ کی ہے جیسے پانی کا ہر قطرہ پانی ہی ہے نہ نام بدلتا ہے نہ حقیقت الگ ہے۔ مرکب وہ جسم ہے جس کے اجزاء کی طبیعتیں الگ الگ ہوں اور ہر جز کا نام بھی جدا ہو جیسے انسان اور دوسرے حیوان آگ پانی مٹی ہو ان کا خمیر رکھتے ہیں۔ یہی ان کے اجزاء ہیں اور ہر جز کی حقیقت و اہمیت جدا ہے۔

(گزشتہ سے پیوستہ) (ارسطو اور شیخ ابن سیناء نے انہی کو اسطقتات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے، پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔ لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگ بنیاد پانی ہے، پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل و تنجیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہو گئی۔ سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

بقولون یعنی بشر اور اس جیسے دوسرے منافق کہتے ہیں۔

فریق یعنی وہ فریق جو حق پر نہ تھا۔

اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔

وَمَا أَوْلِيَاكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝

اولئک سے تمام منافقوں کی طرف اشارہ ہے اس جملہ میں تشبیہ ہے اس امر پر کہ منافق اگرچہ زبانوں سے مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں۔

یا اولئک سے اسی گروہ کی طرف اشارہ ہے جو فیصلہ سے سرتابی کرتا تھا۔

المومنین کے الف لام (عمدی) سے ان مومنوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی سچائی اور خلوص سے اللہ واقف تھا اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کو مخلص صادق مومن جانتے تھے مطلب یہ ہے کہ یہ منافق سچے پر خلوص مومن نہیں ہیں۔

ابن ابی حاتم نے حسن (بصری) کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ ﷺ سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ بہر حال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کتر اجاتا اور کتار رسول اللہ ﷺ کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

بعض علمائے تفسیر نے اس طرح ترجمہ کیا ہے جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے۔

رسول کا عطف اللہ پر عطف تفسیری ہو گا جیسے محاورہ میں بولا جاتا ہے۔ اعجب نبی و کرمہ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

تو ان میں کا ایک فریق (جو نا حق پر ہوتا ہے رسول خدا کی طرف

إِذَا قَرَّبُوا بَيْنَهُمْ مَعْرُضُونَ ۝

آنے سے) کتراتا ہے۔

اور ان کا (واقعی) حق ہوتا ہے تو رسول ﷺ کی طرف (دوڑے

وَأَنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ

ہوئے) آتے ہیں۔

حکم کے مطیع ہو کر کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو گا۔

أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے یعنی کفر اور حق تلفی کی طرف میلان قلبی ہے۔

أَمْ أَسْرَأْتَابُوا

یا شک میں پڑ گئے ہیں یعنی آپ کی طرف سے کوئی بات شک آفریں انہوں نے دیکھ لی ہے جس کی

وجہ سے آپ پر ان کا یقین جاتا رہا ہے۔ أَمْ يَخِشُونَ أَنْ يَحْجِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ

یا ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا۔ (اور غلط فیصلہ کرے گا)

بَلْ أَوْلِيَاكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

بلکہ (مؤخر الذکر دونوں باتوں میں سے کوئی بات نہیں۔ کھوٹ

انہی کے دلوں کے اندر ہے) وہی ظالم ہیں۔ اپنی جانوں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ دل سے ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو نہیں مانتے اور دوسرے لوگوں پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ بغیر استحقاق کے لوگوں کا مال ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کے

رسول کے فیصلہ سے باز رہنے کی تین وجوہ آیت مذکورہ میں بیان کیں پھر آخری دونوں وجوہ کی نفی کر کے اول وجہ کو ثابت

کر دیا۔ لفظ بل میں آخری دونوں شقوں سے اعراض اور اول شق کا اثبات ہے۔ بات یہ ہے کہ منافقوں کا رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ

کرانے پر راضی نہ ہونا تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ کی بناء پر ہو سکتا تھا۔ (۱) یا تو کوئی خرابی خود انہی کے اندر ہو (۲) یا حکم میں

کوئی نقص ہو (۳) حاکم کے اندر عیب ہونے کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں ایک یقینی نقص۔ اور دوسرا: ریشہ حق تلفی۔ پیغمبر کی

عظمت، نبوت اور عدل و امانت کا تقاضا یہ ہے کہ نہ آپ کی ذات قابل شک اور نہ فیصلہ محل تہمت اس لئے دونوں آخری شقوں کی نفی یقینی ہے اور صرف اول ہی شق کا ثبوت محقق ہے آخری دونوں صورتوں کی نفی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب ان کا حق واقعی ہوتا ہے تو (انصاف ملنے کا یقین رکھتے ہوئے) اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں قرآن کا اسلوب بیان اور طریقہ تعبیر یہ ہے کہ منافقوں اور کافروں کے پہلو بہ پہلو مخلص مومنوں کے حالات کا بھی اظہار کرتا ہے اسی لئے اگلی آیت میں مخلص مومنوں کا ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾
مسلمانوں کا قول اس وقت جبہ ان کو (کسی معاملہ میں) اللہ اور اسکے رسول کی طرف فیصلہ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ بس یہ ہوتا ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں ہم نے سن لیا اور اس کو (تو دل سے) مان لیا ایسے ہی لوگ (آخرت میں) فلاح پانے والے ہیں۔
المومنین سے مراد مخلص مومن ہیں اولئک یعنی جو لوگ ان لوصاف کے حامل ہیں وہ سب۔ ہم المفلحون وہی بامر اد ہوں گے ان کے علاوہ دوسرے فلاح یاب نہ ہوں گے۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا خواہ اس فرماں برداری میں اس کو دکھ پہنچے یا خوشی حاصل ہو۔
وَيَخَشَّ اللَّهَ
اور اللہ سے ڈرتا رہے گا یعنی اپنے کئے ہوئے گناہوں کی پکڑ کا اور اللہ کے حکم کے خلاف کرنے کا اس کو ڈر لگا رہے گا۔

وَيَتَّقِهِ
اور ممنوعات سے بچتا رہے گا۔
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾
سوائے ہی لوگ کامیاب ہوں گے دوامی سکھ اور اللہ کی خوشنودی ان کو ملے گی۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ
اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو (جماد کے لئے یا گھربار اور مال متاع چھوڑ کر) نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ منافق، رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ آپ جہاں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ ہوں گے اگر آپ (غزوات یا جماد کے لئے) نکلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے، اگر آپ (کہیں) قیام کریں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ ٹھہر جائیں گے (آپ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے) اگر آپ ہم کو جماد کا حکم دیں گے تو ہم جماد کریں گے۔
قُلْ لَا تَقْسِمُوا بِطَاعَةِ مَعْرُوفٍ
آپ ان سے کہہ دیجئے کہ (جھوٹی) قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری (کی حقیقت) معلوم ہے۔

مجاہد نے کہا طاعت معروفہ سے مراد ہے کہ تمہاری اطاعت محض زبانی ہے دلی اعتقاد کے ساتھ نہیں ہے تمہاری اس طاعت کی حقیقت معلوم ہے کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور ایسی بات کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے۔ بعض اہل تفسیر نے طاعت معروفہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کھلی ہوئی خالص اطاعت زبانی خلاف ورزی سے بہتر اور افضل ہے۔
مقاتل نے یہ تاویل کی کہ تمہاری طرف سے اچھی طاعت ہونی چاہئے (یعنی فصل محذوف ہے) بعض نے کہا آیت کا مطلب اس طرح ہے کہ تم سے اطاعت کرنے کی قسمیں مطلوب نہیں بلکہ طاعت معروفہ مطلوب ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

تمہاری چھپی ہوئی باتیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ،

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَآخِذُ مَا كَفَرْتُمْ

رسول پر وہ (فرض) لازم ہے جس کا بار اس پر ڈالا گیا ہے (یعنی تبلیغ احکام) اور تم پر وہ (فرض) لازم ہے جس کا بار تم پر ڈالا گیا ہے یعنی تمہیں علم۔

فانما شرط محذوف کی جزا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ اگر تم نہ مانو گے اور روگردانی کرو گے تو خود نقصان اٹھاؤ گے۔ رسول کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول کے ذمے جو فرض عائد کیا گیا ہے اس کو تو انہوں نے ادا کر دیا اور تم پر جو فریضہ لازم کیا گیا ہے تم نے اس کو ادا نہیں کیا اس لئے نقصان تمہارا ہی ہوگا۔

اور اگر تم رسول کے حکم پر چلو گے تو ہدایت پاؤ گے حق کا راستہ تم کو مل جائے گا اور جنت تک پہنچ جاؤ گے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۵۳﴾

اور رسول کے ذمہ صرف (ان احکام کو) واضح طور پر کھول کر پہنچانا ہے جن کا تم کو مکلف کیا گیا ہے۔

البلاغ (مصدر متعدی) پہنچانا) البین واضح کر دینے والا یعنی احکام تکلیفیہ کو کھول کر بیان کرنے والا۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام (یعنی مہاجرین) مدینہ میں تشریف لے آئے اور انصار نے ان کو ٹھہرنے کا ٹھکانہ دے دیا تو سارا عرب ان کا دشمن ہو گیا (ہر طرف سے ان کو ہر وقت خطر رہتا تھا) بغیر اسلحہ کے نہ ان کی رات گزرتی تھی نہ صبح ہوتی تھی ان کو ہوک اٹھتی تھی کہ کاش (کبھی) ایسی زندگی بھی ہم کو میسر ہو جائے کہ امن و چین کے ساتھ ہماری راتیں گزریں اور سوائے اللہ کے ہم کو کسی کا خوف نہ ہو اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اللہ نے (ان کے متعلق) وعدہ کر لیا ہے کہ زمین پر ان کو خلیفہ (جانشین یعنی حاکم اور بادشاہ) ضرور بنائے گا۔

مومنوں سے مراد ہیں وہ مدینہ والے مومن جو نزول آیت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے عام مومن مراد نہیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے پختہ وعدہ کر لیا ہے کہ ان نیکوکار مومنوں میں سے بعض کو عرب و عجم کی زمین کا مالک بنائے گا اور ان کو واجب الطاعت بادشاہ اور حاکم ضرور کر دے گا۔

یاد رہے کہ ان سب کو زمین پر ایسا تصرف عنایت کرے گا جیسا بادشاہوں کو اپنے غلاموں پر ہوتا ہے۔

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمان وغیرہ)

قنادہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل کو جیسے اللہ نے خلافت عطا کی۔ مصر اور شام میں بڑے بڑے بادشاہوں اور ان کو فتح عنایت کی اور ان کے ملک و مال کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا اور موسیٰ سے اللہ نے توریت میں ملک شام کی فتح کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا لیکن حضرت موسیٰ کی زندگی میں وہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ بلکہ چالیس سال تک بنی اسرائیل اپنی سر تابی اور نافرمانی کی وجہ سے معتوب رہے) اللہ نے فرمایا ہے إِنَّهَا مُسْتَحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ بَلْغَةَ حَضْرَتِ يُوْشَعَ بْنِ نُونٍ كَے ہاتھوں اس فتح کی تکمیل ہوئی اور حضرت موسیٰ کی وصیت کے موافق

حضرت یوشع نے ہی بنی اسرائیل کو ملک تقسیم کیا۔ اسی طرح اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے بھی وعدہ فرمایا کہ دین اسلام کو ہر مذہب پر غلبہ عنایت فرمائے گا اور ملک شام کی حکومت عطا فرمائے گا۔ آیت غَلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبَتِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بَعْضِ الْمَشْرِقِ مشورہ تو وہی ہے جو قرآن میں پڑھی جاتی ہے لیکن ایک اور قرأت میں غلبت الروم اور سیغلبون آیا ہے اس قرأت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے کہ قریب زمین پر رومی غالب آگئے اور فارس میں غالب آنے کے بعد چند سال ہی میں یہ مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان ان پر غالب آجائیں گے۔ یہ فتح رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں تو حاصل نہیں ہوئی (جیسے حضرت موسیٰ کی زندگی میں بنی اسرائیل کو شام کی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی) لیکن حضور گرامی ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسلمانوں کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور غلبہ روم سے نو سال بعد حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نوح البلاغہ میں بھی حضرت علیؓ کا اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نوح البلاغہ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا اللہ نے خود فرمادیا وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ الْخِزْيَانَةَ لِيُؤْتِيَهُمْ مِمَّا رَزَقُوا مِنْهُ لِيَرْضَوْا وَأَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَذَابًا ثَقِيلًا

اور جس دن کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جہاد عطا کرے گا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا۔ دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذہب پر غالب کرے گا۔

اور خوف کے بعد بجائے خوف کے ان کو امن عنایت کرے گا۔

وَلِيُؤْتِيَهُمْ مِمَّا رَزَقُوا مِنْهُ لِيَرْضَوْا وَأَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَذَابًا ثَقِيلًا

وہ میری عبادت کریں گے کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

یعبد وننی اسنوا کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ استخلاف توحید پر قائم رہنے کے ساتھ مشروط ہے یا علیحدہ جملہ ہے جس میں استحقاق خلافت کی نلت بیان کی گئی ہے۔

ابوالعالیہ نے کہا اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرمادیا۔ سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے۔ وفات رسول اللہ ﷺ تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں بھی امن و چین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر رکھیں۔ پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا اور لڑنے کا بھی حکم مل گیا لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا نہ آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے

پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین بران کو پھیلا دیا (یعنی ملکی فتوحات عطا فرمادیں)۔ اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیش گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کی حجت پر بھی یہ آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ آئمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ معتم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا (ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہو گا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہ اودو سال حضرت ابو بکرؓ خلافت کو تھامے رہے۔ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آکر راستہ لوثا جانے کا شکوہ کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لو گے کہ (تمہارا) عورت حیرہ سے سفر کرنی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت نبی طے کے عارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگادی ہے۔ (حضورؐ نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کر لو گے۔ میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لو گے کہ آدمی مٹھی بھر بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کی تلاش میں لئے پھرے گا (اور کوئی لینے والا نہ ملے گا) اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا۔ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جنم ہی دکھائی دے گا (غرض جنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور ﷺ اقدس نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوڑے کا ایک نکلڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوڑے کا ایک نکلڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوڑے کا ایک نکلڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) مٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بد معاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو بھی صحیح پا لو گے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔

اور اس کے بعد جو لوگ کفر کریں گے یعنی مومنوں کے صاحب اقتدار اور خلیفہ اراض

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ

ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالذات یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہئے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الْخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔

ان تین اوقات کے علاوہ (اور کسی وقت بغیر اجازت کے لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ط ان غلاموں باندیوں اور خدمتی لڑکوں کے داخل ہونے میں) نہ تم پر کوئی گناہ ہے نہ ان پر۔

طَوْفُونَ عَلَيْكُمْ (یعنی خدمتی لڑکے اور غلام، تمہارے ارد گرد گھومتے ہی رہتے ہیں۔ آتے ہیں جاتے ہیں) ہر بار اجازت لینے میں بڑی دشواری ہے اس لئے اوقات ممنوعہ کے علاوہ وہ بلا اجازت آسکتے ہیں)

بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ط تم میں سے بعض بعض کے پاس گھومتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ نے اس آیت میں غلاموں اور بچوں کو خطاب میں شریک کر دیا کیونکہ خلط ملط کی کثرت کی وجہ سے گویا سب ایک ہی ہو گئے۔

كذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰلَايٰتِهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیات (احکام) گھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ (تمہارے حالات کو) خوب جاننے والا اور قوانین شرعی کو نافذ کرنے میں بڑی حکمت والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا حکم اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو گیا علماء کے اقوال اس میں مختلف ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اس زمانہ میں) لوگوں کے گھروں پر نہ پردے تھے نہ حجاب بچے بالے اور خدام یوں ہی اندر آجاتے تھے اور گھر والوں کو ایسے حال پر دیکھ لیتے تھے جو گھر والوں کے لئے ناگواری کا سبب ہوتا تھا (گھر والوں کو پسند نہ تھا کہ کوئی ان کو ان کے اندرونی احوال دیکھے) اس وجہ سے اللہ نے داخلہ کی اجازت طلب کرنے کا حکم دیا پھر اللہ نے مسلمانوں کے لئے مالی وسعت کر دی اور انہوں نے دروازوں کے پردے بنا لئے اب طلب اجازت کی ضرورت نہیں رہی۔

کچھ علماء کا خیال ہے کہ آیت کا حکم منسوخ نہیں ہے سفیان نے موسیٰ بن عائشہ کا بیان نقل کیا ہے موسیٰ نے کہا میں نے شعبی سے دریافت کیا کیا یہ آیت منسوخ ہے شعبی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے کہا لوگ تو اس پر عمل نہیں کرتے شعبی نے کہا اللہ المستعان۔

سعید بن جبیر نے کہا لوگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہو گئی، خدا کی قسم یہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے اس کے موافق عمل کرنے میں سہل انگاری سے کام لیا۔ (یعنی اس آیت کے حکم کو زیادہ اہمیت نہیں دی) صحیح یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ طلب اجازت کے حکم کی علت یہ ہے کہ اوقات مذکورہ میں پردہ پوشی (لباس وغیرہ) کا اہتمام نہیں رہتا آیت ثلث عورات اسی مفہوم کو ظاہر کر رہی ہے دوسرے اوقات اور مذکورہ بالا تینوں اوقات میں یہی فرق ہے پس علت حکم موجود نہ ہونے کی وجہ سے حکم کا باقی نہ رہنا صحیح نہیں ہے (یعنی اس زمانہ میں علت حکم موجود نہیں ہے اب دروازے پردہ پوش ہیں اور اوقات ثلث مذکورہ میں لوگ ننگے کھلے بھی نہیں رہتے اس لئے حکم باقی نہیں رہا) حضرت ابن عباس نے جو اس آیت کا منسوخ ہونا فرمایا ہے آپ کا یہ کلام مجازی ہے (یعنی منسوخ اصطلاحی نہیں بلکہ عدم بقاء علت کی وجہ سے حکم کا باقی نہ رہنا مراد ہے حضرت ابن عباس نے عدم بقاء حکم کو مجازاً منسوخ فرمایا) اس سے معلوم ہو گیا کہ جب اس زمانہ میں اوقات ثلث میں بھی ستر اور پردہ پوشی کا رواج اور نظام قائم ہے تو پھر اجازت طلبی کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور جب تم میں سے بچے جوانی کے (حدود کے) قریب پہنچ جائیں تو وہ بھی (ہمہ اوقات داخلہ کی) ویسے ہی اجازت لیا کریں جیسے اجازت ان سے پہلے والے (یعنی بالغ) لیا کرتے تھے ہر وقت کا خلط ملط اور آنا جانا ہی باعث تھا کہ ان کو بغیر طلب اجازت کے داخل ہونے کا حکم جواز مل گیا تھا جب وہ صورت جاتی رہی اور جوانی آگئی تو بلا اجازت داخلہ کا حکم بھی جاتا رہا اس حکم کے عوم میں سب لوگ داخل ہیں مرد ہوں، محرم عورتیں ہوں، نامحرم عورتیں ہوں (بغیر اجازت ملنے کے ہر شخص کے پاس داخلہ ممنوع ہے خواہ کسی وقت ہو) اس کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی مندرجہ ذیل روایت سے ہوتی ہے حضرت ابو سعید نے فرمایا میرے پاس ابو موسیٰ آئے اور بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو بھیج کر مجھے طلب کیا میں فوراً حضرت عمر کے دروازے پر جا پہنچا اور تین بار سلام علیک کی لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے کوئی جواب نہیں دیا چونکہ رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی (کسی کے گھر جائے اور) تین مرتبہ سلام علیک کرنے کے بعد بھی اس کو داخلہ کی اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ آنا چاہئے۔ اس لئے میں لوٹ آیا۔ حضرت عمر نے مجھے بلوایا اور واپسی کی وجہ دریافت کی میں نے رسول اللہؐ کا فرمان نقل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس حدیث کا گواہ پیش کرو۔ (چنانچہ میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ اگر یہ حدیث آپ نے بھی سنی تھی تو میرے ساتھ چل کر شہادت دیدیتے) میں ابو موسیٰ کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت عمر کے پاس جا کر شہادت دیدی۔ متفق علیہ۔

عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر سوال کیا کیا میں اپنی ماں کے پاس داخل ہوں تب بھی (داخلہ کی) اجازت طلب کروں فرمایا ہاں۔ اس شخص نے عرض کیا میں تو اس کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں فرمایا (داخلہ کی اجازت) ضرور لے لیا کرو۔ اس شخص نے عرض کیا میں تو اس کا خادم ہوں (ہر وقت اس کی خدمت میں لگا رہتا ہوں) فرمایا (پھر بھی) داخلہ کی اجازت لے لیا کرو۔ کیا تم اپنی ماں کو برہنہ دیکھنا پسند کرو گے اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اس کے پاس داخل ہونے کی اجازت لے لیا کرو۔ رواہ مالک مرسلہ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب کہتے تھے آدمی کو اپنی ماں کے پاس بھی داخلہ کی اجازت لے کر جانا چاہئے۔ اس آیت کا نزول اسی سلسلہ میں ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں شاید اس آیت میں طلب اجازت کا حکم استجابی ہے و جبونی نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص اپنے گھر کے اندر داخل ہونا چاہے اور گھر کے اندر ایسی عورتیں بھی ہوں جن کا پردہ ضروری ہو تو مستحب یہی ہے کہ اجازت لے کر اندر داخل ہوتا کہ نامحرم بے پردہ عورت پر نظر نہ پڑ سکے لیکن غیر عورت کا غیر گھر میں برہنہ ہونے کا احتمال چونکہ ضعیف ہے اس لئے بلا اجازت لئے داخلہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (حرام نہیں ہے) ہاں دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخلہ حرام ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا۔ اسی طرح جس گھر میں اجنبی عورتیں ہوں تو ان کے پاس بھی بغیر حصول اجازت کے داخلہ ممنوع ہے اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ بَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔

بیناوی نے لکھا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ بالغ غلام اگر اپنی مالکہ کے پاس جائے تو داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنا واجب ہے وہ اس آیت سے اپنے مسلک پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں وہ مراد لڑکے کے مراد ہیں جو غلام نہ ہوں کیونکہ آیت اول الذکر میں تَمَسَّكْتُ اَيْمَانِكُمْ كَوَالِدِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ بِكُمْ کا مقابل قرار دیا گیا ہے اس لئے اس آیت کے اندر ممالیک کا اندراج نہیں ہوگا۔ بیناوی کے مندرجہ بالا کلام سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ عبد بالغ کا اپنی مالکہ کے پاس داخل ہونا یا نہ ہونا مختلف فیہ ہے اور اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے لئے محرم ہے یا نہیں لام مالک اور لام شافعی کے نزدیک محرم ہے امام

ابو حنیفہ کے نزدیک محرم نہیں ہے اول الذکر قول پر اپنی مالکہ کے پاس بالغ غلام کا داخل ہونا طلب اذن کو مستحب قرار دیتا ہے جیسے دوسری نامحرم عورتوں کے پاس داخلہ کے لئے اذن طلبی مستحب ہے اور مؤخر الذکر قول پر طلب اجازت واجب ہے۔

كذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِۦ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾
احکام بیان فرماتا ہے اور اللہ بخوبی جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

تکرار آیت محض تاکید اور طلب اذن پر زور دینے کے لئے ہے۔
وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو (کسی کے) نکاح (میں آنے) کی کچھ امید نہ رہی ہو ان کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں۔

القواعد القاعدہ کی جمع ہے وہ عورتیں مراد ہیں جو حاملہ ہونے اور حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہوں چونکہ حمل اور حیض سے تقطاع کی صفت عورتوں ہی کے لئے مخصوص ہے مردوں سے اشتباہ بھی نہیں ہے اس لئے حامل اور حائض کی طرح عورت کے لئے لفظ قاعد (بجائے قاعدۃ کے) عربی میں مستعمل ہے۔

الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں ربیحہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی ان کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں من ثيابهن آیا ہے (من تبعيضيه ہے یعنی کچھ کپڑے) اس قرأت سے اصل مراد واضح ہو جاتی ہے۔ لہذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سرچہ اور دونوں بائیں کھول سکتی ہے۔

غیر متبرجت برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور، قلعہ، مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمکھٹ اسی مناسبت سے برج کہلاتا ہے۔

تبرج پوشیدہ چیز کو بناوٹ کے ساتھ ظاہر کرنا سفینہ بارجہ وہ کشتی جس پر پردہ نہ ہو برج آنکھوں کی ایسی کشادگی کی سیاہی کے گرد اگر دپوری سفیدی نمایاں ہو کوئی حصہ او جھل نہ رہے لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ) تھی کہ عورت سنگھار کر کے غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت، ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں لغیر محلہا سے یہ ہی مذموم اظہار زینت ہے۔

ان تضعن ثيابهن کے بعد غیر متبرجت کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہار زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ حَيْرٌ لَّهُنَّ ﴿۵۲﴾
اور (غیر مردوں کے سامنے کپڑے اتارنے سے بالکل) اجتناب رکھنا ان کے لئے بہتر ہے۔

يستعففن عفت کی طلبگار ہوں عفت کا معنی ہے ناجائز کام سے اپنے نفس کو روکنا کذانی القاموس۔ اس جگہ غیر مردوں کے سامنے کپڑے اتارنے سے پرہیز رکھنا مراد ہے۔ یعنی کپڑے (اتارنا اگرچہ جائز ہے لیکن) اتارنے سے نہ اتارنا بہتر ہے لباس اتار دینے سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے اور لباس پہننے میں اس کا احتمال نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (عورتیں جو مردوں سے باتیں کرتی ہیں ان کی باتوں کو) اللہ خوب سننے والا (اور)

کپڑے اتار دینے سے ان کی جو غرض ہوتی ہے اللہ اس کو) خوب جاننے والا ہے۔
لَيْسَ عَلَيَّ الْاَعْمٰی حَوْبٌ وَلَا عَلَيَّ الْاَعْرَاجُ حَوْبٌ وَلَا عَلَيَّ الْمَوْبِضُ حَوْبٌ
اندھے پر کوئی تنگی نہیں ہے۔ نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے۔

بغوی نے سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لنگڑے اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔

اندھا کتنا تھا ممکن ہے میں زیادہ کھا جاؤں (اور دوسروں کے واسطے کھانا کم ہو جائے) لنگڑا کتنا تھا مجھے بیٹھنے کے لئے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی (اس سے دوسروں کو تنگی ہوگی) اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

مطلب یہ کہ اگر یہ معذور لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھائیں تو ان کے لئے کوئی تنگی (گناہ، بندش) نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اسی طرح ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دشواری آ پڑی۔ مسلمانوں نے کہا، کھانا تو ہر مال سے لو نچادر چہ رکھتا ہے اور اللہ نے خلاف حق کھانے سے منع کیا ہے۔ نابینا آدمی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا اٹھیک طور پر بیٹھ نہیں سکتا اور (کھانے میں اگر لوگوں کے ہاتھ پڑ رہے ہوں یا کھانے کے لئے لوگ گھس رہے ہوں تو) مزاحمت نہیں کر سکتا اور بیمار تو کھانا اٹھانے سے ویسے ہی کمزور ہوتا ہے (تو ہم اب ان کے ساتھ کس طرح کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت مفاتح تک نازل ہوئی۔ اس تشریح کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ مسلمانو! اندھوں وغیرہ کے ساتھ کھانے سے تم پر کوئی تنگی نہیں ہے۔

سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے کچھ لپٹج لوگوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے تم اس میں سے کھا سکتے ہو۔ لیکن ان لوگوں کو دشواری پیش آتی تھی۔

وہ کہتے تھے گھر والے جب یہاں موجود نہیں ہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اجازت عطا کر دی۔

حسن نے کہا اس آیت کا نزول جہاد سے رہ جانے یعنی جہاد میں مذکورہ بالا معذوروں کے نہ جانے کی اجازت کے لئے ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ آئندہ کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿وَلَا عَلَيَّ اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ اٰبِيْوَتِكُمْ﴾
اور نہ تم پر کوئی تنگی ہے کہ اپنے گھروں میں (رکھی ہوئی چیزوں میں) سے کھا لو۔

اپنے گھروں سے مراد وہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رشا گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب السنۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حضرت عائشہ کی روایت سے ابوداؤد دارمی، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یا کیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبہ۔

﴿اَوْ بِيْوَتِ اٰبَائِكُمْ اَوْ بِيْوَتِ اُمَّهَاتِكُمْ اَوْ بِيْوَتِ اٰخْوَانِكُمْ اَوْ بِيْوَتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بِيْوَتِ عَلَمَتِكُمْ﴾

أَوْ بِيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بِيُوتِ خَلِيَّتِكُمْ أَوْ مِمَّا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ

یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھر سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالوں کے گھروں سے یا اس مال میں سے جس کی کنجیوں کے تم مالک (بنادے گئے) ہو۔

ساملکتکم مفاتحہ سے مراد حضرت ابن عباس کے نزدیک وکیل (یعنی نمائندہ ایجنٹ) اور منتظم ہے جو زمین اور جانوروں کی دیکھ بھال کا مختار بنادیا گیا ہو۔ ایسا شخص اپنی زیر انتظام زمین کی پیداوار کھا سکتا ہے اور زیر نگداشت جانوروں کا دودھ پی سکتا ہے البتہ بوجھ نہیں لاد سکتا۔ غلہ اور پیداوار کا ذخیرہ بنا کر رکھ سکتا ہے۔

ضحاک نے کہا اپنے غلاموں باندیوں کے گھر مراد ہیں آقا اپنے غلام کے گھر کا مالک ہوتا ہے۔

مفاتح خزانے۔ اللہ نے فرمایا وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ اور اسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مفاتح سے کھولنے کے آلے یعنی کنجیاں مراد ہوں۔

عکرمہ نے کہا جب آدمی کنجی کا مالک (یعنی متصرف) ہو جاتا ہے تو وہ اس مال کا خزانچی بن جاتا ہے اس لئے اگر کچھ اس میں سے کھالے تو کوئی حرج نہیں۔

سدی نے کہا اگر کوئی شخص کسی کو اپنے غلہ وغیرہ کا نگران متصرف بنا دے تو اگر یہ نگران اس میں سے کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ہو کر جہاد کو نکلنے کے بڑے خواہشمند ہوتے تھے۔ چنانچہ جہاد کو جاتے وقت (گھروں کی) کنجیاں ان لوگوں کو دے جاتے تھے جو پانچ (لنگڑے، لولے، اندھے، بیمار وغیرہ) ہوتے تھے۔ اور کہہ دیتے تھے کہ جتنا تم پسند کرو ہمارے گھروں سے لے کر کھا سکتے ہو، ہماری طرف سے اجازت ہے لیکن جن لوگوں کو اجازت دی جاتی تھی وہ کہتے تھے اس میں سے کچھ کھانا ہمارے لئے جائز نہیں ان لوگوں نے بے دلی کے ساتھ (مجبور ہو کر) اجازت دی ہے اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ زہری سے آیت لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى الْحَرَامُ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ اندھے، لنگڑے اور بیمار کا ذکر اس آیت میں کیوں کیا گیا (اس کا پس منظر کیا ہے۔) زہری نے کہا مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا تھا کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو اپنے پیچھے ان لایا ہوں کو چھوڑ جاتے تھے اور ان کو اپنے گھروں کی کنجیاں سپرد کر جاتے تھے اور یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ہمارے گھروں کے اندر جو کچھ ہے اس میں سے کھانے کی تم کو ہماری طرف سے اجازت ہے، لیکن وہ لوگ بڑی دشواری میں پڑ جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب گھر والے موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر نہیں جائیں گے۔ (اور گھروں میں داخلے کے بغیر گھروں کے اندر موجود چیز کو کس طرح کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اجازت عطا فرمادی گئی۔

بعض لوگوں نے کہا مملکتکم مفاتحہ سے مراد یہ ہے کہ جو کھانے پینے کی چیزیں تم نے جمع کر رکھی ہیں ان کو کھا سکتے

ہو۔

مجاہد و قتادہ نے یہ مطلب بیان کیا تم نے اپنے گھروں کے اندر جو کھانے کی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں جن کے تم مالک ہو، ان کو کھانا تمہارے لئے ممنوع نہیں۔

أَوْ صِدَائِكُمْ

یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

خلیط کے لفظ کی طرح لفظ صدیق ایک کے لئے بھی آتا ہے اور چند کے لئے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے سچے دوستوں کے مکان سے بھی تم (ان کی غیبت میں) کھا سکتے ہو۔ کیونکہ تمہاری یہ بے تکلفی دوستوں کے لئے خوش کن اور پسندیدہ ہوگی۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کا نزول حارث بن عمرو کے حق میں ہوا تھا۔ حارث رسول اللہ

ﷺ کے ساتھ کسی جہاد پر جانے لگے تو اپنی بجائے گھر کی نگرانی مالک بن زید کے سپرد کر دی، جب واپس آئے تو مالک کو بہت دبلا اور کمزور پایا، وجہ دریافت کی تو مالک نے کہا میں نے آپ کے گھر میں موجود غلہ کھانا، جبکہ آپ کی اجازت بھی نہیں تھی اسے لئے برا (اور باعث گناہ) سمجھا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت نقل کی ہے لیکن مالک بن زید کی جگہ خالد بن زید کا لفظ اس روایت میں آیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بناء پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھالینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعماء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھالینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت و رواج کے پیش نظر ہے (حصہ کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریح یا غیر صریح اجازت کے بغیر کچھ کھالینا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ :- یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چر لیا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (حرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔

شبهہ

اگر یہ بات ہے تو اسی آیت کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ دوست کے مکان کے اندر سے چوری کرنے پر بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

ازالہ

دوستی عارضی چیز ہے (توڑنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور جوڑنے سے جڑ جاتی ہے) قرابت کا درجہ اس سے جدا ہے (وہ تخلیقی اور فطری ہے توڑنے سے ٹوٹتی نہیں) دوست کے گھر سے مال چرا کر تو چور دوستی کی حدود سے آگے بڑھ جاتا ہے (یہ عمل دوستی شکن ہے) اس فعل کی وجہ سے دوستی ہی باقی نہیں رہتی (لیکن قرابت قریبہ ہر صورت میں باقی رہتی ہے)

بغوی نے لکھا ہے اندھے، لنگڑے اور بیمار کھانا مانگنے کے لئے بعض مسلمانوں کے گھر جاتے تھے صاحب خانہ کے پاس کھلانے کے لئے کچھ موجود نہ ہوتا تو وہ اپنے ماں باپ کے گھر ان کو لے جاتا یا ان لوگوں میں سے کسی کے گھر لے جاتا جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے ایسا کھانا کھانے میں ان معذوروں کو پس و پیش ہوتا اور وہ کہتے یہ ہم کو دوسروں کے گھر لئے پھرتا ہے اور وہاں سے بغیر اجازت کے لے کر ہم کو کھلاتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ تشریح کے بموجب آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ نہ اندھوں، لنگڑوں، بیماروں کے لئے کوئی ممانعت ہے نہ تمہارے لئے کوئی گناہ ہے کہ ان معذوروں کے ساتھ مل کر تم اپنے گھروں سے اپنی اولاد، اہل و عیال، آباؤ اعمام، اخوان و اخوات، اعمام و عمات، احوال و خالات وغیرہ وغیرہ کے گھروں سے لے کر

کچھ کھاؤ۔

بغوی نے بحوالہ عطاء خراسانی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مال دار لوگ غریب قرابت داروں یا دوستوں کے گھر جاتے تھے اور وہ کھانا پیش کرتے تھے تو مال دار لوگ کہتے تھے بخدا ہم یہ گناہ نہیں کریں گے کہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں ہم مالدار ہیں اور تم نادار ہو اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

تم پر کوئی گناہ نہیں اکٹھے ہو کر کھاؤ یا

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتَا

اَلْاَلْ

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھالیتا اور نہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا۔ آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھالیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریر کا ہے۔

ابن جریر اور بغوی نے اس سلسلہ میں عکرمہ اور ابو صالح کا بیان اس طرح نقل کیا ہے کہ انصار کا دستور تھا کہ جب ان کا کوئی مہمان ہوتا تو اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک مہمان کھانے میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو جاتا۔ اس آیت میں ان کو اجازت دیدی گئی کہ جس طرح چاہیں کھائیں۔ (مہمان کے ساتھ) اکٹھے ہو کر کھائیں یا الگ الگ کھائیں۔

پھر جب تم گھروں میں داخل ہو تو انہوں کو سلام کرو۔
فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ
اپنے گھر ہوں یا غیر کے علی انفسکم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں سلام کیا کرو۔ انفس کا اطلاق اس جماعت پر بھی ہوتا ہے جو ایک مذہب کے ہوں یا قرابت دار ہوں۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا تَخْرُجُوْا اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ ظَنُّنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب تم گھروں کے اندر داخل ہو لو رہاں کوئی نہ ہو تو خود اپنے آپ کو سلام کیا کرو۔ یعنی یوں کہا کرو۔ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ایسی صورت میں ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ سلموا کا مفعول مطلق ہے۔

سخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدم کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (لور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی یہ جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہوگا۔ آدم نے جا کر السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے۔ یعنی یہ سلام اللہ کی طرف سے شروع ہوا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من عند اللہ کا تعلق تحیۃ سے ہو۔ کیونکہ تحیۃ کا معنی دعائے زندگی اور زندگی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔
مُبَارَكَةٌ برکت والی یعنی جس کے ساتھ برکت ہو۔ برکت کا معنی ہے بھلائی کی زیادتی سو سلام علیک کے جواب

میں کہتے علیکم السلام والبرکتہ تم پر سلام ہو اور بھلائیوں کی زیادتی۔

بعض اہل علم نے کہا سلام کے جواب کو برکت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خیر میں زیادتی اور ثواب کی امید کی جاتی ہے۔
طَيِّبَةٌ پاک۔ یعنی نفاق اور ریاکاری سے پاک، صاف دل سے نکلے ہوئی۔

بعض کے نزدیک طیبہ کا یہ مطلب ہے کہ اس سے سننے والے کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔
حضرت ابن عباس نے فرمایا سبرکۃ طیبۃ سے مراد ہے اچھی خوبصورت، حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا جب تم میرے کسی امتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہوگی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوة تو ابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ انرجہ البیہقی فی شعب الایمان والصلیٰ وجمزہ بن یوسف البحر جانی فی تاریخ جرجان اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں اور جو لوگ گھر کے اندر موجود ہوں ان کو یہ شخص سلام کرے۔ جابر طاہس، زہری قتادہ اور عمر دین دینار کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کو السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ صالحین ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کرتیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کے السلام علینا من ربنا السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین السلام علی اہل البیت ورحمۃ اللہ ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی تفسیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ صالحین۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا سلام (میں) کونسا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہر حال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی ترمذی اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ روایت ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے (آدمی) بہت (آدمیوں) کو متفق علیہ

بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی دوسری روایت نقل کی ہے اس میں (انتاز ائد) ہے چھوٹا بڑے کو (سلام کرے) حضرت عمران بن حصین روایت ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا۔ السلام علیکم حضور ﷺ نے سلام کا جواب دیا ہی دے دیا۔ وہ شخص بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا دس نیکیاں ہوئیں یا دس ثواب لکھے گئے) کچھ دیر کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضور ﷺ نے اسکو بھی ویسا ہی جواب دے دیا۔ وہ بھی بیٹھ گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا میں۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ ویرکاتہ۔ حضور ﷺ نے اس کو بھی (ایسا ہی) جواب دے دیا۔ وہ بھی

بیٹھ گیا حضور ﷺ نے فرمایا تمیں لہ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔ ابوداؤد نے حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بھی اسی کے ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا زاد ہے کہ پھر ایک اور شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ و مغفرۃ، حضور نے فرمایا چالیس اور فضائل اسی طرح ہوتے ہیں۔

حضرت ابوامامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔

حضرت علی نے فرمایا اگر جماعت گزرے تو ان میں سے ایک کا سلام کرنا سب کی طرف سے کافی ہے اور بیٹھنے والوں میں سے بھی ایک کا جواب دے دینا کافی ہے۔ بغوی نے مصابیح میں اس کو حضرت علی کا قول قرار دیا ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہا ہے۔

اسی طرح اللہ کھول کھول کر

كَذَلِكَ يَبْتَلِيَنَّ اللَّهُ لَكُمْ أَلْيَاتٍ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾

تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

یہ تیسری تاکید آیت ہے جو علاوہ تاکید کے آخری احکام کی عظمت شان کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ نمبر اول اور نمبر دوم آیات کے خاتمہ پر واللہ علیم حکیم فرمایا تھا۔ اور اس آیت کا خاتمہ لعلکم تعقلون پر فرمایا۔ اول و دوم احکام کے خاتمہ پر اصل علت احکام بیان کر دی یعنی اللہ کے علم و حکمت کا تقاضا یہی ہے اور اس آیت کے خاتمہ پر مقصد حکم کو ظاہر فرمادیا کہ حق کو سمجھنا اور جو کام بہتر ہے اس کو جان لینا ان آیات کا اصل مقصد ہے۔

دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الایمال کے مقام پر اپنا بڑا اکیان کا کمانڈر ابو سفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آکر احد کے ایک طرف تقبیل میں قیام کیا رسول اللہ ﷺ کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا دی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے، جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ ﷺ کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ درپیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیتا اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آ جاتا تھا اس پر آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
(سچے دل سے) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ یعنی وہ لوگ حقیقت میں مومن نہیں ہیں جو زبان سے تو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کے دل مومن نہیں ہیں۔

وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوا ۚ وَإِنِ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
یُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
اور جب رسول ﷺ کے ساتھ کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجتمع کیا گیا ہے تو جب تک آپ سے اجازت نہ لے لیں نہیں جاتے (اے رسول ﷺ) جو لوگ آپ سے (ایسے موقع پر) اجازت لیتے ہیں پس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔

امر جامع اجتماعی کام ایسا کام جس کو انجام دینے کے لئے جمعیت ضروری ہے جیسے خندق کھودنا، اجتماعی مشورہ، جہاد، جمعہ اور عیدین کی نمازیں وغیرہ۔

لم یدھبوا یعنی اس کام کو چھوڑ کر چھڑ نہیں جاتے اور جس مقصد سے جمع ہوئے ہیں اس سے روگرداں نہیں ہو جاتے۔

حتیٰ یستاذنوه یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت کے خواستگار ہوتے ہیں اور آپ ان کو جانے کی اجازت دیدیتے ہیں (یعنی بغیر اجازت حاصل کئے نہیں جاتے۔ صرف طلب اجازت کو کافی نہیں سمجھتے) یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مومنوں سے مراد کامل ایمان والے مومن ہیں یعنی جن مومنوں کی حالت کو بیان کیا گیا ہے وہ اس وقت موجود ہی تھے اور سب کامل الایمان تھے۔ منافقوں سے ان کی حالت ہی جدا تھی۔

ان الذین یستاذنونک سختی اور مصیبت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور مدد کرتے رہنا ان لوگوں کے ایمان کی کھلی ہوئی شہادت تھی۔ اس لئے بلوغ اسلوب بیان کے ساتھ پختہ طریقے سے ان کے مومن ہونے کو اس آیت میں دوبارہ ظاہر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اجازت لینے کے بعد جاتے ہیں وہ قطعی مومن ہیں بلا اجازت لئے چلے جانے والے مومن نہیں ہیں۔

فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذْنُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ
سو اگر وہ اپنے کسی کام کے لئے (جانے کی) آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ (کو اختیار ہے آپ) جس کو چاہیں اجازت دیدیں۔
لبعض شأنہم یعنی ہر کام کے لئے اجازت لے کر چلے جانا مومن کی شان کے خلاف ہے ہاں اگر کوئی ضروری کام آڑے جس کو انجام دیئے بغیر چارہ نہ ہو اور واپس جانا لازم ہو تو اس کے لئے اجازت لی جاسکتی ہے۔

لمن شئت یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے اجازت کی درخواست ہر ایک کر سکتا تھا۔ لمن شئت کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول ﷺ کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفہ عودت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔

بعض لوگ اس اختیار تمیزی کے قائل نہیں تو ان کے نزدیک لمن شئت کا یہ مطلب ہے کہ طلب گار اذن میں سے جس کی سچائی کو تم جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ واقعی اس کو عذر ہے یا اجتماعی امر یعنی جس کام کے لئے مسلمانوں کا اجتماع کیا گیا ہے وہ کام زیادہ اجتماع کا مقتضی نہیں ہے یا اجازت لے کر جانے والے کی غیر حاضری سے اس کام میں خرابی نہیں آئے گی تو اجازت دیدو۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللَّهُ طَرِيقًا اللَّهُ عَفْوٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷﴾
اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو، بلاشبہ اللہ بڑا معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے (ان کے اس قصور کو معاف فرما دیگا) یعنی اجازت لینے کے بعد بھی اجتماعی کام کو چھوڑ کر جانا بھی قصور ہے۔ امر دین پر دنیوی کام کو ترجیح دینا یقیناً ایک قسم کی کوتاہی ہے لیکن اللہ بلاشبہ بندوں کی فرو گذاشتوں اور خطاؤں کو معاف کرنے والا اور ان کے لئے اپنی مہربانی سے سہولت پیدا کرنے والا ہے۔ (اس لئے معاف فرما دے گا)

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر نے اس آیت کے شان نزول میں کہا ہے کہ جمعہ کے روز جب رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) منبر پر پہنچ جاتے تھے اور اس وقت کسی شخص کو مسجد سے باہر جانے کا کوئی عذر پیش آجاتا تھا تو وہ مسجد سے باہر نہیں نکلتا تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ حضور ﷺ پہچان جاتے تھے کہ یہ جانے کی اجازت کا خواستگار ہے۔ آپ ایسے لوگوں میں سے جس کو چاہتے تھے اجازت دیدیتے تھے۔

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دیدے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی متنظراری سبب مانع نہ

ہو۔ اگر خطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا کوئی جنب ہو گیا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔

رسول کے بلانے کو

لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَمَا عَادَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

آپس میں تم ایسا نہ قرار دو جیسا تم ایک دوسرے کو بلا تے ہو۔

دعاء الرسول میں فاعل کی طرف اضافت ہے اور مفعول محذوف ہے مطلب یہ کہ کسی امر جامع (اجتماعی امر) کے موقع پر رسول اللہ ﷺ تم کو بلائیں تو تم فوراً حکم کی تعمیل کر دو اور یہ نہ سمجھو کہ رسول کا بلاوا بھی ایسا ہی ہے جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلا تے ہو کہ جس کو بلا یا جاتا ہے اس کا دل چاہا گیا دل نہ چاہا نہ گیا۔ اور چلا بھی گیا تو جب ارادہ ہو البغیر اجازت لئے اٹھ کر چلا آیا۔ رسول کی دعوت پر لبیک کہنی فرض ہے اور بلا اجازت لئے یونہی چھوڑ کر چلا آنا حرام ہے اس تفسیر پر اس آیت کا مطلب ویسا ہی ہو گا جیسا دوسری آیت میں فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ۔

مجاہد نے کہا دعاء الرسول (میں اضافت مفعول کی طرف ہے) یعنی جب تم رسول کو بلاؤ یا پکارو تو اس طرح نہ بلاؤ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو بلا تا اور پکارتا ہے بلکہ تعظیم و تکریم کے ساتھ بلاؤ۔ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کا نام لے کر نہ پکارو۔

ابو نعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیسائی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔ یہ تشریح آیت کے سیاق و سباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے کے سلسلہ میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ دعاء بعضکم بعضاً مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (لول) قائل ہے دعا کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضاً منصوب ہے اس لئے یعنی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو تاراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعا سے ڈرتے رہنا چاہئے ان کی بددعا موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے) بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السلام علیکم (تم پر ہلاکت ہو تم کو موت آجائے) حضور ﷺ نے فرمایا علیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ نے فرمایا السلام علیکم ولعنة الله و غضب علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عائشہ! زمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو سخت کلامی اور بیسودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں اس مطلب پر علیکم کا لفظ محذوف قرار دیا جائے گا اور اصل کلام اس طرح ہو گا لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ عَلَيْكُمْ كَمَا عَادَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ (مادہ دعا کے بعد اگر علی آتا ہے تو بددعا کا معنی ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد لام آئے مثلاً لہم لک لہ لی وغیرہ تو اچھی دعا کا معنی ہو گا اور کوئی صلہ یعنی رابطہ اور حرف جر نہ ہو تو پکارنے بلانے اور اچھی بری دعا کرنے کا معنی ہو گا۔ مترجم)۔

مگر اس تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے چھوٹے بڑوں کو پکارتے ہیں اور بڑے کبھی ان کو پکار کر قبول کرتے ہیں کبھی ان کی درخواست رد کر دیتے ہیں۔ تم ان کی طرح رسول کی دعا کو نہ سمجھو رسول جب اپنے رب سے کوئی دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا رد نہیں کی جاتی ضرور قبول ہوتی ہے۔

قَدِ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّوْنَ مِنْكُمْ لِوَادَاهِ
 تم میں سے جو لوگ (دوسروں کی) آڑ لے کر چپکے سے سرک جاتے ہیں اللہ ان سے واقف ہے۔
 سہل چپکے سے کسی چیز کو کسی چیز میں سے کھینچ لینا اور پوشیدہ طور پر نکال لینا۔ پوشیدہ چوری پر اس کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ سہل البعیر فی جوف اللیل رات میں لونٹ چپکے سے پوشیدہ طور پر نکل کر چلا گیا۔ انسل لور اسٹل بھی اس کا ہم معنی ہے کذانی القاموس۔

لو اذا۔ لو از باب مفاعلة کا مصدر ہے لا و ذیلا و ذلو اذا۔ مجرد کا مصدر لیا اذا آتا ہے اس لئے مغلٹی مجرد کا مصدر نہیں ہے۔ لیاذا کا معنی ہے دوسرے کی پناہ پکڑنا دوسرے سے چٹ جانا دوسرے کے ساتھ مل جانا ایک منقول دعا میں آیا ہے اللهم الوذی بک اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں لو تو (باب مفاعلت سے مشارکت کو چاہتا ہے) کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کی اور دوسرا پہلے کی پناہ میں چلا جائے (باہم ایک دوسرے کی آڑ پکڑ لیں) آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ چھپ کر نکل جاتے ہیں ایک دوسرے کی آڑ لے کر سرک جاتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں کو جانے کی اجازت مل جاتی ہے ان کی آڑ لے کر انکے ساتھ یہ بھی نکل جاتے ہیں۔

قاموس میں ہے لوذ، لو اذ کی طرح کسی چیز کے ذریعہ سے چھپ جانا آڑ پکڑ لینا۔
 خندق کی کھدائی کے وقت منافقوں کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ ابن اسحاق لور بیہتی نے عروہ لور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ منافق پوشیدہ طور پر رسول اللہ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جاتے تھے۔
 حضرت ابن عباس نے فرمایا جمعہ کے دن مسجد میں ٹھہرنا لور رسول اللہ ﷺ کا خطبہ سنا گوارا نہ تھا اس لئے بعض صحابہ کی آڑ لے کر مسجد سے پوشیدہ طور پر نکل جاتے تھے۔

قد یعلم اللہ اللہ جانتا ہے یعنی اللہ سزاوے کا سزا علم کے بعد ہوتی ہے (اس لئے علم کا لفظ بول کر سزا امر اولی)
 فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵۰﴾
 پس جو لوگ اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان پر (دنیا میں) کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا (آخرت میں) ان پر کوئی دردناک عذاب (نہ) آجائے۔

عن امرہ میں بغض کے نزدیک عن زائد ہے (کیونکہ یخالفون کا باب بغیر وساطت کے خود متعدی ہے اس کا صلہ عن نہیں آتا) مطلب یہ ہے کہ مخالف سمت کو چلتے ہیں۔
 بعض علماء نے کہا مخالفت کے اندر اعراض کا مفہوم داخل ہے لفظ عن اسی اعراض پر دلالت کر رہا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی طرف سے کتراتے ہیں۔ خالفہ عن الامر اس سے اعراض کیا کتر لیا۔ اس صورت میں مفعول محذوف ہو گا۔
 عن امرہ کی ضمیر یا اللہ کی طرف راجع ہے یا رسول کی طرف۔

فتنة بر قول مجاہد فتنہ سے مراد ہے دنیوی مصیبت لور دکھ لور عذاب الیم سے مراد ہے آخرت کا عذاب۔
 یعنی جو لوگ اللہ کے امر کے خلاف راہ اختیار کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی دنیوی آفت و مصیبت آ پڑے یا عذاب الیم میں مبتلا ہو جائیں۔

کچھ علماء قائل ہیں کہ اگر امر کے واجب ہونے یا مستحب ہونے وغیرہ کا کوئی قرینہ نہ ہو (لور قرینہ سے کسی معنی کی تعیین نہ ہوتی ہو) تو (اصل لغت کے لحاظ سے) امر و وجوب کے لئے ہوتا ہے مطلق امر مشترک نہیں ہے نہ وجوب و استحباب کے درمیان جیسا کہ امام شافعی کہتے ہیں نہ وجوب استحباب لور اباحت کے درمیان نہ وجوب استحباب اباحت اور تمہید کے درمیان جیسا کہ شیعہ قائل ہیں (خلاصہ یہ کہ صیغہ امر کی وضع حقیقی وجوب کے لئے ہے دوسرے معانی میں استعمال مجازی ہے جو قرینہ پر موقوف ہے لفظ امر مشترک بین المعانی نہیں ہے) شیعہ کے قول کے مطابق ہی ابن شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے۔

مطلق امر کو جو لوگ وجوب کے لئے کہتے ہیں ان کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ آیت میں مخالفت امر کی صورت میں دنیوی مصیبت اور آخرت کے عذاب سے ڈر لیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ خوف مصیبت اور عذاب کا ڈر ترک واجب یا ارتکاب حرام کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔

خوب سن لو کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

در حقیقت اللہ ہی کا ہے یعنی اللہ ہی اس کا خالق و مالک ہے۔

تم جس حالت پر ہو وہی اس کو جانتا ہے یعنی ایمان ہو یا نفاق موافقت امر ہو یا

قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ

مخالفت۔ یہ تمام مکلفین کو خطاب ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صرف منافقوں کو خطاب ہو اور قد یعلم سے سابق مضمون کی تاکید مقصود ہو کیونکہ جو ذات ساری کائنات کی خالق اور مالک ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ تمام مخلوقات و مملوکات کے احوال سے واقف بھی ہوگی۔

اور جس روز لوگ اللہ کی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے

وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا

(اس روز) اللہ ان کو ان کے کئے ہوئے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔ یعنی اچھے برے عمل کی جزا و سزا پوری پوری دے گا۔

فینبئہم میں ف زائد ہے اور یوم یرجعون ینبئہم کا ظرف (مفعول فیہ) ہے۔ جیسے آیت لایلاف قریب

ایلافہم رحلۃ الشتاء والصیف فلیعبدوا رب هذا البیت میں (لایلاف کا تعلق لیعبدوا سے ہے اور فلیعبدوا میں

ف زائد ہے)۔

اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی کوئی چھپی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کو بالائخانوں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ

سکھاؤ (بلکہ) ان کو چرخہ کی اور سورت نور کی تعلیم دو۔ اللہ نے اللہ کے رسول ﷺ نے اور صحابہ کرام نے سچ فرمایا۔

الحمد للہ، سورت نور کی تفسیر ۲۶/ رمضان ۱۳۰۴ھ کو ختم ہوئی اس کے بعد انشاء اللہ سورہ فرقان کی تفسیر آرہی ہے۔

بعون اللہ و حمدہ سورہ نور کی تفسیر کا ترجمہ ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کو ختم ہوا۔

فالحمد قبل له والحمد بعد له والصلوة علی رسولہ محمد و اتباعہ

سورة الفرقان

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۷۷ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَبَارَكَ
بڑی خیر والا ہے۔

تبارک (باب تقاضی کا ماضی ہے لیکن اس) کی صرفی گردان نہیں آتی اس کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے کذا قال حسن بعض علماء نے تبارک کا ترجمہ کیا وہ ہر چیز سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اپنی صفات و افعال میں سب سے اعلیٰ و بالا ہے برکت کے معنی کے اندر زیادتی کا مفہوم داخل ہے اسی لئے ضحاک نے اس لفظ کا ترجمہ کیا وہ عظمت والا ہے۔

الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ
وہ جس نے قرآن اپنے بندے (یعنی محمد ﷺ) پر تھوڑا تھوڑا (تدریجاً)

اتارا۔

فرقان مصدر ہے فرق بین الشیئین دو چیزوں کو الگ الگ کر دینا۔ قرآن کو فرقان کہنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ اپنے بیان سے حق و باطل کو الگ الگ کر دیتا ہے اور اپنے اعجاز سے اہل حق و اہل باطل میں فرق کر دیتا ہے یا فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ (پورے قرآن کا نزول یکدم نہیں ہوا بلکہ) تھوڑا تھوڑا الگ الگ مختلف اوقات و مقامات میں نازل ہوا۔ چونکہ قرآن کے اندر خیر کثیر ہے اور اللہ کا برتر و اعلیٰ ہونا اس سے ثابت ہے اس لئے قرآن نازل کرنے والے کو خیر کثیر کا مالک قرار دیا۔ اور تبارک فرمایا۔

۱۔ امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں نے ہشام بن حکیم کو سورہ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورہ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے لالہ اشہام وغیرہ۔ حرف کثیرہ کے مفہوم کی تشریح میں علماء کے ۲۱ اقوال آئے ہیں اس فقیر کی نظر میں کیفیت اور امراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم) قریب تھا کہ نماز ہی میں ان پر جا کو دوں لیکن میں رکابا۔ جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا۔ یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس قرأت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔ غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورہ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور ﷺ نے مجھے یہ سورہ پڑھائی تھی۔ حضور ﷺ نے ہشام سے فرمایا ہشام پڑھو ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقے سے حضور ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی۔ فرمایا یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقے سے پڑھو۔ (مؤلف)

لَيَكُونَنَّ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾ تاکہ وہ (یعنی عبد یا فرقان سارے) جہانوں کے لئے (یعنی تمام جن و انس کو مخالفت اور اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا ہو۔

عالمین سے مراد ہیں جنات اور انسان کیونکہ خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جنات اور انسانوں کے لئے عام تھی۔ نذیر بمعنی منذر (ڈرانے والا) یا بمعنی انداز (مصدر ڈرانا) جیسے نکیر بمعنی انکار آتا ہے۔

إِنِّي لَعَلَّكُمْ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِينَ ﴿٢﴾ اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا)۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ﴿٣﴾ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساتھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور برائی کا خالق، مجوسی لول خالق کو بزدال اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تشبیہ فرمائی۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴿٤﴾ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَرَهُ تَعْدِيًّا ﴿٥﴾ پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔ یعنی اس کو ٹھیک بتایا جو خواص و افعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اسکے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی۔ جیسے انسان میں فہم، اور اک غور و فکر، تدبیر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گونا گوں افعال و اعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

یابہ مطلب ہے کہ معین و مقرر وقت تک باقی رکھنا اس کے لئے مقدر کر دیا۔ کبھی لفظ خلق کے مفہوم اشتقاقی سے قطع نظر کر کے صرف ایجاد کے معنی میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ مطلب ہو گا کہ اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا پھر اس کی ایجاد میں ایک قدر خاص کا لحاظ رکھا تاکہ تفاوت نہ ہونے پائے۔

بعض علماء نے قدر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدت زندگی عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کر دیا۔ اب (اس دنیا میں آکر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازہ تخلیقی کے خلاف نہیں ہو سکتیں) چونکہ توحید و نبوت کے اثبات کا مفہوم (زر ذکر) کلام کے اندر تھا اس لئے جو لوگ ان دونوں کے منکر تھے ان کے عقائد و اقوال کی ذیل کی آیت میں تردید فرمائی (اول) باطل معبودوں کا نقص ظاہر فرمایا (پھر نبوت پر ان کو جو بیسودہ اعتراض اور شبہ تھا اس کا ازالہ کیا)

وَإِخْتَدُوا مِنِّي دُونَ إِلَهِةٍ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٦﴾ اور بنا رکھے ہیں انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔

اتخذوا یعنی کفار مکہ نے بت رکھے ہیں۔ من دونہ اللہ کے سوا۔ لا یخلفون شینا چونہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل و فعل کو نہ حالت کو۔ وہم یخلفون اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں وہ مخلوق ہیں اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ و معانی میں عموم ہے تمام

جو ممکن خود مستقل بالذات ہوا اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور وجود خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی، سرخی جسم کی محتاج ہے۔

باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بت ہیں۔ اس لئے مخلوق کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ پجدی خود اپنے بتوں کو تراشتے اور صورتیں بناتے ہیں۔

وَلَا يَمْلِكُونَ لِنَفْسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا
اگر اللہ ان کو دکھ پہنچانا چاہے تو وہ دکھ کو دینے سے انہیں روک نہیں کر سکتے۔ اگر کبھی ان سے کوئی چیز اڑا کر لے جائے تو وہ چھڑا نہیں سکتے اور نہ فائدہ حاصل کرنے کی ان میں قدرت ہے۔

نفع و نقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْبَرْتُ بَيْنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ۔

وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نَشْوٰرًا ⑤
دوبارہ) اٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا لو جزا دے سکے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ

صراحت کے ساتھ کفر و کفریہ میں اس امر پر تہمید ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ کیونکہ (خالص) توحید تک پہنچنے کے لئے تما عقل کافی نہیں ہے بلکہ حقیقی توحید وہ ہے جو شریعت میں بیان کی گئی ہے۔ فلاسفہ اور متبعین نے الہیات (یعنی مافوق الطبیعیات مسائل) میں بہت سے غوطے کھائے ہیں راہ حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

صحبہ میں حضرت ابن عباس کی روایت سے قبیلہ عبد القیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں۔ اہل وفد نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بخوی واقف ہے فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دو۔

إِنَّ هَذَا إِلَّا فَاكٌ يٰفْتَرِيۗہٗ

کہ یہ تو کچھ بھی نہیں زاجھوٹ ہے۔

ہذا یعنی قرآن جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں۔

افک جھوٹ کا رخ (حق و صداقت کی سمت سے) پھیر دیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد نے خود گھڑ لیا ہے (یہ محمد ﷺ کا خود تراشیدہ ہے)۔

وَاعَانَاۗتُكَ عَلَيْهِ قَوْمٌ آٰخِرُونَ ۙ

اور اس کام میں کچھ دوسرے لوگوں نے ان کی مدد کی ہے۔

مجاہد نے کہا قوم آخرون سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحضر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا کہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قوم آخرون سے یہی لوگ مراد تھے۔

مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔

فَقَدْ جَاءُوۡا ظَلْمًا وَّزُورًا ۙ

پس بلاشبہ انہوں نے بہت ہی بے جا بات کی اور جھوٹ (کہا)۔

ظلم (بے جا حرکت) یہ کہ اللہ کے کلام کو یہودیوں سے سیکھا ہوا سن گھڑت کلام قرار دیا اور زور (جھوٹ) یہ بتایا کہ ایسے شخص کو تہمت تراش اور دروغ باف قرار دیا جو قطعاً ان کے الزامات سے پاک تھا۔

بیضاوی نے لکھا، لفظ جاء، یا آئی کا استعمال فعل (کیا) کے معنی میں بھی ہوتا ہے اس وقت یہ فعل متعدی ہے جو جاتے

ہیں۔

اور (کافر) کہتے ہیں کہ یہ تو بے سند باتیں ہیں جو انگوٹوں سے منقول ہوتی چلی

وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ

آئی ہیں۔

یعنی ان میں سے بعض نے جیسے نصر بن حارث نے کہا کہ قرآن اللہ کا بھیجا

ہوا نہیں ہے بلکہ پچھلے گزرے ہوئے لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں ہیں۔ جیسے رستم و اسفندیار کے قصے ہیں۔

(محمد ﷺ نے) یہ لکھوالی ہیں، پس صبح و

اَلَكْتَبَتِهَا فِيهَا تَمَلُّ عَلَىٰ بَكْرَةَ وَاصْبِلًا ۝

شام ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

یعنی جبر، بیار، عداس وغیرہ سے رسول اللہ ﷺ نے لکھوالی ہیں، خود اُتی ہیں لکھ پڑھ نہیں سکتے صبح و شام پڑھا کر سن

لیتے ہیں تاکہ یاد رکھ سکیں۔

آپ (ان کے قول کی تردید

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

میں) کہہ دیجئے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے بلکہ اس کو اس خدا نے اتارا ہے جو آسمانوں کی اور زمین کی چھپی باتوں کو جانتا ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے مقابل بڑے بڑے زبان آور اہل ادب عاجز ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کلام کے اندر

ایسے علوم ہیں جن سے وہی ذات واقف ہو سکتی جو ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والی ہو (اور چونکہ کوئی گزشتہ موجودہ انسانی ہستی

ایسی نہیں جو ان علوم سے واقف ہو) اس لئے یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے اسی لئے باوجود کامل

اِنَّكَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

قدرت کے تم کو اس نے اب تک عذاب نہیں دیا حالانکہ تم مستحق عذاب ہو۔

اور ان (کافر) لوگوں نے کہا یہ

وَقَالُوا مَا لَ هٰذَا اِلَّا نَسْوٰنَ فِى الْاَسْوَاقِ ط

کیسا رسول ہے کہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

یعنی یہ رسول ہوتا تو اس کی دوسرے انسانوں سے کوئی امتیازی حیثیت ہوتی (کھانے پینے کی اس کو ضرورت نہ ہوتی۔ اور

بازاروں میں کبھی نہ گھومتا اور جب اس کی یہ امتیازی حیثیت نہیں ہے تو یہ رسول بھی نہیں ہے)۔

بنغوی نے لکھا ہے کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو

بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی

تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيّْیْ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس

وحی آتی ہے۔ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ

چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے اللہ نے

فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے

(انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہئے)

اس کے پاس فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ

كَوْلًا اَنْزَلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ مَعَهُ نَذِيْرًا ۝

اس کے ساتھ رہ کر ڈراتا۔

یعنی یہ کیسا رسول ہے کہ نہ تو یہ فرشتہ ہے کہ اس کو اپنی ذاتی قوت حاصل ہوتی نہ اس کے ساتھ کوئی تائید کرنے والا

فرشتہ بھیجا گیا ہے کہ فرشتہ کی تصدیق سے ہم اس کی سچائی جان لیتے۔

یا (آسمان سے) اس کی طرف کوئی خزانہ

اَوْ يُلْقٰى اِلَيْهِ كَنْزًا وَّكَوْنُ لَهُ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط

ڈال دیا جاتا (کہ وہ خرچ کرتا رہتا اور معاش کی طلب میں بازاروں میں گھومنے پھرنے کا محتاج نہ رہتا) یا اس کا کوئی باغ ہی ہو تا جس کے پھل وہ کھالیا کرتا (اور روزی پیدا کرنے کا ضرورت مند نہ رہتا)

مذکورہ بالا عبارت میں کافروں نے تین اقوال کا ذکر کیا اور تنزیلی ترتیب کے ساتھ کیا۔ اول یہ کہ رسول فرشتہ کیوں نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر وہ فرشتہ نہیں بھی ہو تا تو کم از کم کوئی فرشتہ تصدیق کرنے والا اس کے ساتھ ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اگر ایسا بھی نہیں ہو تا تو کم از کم اس کی روزی کا کوئی انتظام ہی ہوتا۔ (جس کی دو صورتیں تھیں ایک غیبی اور دوسری ظاہری غیبی تو یہ کہ) اس کے پاس آسمان سے کوئی خزانہ آجاتا اور (ظاہری یہ کہ) یا اس کے پاس کھانے اور روزی حاصل کرنے کے لئے کوئی باغ ہوتا۔ جیسے زمین داروں اور مالدار لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔

وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا سِحْرًا مَّسْحُورًا ⑩
اور ظالموں نے (یہ بھی) کہا کہ تم لوگ محض جادو زدہ آدمی کا ساتھ دے رہے ہو جادو کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے۔ (پاگل ہو گیا ہے)
کافروں کی طرف سے یہ خطاب مسلمانوں کو تھا۔ بعض علماء نے مسحور کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ بعض نے ترجمہ کیا حق سے پھر اہو البعض نے کہا اسم مفعول بمعنی فاعل ہے۔ یعنی جادو گر۔

أَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ
(اے محمد ﷺ) آپ دیکھیے یہ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔

امثال بمعنی اشیاء، یعنی انہوں نے آپ کو چھوٹے افترا پر دازوں اور بیہودہ قصہ بیان کرنے والوں کی طرح قرار دے رکھا ہے یہی تو وجہ ہے کہ وہ آپ کو مقتری اور دوسروں سے افسانے لکھوانے والا کہتے ہیں۔ اور (کبھی) سحر زدہ لوگوں کی طرح (بدحواس پاگل) کہتے ہیں اور (کبھی) فرشتہ ہونے یا بادشاہ ہونے کے مدعی کی طرح قرار دیتے ہیں اور (یہ مان کر کہ آپ کو اپنے فرشتہ ہونے اور بادشاہ ہونے کا دعویٰ ہے) کہنے لگتے ہیں کہ فرشتہ کا کھانا کھانا اور بازاروں میں گھومنا ناممکن ہے اور بادشاہ نیز دولت مندوں کے پاس خزانے اور باغات ہونے چاہئیں اس لئے آپ کا دعویٰ طو کیت غلط ہے۔

فَصَلُّوا
پس (دیکھو یہ کس طرح) گمراہ ہو گئے حق تک پہنچانے والا راستہ اور آپ کی نبوت کو پہچاننے کا طریقہ تو یہ تھا کہ انبیاء کی خصوصیات کو پہچانتے کہ وہ بھی انسان ہوتے ہیں غلطیوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کے پاس رب کی طرف سے وحی آتی ہے ان کو معجزات دیئے جاتے ہیں جن سے جھوٹے مدعیان نبوت اور سچے انبیاء میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

فَلَا يَسْتَبِيحُونَ سَبِيلًا ⑪
اب ان کو (ہدایت کا) راستہ نہیں مل سکتا یہ مطلب ہے کہ جب ان کی تمثیلات و تشبیہات میں خود تقاضا اور تضاد ہے تو پھر آپ کی نبوت پر جرح و قدح کرنے کا ان کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا کیونکہ جو کلام خود ہی متناقض ہو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خثیمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور ﷺ نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

تَبْرُكَ الْبَدْحِيُّ إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذَلِكَ جَدَّتْ تَجْرِي مِّنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُورًا ⑫

بڑی برکت والا ہے وہ اللہ کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر (دنیا ہی میں) نعمتیں عطا فرمادے۔ (یعنی) ایسے باغ جن کے (درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں) (آپ کو دیدے) اور آپ کے لئے عمارت (تیار) کر دے۔

یعنی خزانوں اور باغوں سے بہتر نعمتیں دنیا میں ہی اگر اللہ دینا چاہے تو وہ دیدے لیکن اس نے یہ چیزیں آپ کے لئے آخرت میں مقرر کر دی ہیں۔

بنوئی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازروں میں کھونے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔
قصور امضبوط مکان عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابولمامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ولویٰ مکہ کو میرے لئے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی میں نے عرض کیا نہیں میرے رب میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا ہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے۔ ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی اور بندہ (غلام) کہیں اور اگر چاہیں تو نبی اور بادشاہ ہو جائیں میں نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا۔ جبرئیلؑ نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) کہتا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كَذِبًا
بلکہ انہوں نے قیامت کی تکذیب کی۔

(یعنی وقوع قیامت کا یقین نہیں کیا) اس جملہ کا عطف قالو پر ہے (اور بل کا استعمال ترقی کے لئے) مطلب یہ ہے کہ (انہوں نے صرف لول الذکربات ہی نہیں کہی) بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات کہی میاں آیت کا تعلق گزشتہ متصل آیت سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آپ کو مفلسی کا طعن دے کر اور دوسرے یہودہ طغر کر کے صرف آپ ہی تکذیب نہیں کرتے بلکہ ان کی نظریں محض حقیر سامان دنیا سے آگے نہیں بڑھتیں ان کا خیال ہے عزت کی چیز صرف مال ہے یا یہ معنی ہے کہ یہ قیامت کو ہی نہیں مانتے پھر اس جواب کی طرف التفات ہی کیسے کریں گے اور آخرت میں اللہ نے جن نعمتوں کے دینے کا آپ سے وعدہ کیا ہے اس کو سچا کیسے جانیں گے یا یہ معنی ہے کہ آپ اس پر تعجب نہ کریں کہ وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ بات ہے کہ وہ وجود قیامت کی تکذیب کرتے ہیں۔

وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِآيَاتِنَا سَعِيرًا
اور ہم نے تیار کر رکھی ہے تکذیب کرنے والوں کے لئے سخت بھڑکتی آگ۔

بعض علماء نے کہا سیر ایک دوزخ کا نام ہے۔

إِذَا رَأَوْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ آگ کی طرف دیکھنے کی نسبت حقیقی ہے (واقع میں آگ دیکھے گی) بنوئی نے لکھا ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر جو کوئی شخص قصد آدوروغ بندی کرے اس کو اپنی جگہ آگ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بنا لینی چاہئے۔ صحابہ نے عرض کیا کیا آگ کی بھی آنکھیں ہوں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے اذارتھم من مکان بعید۔

بعض علماء نے کہا آگ کی طرف دیکھنے کی نسبت مجازی ہے یعنی دوزخ کے فرشتے دیکھیں گے یا یہ مطلب ہے کہ آگ اتنی دوری پر ہوگی کہ دیکھی جاسکے گی۔ ایک حدیث میں آیا ہے ان دونوں کے آپس میں اتنی مسافت ہوگی کہ دکھائی نہیں پڑے

گی۔ یعنی دونوں میں اتنا فاصلہ نہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں۔ (بلکہ فاصلہ بہت ہوگا)۔

مکان م بعید کی تشریح میں کلبی نے کہا سو سال کی راہ۔
بعض نے کہا پانچ سو برس راہ کی مسافت۔

تو وہ (کافر) سنیں گے اس آگ کے غضبناک ہونے کی آواز اور غراہٹ
تغیظ جوش مارنے کی آواز جو غضبناک آدمی کی غصیلی آواز کی طرح ہو۔

زفیر پیٹ کے اندر کی گڑ گڑاہٹ، غراہٹ

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا صَبِيحًا مُّقْرَّبِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ کر جکڑ کر ڈالا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔
تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان کو دوزخ میں اس طرح ٹھونساجائے گا جیسے دیوار میں میخ۔
حضرت ابن عمر کی روایت میں آیا ہے جیسے برتھے بوری میں۔

ابن مہدک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے بوری میں۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کھلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابو نعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

مقربین یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جٹ میں بندھے ہوئے۔

ثبور (بمعنی ہلاکت یہ ترجمہ ضحاک نے کیا حضرت ابن عباس نے فرمایا ثبور یعنی ویلا (ویل بمعنی ہلاکت)۔

احمد بزار ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریعات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے لیا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَلَا جَدًّا ۝ وَإِذَا دُعُوا ثُبُورًا كَتَمُوا ۝
پکارو بلکہ (طرح طرح کی) بہت ہلاکتوں کو پکارو یعنی تمہاری ایک ہی ہلاکت نہیں بلکہ بہت ہلاکتیں ہیں عذاب کو گونا گوں قسمیں ہیں اور ہر قسم کا عذاب بجائے خود ایک ہلاکت ہے یا یہ وجہ ہے کہ نوبہ نو (بار بار ایک ہی طرح کا) عذاب ہوگا (پس بہت سی ہلاکتیں ہو جائیں گی) اللہ نے فرمایا ہے كَلَّمَا نَضَجَتْ جَلُودُهُمْ بَدَّلْنَا هُمْ جَلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ جتنی مرتبہ ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کی (جلی ہوئی) کھالیں دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔
یا ثبور کثیر کا یہ معنی ہے کہ کسی وقت ہلاکت منقطع نہ ہوگی۔

آپ کہیے کیا یہ بہتر ہے یا وہ دوامی

قُلْ أَذَلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَمَنِّعُونَ ۝

جنت بہتر ہے جس کا وعدہ مومنوں سے کیا گیا ہے۔

قل اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے

اذلک کیا یہ دوزخ جس کی حالت مذکورہ عبادت میں بیان کی گئی اور دوزخ والے یا ذلک سے اشارہ دنیوی خزانہ اور

یہاں کے باغات کی طرف ہے۔

یہ استفہام تقریری ہے جس کے اندر استہزاء اور سرزنش شامل ہے۔

المتقون سے مراد ہیں شرک اور تکذیب سے بچنے والے (یعنی تمام مومن) کیونکہ متقیوں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر

کیا گیا ہے۔ مومن مراد لینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جنت ہر مومن کو ملے گی۔

جنتہ الخلد میں اس بات پر دلالت ہے کہ جنت ہمیشہ رہے گی۔

ان کے لئے جنت (ان کے اعمال کی) جزا تھی اور (عظیم الشان)

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَ مَصِيرًا ۱۵

لوٹنے کی جگہ۔

یعنی اللہ کے علم میں یا لوح محفوظ میں جنت مومنوں کے اعمال کی جزا تھی یا یوں کہا جائے کہ اللہ کا وعدہ ایسا ہی یعنی الوقوع

ہے جیسے کہ واقع ہو گیا۔ (اس کے لئے کانت ماضی کا صیغہ استعمال کیا)۔

جزاء یعنی ثواب اعمال مصیرا لوٹنے کی جگہ جہاں پلٹ کر جائیں گے۔ مصیرا میں تئوین اظہار عظمت کے لئے ہے۔

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَلِيدِينَ ۱۶

ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی انے مرتبے کے لائق مومن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے

گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام امران تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں

ہو سکتے)

اے پیغمبر یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمے ہے اور

كَانَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ۱۷

قابل درخواست ہے۔

علی ربک یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف

ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور عاجز پر ہوتا ہے اور خدا پر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے

ارادے اور اختیار سے وعدہ فرمایا ہے اس لئے وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ

ہے) پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ

اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا)

مسئولا یعنی وہ مستحق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور طلب و دعا کی جائے۔ یا اس کے مسؤل ہونے کا یہ مطلب ہے

کہ لوگ اس سے سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں اور امید رکھتے ہیں۔ رَبَّنَا اٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رَسُوْلِكَ اے ہمارے رب ہم

کو وہ جنت عطا فرماتا جس کا وعدہ اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے کیا ہے۔

سید محمد بن کعب قرظی نے کہا فرشتے ایفاء وعدہ کی اس سے درخواست کریں گے اور کہیں گے رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ

عَدْنِ النَّارِ وَعَدْنَتْهُمْ ۱۸

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ اَنْتُمْ اَصْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۱۹

اور جس روز اللہ ان کو اور اللہ کے سوا جن کو یہ پوجتے تھے ان کو

سب کو اکٹھا کرے گا پھر ان (معبودوں) سے فرمائے گا کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ حق سے گمراہ ہو گئے

تھے۔

ما یعبدون سے مراد ہیں تمام باطل معبود (عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ، جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ (اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ) ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کر دے گا اور بولنے پر قدرت عطا کر دے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقامات (گناہ) گویا بنا دیئے جائیں گے۔

اصلتہم کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

ام ہم صلوا السبیل یاہود خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودان باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُنْبِغِيْ لَنَا اَنْ نَّشْكِرَكَ مِنْ دُونِكَ مِنْ اَوْلِيَاءِ

وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمارے لئے تو تیرے سوا دوسروں کو کارساز قرار دینا جائز ہی نہ تھا۔ قالوا صیغہ ماضی بمعنی مستقبل ہے کیونکہ مستقبل میں ان کا یہ بات کہنا یقینی ہے۔

سبحنک یعنی بطور تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودان باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہو سکتا تھا اور اگر مخاطب، جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی۔ پھر وہ کیسے گمراہ کر سکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرمادیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں اللہ نے فرمادیا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِغُ بِحَمْدِهِ پھر ہم کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

ماکان ینبغی لنا ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

یہ جواب انبیاء، ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے واللہ ربنا ماکانا مشرکین قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے۔ شیطان کہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَّتْكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ وَوَعَدْتَكُمْ فَاخْلَفْتُمْ وَمَا كَانَ لِیْ عَلَیْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اللّٰہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔

وَلٰكِنْ مَّنَعْتَهُمْ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰی نَسُوا الدِّیْنَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۱۸

(لیکن تو نے تو ان کو اور ان کے بڑوں کو آسودگی دی کہ وہ تیری یاد کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے۔

مستنعم یعنی تو نے ان کو عمر صحت اور طرح طرح کی نعمتوں سے اتنا نوازا کہ وہ خواہشات میں ڈوب گئے اور تیری یاد سے غافل ہو گئے۔ تیری نعمتوں کی یاد ان کو نہ رہی تیری آیات میں غور کرنے سے انہوں نے اعراض کیا اور بھول گئے کہ وہ تیرے محتاج ہیں۔ یاد کر کو بھول جانے کا یہ مطلب ہے کہ نصیحت کو اور قرآن پر ایمان لانے کو انہوں نے ترک کر دیا (انسان کے

لئے ترک لازم ہے ملزوم بول کر لازم مراد لیا۔)

(معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے گناہوں کے پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی جاسکتی چنانچہ گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی نسبت اس آیت میں بندوں کی طرف کی گئی ہے اس کا جواب مفسر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ) ضلالت کی نسبت بندوں کی طرف اس لئے کی گئی کہ انسان کا سب گمراہی اور مرکب گناہ ہے اور اللہ کی طرف ضلالت کی نسبت اس لئے کی گئی کہ اللہ گمراہی کا خالق ہے اور گمراہی کی تخلیق گمراہ ہونے پر آمادہ کرتی ہے اس صورت میں یہ آیت اہل سنت کے مسلک کی تائید کرتی ہے اور معتزلہ کے قول کی تردید۔

وكانوا یعنی تیرے ازلی فیصلے میں ہی یہ لوگ ہلاک ہونے والے تھے۔

بوراً مصدر ہے واحد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔ بعض کے نزدیک بورا باری کی جمع ہے جیسے عوذ عائذ کی

جمع ہے۔

پس تمہارے معبود ہی (قیامت کے دن) تمہارے قول کی تکذیب

فَقَدْ كَذَّبَ بَوَّكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۝

کریں گے۔

یہ خطاب دنیا میں مشرکوں کو ہے۔ یعنی آخرت میں تمہارے معبود تمہارے قول کی تکذیب کریں گے چونکہ قیامت میں ہونے والا واقعہ یعنی تھا۔ اس لئے مستقبل کی تعبیر بصیغہ ماضی کی جیسے اذال السَّمَاءُ انشَقَّتْ میں۔

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جمونا قرار دے رہے ہیں۔ بما تقولون یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا اس بات کی تکذیب معبودوں نے ہی کر دی۔

نواب تم نہ (عذاب کو) لوٹانے کی طاقت رکھتے ہونہ مدد کی۔ یعنی

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۝

تمہارے معبود نہ عذاب کو پھیرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ تمہاری مدد کرنے کی یا یہ مطلب ہے کہ تم عذاب کو پھیرنے کی طاقت رکھتے ہونہ اپنی مدد کرنے کی۔ بعض نے کہا صرف کا معنی ہے حیلہ تدبیر، عرب کہتے فلان يتصرف فلان شخص کچھ حیلہ کرے گا مطلب یہ ہے کہ اب تم نہ کوئی حیلہ کر سکتے ہونہ مدد۔

اور (اے انسانو) تم میں سے جو کوئی ظلم (یعنی

وَمَنْ يُظْلَمْ فَيُكْفَرُ بِهِ إِنَّهُ كَانَ كَاظِمًا ۝)

شُرک) کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اس ترجمہ پر ظلم سے مراد ہوگا شرک، اس صورت میں شرک کی سزا یعنی عذاب با اتفاق علماء لازم ہے اور اگر ظلم کے اندر فسق کو بھی شامل قرار دیا جائے تو پھر سزا کا لزوم عمومی نہ ہوگا بلکہ عدم مانع کے ساتھ مشروط ہوگا۔ یعنی گناہ کبیرہ کی سزا ضروری نہیں قرار پائے گی توبہ اور طاعت کے بعد بالاتفاق ساقط کر دی جائے گی

اور (بغیر توبہ کے بھی) ہمارے نزدیک (برحمت خداوندی یا شفاعت) معاف ہو سکتی ہے۔ واحدی نے بطریق جوہر اور بغوی نے بطریق ضحاک اور ابن جریر نے بروایت سعید و عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ پر مفلس و نادار ہونے کا طنز کیا اور کہا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْسُكُ فِي الْأَسْوَاقِ تَوْحُورًا مِثْلَ بَنِي إِسْرَائِيلَ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَبَاكِلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر نہیں بھیجے مگر ایسے ہی پیغمبر بھیجے جو یقیناً کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے۔ (یعنی آپ سے پہلے ہم نے اپنے پیغمبر بھیجے وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے) اس میں رسول اللہ ﷺ کے رنج کو دور کرنا اور تسلی دینا مقصود ہے۔

اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے مصیبت بنا دیا ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۝

مال دار کو تدار کے لئے مصیبت بنا دیا فقیر کتا ہے میں اس مال دار کی طرح کیوں نہیں ہوا تندرست یہاں کے لئے مصیبت ہے اور شریف رذیل کے لئے حضرت ابن عباس نے (فتنہ کا معنی آزمائش (بیان کیا اور) فرمایا ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنا دیا ہے تاکہ جو لوگ تمہارے مخالف ہیں اور تمہاری مخالفت میں باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی باتوں کو سنتے اور ان کی مخالفتوں کو دیکھتے ہو تم ان کی اس لذت رسانی پر صبر کرو اور اپنے سیدھے راستے پر چلتے رہو۔

بعض اہل روایت نے کہا اس آیت کا نزول صرف اونچے اور نیچے کے طبقوں کے سلسلہ میں ہوا اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہونا چاہتا اور اس سے پہلے کوئی ذریعہ کا شخص مسلمان ہو چکا ہو تا تو اس بالا طبقہ کے آدمی کو خیال ہو تا کہ اب اگر میں مسلمان ہوا تو اس ذلیل رذیل مسلمان کو مجھ پر برتری حاصل رہے گی اور مجھے اس کے پیچھے رہنا پڑے گا یہ سوچ کر وہ اپنا رلوہ بدل دیتا اور مسلمان نہ ہوتا۔ بعض کے بعض کے لئے آزمائش بنائے جانے کا یہی مطلب ہے یہ بیان کلیں کا ہے۔ مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول ابو جہل، ولید بن عتبہ، عاص بن وائل اور نصر بن حارث کے حق میں ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابو ذرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت عامر بن لبیرؓ مسلمان ہو چکے ہیں کہنے لگے اب اگر ہم مسلمان ہوئے تو ان کے برابر ہونا پڑے گا۔

قادہ نے کہا قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے لو کہتے تھے ذرا محمد کے ساتھیوں کو تو دیکھو جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں کہتے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا۔

أَتَصْبِرُونَ؟ کیا اس فقرہ مصیبت اور کافروں کی طرف سے لذت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم والوں میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔

وَكَانَ رَبُّكَ بِصَبْرِكَ

اور آپ کا رب (صبر رکھنے والوں اور صبر نہ رکھنے والوں کو) خوب دیکھ رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو کہ رواہ الشیخان فی الصیغین واحمد۔

اٹھارہواں پارہ ختم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَقَالَ الذِّیْنَ

اِنِیْسُوا لِنَا پارہ شروع

وَقَالَ الذِّیْنَ لَا یَرْجُونَ لِقَاءَنَا
دوبارہ زندگی کے منکر ہیں) وہ کہتے ہیں چونکہ دوسری زندگی کے وہ قائل نہیں اس لئے اللہ سے مل کر ان کو کسی بھلائی کی امید بھی نہیں اور نہ کسی برائی کا خوف ہے۔ رجاء کا بمعنی خوف مجازی استعمال ہے یا (یوں کہا جائے کہ) تمامہ والوں کی زبان میں رجاء امید و خوف دونوں معانی میں مستعمل ہے فراء نے یہی کہا ہے اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے مَا لَکُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا تم اللہ کی عظمت سے کیوں نہیں ڈرتے۔ لعنت میں کسی چیز تک پہنچنے کو لقاء کہا جاتا ہے (ملاقات کرنے یعنی) کسی کے دیکھنے کو بھی لقا اس وجہ سے کہا جاتا ہے کسی کو دیکھنے کا معنی ہے اس شخص تک پہنچنا۔ آیت میں سزا تک پہنچنا مراد ہے۔ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے جو محمد ﷺ کے سچا ہونے کی ہم کو

کَوْلًا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ
اطلاع دیتے۔ یا اللہ کی طرف سے ہمارے پاس قاصد بن کر آتے۔
أَوْ نَزَّلَ رَبَّنَا
یا ہم اپنے رب کو (خود) دیکھتے اور وہ ہم کو محمد کا اجراع کرنے کا حکم دیتا۔
لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِیْ اَنْفُسِهِمْ وَتَعَتَوْا عُتُوٰ کَبِیْرًا ﴿۱۱﴾
یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور حد انسانیت سے بہت دور نکل گئے ہیں۔
یعنی انہوں نے اپنے کو بہت بڑا سمجھا کہ ایسی بات کی طلب کی جو انبیاء کرام کو کبھی کبھی بعض خاص حالات و اوقات میں حاصل ہوتی ہے۔

وَعَتَوْا عُتُوٰ کَبِیْرًا اور کفر میں حد سے آگے بڑھ گئے، انتہائی درجہ کفر تک پہنچ گئے مجاہد نے کہا متوا یعنی انتہائی سرکش ہو گئے۔ مقاتل نے کہا مفرور ہو گئے بغوی نے لکھا ہے عتو کا معنی ہے شدید ترین کفر اور بہت ہی بڑا ظلم۔ عتو کبیر سے مراد ہے کہ (غرور کی) انتہا کو پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ خدا کو دیکھنے کے طلب گار ہو گئے۔
بعض علماء نے کہا عتو کبیر یہ تھا کہ انہوں نے کھلے ہوئے واضح معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پھر انکو نہ مانا اور ایسی چیز کے خواستگار بن گئے جس کا حصول بڑے بڑے طالبین کا ملین کو بھی نہیں ہو سکا۔
یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ
جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قیامت کے دن جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے۔

لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِیْنَ
اس روز مجرموں کے لئے کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔
یہ جملہ معترضہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس روز فرشتے کہیں گے کافروں کے لئے آج کوئی خوشی کی خبر نہیں۔ عطیہ نے کہا قیامت کے دن ملائکہ مومنوں کو بشارت دیں گے اور کافروں سے کہیں گے (آج) تمہارے لئے کوئی خوشی کی خبر نہیں۔

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ جس روز وہ فرشتوں کو دیکھیں گے (یعنی مرنے کے وقت یا قیامت کے دن) اس روز فرشتے ان کو بشارت نہیں دیں گے۔ مومنوں کو جنت کی بشارت دیں گے۔

للمجرمین رقد کلام چاہتی تھی کہ گم کہا جاتا لیکن ضمیر کی جگہ صراحت کے ساتھ مجرمین کمانا کے مجرم ہونے پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ مانع بشارت ان کا مجرم ہونا ہوگا۔

اور کہیں گے پناہ ہے پناہ ہے۔

وَيَقُولُونَ حَبْرًا مَّحْجُورًا ﴿۱۹﴾

بنوی نے بحوالہ عطاء حضرت ابن عباس کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فرشتے کہیں گے حرام ہے حرام کر دیا گیا ہے کہ جنت میں سوائے ان لوگوں کے جو اللہ محمد رسول اللہ کے قائل تھے کوئی اور داخل ہو۔

مقاتل نے کہا جب کافروں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ملائکہ ان سے کہیں گے حرام ہے تمہارے لئے جنت حرام کر دی گئی ہے۔ بعض علماء نے کہا جب مجرموں کو قبروں سے نکالا جائے گا اور وہ ملائکہ کو دیکھیں گے تو مجرم خود ہی یہ الفاظ کہیں گے۔ بنوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حرام مجبوراً کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔

بعض نے اس لفظ کا ترجمہ کیا پناہ خدا کی پناہ۔ مجاہد نے کہا جب کافر ملائکہ کو دیکھیں گے تو اس روز فرشتوں سے (اللہ کی پناہ) مانگیں گے اور حرام مجبوراً کہیں گے یعنی اللہ سے درخواست کریں گے کہ فرشتوں سے ان کو بچالے۔

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ أَخْرَجَهُمْ مِنَ مَقْرَبَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ كَتَبَتْ لَهُمْ سُوْرَاتِهِمْ بِحَسَنٍ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۰﴾

اور ہم ان کے ان (نیک) اعمال کی طرف جو وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سوائے ان کو ایسا کر دیں گے جیسے پریشان غبار۔

من عمل یعنی کافروں کے اچھے اعمال جیسے مہمان نوازی، کنبہ پروری، رشتہ داروں سے حسن سلوک، مصیبت زدہ کی مدد وغیرہ

ہَبَاءٌ مَّنْثُورًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشن دانوں (اور کواڑوں) کے شکافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں مگر ہاتھ سے ان کو چھوا نہیں جاسکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی بخور کا معنی ہے پر آگندہ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہباء اس دھول کو کہتے ہیں جس کو ہوا اڑاتی ہے اور بکھیرتی ہے۔ مقاتل نے کہا ہباء غبار ہے جو گھوڑوں کی ناپوں سے دوڑنے کے وقت اڑتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہباء منثور وہ ذرات ہوتے ہیں جو روشن دانوں کے سوراخوں سے سورج کی کرنوں پر نظر آتے ہیں اور ہباء منبث وہ دھول ہوتی ہے جو گھوڑوں کی ناپوں سے اٹھتی اور اس کو اڑاتی ہے۔

کافروں کے اچھے اعمال آخرت میں ناکارہ ثابت ہوں گے ان کی کوئی حقیقت نہ ہوگی اس حقدت اور عدم افادیت کو ہباء سے تشبیہ دی۔ پھر منثور فرمایا منثور کی کوئی تنظیم نہیں۔ کفار کے اعمال کی بھی تنظیم نہ ہوگی (کسی ضابطہ ایمان کے زیر اثر منظم نہ ہوں گے) یا ہباء منثور کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿۲۱﴾

قیام گاہوں کے اعتبار سے بھی اچھے اور آرام گاہوں کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں گے۔

مستقر قرار گاہ جہاں بیشتر اوقات میں آدمی ٹھہرتا ہے۔

مقیلا ٹھکانا جس کی طرف آرام لینے اور بیویوں سے تسخ اندوز ہونے کے لئے آدمی رجوع کرتا ہے یا مقیل سے مراد

یہ تیسرا واقعہ ہے جس میں فرعون نے کہا کہ میں نے تم کو کھلی سنی مراد میں ہر کھلی (کھلی سنی مراد میں ہر کھلی) کھلی سنی مراد میں ہر کھلی۔
فرعون نے کہا کہ میں نے تم کو کھلی سنی مراد میں ہر کھلی (کھلی سنی مراد میں ہر کھلی) کھلی سنی مراد میں ہر کھلی۔

لقد انس سے مراد وہی ہے اس امر کی طرف کہ کل جنس کی قرآن میں طرح طرح کی خوبصورت تصویریں ہیں۔
یعنی میان قرآن سے ہی ان میں ہیں۔

یہ بھی ہے کہ قرآن میں مطلقاً ہر مطلق مصدر ہوں یا طرف زمین یعنی ان کی قرآن میں ہوں اور وقت استراحت اتنے خوش گوار
اور عمل ہوں گے۔ ان خاصوں میں نہیں یا جانتے ہیں کہ دنیا میں (آرامہ آسائش کے جو ممکن یا وقت) میں پرستوں اور
خوش حال لوگوں سے ہے۔ یہ ان سے بہتر رہا۔ ان کا حال جنت کے لئے ہوں گے۔

تو اب آج میں ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگوں میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کی روایت
سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کو صحیح بھی کہتے کہ قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ (کل جنت) اور وہ
(اور ان کا پانی) ان کا پانی میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے
قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ جنت جنت میں اور کل ہر روز میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت
قرآنیہ **وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ**
جو صحیح ہے۔ یہ میں پرستوں میں یا جانتے ہیں کہ دنیا میں (آرامہ آسائش کے جو ممکن یا وقت) میں پرستوں اور
خوش حال لوگوں سے ہے۔ یہ ان سے بہتر رہا۔ ان کا حال جنت کے لئے ہوں گے۔

یہ آیت سے قرآن میں آج تک ہے۔

وَيَوْمَ نَشْفُقُ الْمُنَافِقِينَ الَّذِينَ أَقْبَلُوا بِحَبْلِ الْجَنَّةِ كَأَقْبُلَ الْبُيُوتِ الْمَمَنَّاتِ الَّتِي اتَّخَذُوا لِلْكَافِرِينَ
اور جس روز (طلوع)
اور ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگوں میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کی روایت
سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کو صحیح بھی کہتے کہ قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ (کل جنت) اور وہ
(اور ان کا پانی) ان کا پانی میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے
قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ جنت جنت میں اور کل ہر روز میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت
قرآنیہ **وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ**
جو صحیح ہے۔ یہ میں پرستوں میں یا جانتے ہیں کہ دنیا میں (آرامہ آسائش کے جو ممکن یا وقت) میں پرستوں اور
خوش حال لوگوں سے ہے۔ یہ ان سے بہتر رہا۔ ان کا حال جنت کے لئے ہوں گے۔

اور ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگوں میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کی روایت
سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کو صحیح بھی کہتے کہ قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ (کل جنت) اور وہ
(اور ان کا پانی) ان کا پانی میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے
قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ جنت جنت میں اور کل ہر روز میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت
قرآنیہ **وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ**
جو صحیح ہے۔ یہ میں پرستوں میں یا جانتے ہیں کہ دنیا میں (آرامہ آسائش کے جو ممکن یا وقت) میں پرستوں اور
خوش حال لوگوں سے ہے۔ یہ ان سے بہتر رہا۔ ان کا حال جنت کے لئے ہوں گے۔

ان کی حد بیان ہے۔ ان میں سے جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کی روایت
سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کو صحیح بھی کہتے کہ قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ (کل جنت) اور وہ
(اور ان کا پانی) ان کا پانی میں جو اللہ کے رسول اور امین بنی حاتم اور حاکم نے حضرت امین مسود کا بیان ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے
قیامت کا دن کو جانے پانے گا کہ یہ جنت جنت میں اور کل ہر روز میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت
قرآنیہ **وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ وَمَنْ يَخُذْ أَلْفًا مِّنْهُمَا لِيَكُنْ رِجَالًا يَّحِبُّونَ اللَّهَ**
جو صحیح ہے۔ یہ میں پرستوں میں یا جانتے ہیں کہ دنیا میں (آرامہ آسائش کے جو ممکن یا وقت) میں پرستوں اور
خوش حال لوگوں سے ہے۔ یہ ان سے بہتر رہا۔ ان کا حال جنت کے لئے ہوں گے۔

اتریں گے ان کی تعداد تینوں آسمان والوں اور زمین والوں کے مجموعہ سے زیادہ ہوگی۔ لوگ ان سے دریافت کریں گے کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ کہیں گے نہیں۔ پھر پانچویں آسمان والے نازل ہوں گے اور ان کی تعداد تمام پہلے والوں سے زیادہ ہوگی پھر چھٹے آسمان والے بھی اسی طرح اتریں گے پھر ساتویں آسمان والے بھی اتریں گے اور ان کی کتنی سب کے مجموعہ سے زائد ہوگی۔ ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تمہارے اندر ہمارا رب ہے وہ جواب دیں گے نہیں۔ پھر ہمارا عرش غمام کے ساتبانوں میں (اس شان کے ساتھ) اترے گا کہ اس کے گرد کروبی ہوں گے گردیوں کی تعداد ساتوں آسمان والوں اور زمین والوں سے زائد ہوگی اور حاملین عرش بھی ہوں گے عرش کو اٹھانے والے ملائکہ کے سینک ہوں گے ایسے جیسے بانس کی گاٹھیں ان کے ایک ایک قدم کا فاصلہ اتنا اتنا (یعنی ناقابل اندازہ) ہوگا۔ ان کے پاؤں کے تلوے سے ٹخنے تک کا فاصلہ پانسو برس کی راہ کے برابر ہوگا اور ٹخنے سے زانو تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگا اور کوٹھے کی نوک سے ہنسی تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگا اور ہنسی سے کان کی نوک تک کا فاصلہ بھی پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہوگا۔

یہ حدیث مع اس کی تاویلات کے سورہ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (یہ حدیث منکر ہے سلسلہ روایت میں بعض راوی ناقابل اعتبار ہیں)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہوگا پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جنم ہوگا زمین والے جنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبور اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے اللہ نے فرمایا اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُنَادَوْنَ مَدْبِرَیْنِ۔ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلٰئِكُ صَفًّا صَفًّا وَجِیْنِ یَوْمَئِذٍ یَّجْهَنَّمْ یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا وَاَنْشَقَّتِ السَّمٰوٰتُ فَهِيَ یَوْمَئِذٍ اٰهٍ وَّالْمَلٰئِكُ عَلٰی اَرْجَائِهَا۔

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔

المَلٰئِكُ یَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ
اس روز (حقیقی) حکومت رحمن ہی کی ہوگی۔ یعنی اس روز حق اور واقعی
لازوال حکومت رحمن کی ہی ہوگی کسی دوسرے کی (ظاہری اور مجازی طور پر بھی) نہیں ہوگی۔

وَكَانَ یَوْمًا عَلٰی الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۱۹﴾
اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کئے گا) حضور نے فرمایا قسم ہے اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

بنوئی نے لکھا ہے عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کرتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آکر کھانا تیار کر لیا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ ﷺ کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لاکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دو گے۔ عقبہ نے کلمہ شہادت پڑھ لیا اور حضور ﷺ نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ بن ابی بن خلف کا دوست تھا (اور ابی سخت کافر

تھا) ابی کو عقبہ کے کلمہ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوں۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمہ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دیدی اور اس نے کھانا کھا لیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پایا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا)۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بندھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے۔ اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے چنانچہ عقبہ نے جب دارالندوہ میں حضور کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا۔ حضور نے حضرت علیؓ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا۔ اور مقابلہ کے وقت ابی کے بھالامار ابھر ابی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور ابی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝۱۹

اور جس روز کہ ظالم (افسوس سے) اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا (اور) کہے گا کاش میں رسول کے ساتھ (ان کی) گمراہی پکڑ لیتا۔

الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط نے اسکو سرزنش کی اس پر یہ آیت خذولا تک نازل ہوئی شعہی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا۔ دانت پینا یہ سب کنائی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

ضحاک نے کہا جب عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آپڑا۔ جس سے دونوں رخسار جل گئے اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعہی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا۔ امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت یَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت و افسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستے سے روکا اس نے اس کا کمان لیا اور گناہ و کفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اگ آئیں گے وہ حسرت و افسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔

يَلَيْتَنِي اِتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا یعنی کاش میں محمد کا اتباع کر لیتا اور ان کی معیت میں ہدایت کا راستہ اختیار کر لیتا جو ایک ہی ہے اور مجھے گمراہی کی طرف نہیں لے جاتا۔

ہائے افسوس کاش میں فلاں (یعنی ابی بن خلف) کو

يُولِيْتَنِي لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا حَلِيْلًا ۝۲۰

دوست نہ بناتا۔

اس نے قطعاً مجھے ذکر (خد لوندی) کی طرف سے گمراہ

لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَاءَنِي

کر دیا بعد اس کے کہ ذکر میرے پاس آچکا تھا۔

ذکر سے مراد ہے اللہ کی یاد یا قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی نصیحت یا کلمہ شہادت۔

اور شیطان انسان کو بے مدد چھوڑنے والا ہے۔

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝۱۹

الشیطان سے مراد ہے گمراہ کرنے والا دوست۔ ہر سرکش سرتاب اور ہر راہ خدا سے روکنے والا انسان ہو یا جن شیطان ہے۔ خذلان کا معنی ہے بے مدد چھوڑ دینا۔ (ضرورت کے وقت) مدد نہ کرنا مطلب یہ ہے کہ شیطان کسی کا دوست نہیں ہلاکت کے غارتگ پہنچا کر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

ان آیات کا مورد اگرچہ خاص ہے لیکن عموم عبارت کے زیر اثر حکم عام ہے جو درود دست گناہ پر دوستی کو قائم رکھے ہوں ان کو آیت کا حکم شامل ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا الوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دیدے گا یا تم اسے خرید لو گے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارے کپڑوں کو جلادے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی۔ (رداہ البخاری)۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا سوائے مومن کے کسی کے ساتھ نہ رہو اور سوائے پرہیزگاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے (یعنی صرف نیک لوگوں کی دعوت کرو) رواہ احمد والترمذی وابن حبان والحاکم حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے (رداہ البخوی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (باجتہ ہے)

وَقَالَ الرَّسُولُ يُذَبُّ إِنْ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ۝۲۰
رسول اللہ ﷺ (یعنی محمد ﷺ) کہیں گے اے میرے رب میری قوم (یعنی قریش) نے اس قرآن کو متروک کر رکھا تھا۔ یعنی قرآن سے روگرداں ہو گئے تھے اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کیا تھا۔

بعض نے کہا مجبور ہجر سے مشتق ہے ہجر کا معنی ہے بیہودہ کلام بکو اس۔ مطلب یہ ہے کہ میری قوم نے اس قرآن کو بیہودہ بکو اس قرار دے رکھا تھا کوئی شاعری کہتا تھا، کوئی کہتا تھا، کوئی جادو جھٹی اور مجاہد نے یہی تشریح کی ہے۔

بعض لوگوں نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (دنیا میں) کہا اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنا دیا اس قول کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کی سرکشی اور بیہودہ کلامی کا اللہ سے شکوہ کیا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو نسل دینے کے لئے فرمایا۔

وَكُنَّا لَكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا قَرِيبًا ۝۲۱
اور اسی طرح ہم نے مشرکوں میں سے ہر پیغمبر کے دشمن بنا دیئے تھے اس لئے آپ بھی ویسے ہی صبر کریں جیسا گزشتہ پیغمبروں نے کیا میں یقیناً آپ کی مدد کرنے والا اور راستہ بتانے والا ہوں۔

اور آپ کا رب آپ کو (دشمنوں پر) راستہ بتانے اور آپ کی مدد کرنے کے لئے کافی ہے۔

ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور المختار میں ضیاء نے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ مشرکوں نے کہا کہ اگر محمد اپنے دعوت نبوت میں سچے ہیں تو پھر ان کا رب ان کو دکھ کیوں دیتا ہے (اور کیوں بار بار تھوڑی تھوڑی آیات بھیجتا ہے) بلکہ ہم پورا قرآن ان پر کیوں نہیں اتار دیتا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝

نور کافروں نے کہا کہ محمد پر پورا قرآن نازل نہیں کیا گیا (جیسے موسیٰ پر توریت عیسیٰ پر انجیل اور داؤد پر زبور نازل کی گئی تھی) ہم نے اس کو اسی طرح نازل کیا ہے تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اور ہم نے اس کو واضح طور پر کھول کر بیان کیا ہے۔

نزل بمعنی انزل ہے (یعنی تدریجاً نزول مراد نہیں ہے) کیونکہ آگے جملہ واحدہ کا لفظ آیا ہے جس سے مراد ہے یکدم پورا قرآن۔

بعض آدمی نے کہا کافروں کا یہ اعتراض بے کار تھا۔ کیونکہ قرآن یکدم نازل کیا جاتا تھا توڑا تھوڑا تھوڑا بہر حال اس کے اعجاز میں تو کوئی فرق نہیں آسکتا تھا پھر تدریجی نزول میں بہت سے فوائد بھی تھے جن کی طرف اگلی آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

کذلک کاف کا تعلق فعل محذوف سے ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ تاکہ اس سے آپ کے دل کو جماد عطا کریں آپ کو سمجھنے اور یاد رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ پھر واقعات اور حالات کے موافق نازل کرنے میں معنوی بصیرت بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ جب تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا اور ہر ٹکڑے کو چیلنج کے طور پر پیش کیا گیا اور کفار ہر ٹکڑے کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوئے تو اس سے اللہ کے رسول ﷺ کے دل کو قوت حاصل ہوئی۔ تدریجی نزول کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہر مرتبہ جبریل نے آکر آپ ﷺ کے دل کو قوی کیا۔ تدریجی نزول سے نسخ و منسوخ کی پہچان بھی ہو گئی۔ دلالت لفظیہ کے ساتھ قرآن حالیہ نے مل کر بلاغت کلام کو مزید اجاگر کیا۔

رتلنہ ترتیلاً حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ کیا ہم نے قرآن کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ ترتیل کا معنی ہے ترسل یعنی ٹھہر ٹھہر کر (الگ الگ صاف صاف) پڑھنا۔ سدی نے ترجمہ کیا ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیا۔ مجاہد نے کہا ہم اس کے ایک حصہ کو دوسرے کے بعد لائے یعنی اور حسن نے کہا ہم نے اس کو جدا جدا ٹکڑوں میں بانٹ دیا (تمام اقوال کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے مترجم ترتیل کا اصلی استعمال دانتوں کی جھریاں بتانے کے لئے ہوتا ہے (اگر ہر دانت دوسرے دانت کے ساتھ ہموار ہو اور دونوں کے درمیان جھری نما ایک لکیر ہو تو دانتوں کی اس حالت کو ترتیل انسان کہا جاتا ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ ۖ اوروہ کوئی عجیب سوال آپ کے سامنے نہیں لاتے۔ مثل سے مراد ہے عجیب سوال گویا ان کا سوال مثالی ہوتا ہے جس سے وہ آپ کی نبوت کو مجروح کرنا چاہتے ہیں۔

إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ ۖ مگر ہم آپ کو اس کا صحیح جواب عطا کر دیتے ہیں جس سے ان کے سوال کی صحیح تردید ہو جاتی ہے۔

وَأَحْسَنُ تَفْسِيرًا ۖ اور بہترین تشریح کے ساتھ (جواب دیتے ہیں جس سے ان کا اعتراض دور ہو جاتا ہے) یا مثل سے مراد ہے عجیب حالت یعنی وہ جب آپ کی کوئی (گزشتہ) عجیب حالت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کا یہ حال تھا تو ہم آپ کو اپنی حکمت کے موافق حالت عطا کر دیتے ہیں جس سے آپ کی نبوت کی غرض کا انکشاف ہو جاتا ہے۔

فسر کا معنی ہے ظاہر کر دینا کسی ڈھانکی ہوئی چیز کا پر وہ ہٹا دینا کذا فی القاموس۔

الذین يُحْشِرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ سُوءُ مَا كَانُوا فَعَلُوا ۖ وَالَّذِينَ يَسْتَبِيلُونَ ۖ جن لوگوں کو منہ کے بل جہنم کی طرف ہٹا کر لے جایا جائے گا وہ رہنے کے مقام کے لحاظ سے بھی بدتر ہوں گے اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہوں گے۔

اضل کا مفضل علیہ محذوف ہے یعنی رسول۔ اس آیت کا اسلوب ویسا ہی ہے جیسے آیت هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِمَّنْ دَلِكُمْ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ۔

گویا آیت کا مطلب یوں ہوا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستے کو گمراہی کا راستہ جانتے ہیں اور آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے حال سے واقف نہیں کہ وہ کس قدر برے مقام میں ہیں اور رسول سے (جو بقول ان کے گمراہ ہیں) کتنے زیادہ گمراہ ہیں۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس آیت کا اتصال آیت اصْحَابِ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنْ سِقْرِ آدَمَ وَ اَحْسَنُ مَقِيْلًا سے ہے۔ اس تفسیر پر مفضل علیہ عام ہوگا۔ یعنی وہ لوگ سب سے زیادہ برے مقام والے ہوں گے اور ہر گمراہ سے زیادہ گمراہ ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار کچھ پیدل کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے رواہ ابو داؤد و الترمذی۔

حضرت انس روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کیا قیامت کے دن کافر کو منہ کے بل چلایا جائے گا۔ فرمایا جس نے دنیا میں قدموں سے چلایا ہے کیا وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہ ہوگا۔ متفق علیہ

حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تمہارا حشر (تین حالات میں) ہوگا کچھ پیدل ہو گئے کچھ سوار کچھ منہ کے بل چلائے جاؤ گے رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

حضرت ابو ذر کا بیان ہے مجھ سے سچے (نبی) نے جن کی تصدیق (اللہ کی طرف سے) ہوئی تھی۔ فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ تین جماعتوں کی صورت میں چلائے جائیں گے ایک گروہ سیر شکم، لباس پوش اور سوار ہوگا ایک گروہ پیدل رواں دواں ہوگا اور ایک گروہ کو فرشتے منہ کے بل چھینیں گے۔ رواہ النسائی والحاکم و الترمذی۔

اور ہم نے موسیٰ کو
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ آخَا كَاهِرًا وَرِزْقًا
کتاب (توریت) دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا دیا۔ یعنی دعوت اسلام اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے ہارون کو موسیٰ کا مددگار بنا دیا۔ وزیر (مددگار) کہنے سے نبوت کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ کسی کام میں اگر دو آدمی شریک ہوں (اور مقصد ایک ہو) تو ہر ایک دوسرے کا مددگار ہوتا ہے۔

اور ہم نے کہہ دیا کہ تم دونوں اس قوم (کی)
فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الذِّينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا
ہدایت کے لئے اس کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا ہے یعنی اللہ کی بنائی ہوئی آیات فطرت جو اللہ کی ذاتی و صفاتی توحید پر دلالت کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ اللہ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے ان آیات کا وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو (دہریہ ہیں) صالح اور خالق کے منکر ہیں یا مشرک ہیں دوسروں کو خدا کا سا جہمی قرار دیتے ہیں اور بتوں کو پوجتے ہیں تم دونوں جا کر ان کو اللہ کی ذات و صفات کو ماننے اور اللہ کو ایک سمجھنے کی دعوت دو۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد حضرت موسیٰ کے معجزات ہوں۔ اس مطلب پر الذین کذبوا بآیتنا کا یہ مطلب ہوگا کہ نزد قرآن کے وقت میں جو لوگ موسیٰ کے معجزات کے منکر تھے ان کی ہدایت کے لئے ہم نے موسیٰ و ہارون کو مامور کیا۔ آیات سے توریت کی آیات مراد نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ توریت کا نزول تو فرعون کے ہلاک ہونے کے بعد ہوا تھا (فرعون کے پاس توریت دے کر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو نہیں بھیجا گیا تھا)

فَدَقَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۱۹﴾ پھر ہم نے اس قوم کو کامل طور پر تباہ کر دیا۔

اس عبارت میں کچھ ایجاز اور اختصار ہے مفضل کلام اس طرح تھا۔ حسب الحکم موسیٰ اور ہارون اس قوم کے پاس گئے ان کو ایمان کی دعوت دی لیکن انہوں نے دونوں کو جھوٹا قرار دیا آخر ہم نے ان لوگوں کو تباہ کر دیا۔ کلام میں اختصار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو اصل مقصود تھا اس کی صراحت کر دی۔ یعنی پیغمبر بھیج کر حجت پوری کر دی اور تکذیب کی وجہ سے لوگ تباہ ہونے کے مستحق ہو گئے بس اس جگہ اتنا ہی بیان کر دینا کافی تھا (تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ثابت ہو جائے۔ اور نبوت کی غرض ظاہر

ہو جائے۔ مترجم)

وَقَوْمٌ نُّوحٌ لَّمَّا كَذَّبُوا الرَّسُولَ اَعْرَقْنَاهُمْ

پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا تو ہم نے ان کو غرق کر دیا۔

اور قوم نوح (کا بھی تذکرہ کرو) جب اس قوم نے

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوح کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے (کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے) اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں کی بعثت کی (سرے ہی سے) انہوں نے تکذیب کی (یعنی انہوں نے کہا کہ کوئی پیغمبر ہی اللہ کی طرف سے نہیں بھیجا جاتا۔ کسی پیغمبر کی بعثت کی ضرورت نہیں۔ ہدایت کے لئے اہل دانش کی عقل کافی ہے۔ مترجم)

اور ان کو (یعنی ان کے غرق کرنے کو یا ان کے قصہ کو) لوگوں کے لئے عبرت

وَجَعَلْنَاهُمْ لِنُاسٍ اٰیۃً

بنادیا۔

اور (جن لوگوں نے کفر و شرک کر کے اپنے لوہے پر خود ظلم کیا تھا

وَاَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

(ایسے) ظالموں کے لئے ہم نے دکھ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اور عاد و ثمود اور رس والوں (کا ذکر کرو کہ ان) کو ہم نے ہلاک کیا۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدًا وَاَصْحَابَ الرَّسِّ

عاد و ثمود کے واقعات کا تذکرہ سورہ اعراف وغیرہ میں آچکا ہے۔

اصحاب الرس قاموس میں ہے رس کسی چیز کی ابتداء۔ وہ کتوال جس کے گرد اگرد من بنادی گئی ہو۔ درست کرنا بگاڑنا، کھودنا، مردہ کو دفن کرنا۔ آذربجان کی ایک وادی کا نام رس الحمی اور سیس الحمی بخارا کا آغاز۔ اصحاب الرس جس قوم کو کہا گیا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ شرک کفر کی ابتداء کرنے والی تھی یا کنویں والی تھی (کنویں کے گرد اگرد آباد ہو گئی تھی) یا اس وادی کی رہنے والی تھی جس کا نام رس تھا۔ یا یہ وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی (عالباً حضرت حنظلہ صنعانی مترجم) کو شہید کر کے دفن کر دیا تھا اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیب کی قوم جس نے ایک کنویں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنویں کے گرد اگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کتوال اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے ان کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیب نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیب کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے زمین سب کو کھا گئی کنویں کو بھی ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی ابن جریر اور ابن عساکر نے قنادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بنغوی نے لکھا ہے کہ قنادہ اور کلبی نے کہ رس علاقہ یمامہ میں ایک کتوال تھا وہاں کے باشندوں نے اپنے نبی کو شہید کر دیا

تھا اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔

بعض اہل روایت کا قول ہے کہ ثمود یعنی قوم صالح میں سے جو لوگ (ایمان لے آئے تھے اور) بچ گئے تھے۔ اصحاب الرس وہی لوگ تھے۔ یہ اس کنویں کے پاس رہتے تھے جس کا تذکرہ اللہ نے آیت وَبَنِي مَعْتَلَةَ وَقَصِيْرَ مَبِشْدَةَ میں کیا ہے۔ عبد بن حمید ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اس بیان کی نسبت قنادہ کی طرف کی ہے۔ بنغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا۔ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر

رہتا تھا۔ پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آپڑتا تھا اور اچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بد عادی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی لیکن کچھ مدت کے بعد قوم والوں نے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ کعب مقاتل اور سدی کا بیان ہے رس انطاکیہ میں ایک کنواں تھا لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورہ یسین میں آیا ہے۔

بعض نے کہا اصحاب الرس ہی اصحاب الاخدود تھے۔ انہوں نے (مومنوں کو جلانے کے لئے) ایک خندق کھودی تھی (اور اس میں آگ بھردی تھی) عکرمہ نے کہا اصحاب الرس نے اپنے نبی کو کنویں میں پاٹ دیا تھا یعنی دفن کر دیا تھا۔ بعض نے کہا رس معدن کو کہتے ہیں (معدن والے) رس کی جمع رساس آتی ہے۔

اور اس کے (یعنی عاد، ثمود اصحاب الرس اور قوم موسیٰ کے) درمیان
وَقَدْ وَدَّوْنَا بَيْنَ خَلْقٍ كَثِيرًا ۝
 کے ہم نے بہت قرونوں (قوموں) کو ہلاک کر دیا۔

قرون، قرن کی جمع کثرت ہے قرن ہم عصر لوگوں کو کہتے ہیں اگر قرن کی اضافت کسی معین شخص یا معین جماعت کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس شخص سے یا اس جماعت کے اکثر افراد سے یا ایک ہی فرد سے ملے ہوں۔ قرون ثلاثہ جن کے قرون خیر ہونے کی شہادت حدیث میں آئی ہے اسی استعمال کے مطابق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم رسول اللہ ﷺ کے قرن تو صحابہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

اگر قرن مضاف نہ ہو تو مراد ہوتے ہیں ہم عصر لوگ اور یہ حقیقت ناقابل شک ہے کہ ہر زمانہ میں بچے بوڑھوں کے ہم عصر ہوتے ہیں پھر وہ بچے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کے لیام پیری کے زمانہ کے بچے ان کے ہم عصر ہوتے ہیں اور سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ اس لئے (بطور مجاز) لفظ قرن کا اطلاق ایک مدت معینہ پر کیا جانے لگا مدت کی حد بندی میں اختلاف ہے، کسی کے نزدیک چالیس سال کی مدت ایک قرن ہے۔ کسی نے دس سال یا بیس یا تیس یا پچاس یا ساٹھ یا ستتر یا توے سال کو ایک قرن قرار دیا۔ کسی نے ایک قرن کی مدت ایک سو بیس سال بتائی ہے۔ سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو عادی بھی اور فرمایا تھا ایک قرن جو۔ چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ جب قرن بمعنی مدت لیا جائے گا تو آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ ہم نے بہت زمانوں والوں کو جو کافر تھے ہلاک کر دیا۔

اور ہم نے اقوام مذکورہ میں سے ہر ایک کی
وَكَلَّا صَمًّا بَنَاتٍ ۚ الْأَمْثَالَ نَوَكَّلْنَا مُكْرِمَاتٍ ذُكُرًا ۝
 ہدایت کے لئے عجیب عجیب مضامین بیان کئے اور ہم نے سب کو برباد کر دیا۔

ضربنا له الامثال یعنی گزشتہ اقوام کے عجیب عجیب واقعات کا ہم نے بیان کیا ہے تاکہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں۔

وکلا صبرا اور جب انہوں نے عبرت حاصل نہیں کی اور پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ انخس نے تبرنا کا ترجمہ کیا ہے ہم نے ان کو توڑ دیا۔ زجاج نے کہا کسی چیز کو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کو تبر کہتے ہیں سونے اور چاندی کے ٹکڑوں کو اسی لئے تبر کہا جاتا ہے۔

اور بلاشبہ وہ (مکہ والے) اس بستی کی
وَلَقَدْ آتَوْنَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْنَا مَطَرًا سَوِيًّا ۝
 طرف گزرے ہیں جن پر بری بارش کر دی گئی تھی۔

یعنی بہت سے مکہ کے باشندے ملک شام کو جاتے آتے ہیں اس بستی پر سے گزرے ہیں جس پر بری بارش کی گئی تھی۔

القریۃ سے مراد ہے سدوم کا شہر اور اس سے تعلق رکھنے والی دو مہری بستیاں جہاں قوم لوط پرستی تھی اور امر پرستی جیسی خبیث حرکتوں میں مبتلا تھی۔ اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ سب اہل مکہ تو نہیں گئے تھے لیکن بعض کے فعل کو (جبکہ دوسرے سب لوگ اس فعل پر راضی ہوں) سب کا فعل کہہ دیا جاتا ہے جیسے آیت فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوْهَا میں اونٹنی کو قتل کرنے کی نسبت پوری قوم ثمود کی طرف کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سر راہ پڑتی تھیں۔

آفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنها کیا یہ اس بستی کو نہیں دیکھا کرتے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور نفی کا انکار اثبات ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس بستی کو دیکھا کرتے ہیں۔ پھر اس سے عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے۔

بَلْ كَانُوا لَا يَتَّخِذُونَ نَصُوْرًا ﴿۳۰﴾ بلکہ ان کو (دوبارہ جی) اٹھنے کی امید بھی نہیں ہے یعنی ان کے نصیحت پذیر اور عبرت اندوز نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ انہوں نے اس تباہ شدہ بستی کو آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل نابینا ہیں دوبارہ جی اٹھنے کی ان کو توقع ہی نہیں ہے ان کو انجام آخرت کی امید ہی نہیں ہے اور مومنوں کو ثواب کی امید ہے۔

یا آیت میں رجاء بر لغت تمامہ، بمعنی خوف ہے یعنی دوبارہ جی اٹھنے کا ان کو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔
وَإِذْ أَرَأَوْكَ أَنْ يَّتَّخِذُواكَ إِلَّا هُزُوًا ﴿۳۱﴾ اور جب (کفار قریش) آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو مذاق بنا لیتے ہیں۔

ہزوا مصدر ہے بمعنی اسم مفعول یعنی آپ کو مسخرہ بنا لیتے ہیں۔
بغوی نے لکھا ہے یہ آیت ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کی بابت نازل ہوئی۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گزرے اور بطور استہزاء کہنے لگے۔

أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿۳۲﴾ کیا یہ (محمد) وہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔
استفہام انکاری تعجبی ہے۔ اور ہذا کا لفظ تحقیر کے لئے استعمال کیا گیا ہے (یعنی یہ رسول نہیں رسول ہونے کے قابل نہیں، ایک حقیر آدمی کو رسول بنا کر بھیجنا بڑی عجیب بات ہے)

إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ الْهَيْمَتِنَا ﴿۳۳﴾ قریب تھا کہ یہ ہم کو ہمارے معبودوں کی طرف سے ہرکا لیتا۔ یعنی ہمارے معبودوں کی پرستش سے ہم کو پھیر دیتا۔ مقصد یہ کہ اس طرز سے توحید کی طرف بلاتا۔ اور ایسی دلیلیں پیش کرتا ہے جن کی وجہ سے دماغوں میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ جو کچھ یہ پیش کر رہا ہے وہ اس کے معجزات ہیں۔

ان (ان کا) مخفف ہے۔ آیت میں دلیل ہے اس بات کی کہ رسول اللہ ﷺ دعوت اسلام میں انتہائی کوشاں تھے اور بکثرت معجزات بھی آپ ﷺ نے پیش کئے تھے اتنے اور اس ڈھنگ سے کہ قریب تھا کہ وہ ضدی کافر بھی اپنے ٹیڑھے راستے کو چھوڑ کر اسلام کے سیدھے راستے پر آجاتے لیکن ان کی اڑ اور بت پرستی پر ہٹ نے ان کو اسلام سے محروم رکھا۔ اور جو شخص اتنے کثیر واضح معجزات دیکھ کر بھی نصیحت پذیر نہ ہو اس سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر عبرت اندوز ہو سکے۔

كَوْلَا أَنْ يَصْبُرُوا عَلَيْنَا ﴿۳۴﴾ اگر ہم ان معبودوں (کی پوجا) پر جتنے نہ رہتے۔ لولا کی خبر محذوف ہے لو پر والا جملہ اس کی تعین پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر ہم اپنے معبودوں کی پرستش پر جتنے نہ رہتے تو محمد نے بس ہم کو ہرکا ہی لیا تھا۔
کافروں کا یہ کلام غمازی کر رہا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گمراہ قرار دیتے تھے اسی خیال کی تردید ذیل کی آیت میں اللہ نے فرمادی۔

وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿۳۵﴾ جب آئندہ عذاب (ان کے

سامنے آئے گا اور ان کو دکھائی دے گا اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ کون (فریق) بڑا گمراہ تھا۔ کافر یا مومن اس فقرے میں عذاب کی دھمکی ہے اور اس بات پر دلالت ہے کہ اللہ ان کو یوں ہی (بغیر عذاب دیئے) نہیں چھوڑے گا۔

اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ (خواہشات نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا۔ کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا ان کی پوجا کرنے لگا۔

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَاَكِيْلًا ﴿۱۹﴾
تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہوں گے یعنی کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں کہ پتھروں کی پوجا سے اس کو روک دیں۔

وکیل ذمہ دار مانع سابق جملہ میں تعجب آگیاں استفہام تقریری ہے اور اس جملہ میں استفہام انکاری ہے یعنی آپ اس کے شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

کلی نے کہا آیت قال سے یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اَمْ يَحْتَسِبُ اَنْ اَنْزَلْنَاهُمْ سَمْعًا وَاَوْعَيْنَا وَاَنْزَلْنَاهُمْ سَمْعًا وَاَوْعَيْنَا ﴿۲۰﴾
کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ (کلام اللہ کو) سنتے یا (اس کے مطلب اور غرض کو) سمجھتے ہیں۔ استفہام انکاری ہے اور ام بمعنی بل کے ہے منقطع ہے یعنی حقیقت میں یہ لوگ نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے سننے سے مراد ہے دل کا سننا۔ دل کے کانوں سے سننا چونکہ دل کے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سمجھتے اس لئے نہ کسی نصیحت سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے نہ دلیل سے۔ آیت بتا رہی ہے کہ ہر دلیل صحیح مفید علم ہوتی ہے دلیل سے نتیجہ کا علم ہو جاتا ہے لیکن (خود بالذات دلیل سے نتیجہ دماغ میں نہیں بیٹھتا بلکہ) اللہ کی مشیت سے وابستہ ہے۔ اکثر کالفاظ اس لئے ذکر کیا سب ایسے نہ تھے کچھ لوگ انہی میں سے ایمان بھی لے آئے تھے اور کچھ لوگ ایسے بھی کہ انہوں نے حقانیت و صداقت کو سمجھ لیا لیکن غرور کی وجہ سے یا اپنی سرداری فوت ہونے کے اندیشہ سے مگر ابھی میں بڑے رہے اور حق کو قبول نہ کر سکے۔

اِنْ هُمْ اِلَّا كَاٰلِ اَنْعَامٍ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۲۱﴾
وہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی طرح (جانوروں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں) بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔

یعنی کانوں سے چوپایوں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں اس لئے نصیحت سے فائدہ اندوز نہیں ہوتے اور دلائل و معجزات کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود غور نہیں کرتے اس لئے چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ جانوروں سے زیادہ گمراہ ہیں کیونکہ یہ جانور اگر حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے تو (اس لئے کہ حق و باطل کو سمجھنے والی عقل ان کو نہیں دی گئی اس لئے معذور ہیں) یہ بات بھی نہیں ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہوں، جانوروں کی نادانی سادہ ہے اور کافر جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ (حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم حق کو حق اور باطل کو باطل جانتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ جہل مرکب (ندانند و بداند کو بداند) جہل بسیط (ندانند و بداند کہ نہ داند) سے زیادہ برا ہے۔ چوپایوں کو تو حق و باطل کی تمیز ہی نہیں اور ان کافروں (کے اندر قوت تمیز و فیصلہ ہے پھر بھی ان) کو تمیز نہیں شرک کو حق سمجھتے ہیں اور باوجودیکہ پتھروں کی پوجا کا بطلان ظاہر ہے پھر بھی بلا دلیل ان کو پوجتے ہیں اور دلائل و معجزات کی کھلی ہوئی شہادت رسالت کے باوجود پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں، بعض علماء نے جانوروں سے زیادہ گمراہ ہونے کی یہ صورت بیان کی کہ چوپائے تو اپنے مالک اور غمراہ کے حکم کو مانتے ہیں حوان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس کو پہچانتے ہیں اپنے (غذائی) فائدے کو طلب کرتے اور ضرر رساں دشمن سے بھاگتے ہیں لیکن کفار اپنے رب کے حکم کو نہیں مانتے اور اس کے احسان کو نہیں پہچانتے۔

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

شیخین نے صعیبین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔ ہم کو کھیت جوتنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے لوگوں نے (حضور کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابو بکر و عمر کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا۔ اچانک ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑایا۔ بھیڑیے نے کہا قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہ ہو گا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکر و عمر بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ :- ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت و عقل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس و خواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہوتا ہے۔

کیا آپ نے (اللہ کی صنعت کی طرف) نہیں دیکھا کہ اس
 اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَكَدَ الظِّلِّ
 نے سایہ کو کیسے پھیلایا ہے یا یہ معنی ہے کیا آپ نے سایہ کو نہیں دیکھا آپ کے رب نے اس کو کیسے پھیلایا ہے۔
 اول ترجمہ عقلی طور پر دلالت کر رہا ہے کہ سایہ کا پیدا ہونا اور مفید ترین اسباب ممکنہ کے ساتھ گھومنا چلنا صانع حکیم کی ہستی کو بتا رہا ہے اور چونکہ یہ استدلال بالکل واضح ہے اس لئے اسلوب کلام کو بدل دیا (مخلوق کا خالق پر اور مصنوع کا صانع کے وجود پر دلالت کرنا بالکل واضح ہے اور عقلی تائید اس کو حاصل ہے اور یوں فرمایا کہ کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔ یعنی اللہ کا رب ہونا اور سایہ کے پھیلاؤ کا فاعل حقیقی ہونا تو ایک محسوس بات ہے آنکھوں سے دیکھے جانے کے قابل ہے۔
 طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کا وقت ظل کہلاتا ہے اللہ نے اس کو پھیلایا ہے اس کی تخلیق تعجب آگیز ہے کہ ظل سے اور اس کے ساتھ آفتاب نہیں ہے (بغیر آفتاب کے سایہ ہے) جیسا کہ جنت والے سایہ کے متعلق و ظل ممدود فرمایا ہے یا ظل سے مراد ہے وہ سایہ جو طلوع آفتاب کے بعد دیواروں اور درختوں وغیرہ کا ہوتا ہے۔

ابو عبیدہ نے کہا جو سایہ سورج سے زائل ہو جاتا ہے اس کو ظل کہتے ہیں اور جس سایہ سے دھوپ زائل ہو جاتی ہے اس کو ظن کہتے ہیں گویا زوال آفتاب سے پہلے ظل ہوتا ہے اور زوال کے بعد ظن آتا ہے۔ (فینے مونٹا) زوال کے بعد سایہ بھی مشرق سے مغرب کی طرف لوٹ آتا ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ظل (آخر) شب کی اس تاریخ کو کہا جاتا ہے جو سورج کے نکلنے سے زائل ہو جاتی ہے۔
 وَكُوَيْبَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا
 اور اگر اللہ چاہتا تو سایہ کو ٹھہرا ہوا (یعنی غیر متحرک بنا دیتا۔ مطلب یہ کہ سورج نکلتا ہی نہیں قیامت تک رات ہی رات رہتی۔ اس مطلب پر ساکن ساکن سے مشتق ہو گا ساکن کا معنی ہے ٹھہر گیا۔ یا ساکن کا معنی ہے نہ سکنے والا اس ترجمہ پر لفظ ساکن سکون سے مشتق ہو گا۔ یعنی سورج کو ایک ہی وضع پر قائم رکھتا۔
 ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۳۱﴾
 پھر سورج کو ہم نے سایہ کی دلیل (یعنی راہنما) بنا دیا۔

اگر سورج نہ ہوتا تو سایہ کو سایہ کون جانے روشنی نہ ہو تو تاریکی کی پہچان کیسے ہو چیزوں کی شناخت ان کی ضدوں کو جاننے سے ہوتی ہے اس کے علاوہ سایہ کی کمی بیشی بھی سورج کی مرہون منت ہے۔

پھر ہم نے اس کو آسانی کے ساتھ (یا تھوڑا تھوڑا کر کے
 ثُمَّ قَبَضْنَاهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۳۲﴾

تدریجاً) اپنی طرف سمیٹ لیا یعنی سورج کے نکلنے اٹھنے اور کرنوں کے پھیلنے سے سایہ جاتا رہتا ہے اور سایہ کی جگہ آفتاب کی شعاعیں لے لیتی ہیں اول تاریکی دھیرے دھیرے جاتی رہتی ہے یہاں تک کہ کامل اجالا ہو جاتا ہے پھر سورج نکل آتا ہے اور سورج کی شعاعیں ان مقامات پر پڑتی ہیں جہاں پہلے تاریکی ہوتی ہے۔

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جاسکتی ہے ظل سے مراد عالم امکان ہے عالم امکان کا وجود خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجود کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات و اسماء کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات و فناء کی آماجگاہ بنا دیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا۔ یعنی جب اللہ کی صفات و اسماء کا جلوہ صوتی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و مشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوتی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات و ذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہو تا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھٹانے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا

اور وہی رب تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا۔

تاریکی شب لباس کی طرح پردہ پوش ہے اس لئے رات کو لباس سے تشبیہ دی۔

وَاللَّيْلُ سُبُاطًا لَّكَ
اور نیند کو بدنوں کے لئے راحت بنایا (کہ مشاغل بیداری نیند میں منقطع ہو جاتے ہیں) سبب کا لغوی معنی ہے کاٹنا (نیند مشاغل بیداری کو کاٹ دیتی ہے) یا سبانا کا ترجمہ ہے موت (اللہ نے دوسری آیت میں نیند کو وفات سے تعبیر کیا ہے اور) فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ اس معنی کے لحاظ سے مسبوت مردہ کو کہتے ہیں۔

وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۱۰
اور دن کو اٹھ بیٹھنے کا وقت بنا دیا دینی اور دنیوی کاموں کے لئے لوگ عام طور پر دن کو اٹھ جاتے اور پھیل جاتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۱۱
اور وہ رب وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش نازل کرنے) سے پہلے ہواؤں کو بشارت دینے والیاں (بنا کر) بھیجتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۱۲
اور ہم نے اوپر سے بالکل پاک پانی اتارا۔

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحر سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پاک مٹی مسلمان کو ظاہر بنانے کی چیز ہے جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں۔ رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی عن ابی ذر ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے مسلم و ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھو ڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہو گا۔ یا طہور خود مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پاک ہونے میں کامل جیسے صبور بڑا صابر شکور بڑا شکر گزار قطوع بہت کاٹنے والا۔ ضحاک بہت ہنسنے والا۔

بغوی نے لکھا ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ طہور اس چیز کو کہتے ہیں جو بار بار (مسلل) پاک کرے جیسے صبور وہ چیز جس کے ذریعہ سے بار بار صبر کا ظہور ہو اور شکور وہ چیز جس کے ذریعہ بار شکر حاصل ہو اسی قول کی بنیاد پر امام مالک کے نزدیک اس پانی سے جس کو وضو میں ایک بار استعمال کر لیا گیا ہو وضو کرنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں یہ فضول بات ہے (پاک ہونا اور پاک کرنا دونوں میں بڑا فرق ہے) فاعول کے وزن کو تفصیل میں کوئی دخل نہیں پس طہور کو تطہیر سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ وزن فاعول مبالغہ (یعنی شدت و قوت فعل) پر دلالت کرتا ہے تکرار فعل یعنی کثرت) پر نہیں دلالت کرتا، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ طہور کا معنی ہے کامل الطہارت اور کامل الطہارت ہونے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ خود بھی پاک ہو اور دوسری پانپاکی کو پاک کرنے والا ہے۔

شرعی نصوص اور متواتر روایات اور اجماع امت سے پانی کے اندر ان اوصاف کا ہونا ثابت ہے۔ پانی خود بھی پاک ہوتا ہے اور ناپاک کو بھی پاک کر دینے والی چیز ہے دوسرا کامل الطہارت ہونے کا معنی یہ ہے کہ پانی اتنا پاک ہے کہ اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔ امام مالک کا یہی قول ہے امام مالک نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔

یہ حدیث امام احمد اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کی ہے سنن اربعہ کی روایت میں ان الماء لا یخبث (پانی گندہ نہیں ہوتا) آیا ہے۔ دارقطنی نے یہ حدیث حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابو یعلیٰ، بزار، ابو علی بن سکن نے حضرت شریک کی روایت سے اور احمد و ترمذی و ابو داؤد و نسائی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہم چاہ بضاعہ (کے پانی) سے وضو کر سکتے ہیں (یہ کنواں گندہ کنواں تھا) اس میں حیض کے کپڑے، مرے ہوئے کتے اور سڑی ہوئی بودار چیزیں (جاہلیت کے زمانہ میں) ڈالی جاتی تھیں فرمایا پانی طہور (پاک پانپاک کن) ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں بناتی۔

ابن ماجہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا جن تالابوں میں اتر کر درندے کتے اور گدھے پانی پیتے ہیں (ان کے پانی کا حکم رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو) حضور ﷺ نے ان تالابوں کے متعلق فرمایا۔ ان (جانوروں) کے لئے اتنا پانی ہے جتنا انہوں نے اپنے پیٹوں میں اٹھالیا اور جو بچ رہا ہے وہ ہمارے لئے پاک ہے۔

ایک شبہ

باجماع علماء یہ احادیث متروک ہیں یہاں تک کہ امام مالک نے فرمایا جب پانی کا کوئی وصف (رنگ، مزہ، بو) نجس چیز پڑنے سے بدل جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے ہم کہتے ہیں جب پانی کا کوئی وصف بدل گیا تو وہ آب مطلق (سادہ پانی) نہیں رہا اور ہمارا کلام آب مطلق کی نجاست و طہارت کے متعلق ہے۔

ازالہ

حدیث میں (پانی سے غیر معین پانی مراد نہیں ہے بلکہ) خاص پانی مراد ہے یعنی کثیر پانی جو تالابوں میں رکا ہوا ہو اور چاہ بضاعہ وغیرہ میں (موجود) تھا۔ اس توجیہ سے احادیث کا باہمی اختلاف دور ہو جائے گا کیونکہ دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اگر نجاست پانی میں گر جائے خواہ پانی کا کوئی وصف تبدیل نہ ہوا ہو تب بھی پانی نجس ہو جاتا ہے۔

مسلم ابو داؤد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو اس کی طہارت کی یہ

صورت ہے کہ اس کو سات بار دھویا جائے اول بار مٹی سے (مانجھا جائے)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کر کے پھر اسی سے
وضو کرے۔ متفق علیہ۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابو داؤد کی روایت سے بیان کیا کہ
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ دھوئے اپنا ہاتھ برتن میں ہرگز نہ ڈالے
کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو سوتے میں کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمر، حضرت جابر اور حضرت عائشہ کی
روایت سے بھی آئی ہے ہم نے پانی کے نجس ہو جانے یا نجس نہ ہو جانے کے سلسلہ میں احادیث متعارضہ کے تعارض کو دور
کرنے کے لئے یہ قول اختیار کیا کہ اگر آپ کثیر ہو تو وہ نجاست سے نجس نہیں ہوتا اور آب قلیل ہو تو نجس ہو جاتا ہے اب رہ پانی
کی قلت و کثرت کا معیار تو اس کے متعلق آئمہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک دو منگے پانی آب کثیر ہے۔
(یعنی وزن میں پانچ سو عراقی رطل، پیمائش میں سوا گز (شرعی فقہی گہر سوا گز لمبا۔ سوا گز چوڑا) اتنا پانی نجاست پڑنے سے نجس
نہیں ہوتا۔ ہاں اگر نجاست سے پانی کارنگ یا مزہ لیا ہو بدل جائے تو کثیر پانی بھی نجس ہو جاتا ہے۔ تھوڑا پانی بہر حال نجاست پڑنے
سے نجس ہو جاتا ہے (خواہ بوزہ کوئی وصف نہ بدلے)۔

امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص آب کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست
(کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے ورنہ قلیل ہے بعد کے کچھ علماء نے کثیر کا ایک اندازہ مقرر
کر دیا کسی نے کہا دس گز چوڑا دس گز لمبا کسی نے پندرہ گز چوڑا پندرہ گز لمبا۔ کسی نے بارہ گز چوڑا بارہ گز لمبا کسی نے آٹھ آٹھ اور
کسی نے سات سات گز لمبا چوڑا مقرر کیا گز سے مراد ہے کپڑے کا گز۔ اور کپڑے کا گز سات منگے ہوتا ہے اور ایک منگے سے مراد
ہے چار انگل۔

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف امام محمد کسی کے قول میں بھی آب کثیر کی کوئی متعین مقدار منقول نہیں کیونکہ شارع کی
طرف سے اس کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی دو منگوں والی حدیث ضعیف ہے (نا قابل استدلال) اس لئے مقدار کی تعیین کو اسی
شخص کے غالب رائے کے سپرد کر دینا مناسب ہے جو پانی کو استعمال کر رہا ہو۔

امام شافعی اور امام احمد نے قلتین (دو منگوں) والی حدیث کو اپنے قول کے ثبوت میں پیش کیا ہے حق بات یہ ہے کہ یہ
حدیث صحیح ہے عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر کی روایت سے امام شافعی، امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، دارقطنی، بیہقی اور
اصحاب السنن الاربعہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ جس پانی
میں درندے لور چوپائے آتے جاتے ہیں اس کا کیا حکم ہے فرمایا اگر پانی دو منگے ہو تو منگدگی کو نہیں اٹھاتا یعنی گندہ نہیں ہوتا حاکم کی
روایت پر حدیث کے یہ الفاظ ہیں جب پانی دو منگے ہوں تو اس کوئی چیز ناپاک نہیں بناتی۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے
نجس نہیں ہو جاتا۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بر شرط تخمین قرار دیا ہے ابن مندہ نے کہا اس حدیث کی اسناد بہ شرط مسلم ہے
طحاوی نے بھی اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

ایک شبہ

اس حدیث کا مدار (متفق علیہ مرکزی راوی) ولید بن کثیر ہے ولید سے آگے کبھی محمد بن جعفر بن زبیر کو راوی قرار دیا
جاتا ہے کبھی محمد بن عباد بن جعفر کو اور اس سے بھی لو پر کبھی عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر کو منقول عنہ کہا گیا ہے کبھی عبید اللہ بن
عبد اللہ بن عمر کو اس طرح یہ حدیث مضطرب ہو گئی۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس طرح کا اضطراب حدیث کی صحت کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کیونکہ سب راویوں کو اگر معتمد مان لیا
جائے تو یہ انتقال ثقہ سے ثقہ کی جانب ہو گا (جس میں کوئی حرج نہیں) پھر تحقیقی بات یہ ہے کہ ولید بن کثیر کے راوی دو ہیں

عبید اللہ بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عبد اللہ۔

ایک جماعت نے دونوں طریقوں سے روایت کی ہے ان دو طریقوں کے علاوہ کوئی طریقہ محض تو ہم پر جہنی ہے۔ دارقطنی نے کہا یہ دونوں قول صحیح ہیں اسامہ نے بروایت ولید دونوں طریقوں سے روایت کی ہے ایک تیسرا طریقہ روایت اور بھی ہے جس کو ابن معین نے جید طریقہ کہا ہے وہ سلسلہ یہ ہے کہ حماد بن سلمہ از عاصم بن منذر از عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر۔

ایک سوال

ایک روایت میں آیا ہے لم یحمل خبثا دوسری روایت میں ہے لم ینجسہ شنی تیسری روایت میں لا تتنجس یہ اضطراب تو متن حدیث میں ہو گیا۔

جواب

یہ روایت بالمعنی ہے (معنی تینوں روایتوں کے ایک ہی ہیں کوئی تعارض نہیں) اور متن حدیث میں اضطراب اس وقت ملتا جاتا ہے جب الفاظ کے اختلاف سے معانی میں تعارض پیدا ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ

حدیث میں قلتین کا لفظ مشکوک ہے کیونکہ اذا بلغ الماء قلتین او ثلاثا آیا ہے اور لفظ او شک پیدا کر رہا ہے امام احمد نے بروایت وکیع اور دارقطنی نے بروایت یزید بن ہارون پھر اس سے آگے وکیع اور یزید نے بروایت عاصم بن منذر از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر مرفوعاً یہ حدیث الفاظ مندرجہ بالا کے ساتھ بیان کی ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے حماد سے نیچے رلووں کی روایت میں اختلاف ہے ابراہیم بن حجاج اور کامل بن طلحہ نے بروایت حماد انہی الفاظ مذکورہ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے لیکن عفان اور یعقوب بن اسحاق حضرمی اور بشر بن سری اور علاء بن عبد الجبار اور موسیٰ بن اسماعیل اور عبید اللہ بن موسیٰ عینی نے بروایت حماد بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اذا كان الماء قلتین اس سے آگے ثلاثا کا لفظ نہیں ہے صرف قلتین کا لفظ ہے۔

اسی طرح ابن سباح نے بروایت یزید بن ہارون جو حدیث نقل کی ہے اس میں لفظ او شبہ ہے لیکن حضرت ابن مسعود کی روایت میں شک کا کوئی لفظ نہیں (یعنی او ثلاثا نہیں ہے) لہذا عمل اس روایت پر واجب ہے جس میں حرف شک نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ لفظ او شک کے لئے نہیں بلکہ تردید یا تغیر کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ دونوں مقداروں میں سے کسی مقدار کو پانی پہنچ جائے وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا خواہ دو مشکوں کے بقدر ہو جائے یا تین مشکوں کے بقدر۔

اگر شبہ کیا جائے کہ بعض روایتوں میں چالیس مشکوں کا لفظ آیا ہے دارقطنی ابن عدی اور عقیلی نے بروایت قاسم بن عبد اللہ العمری از محمد بن منکدر بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا حضور کا ارشاد گرامی ہے جب پانی چالیس مشکوں تک پہنچ جائے (یعنی جب پانی بقدر چالیس مشکوں کے ہو جائے) تو گندگی کا حامل نہیں رہتا (یعنی گندہ ناپاک نہیں ہوتا)

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ امام احمد مجلیٰ بن معین ابو زرہ اور ابو حاتم رازی نے قاسم بن عبد اللہ کے متعلق کہا یہ دروغ گو خود حدیثیں بناتا تھا۔ اس لئے قاسم کی روایت سے آئی ہوئی حدیث سے صحیح حدیث کو مضطرب نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اگر شبہ کیا جائے تو دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اذا بلغ الماء اربعین قلتہ لم یتنجس یہ حدیث بطریق روح بن قاسم از روایت ابن منکدر از ابن عمر آئی ہے البتہ مرفوع نہیں ہے موقوف ہے وکیع بن سفیان ثوری اور معمر نے بھی ابن منکدر کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اگر اپنی روایت کے خلاف رلوئی کا قول ہو تو حدیث کو مطعون کر دیتا ہے اس لئے ابن عمر کی قلتین والی مرفوع روایت مجروح ہے۔

ہم کہتے ہیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو مطلقاً کسی حالت میں بھی شرط کا مفہوم حجت نہیں ہوتا اور امام شافعی کے نزدیک اگر سوال کے جواب میں شرط لگائی گئی تو اس کا مفہوم حجت نہیں ہوتا (اس لئے اذا بلغ الماء اربعین قلتہ کا یہ مطلب نہیں

ہو سکتا کہ اگر پانی چالیس منگوں سے کم ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے کیونکہ شرط علت حکم نہیں ہے) دوسری بات یہ ہے کہ لفظ قلتہ مشترک ہے کوڑہ لوٹا اور گھڑا سکو قلتہ کہا جاتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا لہذا تعارض احادیث دور کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ قلتین والی حدیث میں دو بڑے منگے مراد ہیں اور چالیس منگوں والی حدیث میں قلتہ سے مراد ہوگا ایک لوٹا اتنا کہ بیس لوٹے ایک بڑے منگے کے برابر ہو جائیں اس طرح دو منگے چالیس لوٹوں کے برابر ہو جائیں گے۔

مزید شبہ

اگر قلتہ کا لفظ مشترک ہے گھڑا، منگ، ڈول اور پہاڑ کی چوٹی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے اس لفظ کی تشریح میں لکھا ہے سر کی چوٹی، کوہان، پہاڑ کی چوٹی، بڑا کنواں، بڑا گھڑا، معمولی گھڑا، پیالہ، لوٹا وغیرہ تو پھر قلتہ کے معنی کی تعیین خود ساختہ ہے اور ہجر کے منگوں کی تعیین کسی صحیح مرفوع حدیث میں مذکور نہیں ہاں ابن عدی نے حضرت ابن عمر کی حدیث ضرور نقل کی ہے اذابلغ الماء قلتین من قلال ہجر لم ینجسہ شئی اس حدیث میں ضرور ہجر کے منگوں کا ذکر آیا ہے لیکن اس کی سند میں مغیرہ بن یسقلان ایک رروی ہے جو منکر الحدیث ہے۔

لہذا لفظ قلتہ سے کیا مراد ہے اس کی تعیین خود نہیں کی جاسکتی اور اس حدیث پر عمل ترک کر دیا جائے گا مجمل کا یہی حکم ہے۔ ہم کہتے ہیں پہاڑ کی چوٹی یا کوہان، یا سر کی چوٹی تو باجماع علماء مراد نہیں ہے (اور عقل اور روایت کے بھی خلاف ہے) دو پہاڑوں کی چوٹی تک پانی کا پہنچ جانا سوائے سمندری پانی کے اور کسی پانی کے لئے ممکن نہیں اسی طرح کوہان شتریا سر کی چند یا تک پانی کا پہنچ جانا بھی ناقابل تصور ہے پھر (باتفاق علماء) اس مقدار سے گہ پانی بھی آب کثیر ہوتا ہے لہذا لفظ قلتہ سے ظرف کی طرف انتقال ذہنی ہونا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے اور ظروف مختلف ہیں سب پر لفظ قلتہ کا اطلاق ہوتا ہے لیکن ہجر کے منگوں کی تعیین قابل ترجیح ہے کیونکہ عرب نے اپنے اشعار میں لفظ قلتہ کا استعمال اس معنی میں کیا ہے۔ کذا قال ابو عبیدہ فی کتاب الطہور بیہتی نے کہا ہجر کے منگے عرب میں مشہور تھے یہی وجہ ہے کہ شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے سدرہ المننتی کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا فاذا ورقھا مثل آذان الفیلہ واذا بقیھا مثل قلال ہجر میں نے دیکھا کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مثل اور اس کے بیر (پھل) ہجر کے منگوں کے برابر تھے۔

تعیین کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ازہری کے قول کے مطابق ہجر کے منگے سب سے بڑے منگے ہوتے تھے اور جب شارع نے پانی کی مقدار تعداد سے بیان کی تو عدد سے مراد سب سے بڑا عدد ہی ہونا چاہئے جب ایک بڑا برتن دو چھوٹے برتنوں کے برابر ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو چھوٹے برتنوں کا ذکر کرنا بے سود ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جب دو چھوٹے منگوں کے بقدر پانی میں نجاست کرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا تو دو بڑے منگوں کے بقدر پانی میں نجاست کرنے سے پانی کا نجس نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہو جاتا ہے اس لئے احتیاطاً بڑے منگوں کی تعیین کر دی چھوٹے منگوں کے برابر پانی تو بڑے منگوں میں آئی جاتا ہے۔

ایک قوی معارضہ

قلتین والی حدیث کو حافظ ابن عبد البر، عاصی اسماعیل بن اسحاق اور ابو بکر بن ولی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ تینوں حضرات مالکیہ مسلک کے تھے ابن عبد البر نے کہا شافعی کا قول درایت کے اعتبار سے بھی کمزور ہے اور نقل کے لحاظ سے بھی ثابت نہیں ہے یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے صحیح ہونے میں علماء کی ایک جماعت کو کلام ہے پھر کسی صحیح حدیث میں قلتین کی مقدار کی تعیین بھی منقول نہیں نہ اجماع سے ثابت ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں گزشتہ سوالات مجمل طور پر علماء کے اقوال میں آئے ہیں لیکن اس حدیث کے کسی راوی کو کسی نے ضعیف نہیں کہا کیونکہ اس کے سارے راوی وہ ہیں جو صحیحین کے روایت ہیں۔ سوالات کے تریب دار جواب دیئے

گئے ہیں اس لئے ان حضرات کا قول قابل رد ہے۔

مسئلہ :- وضو اور غسل پانی کے علاوہ کسی اور سیال چیز سے بالاتفاق ناجائز ہے اللہ نے فرمایا فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا یعنی پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک مٹی سے تیمم کرنے کا حکم دیا دوسرے سیال کا ذکر نہیں فرمایا لیکن کیا نجاست حقیقہ کو بھی پانی کے علاوہ دوسری سیال چیزوں سے پاک کرنا جائز ہے۔ جمہور نے کہا ناجائز ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جائز ہے بغوی نے جمہور کی طرف ہے اسی آیت کو بطور استدلال پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیت میں طہور بمعنی مطہر (پاک کرنے والا) ہے کیونکہ دوسری آیت میں بارش کے پانی کو مطہر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً الْيُسِّطِرُكُمْ اس سے معلوم ہوا کہ پاک کرنے کا وصف صرف پانی میں ہوتا ہے اگر نجاست کا ازالہ دوسری سیال چیزوں سے جائز قرار دیا جائے گا تو بے وضو ہونے اور جنابت کی ناپاکی کا ازالہ بھی دوسری سیال چیزوں سے جائز ماننا پڑے گا۔ بغوی کا یہ استدلال صحیح نہیں اگر پانی کو (مطہر پاک کرنے والا) کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی دوسرا سیال مطہر ہو نہیں سکتا جیسا کہ پانی کا ظاہر ہونا موجب حصر نہیں کہ پانی ہی پاک ہو اور کوئی دوسرا سیال پاک نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ نے کہا حدث (بے وضو ہونے یا جنابت کی ناپاکی) اور نجاست حقیقہ میں فرق ہے حدث تو حکمی نجاست ہے (شارح نے اس کو نجاست قرار دیا ہے) ورنہ آنکھوں سے دیکھی جانے والی نجاست نہیں۔ اس نجاست کا ازالہ صرف پانی سے ہنص قرآن و باجماع امت ہوتا ہے کسی دوسرے سیال سے حدث کا ازالہ نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ اجماع سے اور چونکہ (نجاست حکمی اور طہارت حکمی کا) یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے ازالہ حدث کے لئے پانی پر دوسرے سیالوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن نجاست حقیقہ تو آنکھوں سے دیکھی جانے والی ہے پانی سے اس کا ازالہ عقل کے موافق ہے اس لئے دوسرے پاک سیالوں کو اس جگہ پانی پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں (امام ابو حنیفہ کی حدث و نجاست میں یہ تفریق درست ہے) لیکن اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ پاک پانی کو جب کسی نجس میں ڈالا جاتا ہے تو نجس کے ساتھ ملتے ہی پانی نجس ہو جاتا ہے، اب تین مرتبہ یا سات مرتبہ دھونے کے بعد نجس (کپڑے وغیرہ) کا پاک ہونا (غیر عقلی اور) محض تعبدی ہے (شریعت نے نجس کو پاک کرنے کا یہی طریقہ بتلایا ہے) اور نچوڑنے کے بعد بھی سارا نجس پانی نکل نہیں جاتا۔ کچھ باقی ہی رہتا ہے لہذا قیاس کا تقاضا تھا کہ نجس کپڑو وغیرہ دھونے سے پاک ہی نہ ہو اسی لئے گزشتہ شریعتوں میں کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ صرف دھونے کو قرار دیا گیا اور یہ سراسر قیاس کے خلاف ہے (اور جو شرعی حکم خلاف قیاس ہو اس پر کسی دوسرے مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا) اس لئے دوسرے سیالوں کو پانی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مسئلہ :- پانی میں نجاست پڑنے سے جس طرح پانی ناپاک ہو جاتا ہے اسی طرح پانی اگر نجاست پر پڑ جائے تو ناپاک ہو جاتا ہے کیونکہ نجس بنانے والا صرف اختلاط ہے پانی میں نجاست کا اختلاط ہو یا نجس چیز کے ساتھ پانی کا اختلاط۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ابن جوزی نے امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ نجاست کا دھون طہارت کا مقام (بدن یا کپڑو وغیرہ) کے بعد جب مقام سے الگ ہو جائے اور اس میں کوئی تغیر نہ آیا ہو (یعنی بورنگ مزہ وغیرہ میں فرق نہ آیا ہو) تو وہ پاک ہے اسی طرح پیشاب اگر زمین وغیرہ پر گر جائے اور جتنا پانی اس پر بہلایا جائے اس سے پیشاب کی مقدار کم اور مغلوب ہو اور پانی میں کوئی تغیر آیا ہو تو یہ پانی پاک ہے اور وہ مقام بھی پاک ہو جائے گا۔ یہی قول امام مالک اور امام شافعی کا ہے اس کی دلیل حضرت انس بن مالک کی یہ حدیث ہے کہ (ایک بار رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ حضور ﷺ نے حاضرین میں سے ایک شخص سے فرمایا تم اٹھ کر ایک ڈول پانی لے آؤ اور اس پر بہاؤ۔ رواہ احمد و بخاری و مسلم فی الصحیحین۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

ہم کہتے ہیں یہ حدیث قیاس صحیح کے خلاف ہے اس لئے اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اس

جگہ کی مٹی ہو تو اپنے کا اور پھر اس پر پانی بہانے کا حکم دیا ہو گا اور یہ بات بعض احادیث میں آئی بھی ہے دار قطنی نے عبد الجبار کے طریق سے بروایت ابن عیینہ از سحی بن سعید بیان کیا کہ حضرت انس نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا حضور گرامی نے فرمایا اس جگہ کو کھودو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہادو۔ حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اگر شبہ کیا جائے کہ اس روایت میں دار قطنی نے کہا ہے کہ عبد الجبار کو ابن عیینہ کے متعلق وہم ہو گیا کیونکہ اب عیینہ کے ساتھیوں نے جو حافظ الحدیث کا مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن عیینہ کی وساطت سے بروایت سحی بن سعید یہ حدیث بیان کی ہے اور اس میں کھودنے کا حکم دینے کا ذکر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں عبد الجبار ثقہ ہے اور ثقہ کی روایت میں اگر کچھ زیادتی ہو تو وہ قابل قبول ہوتی ہے۔

دار قطنی نے حضرت ابن مسعود وغیرہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے لیکن اس کی سند کمزور ہے مگر سند میں کوئی راوی ایسا نہیں کہ کسی نے اس کو متہم بالکذب کیا ہو۔

دار قطنی اور ابو داؤد نے عبد اللہ بن مغفل بن مقرن مزنی کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے اور دار قطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ عبد اللہ بن مغفل تابعی تھے اور ان کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس کے روایت کے سلسلہ میں ایک شخص جریر بن حازم بھی ہے جس کے متعلق ذہبی نے لکھا ہے کہ جریر ثقہ ہے امام ہے مگر اس کی دماغی حالت مرنے سے (کچھ) پہلے بگڑ گئی تھی اسی لئے اس کے بیٹے ذہب نے اس کو بیان حدیث سے روک دیا تھا اور مرتے دم تک پھر اس نے کوئی حدیث نہیں بیان کی۔ ابن معین نے کہا جریر بن حازم نے جب قتادہ کے سلسلہ سے حدیث بیان کی تو وہ ضعیف ہے۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث بسلسلہ قتادہ نہیں ہے بلکہ عبد اللہ بن عمیر کے سلسلہ سے منقول ہے اور عبد اللہ بن عمیر ثقہ (قابل بھروسہ) ہے۔ صحیحین کا راوی ہے۔

امام احمد نے اس حدیث کو منکر کہا ہے لیکن یہ جرح اجمالی ہے اور اجمالی جرح (بغیر کسی تفصیلی دلیل کے) قابل قبول نہیں۔ امام احمد نے جو اس حدیث کو منکر کہا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مشہور حدیث میں کھودنے کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن یہ کوئی جرح نہیں غیر مشہور حدیث میں اگر ثقہ راوی نے کوئی لفظ زیادہ نقل کیا ہو تو قابل قبول ہوتا ہے۔

طحاوی نے بطریق ابن عیینہ از عمرو بن دینار از طاؤس بیان کیا اسی طرح سعید بن منصور نے بروایت ابن عیینہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مقام کو کھودو (پھر اس پر پانی بہادو) یہ حدیث بھی مرسل ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مرسل مسند سے زیادہ قوی ہوتی ہے امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مسند کا مرتبہ مرسل سے اونچا ہے لیکن مرسل کے حجت ہونے میں کلام نہیں امام شافعی کے نزدیک مرسل حدیث اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک اس کے اندر پانچ شرطوں میں سے ایک شرط تحقق نہ ہو۔ کسی دوسرے راوی نے اس کو مسند کیا ہو یا مرسل ہی کیا ہو مگر شیوخ مختلف ہوں یا کسی صحابی کا قول یا اکثر اہل علم کا قول اس کا مؤید ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص نے بغیر مروی عنہ کا نام لئے جو یہ حدیث بیان کی ہے تو اس کا قاعدہ اور عادت ہی یہ ہے کہ یہ شخص جب کوئی حدیث مرسل بیان کرتا ہے تو عادل شخص ہی اس کا مروی عنہ ہوتا ہے۔

اس جگہ مرسل طاؤس صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید مرسل عبد اللہ بن مغفل سے ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ حسن بھی ہے اور مسند انس صحیح ہے یا حسن ہے البتہ مسند ابن مسعود ضعیف ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ صحیحین میں حضرت انس کی روایت تمام روایات سے زیادہ قوی اور زیادہ قابل ترجیح ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ صحیحین کی حدیث سند کا اعتبار سے ضرور صحیح ہے لیکن معنی کے لحاظ سے کمزور ہے کیونکہ اس کا تصادم ان احادیث سے ہو رہا ہے جو تقریباً متواتر ہیں اور نجاست کے اختلاط سے پانی کے نجس ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ ترجیح کی تلاش تعدد کے وقت ہوتی ہے اور اس جگہ احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ احادیث مذکورہ الصدر میں مٹی کھودنے کا ذکر ہے اور حضرت انس کی حدیث مٹی کھودنے کے ذکر سے خاموش ہے اس لئے عمل کسی

حدیث پر ترک نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ :- ازالہ حدث کے لئے پانی کا استعمال کیا گیا ہو یا صرف حصول ثواب کے لئے وضو کیا گیا ہو بہر حال ایسا مستعمل پانی جمہور کے نزدیک پاک ہے حسن کی روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایسا پانی نجس ہے نجاست غلیظہ امام ابو یوسف کی روایت میں ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ایسے پانی کی نجاست خفیف ہے کیونکہ نجس ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام محمد کی روایت ہے کہ آب مستعمل کے متعلق امام ابو حنیفہ کا قول جمہور کے مسلک کے مطابق ہے یعنی آب مستعمل پاک ہے عام حنفیہ جو آب مستعمل کو نجس کہتے ہیں ان کی دلیل حدیث بھی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے صحیح مسلم میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جنابت والا رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں غسل جنابت کرے اور یہ ممانعت تحریمی نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ جنابت والے کے بدن کا کوئی حصہ منی سے آلودہ ہو (اور یہ نجاست پانی میں گھل کر پانی کو ناپاک بنا دے اس صورت میں تو بالاتفاق پانی نجس ہوگا، اختلاف تو نجاست حمیہ کے متعلق تھا) یہ ممانعت ایسی ہی ہے جیسے بیدار ہونے والے کو بغیر ہاتھ دھوئے برتن میں ہاتھ ڈالنے کی ممانعت کی گئی تھی کیونکہ احتمال تھا کہ شاید رات میں ہاتھ نجاست حقیقہ سے آلودہ ہو گیا ہو حضور ﷺ نے خود بطور اشارہ فرمایا تھا فانہ لا یدری این بانئ یدہ رہا قیاس سے استدلال تو وہ ظاہر ہے کہ نجاست حقیقہ جس پانی کو استعمال کر کے دور کی جاسکتی ہے وہ نجس ہو جاتا ہے پس اسی پر قیاس ہم اس پانی کے استعمال کو کریں گے جو ازالہ حدث کے لئے یا حصول ثواب کے لئے استعمال کیا گیا ہو علت مشترکہ استعمال ہے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ قیاس غلط ہے مقیس اور مقمیل علیہ میں وجہ تفریق موجود ہے نجاست حقیقہ جس پانی کو استعمال کر کے دور کی جاتی ہے وہ نجس تو اس لئے ہوتا ہے کہ اس میں نجاست کے اجزاء مخلوط ہو جاتے ہیں اور نجاست حمیہ کو دور کرنے والے پانی میں نجاست حمیہ کے اجزاء شامل نہیں ہوتے کیونکہ حدث (خواہ اصغر ہو یا اکبر بہر حال) ایک امر حکمی ہے اور ایسی نجاست کے اجزاء نہیں ہوتے نہ ایسی نجاست کو زائل کرنے کے اجزاء ہوتے ہیں اگر پانی سے کوئی ایک عضو دھو لیا جائے تو کیا طہارت ہو جائے گی ایسا ہرگز نہیں ہو تا بلکہ جنابت والا جب تک کل بدن نہ دھوئے اور وضو کرنے والا جب تک چاروں اعضاء نہ دھوئے طہارت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے پانی کا ایک ایک جز پاک ہے (کیونکہ اس نے نجاست حمیہ کو دور نہیں کیا) لہذا پورا آب مستعمل بھی پاک ہے کیونکہ پاک قطرہ جب پاک قطرہ سے ملے گا تو مجموعہ ناپاک نہیں ہو سکتا۔

اگر صرف حصول ثواب کے لئے (وضو پر) وضو کیا جائے تو حنفیہ اس مستعمل پانی کو نجس کہتے ہیں اور ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے اس کی خطا میں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں متفق علیہ عن عثمان و مسلم عن ابی ہریرہ نحوہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ گناہ بدن سے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ گناہ گندگی ہیں جس طرح دوسری گندگیوں کے مخلوط ہو جانے سے پانی نجس ہو جاتا ہے اسی طرح گناہوں کی گندگی ملنے سے بھی نجس ہو جانا ضروری ہے۔

حنفیہ کا یہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ گناہوں کی کوئی جسامت نہیں نہ وہ عوارض ہیں کہ پانی کے ساتھ مخلوط ہو جائیں۔ گناہ نجاست حقیقہ کی طرح نہیں ان کا بدن سے خارج ہونا نجاست حقیقہ کے خارج ہونے کی طرح نہیں کہ جس کے مخلوط ہونے سے پانی نجس ہو جائے بلکہ گناہوں کے خارج ہونے کا معنی ہے معاف ہو جانا بخشا جانا۔ اگر گناہ دوسری گندگیوں کی طرح ہوتے تو گناہ گار مومنوں کی نماز (گناہوں سے آلودہ ہونے اور پاک نہ ہونے کی حالت میں) جائز ہی نہ ہوتی حالانکہ گناہ گار مومن کی نماز تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ رسول اللہ ﷺ کا بھی ارشاد گرامی ہے۔ کہ پانچویں نمازیں (در میانی اوقات کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں در میانی (اوقات و ایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے

ہیں بشرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا ہے رواہ مسلم عن ابی ہریرہ۔

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا اس پر آیت **وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ** الی آخرہ نازل ہوئی۔ متفق علیہ۔

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا۔ بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے آ کر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا مجھے فوراً ہوش آ گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت **فَرَأَى** نازل ہوئی۔ متفق علیہ۔

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری حال رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دکھی ہے حضور ﷺ نے برکت کی دعا کی پھر وضو کیا اور حضور ﷺ کے وضو کا پانی میں نے پی متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کوئی تھوک تھوک کا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور جب وضو کرتے تھے لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ رواہ البخاری۔

مسئلہ :- ازالہ حدث یا حصول ثواب کی خاطر جس پانی کو (غسل یا وضو کی شکل میں) استعمال کر لیا گیا ہو کیا اس سے نجاست حقیقہ کو دور کیا جاسکتا ہے بالاتفاق علماء اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں کے نزدیک ایسا پانی نجس ہوتا ہے ان کے نزدیک اس پانی سے نجاست حقیقہ کو پاک نہیں کیا جاسکتا لیکن کیا اس پانی سے (دوبارہ) غسل اور وضو کیا جاسکتا ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے امام محمد کے نزدیک جس پانی کو حصول ثواب کے لئے (بصورت وضو یا وضو) استعمال کر لیا گیا ہو اس سے دوبارہ غسل یا وضو نہیں ہو سکتا۔ ایسا پانی پاک تو ہے لیکن پاک کن نہیں ہے امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک ازالہ حدث کے لئے جس پانی کو استعمال کر لیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو جائز نہیں وہ ظاہر ہے مطہر (پاک کرنے والا) نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے جس پانی کا استعمال کر لیا گیا ہو خواہ ازالہ حدث کے لئے یا حصول ثواب کے لئے بہر صورت وہ پاک تو ہے پاک کرنے والا نہیں ہے غیر مطہر ہونے پر حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے اور قیاس سے بھی۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد پانی کا نجس ہو جانا تو ناقابل تصور ہے صرف دوسری ہی شق باقی رہی یعنی وہ ظاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تزییمی ہے اور احتمال ہے کہ نجاست حقیقہ ہو لیکن احتمال نجاست کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ پانی نجس ہو گیا طہارت یعنی احتمال و شک سے نجاست میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مطہر ہونا مطلق پانی کا لازمی وصف ہے۔

ازالہ حدث یا حصول ثواب کے لئے استعمال کردہ پانی کو غیر مطہر قرار دینے والے اس پانی کو زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہیں۔ علت مشترکہ جامعہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے اسقاط فرض بھی ہوتا ہے اور حصول ثواب بھی اس کی تفصیل و توضیح یہ ہے کہ اسقاط فرض اور عبادت مقصودہ (یعنی اقامت قربت) سے درمیانی ذریعہ میں کثافت اور کسی قدر گندہ پن ضرور آجاتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ نجس ہو جائے اسی لئے مال زکوٰۃ اپنی کثافت اور گندہ پن کی وجہ سے ہاشیوں کے لئے ضرور حرام کر دیا لیکن اس کو نجس نہیں قرار دیا گیا۔ پس اسی طرح ازالہ حدث یا حصول ثواب کے لئے پانی کا استعمال ایک حد تک پانی کو کثیف ضرور بنا دیتا ہے مطہر ہونے کی صفت ضرور جانی رہتی ہے لیکن نجاست کی حد تک کثافت نہیں پہنچتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اسقاط فرض یا اقامت قربت سے (درمیانی ذریعہ میں) کثافت اور گندہ

پن آجاتا ہے۔ ہاشمیوں کے لئے مال زکوٰۃ کی حرمت تو صرف امر تعبدی ہے (غیر عقلی) مقام غور ہے کہ بدن اور لباس کے ذریعہ سے بھی تو نماز ادا کی جاتی ہے ان کو استعمال کرنے سے اسقاط فرض بھی ہوتا ہے اور حصول ثواب بھی لیکن ان دونوں میں سے کسی میں بھی اسقاط فرض یا اقامت قربت سے نہ کثافت آتی ہے نہ گندہ پن۔

اسی طرح قربانی کرنے سے اداء واجب ہو جاتا ہے اور اس سے قربانی کے گوشت میں نہ کثافت آتی ہے نہ گندہ پن رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا گوشت تناول فرمایا تھا۔

اس کے علاوہ مطلق پاک پانی کا مطہر ہونا پانی کی لازمی صفت ہے (جب پاک ہو گا تو پاک بھی کرے گا) کیونکہ اللہ نے فرمایا
فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا مَطْلُوقًا پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے اور آب مستعمل بہر حال مطلق پانی کے ذیل میں آتا ہے اس لئے مستعمل پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہ ہو گا بلکہ اسی پانی سے وضو واجب ہو گا۔

اگر شبہ کیا جائے کہ مستعمل پانی مطلق پانی کے ذیل میں نہیں آتا۔ مطلق پانی تو وہی ہو گا جس میں کوئی کثافت نہ ہو ایسے پانی سے تو بہر حال نماز کے لئے وضو جائز ہے مطلق پانی کہنے سے آب مقید آب نجس اور کثافت والا گندہ پانی خارج ہو گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ آب مستعمل میں کوئی ایسی چیز شامل ہو جاتی ہے (جو آب مطلق کی فرست سے اس کو خارج کر دیتی ہے اور) جس کی موجودگی کی وجہ سے اس پانی سے وضو ناجائز ہو جاتا ہے یہ تو مضارہ ہے (جو دلیل ہے وہی دعویٰ ہے دلیل دعویٰ پر موقوف ہے) دوم یہ کہ مطلق پانی لغوی اعتبار سے وہی ہوتا ہے جس پر لفظ آب کا اطلاق بلا قید ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ مطلق پانی کہنے میں پاک پانی نجس پانی جس کا کوئی وصف نہ بدلا ہو (نہ رنگ نہ مزہ نہ بو) نیز مستعمل پانی خواہ اس کا استعمال حصول ثواب کے لئے کیا گیا ہو یا صرف گرمی دور کرنے کے لئے سب ہی داخل ہیں۔ اسی لئے زہری کا قول ہے کہ کتابت کسی کے برتن میں منہ ڈال دے اور دوسرا پانی وضو کرنے کے لئے موجود نہ ہو تو اسی سے وضو کر لے (تیمم نہ کرے) سفیان ثوری نے کہ عینہ یہی فقہی مفہوم ہے آیت فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا کا (یعنی مطلق پانی نہ ملے تو تیمم کر لو) بخاری نے اس کو تعلقاً ذکر کیا ہے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو استعمال نجاست سے منع کر دیا ہے اور ان سے پرہیز رکھنے کی ہدایت فرمادی ہے صریح آیت ہے وَبِئْسَ بَاطِلٌ مَّا يَكْتُمُونَ فَطَهَّرُوا وَالرَّجْزُ فَاهْتَجَرُوا آیت وضو میں فرمایا ہے وَلَٰكِنْ يَرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو (برتن میں جو کچھ پانی ہو) اس کو بہا دے پھر برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالے دوسری حدیث میں آیا ہے ان گندگیوں (اور نجاستوں) میں سے کسی گندگی میں اگر کسی کو مبتلا ہونا پڑ جائے تو بندش خدا کے مطابق بچا دے۔

ایک اور آیت میں اللہ نے فرمایا يَجْعَلْ لَّهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ اب اگر کسی کو نجس پانی مل جائے تو حقیقت میں اس کو شرعی پانی نہیں ملا کیونکہ شریعت نے نجس پانی کے استعمال کی ممانعت فرمادی ہے جیسے کوئی کنویں کے کنارہ پر بیٹھا ہو اور ڈول (رتسی) نہ ہو تو ظاہر ہے کہ فطری قدرتی طور پر پانی کو استعمال کرنا اس کے لئے ممنوع ہو گیا طبعاً خود کنویں میں گر نہیں سکتا اسی طرح بیمار کے پاس پانی ہو اور (شدت مرض کے خوف سے) اس کے لئے شرعاً اور طبعاً استعمال سے روک حاصل ہو گئی ہے ممنوع شرعی کا حکم ممنوع طبعی کی طرح ہے رہا مستعمل پانی تو چونکہ وہ پاک ہے اس لئے اس کا استعمال ممنوع شرعی نہیں۔ اب جس کو آب مستعمل مل جائے تو اس کے لئے حقیقت میں بھی پانی مل گیا اور شرعی اعتبار سے بھی اس کے لئے ممانعت نہیں ہے اس لئے اس کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں ہو سکتا اسی کو استعمال کرنا چاہئے وہ یقیناً (ظاہر ہونے کے علاوہ) مطہر بھی ہو گا۔

مسئلہ :- پانی میں اگر کوئی پاک چیز گر جائے اور (پانی کے تینوں اوصاف میں سے) کوئی وصف نہ بدلا اور پانی کے تمام میں بھی کوئی اضافہ نہ ہو اور تو اس سے بائناق علماء وضو جائز ہے لیکن اگر کوئی ایک یا ایک سے زیادہ وصف میں تغیر آگیا ہو اور اس سے

اجتناب و شوار ہو جیسے برسات کے موسم میں مٹی یا پتوں کے ملنے سے پانی کے بعض اوصاف بدل جاتے ہیں تو اس سے بھی بالاتفاق وضو جائز ہے بشرطیکہ پانی کی طبعی حالت یعنی رقت باقی ہو اس میں تغیر نہ آیا ہو جیسے ایک جگہ پڑا ہونے سے پانی کی حالت ہو جاتی ہے لیکن اگر اس سے اجتناب و شوار نہ ہو جیسے سرکہ یا زعفران ملا ہو پانی یا اشان کا آمینتہ ایسی حالت میں اگر پانی کا کوئی ایک وصف بدل گیا ہو تو امام شافعی کے نزدیک اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ ایسا پانی اب مطلق نہیں رہا آپ مقید ہو گیا (یعنی عرق ہو گیا) اور آب مطلق نہ ہو تو تیمم کا حکم ہے (لہذا تیمم کیا جائے)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمینتہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پین آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نیب کی حالت ہوتی ہے (نیب جیسا نیدہ پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا حد خاص تک پکائی ہوئی) کیا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبعیت ہی بدل گئی ہو جیسے شور بہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش سے مقصود ہو پانی کا ستھر اپن بڑھانا جیسے آس اور پیری کے پتے اور اشان تو اس سے وضو درست ہے۔ اگر پاک چیز کی آمیزش سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت میمونہ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آنے کے آثار موجود تھے۔

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ صابری کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار یا اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور پیری کے پتوں سے (یعنی پیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے) غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یا کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور پیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو پانی اور پیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

لِتُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا

بلدہ بمعنی بلد ہے اسی لئے اس کی صفت یتا (بصیغہ مذکر) ذکر کی۔

وَأَنْسَى كَثِيرًا

اور اپنی مخلوق میں سے چوپایوں کو اور بہت

سے انسانوں کو وہ پانی پلا کر سیراب کریں۔

اناسی سے مراد ہیں صحرا نشین خانہ بدوش بدو کیونکہ انہی کی زندگی بارش کے پانی سے وابستہ ہے شہروں والے اور دیہات کے باشندے تو دریاؤں کنوؤں اور چشموں کے پاس آباد ہوتے ہی ہیں ان کو بارش کے پانی سے سیراب ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے جانور بھی دریاؤں اور چشموں کے پانی سے سیراب ہو جاتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے انسانوں پر اپنی کی ہوئی نعمتوں کو شہد کر لیا ہے۔ انسانوں کے عام منافع اور بیشتر اسباب معیشت کا حصول چوپایوں سے وابستہ ہے اسی لئے انسانوں سے پہلے جانوروں کو سیراب کرنے کا ذکر کیا اور جانوروں کے ذکر سے بھی پہلے زمین کا ذکر کیا کیونکہ سب سے پہلے بارش سے زمین ہی زندہ ہوتی ہے اور زمین کی حیات چوپایوں کی زندگی کا ذریعہ ہے۔

اناسی کسی کی جمع ہے یا انسان کی جیسے ظرابی ظربان کی جمع ہے۔ انسان کی جمع قرار دی جائے گی تو کہا جائے گا کہ لفظ اناسی اصل میں اناسین تھا۔ جیسے بائین بستان کی جمع ہے پھر نون کو یا سے بدل دیا گیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ صَدَقْنَاهُ بَيْنَهُمْ

اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھر یاء کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات

میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو اللہ بارش کا رخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعود تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعود نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی۔ لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں مینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک تشریف المطر سے یہ مراد ہے کہ کبھی بارش بڑی بڑی بوندوں کی شکل میں موسلا دھار ہوتی ہے کبھی خفیف اور شبنم کے رنگ میں۔

بعض نے کہا تشریف سے یہ مراد ہے کہ دریاؤں اور چشموں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

بعض نے کہا صرفہ کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے یہ بات قرآن اور تمام دوسری کتابوں میں بار بار بیان کر دی ہے۔

لیکن کثرتاً
تاکہ لوگ غور کریں۔ یعنی غور کر کے کمال قدرت اور حق نعمت کو پہچانیں اور پھر شکر ادا کریں۔
یالید کروا کا ترجمہ ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں، نصیحت پکڑیں کہ بارش کا رخ کبھی ان کی طرف ہوتا ہے کبھی ان کی طرف سے دوسروں کی طرف۔

فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كَفُورًا ۝۱۹
لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے حضرت زید بن خالد جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانے حضور ﷺ نے ارشاد کیا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہو گئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں کی تاثیر پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ تَبِيْعًا ۝۲۰
اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔
یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہو جاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تمہارا کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

فَلَا تُطِيعُ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝۲۱
کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور و شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ کو بلاتے ہیں آپ ان کا کمانہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد تو فیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کر گئے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّحَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ اٰجَابٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجًّا مَّتَّحُوْرًا ۝۲۲
اور اللہ وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا (اور متصل کیا) یہ مٹھا ہے پیاس کو بھانے والا اور یہ نمکین ہے کڑوا اور دونوں کے درمیان ایک پردہ بنا دیا ہے اور ایک مضبوط بندش کر دی ہے۔
سرج البحرین یعنی ایک سمندر کو دوسرے سمندر سے متصل اور چسپاں کر کے آزاد چھوڑ دیا (کہ اگر ہو سکے تو ایک

دوسرے کے ساتھ مخلوط اور یکذات ہو جائیں لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہر سمندر باوجودیکہ دوسرے سے ملا ہوا اور متصل ہے مگر اپنی حد میں رہتا ہے، مترجم) سرج الدابۃ اور امسج الدابۃ جانور کو چراگاہ میں آزاد چھوڑ دیا کہ جہاں چاہے چرتا پھرے۔ فرات پیاس کو توڑ دینے والا، بھانے والا، انتہائی شیرینی کی وجہ سے پیاس کو زائل کر دینے والا، اجاج، شدید نمکین۔ انتہائی شوریت کی وجہ سے تلخ، نمکین پانی پیاس کو بڑھاتا اور بھڑکاتا ہے۔ فاجج النار آگ بھڑگئی۔ برزخ پردہ، دونوں کو مخلوط ہو جانے سے روکنے والا۔

حجرا معجورا پردہ سخت روک، کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، بیٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں آتا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ بیٹھے سمندر سے مراد بڑے دریا ہیں جیسے نیل فرات وغیرہ اور شور سمندر سے یہی بڑا سمندر مراد ہے جو نمکین اور تلخ ہے اور برزخ سے مراد وہ خطہ ارضی ہے جو سمندر اور بڑے دریاؤں کے وسط میں واقع اور حائل ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا
اور اللہ وہی تو ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو بنایا نسب (یعنی مرد) اور سسرال (یعنی عورت) مطلب یہ ہے کہ انسان کی دو صفتیں کر دیں۔ (۲) نسب والا یعنی مرد بنایا، مرد کی طرف نسب لوثا ہے (۲) سسرال والا یعنی عورت، اس تشریح پر اس آیت کا مطلب وہی ہے جو آیت جَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ کا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک نسب سے مراد ہے نسب والا جس سے عورت و مرد کے نسب کا جوڑ ملتا ہے یعنی باپ دادا، اور صر سے مراد ہے مرد و عورت کا سسرال رشتہ۔

وَكَانَ رُؤُوفًا قَدِيرًا ۝۱۰
اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے جیسے اس کی مشیت ہو ویسا ہی پیدا کرتا ہے ایک مادہ سے انسان کو بنایا پھر اعضاء کی ساخت مختلف کر دی اور طبائع میں تفریق کر دی۔ ایک ہی نطفہ سے نر کو بنایا مادہ کو بنایا اور جڑواں بھی کسی کو پیدا کر دیا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ
اور اللہ کے سوا وہ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو فائدہ پہنچاتی ہیں نہ ضرر۔ یعنی اگر ان چیزوں کو پوجا جائے تو وہ پوجنے والوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں اور ان کی پوجا نہ کی جائے تو نہ پوجنے والوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ سَيِّئَةٍ ظَهِيرًا ۝۱۱
اور کافر اپنے رب کے خلاف (گناہ کر کے شیطان کا مددگار ہو جاتا ہے۔

بعض علماء نے ظہیر کا ترجمہ کیا ہے ذلیل، کمین، جعلی ظہیر اس نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ظہیر الشمنی میں نے اس چیز کو پس پشت پھینک دیا یعنی ناقابل توجہ کر دیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۱۲
اور ہم نے آپ کو (قادر مطلق یا ذمہ دار بنا کر بھیجا بلکہ) صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی مومنوں کو جنت کی خوش خبری سنانے والا اور کافروں کو دوزخ سے ڈرانے والا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ
آپ کہہ دیجئے میں اس (تبلیغ) کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کرتا۔

من اجر یعنی کوئی ایسا معاوضہ نہیں مانگتا جو تم کو میرے اتباع سے روکے اور تم اس کو اپنے لو پر تاوان سمجھو۔
مگر (اس شخص کا عمل لورا ایمان چاہتا ہوں) ۝۱۳

جو اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔ یعنی جو اللہ کا قرب اور قرب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرتا ہے بس مجھے ایسے ہی شخص کی طلب ہے۔

اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجر رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجر تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے (شاید کوئی سر پھر ایہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیل زر مال کے لئے کرنا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مال کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی۔ مترجم) پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر حسیہ بھی ہو گئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مال کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ ﷺ کو ملے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعود کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت پریدہ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیاء نے قضاء الحوائج میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے۔ ضیاء نے اتنا کلمہ حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد سی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آیت الا من شاء میں استثناء منقطع ہے یعنی جو شخص اپنا مال راہ خدا میں اللہ کے قرب تک پہنچنے کیلئے خرچ کرنا چاہتا ہو وہ ایسا کرے۔ میں اپنے لئے کچھ طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنے لئے تو کچھ مانگتا نہیں، ہاں اس بات سے بھی نہیں روکتا کہ راہ خدا میں کوئی اپنا مال صرف کرے اور اللہ کی خوشنودی کا طلب گار ہو اور اس کا راستہ اختیار کرے۔ زکوٰۃ اور صدقات کا قانون جاری کرنے سے مخالفوں کو شبہ کرنے کا موقع ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ قانون طلب زر کے لئے جاری کیا ہے اسی لئے اللہ نے اپنے نبی کے اہل بیت کے لئے زکوٰۃ و صدقات (واجبہ) کا کھانا جائز نہیں کیا۔

مسئلہ :- اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ کسی طاعت کو اجرت طلب کرنا جائز نہیں نہ تعلیم قرآن (حدیث و فقہ) کی، نہ اذان کی نہ امامت کی نہ اسی طرح کے دوسرے کاموں کی (جیسے وعظ تبلیغ وغیرہ)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ
اور اس ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے کبھی نہیں مرے گی۔ جو ہستیاں زندہ ہیں لیکن موت کا نشانہ ہیں کبھی ان کو موت ضرور آئے گی ایسی ہستیوں پر بھروسہ، بھروسہ کرنے والوں کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور وہ تباہ ہو جاتے ہیں مگر اللہ (کی حیات پر کبھی موت طاری ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اس لئے) اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر مخالفوں کے شر سے محفوظ رہنے اور لوگوں کی طرف سے مالی معاوضہ سے بے نیاز رہنے کے سلسلے میں بھروسہ کیا جاسکتا ہے پس آپ ان لوگوں کے شر اور ان کے مال سے بے نیاز رہنے میں اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ اللَّهِ وَكُفَى بِهِ يَذُنُوبَ عِبَادِهِ خَبِيرًا
سبح یعنی تمام صفات نقص (و عیب) سے اس کی پاکی کا اعتراف کرو۔

بحمدہ اس کی صفات کمالیہ کی ثناء اور تعریف کرو۔ اور مزید انعام کے اس سے طالب ہو۔ بعض علماء نے سبح کا ترجمہ کیا ہے صل نماز پڑھو اور مجھ کا مطلب ہے نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ یعنی اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے نماز پڑھو۔
وکفی بہ، یعنی اللہ بندوں کے گناہوں سے پورے طور پر باخبر اور با علم ہے وہ گناہوں کی سزا دے گا۔

وَالَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۗ

وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان دونوں کی درمیانی کائنات کو (ایک اندازے کے ساتھ) پیدا کیا چھ دن (کی مقدار) میں پھر تخت (الوہیت) پر قائم ہوا۔

یہ آیت سابق آیت کے مضمون کو ثابت کر رہی ہے مطلب یہ ہے کہ جب اللہ ہی سب کا خالق اور متصرف کل ہے تو اسی پر بھروسہ رکھا جائے۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی تمام امور میں تدریج اور آہستگی اختیار کرے، کیونکہ وہ اللہ جس کی قدرت محیط کل ہے اور اس کا حکم انتہائی سریع النفوذ ہے اس نے تخلیق کائنات میں تدریج اور آہستگی اختیار فرمائی (اور یکدم سب کو پیدا نہیں کر دیا۔

وہی الرحمن ہے سو تم اس کو کسی باخبر (یعنی عالم) سے پوچھ دیکھو (وہ) **الَّذِينَ فَسَّلُوا بِهِ خَبِيرًا ۝۵۱**
اس کی حقیقت تم کو بتا دے گا)

بہ یعنی اس تخلیق کائنات اور استوی علی العرش کے متعلق کسی عالم کو پوچھ دیکھو۔ کذا قال الکلبی۔

خبر سے مراد ہے اللہ، یا جبریل یا وہ علماء جنہوں نے سابق آسمانی کتابوں میں یہ باتیں پڑھی ہیں۔ بعض کے نزدیک بہ کی ضمیر الرحمن کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ پر لفظ الرحمن کے اطلاق کا انکار کرتے ہیں تو تم علماء اہل کتاب سے پوچھ دیکھو، وہ تم کو بتا دیں گے کہ الرحمن کا ہم معنی لفظ اللہ کے لئے ان کی کتابوں میں مذکور ہے اگر کسی چیز کے متعلق پوچھنا ہو تو عربی میں ساء ل عنہ بھی آتا ہے اور سأل بہ بھی۔ بعض علماء نے کہا (کہ فصل کا مخاطب عام انسان ہے یعنی) اے انسان تو الرحمن کے متعلق باخبر لوگوں سے پوچھ لے وہ تجھے الرحمن کے اوصاف بتا دیں گے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا

اور جب ان سے کہا گیا کہ الرحمن کو سجدہ کرو، کہنے لگے کہ الرحمن کیا چیز ہے (ہر) اس چیز کو ہم سجدہ کرنے لگیں جن کو سجدہ کرنے کا تم ہم کو حکم دو۔

مشرکین لفظ الرحمن کا اطلاق اللہ پر نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ سوائے الرحمن یمامہ (یعنی مسیلمہ کذاب متنبی) کے اور کسی الرحمن کو ہم نہیں جانتے۔ مشرکین مسیلمہ کو الرحمن یمامہ کہتے تھے۔

وَسَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۗ **۝۵۱** اور (رحمن کو سجدہ کرنے کے حکم نے) ان کے اندر (ایمان سے) اور نفرت بڑھادی۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۗ **۝۵۱**

بڑی خیر والا ہے وہ اللہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور سورج اور روشنی دینے والا چاند بنایا۔

حسن قنادہ اور مجاہد نے کہا برج بڑے بڑے ستارے (برج ظاہر ہونے کو کہتے ہیں) بڑے بڑے ستارے ظہور کی وجہ سے برج کہلاتے ہیں۔ عطیہ عونی، برج سے مراد وہ اونچے محل ہیں جن میں چوکیدار اور محافظ موجود ہیں۔

سُرُجًا (چراغ روشن) یعنی سورج۔ دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا۔

کسانی اور حمزہ کی قرأت میں سر جابصیخہ جمع آیا ہے۔ اس وقت سورج سے مراد ہوں گے سورج اور دوسرے ستارے۔ چاند مراد نہ ہو گا کیونکہ چاند چراغ نہیں ہے اس کی اپنی کوئی روشنی نہیں۔ اس کو ساری روشنی سورج سے پہنچتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہ پورا پورا سورج کے سامنے ہو جاتا ہے تو پورا روشن ہو جاتا ہے اور سورج سے جتنے حصے کا تقابل نہیں ہوتا۔ اتنا ہی حصہ تاریک رہتا۔ پھر قمر اکسرا جابر عطف بھی کیا گیا ہے (اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ أَرَادَ أَنۢ يَذَّكَّرَ أَوْ أَسَاءَ شُورًا ۗ **۝۵۱**

اور وہ ایسا ہے کہ اس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اور یہ سب کچھ اس شخص کے سمجھنے کے لئے ہے جو سمجھنا شکر کرنا چاہے۔

خلفۃ یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔
 بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نیماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا، رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں پورا کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ

مجاہد نے خلفتہ کا ترجمہ کیا ہے مخالف۔ رات اور دن باہم مخالف بنائے گئے ہیں ایک سیاہ ہے ایک سفید۔
 ان یذکر یعنی اس شخص کے لئے جو اللہ کی نعمتوں پر غور کرنے اور اس کی بنائی چیزوں کی حکمت کو سمجھے اور پھر جان لے کر یقیناً اس کو بنانے والا کوئی پر حکمت خالق ہے جو واجب لذات ہے اور بندوں پر مہربان ہے۔
 یا یہ مطلب ہے کہ جو کار خیر اس سے رات میں یا دن میں فوت ہو گیا ہے اس کو یاد کر لے اور دن کا فوت شدہ کام رات کو اور رات کا فوت شدہ کام دن کو پورا کر لے۔

او اراد شکور یا اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے، یعنی رات کی تاریکی، دن کی روشنی اور (ان کا تبادلہ) جو کچھ ان کے اندر منافع رکھے ہیں سب کی تخلیق اس غرض سے ہے کہ ذکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے والے اللہ کا ذکر کریں اور سبق لیں اور شکر کرنے والے ان نعمتوں کا شکر ادا کریں اگر بغیر ذکر و فکر اور شکر کے یونہی کسی کا وقت گزر جائے تو حقیقت میں اس کی زندگی بیکار ہو گئی اور اصلی سرمایہ زندگی تباہ ہو گیا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا
 اور رحمن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں عباد الرحمن میں اضافت سے مقصود ہے عباد کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تاجر تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کاملہ کا وعدہ کر لیا ہے اور یہ بھی مخلوق خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پرسکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے، نہ اترانا، لغت میں ہون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہون کا معنی لکھا ہے وقار (سجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قول رسول میں جس میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا، مومن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احسن خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی سند ضعیف عن ابی ہریرہ۔

وَلَا ذَا خَطْبٍ لَهُمْ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا
 اور جب بے وقوف لوگ کوئی ناگوار غیر مناسب بات کہہ کر ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام۔

مجاہد نے مقاتل بن حبان نے سلام کا ترجمہ کیا سدا یعنی سیدھی بات جس سے ایذا سے بھی سلامت رہیں اور گناہ سے

۱۔ حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا تھا فرمایا، میں نے اس کو ادا کرنا چاہا۔ اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔

۲۔ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ - - - عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا تک پس۔ تو اپنی چال میں درمیانی سورت اختیار کر (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

بھی۔ حسن نے کہا اگر کوئی جاہل ان سے جہالت کرتا ہے تو وہ برداشت کر لیتے ہیں (جہالت کے جواب میں) جہالت نہیں کرتے، حسن نے سلام کہنے کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں تم پر سلام۔ کیونکہ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے
وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا إِنَّا عَمَلْنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُنَا وَنَحْنُ عَنْكُمْ أَبْرَارٌ مُّقْتَدِرُونَ
پہلے تھا جب آیت جہاد آگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حق بات یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ جہاد کا حکم تو محض اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے دیا گیا ہے اگر لوگ لالہ اللہ کے قائل ہو جائیں یا جزیہ ادا کرنے لگیں تو قاتل اور لڑنے کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، مجھے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ لوگ لالہ اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہو جائیں۔ متفق علیہ عن ابن عمر۔ اللہ نے فرمایا جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں۔

رہی یہ آیت (تو اس کا موضوع اور مضمون ہی دوسرا ہے) اس میں بے وقوف جاہلوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے اور ان بے وقوفوں کی طرف توجہ نہ کرنے اور اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لینے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا، میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے میل رکھنا چاہتا ہوں مگر وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ان کی طرف سے زیادتی برداشت کرتا ہوں وہ مجھ سے جہالت (بدکلامی، بد معاملگی، بد خوئی) کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو پھر ان کو خاک پھینکواتا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا اللہ کی طرف سے ایک مددگار تیرے ساتھ برابر رہے گا۔ رواہ مسلم

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت یہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے)

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿۱۹﴾
اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہونی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے، بریا کاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جا سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت وغیرہ

سجدا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شب الایمان۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابو امامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحہ کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا ہے (یعنی پسندیدگی فرماتا ہے)۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے

ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لانے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ رواہ ابوغوی فی شرح السنۃ۔
 بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں تو گویا
 اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری۔ حضرت عثمان بن عفان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس
 نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم واحمد۔
 وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۗ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۙ ﴿۱۹﴾
 اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری طرف سے عذاب جہنم کا (رخ) پھیر دے بلاشبہ جہنم کا
 عذاب بڑا سخت ہے۔

یعنی وہ اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں، مخلوق سے معاشرتی، سماجی اور اخلاقی تعلقات بھی مبنی برانصاف رکھتے ہیں
 اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اللہ کے سامنے زاری کرتے ہیں کہ وہ اپنا عذاب ان کی طرف سے پھیر
 دے کیونکہ ان کو اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہوتا نہ وہ اپنی حالت پر اعتماد رکھتے ہیں۔
 حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤد) کے
 پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن
 حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور
 میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں
 بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی پروا
 ابو نعیم۔

گرام کے معنی ہیں لازم (دور نہ ہونے والا) قرضدار کو قرض خواہ چمٹا رہتا ہے اسی لئے قرضدار کو غریم کہتے ہیں بغوی
 نے لکھا ہے گرام کا معنی ہے بہت سخت چمٹنے والا۔ بعض نے کہا گرام کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو سخت شدید
 مصیبت انسان پر پڑتی ہے اس کو گرام کہتے ہیں۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ نے کافروں کو حکم دیا کہ اس ٹی نعمتوں کا شکر ادا
 کریں لیکن انہوں نے شکر ادا نہیں کیا اس لئے اللہ نے ان پر سخت (لازم، ناقابل زوال) مصیبت ڈال دی اور وہ (ہمیشہ) دوزخ
 میں رہیں گے حسن نے کہا ہر غریم اپنے غریم سے جدا ہوتا ہے لیکن جہنم جدا نہ ہوگا۔

بے شک دوزخ بری قرار گاہ اور جائے قیام ہے۔ یعنی دوزخ میں
 اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۱۹﴾
 ٹھہرنا اور رہنا برا ہے (مطلب یہ کہ مستقر اور مقام بمعنی مصدری ہیں)
 اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت نہ اسراف کرتے
 وَالَّذِينَ اِذَا اَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
 ہیں نہ کجی۔ اسراف گناہ کے راستہ میں خرچ کرنا خواہ کتنی ہی قلیل مقدار ہو اقرار اللہ کے حق کو روکنا۔ حضرت ابن عباس، مجاہد
 قتادہ اور ابن جریج کا یہی قول ہے حسن نے اس کی تائید میں آیت کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں خرچ نہیں
 کرتے۔ اور نہ اللہ کے قلم کئے ہوئے حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں بعض لوگوں نے کہا اسراف کے معنی حد سے بڑھ کر
 فضول خرچی جو حد تیزیر (مال بکھیرنے) تک پہنچا دے اور اقرار کا معنی ہے انتہائی ضرورت کے موقع پر بھی خرچ نہ کرنا۔ ابراہیم
 کے اس قول کے بھی یہی معنی ہیں کہ وہ نہ لوگوں کو ننگا بھوکا رکھتے ہیں نہ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ انہوں نے یہ
 خرچ فضول کیا۔

میں کہتا ہوں یہ قول پہلے ہی قول کی طرف راجع ہے بلکہ اس سے زیادہ خاص ہے کیونکہ جائز خرچ میں بھی حد شرعی سے
 تجاوز کر جانا کہ حد تیزیر تک پہنچ جائے گناہ اور حرام ہے اللہ نے فرمایا اِنَّ الْمُبْدِرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيْطٰنِ وَمَا يَشْعُرُوْنَ بِهٖ مُّغْتَرِبًا۔
 اور جن کے لئے خرچ کرنا واجب ہے کہ ان کو ننگا بھوکا نہ رہنے دے اور اللہ کے مقرر کردہ مالی حق کو ادا کرنا اور اس میں کجی نہ

کرنا لازم ہے۔

وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝

اور ان کا خرچ کرنا (انفراد تقریب کے) درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔
قوام درمیانی۔ دو برائیوں کے درمیان بھلائی۔ وسط کو قوام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وسط کے دونوں طرف متوازن ہوتے ہیں اور چونکہ دونوں جانب مساوی بھی ہوتے ہیں اس لئے وسط کو سواء بھی کہا جاتا ہے۔

یحییٰ نے یحییٰ میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھاتے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا (گناہ سب سے بڑا ہے) فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا، اس کی تصدیق میں اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۝

اور وہ لوگ جو کسی دوسرے معبود کو اللہ کے ساتھ نہیں پکارتے اور نہ بغیر حق کے کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کو قتل کرنے کی اللہ نے ممانعت فرمادی ہے اور نہ زنا کرتے ہیں۔

بالحق یعنی حق پر قتل کرتے ہیں مثلاً قصاص میں قتل کرتے ہیں (یا محض کو) زنا کی سزا میں سنگسار کرتے ہیں وغیرہ ان آیات میں بنیادی گناہوں کی نفی کی گئی ہے اس سے اوپر اصول طاعات کا اثبات کیا گیا تھا اس نفی و اثبات سے مقصود ہے مومنوں کے کمال ایمانی کا اظہار اور اس بات پر تنبیہ کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے وہ انہی مسلمانوں سے کیا گیا ہے جو اصول طاعت کے ساتھ متصف اور اہمات معاصی سے مجتنب رہتے ہیں، درپردہ اس میں کافروں پر تعریض بھی ہے کہ وہ معاصی سے اجتناب نہیں کرتے اور اصول طاعت کو ادا نہیں کرتے اور ان کے اوصاف مومنوں کے اوصاف کے بالکل برعکس ہیں اسی لئے آئندہ آیت میں مرتکب معصیت کے عذاب میں مبتلا ہونے کی وعید بیان فرمادی، اور ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝

اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ گناہوں کی سزا پائے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا گناہ سے مراد ہے گناہ کی سزا۔ ابو عبیدہ نے کہا اثم کا معنی ہے سزا۔ مجاہد نے کہا اثم جنم کے اندر ایک واوی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے حدیث میں آیا ہے کہ غی اور اثم (جنم کے اندر) دو کوس ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا لہو، پیپ بہ کر جاتا ہے میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ اثم جنم میں ایک واوی ہے ہٹانے سفیان کا بھی یہی قول بیان کیا ہے۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جنم کے کنارے سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی و اثم تک پہنچے گا لوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا غی اور اثم کیا ہیں فرمایا جنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ، لہو بہ کر جاتا ہے انہیں دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے، فَسَوْفَ يُلْقُونَ عُقَابًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا۔

يُضَعَّفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن اس پر دوہرا عذاب ہو گا کفر کا اور گناہ کا۔

۱۔ وہ لوگ یعنی صحابہ کرام مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش و زیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی غرض تھی قابل ستر حصہ بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خریدے۔ (از مفسر رحمہ اللہ)

اور وہ عذاب میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔

وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ﴿۱۹﴾

تسخین نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے بکثرت قتل کئے اور قتل کے ساتھ جرم زنا کے بھی مرتکب ہوئے، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ ہے تو اچھی، مگر یہ بتائیے کہ ہمارے گناہ کا اتار کس طرح ہو گا اس پر آیت والذین لا يدعون مع الله سے یخلد فیہ مہانا الامن تاب وامن و عمل عملا صالحا تک نازل ہوئی۔

یعنی وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہوں نے (شرک سے) توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک اعمال کئے۔

حضرت ابن عباس کے نزدیک توبہ کرنے سے مراد ہے گناہ سے توبہ کرنا اور ایمان لانے سے مراد ہے اپنے رب پر

ایمان لانا۔

اسی قصے کے متعلق آیت قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ بھی نازل ہوئی۔

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب سورت الفرقان میں اللہ نے آیات وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ نازل فرمائی تو مکہ کے مشرکوں نے کہا ہم نے تو ناحق قتل بھی کئے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کی ہے اور بے حیائی کے کاموں (یعنی زنا) کا ارتکاب بھی کیا ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو ہمارا کیا ہو گا) اس پر آیت الامن تاب نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے ہم کو حضرت ابن عباس کا یہ قول پہنچا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم دو سال تک آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ (مہانا تک) پڑھا کرتے تھے، پھر (دو سال کے بعد) نازل ہوا۔ الامن تاب وامن اس آیت کے نازل ہونے سے اور آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کے نازل ہونے سے جیسا خوشی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ایسا خوشی میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

..... ایک شبہ

مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے ساتھ ہی ہونا ضروری ہے دونوں کے درمیان فصل زمانہ ناجائز ہے پھر یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ الامن تاب وامن کا نزول والذین لا يدعون مع الله الها اخر کے نزول کے دو سال بعد ہوا۔

..... ازالہ

ہم کہتے ہیں کہ پہلے آیت مذکورہ بغیر استثناء کے (صرف مہانا تک) نازل ہوئی تھی پھر پوری آیت والذین لا يدعون سے آخر تک یعنی غفورا رحیما تک نازل ہوئی (گویا مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں کا نزول ایک ہی وقت میں ہوا) پس یہ آیت پہلی آیت کو مقدار استثناء کے لحاظ سے منسوخ کر رہی ہے۔

..... مزید شبہ

اصول فقہ کا یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ حکم منسوخ ہوتا ہے خبر منسوخ نہیں کی جاسکتی اور یہ آیت جملہ خبریہ ہے کہ اس کے منسوخ کئے جانے کے کیا معنی۔

﴿..... ازالہ﴾

خبر منسوخ نہیں ہوتی ہے بے شک یہ بات صحیح ہے ورنہ پہلی خبر کا جھوٹ ہونا لازم آئے گا اور خدا کی دی ہوئی خبر کذب کا احتمال بھی نہیں رکھتی۔ لیکن آیت و عید (خواہ خبری شکل میں ہو) منسوخ ہو سکتی ہے کیونکہ و عید کے خلاف واقع ہونا جائز ہے۔ اہل سنت کا یہی مسلک ہے اگرچہ معتزلہ کا قول اس کے خلاف ہے (مترجم)۔ اللہ اپنی رحمت و فضل سے اپنی دی ہوئی و عید کے خلاف کر سکتا ہے حقیقت میں و عید خبر نہیں ہوتی انشاء ہوتی ہے (کیونکہ خبر کے لئے خبر عنہ کا پہلے ہونا ضروری ہے اور و عید کا ظہور آئندہ ہوگا اس لئے آیت و عید کو بصورت خبر ہوتی ہے اور انشاء یعنی حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔ مترجم)

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اثبات سے استثناء نفی اور نفی سے استثناء اثبات ہوتا ہے (یعنی مستثنیٰ بتکم مسکوت عنہ میں نہیں ہوتا جیسا کہ احناف کا خیال ہے مترجم) آیت میں استثناء کا مفرغ ہونا اسی کو بتا رہا ہے ایسا نہیں ہے کہ استثناء کے بعد جو مستثنیٰ منہ باقی رہتا ہے اس کا حکم تو منطوق ہوتا ہے اور مستثنیٰ کی طرف سے سکوت ہوتا ہے یعنی اس کا حکم معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ منطوق حکم کو مسکوت عنہ حکم سے منسوخ کر دیا گیا اور یہ درست نہیں۔

انہی (نیکو کار مومنوں) کی برائیوں کو اللہ نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ط

ایک جماعت نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ توبہ کے بعد ان کے گزشتہ گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کی جگہ آئندہ ہونے والی نیکیوں کو قائم کر دے گا، یہ مطلب ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی جو قوت ان کے نفوس میں تھی دنیا ہی میں ان کی اس قوت معصیت کو قوت طاعت سے تبدیل کر دے گا اور گزشتہ معاصی کے خلاف طاعت کی توفیق عنایت کر دے گا یہی مطلب ہے حضرت ابن عباس، حسن، سعید بن جبیر، ضحاک اور سدی کے اس تشریحی قول کا کہ حالت شرک میں کئے ہوئے برے اعمال کی جگہ حال اسلام میں کئے ہوئے اچھے اعمال کو اللہ دے دے گا شرک کو توحید سے مومنوں کے قتل کو حربی مشرکوں کے قتل سے اور زنا کو عفت و پاکدامنی میں بدل دے گا۔

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کئے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب، مکحول، ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابو ذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں کی پیشی کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے ہماں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ اتنے ہنس پڑے کہ کچھیاں نظر آنے لگیں۔ رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمال نامہ دیا جائے گا جو نئی وہ اعمال نامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن وہ یکدم اعمال نامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگ اں کو بھی اللہ

(موقف) میں لائے گا جو دل سے خواہش مند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے۔ دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔

..... ایک شبہ

گناہ تو اللہ کو پسند نہیں، ایک ناگوار امر ہے اور نیکی اللہ کو پسند ہے اور اللہ اپنے بندوں سے کفر اور معصیت کو پسند نہیں کرتا پھر بدی نیکی کیسے ہو جائے گی اور کس طرح گناہ قابل ثواب بن جائے گا پسندیدہ، پسندیدہ کیسے ہو سکتا ہے۔

..... ازالہ

اس شبہ کو دو طرح سے دور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) اللہ کے نیک بندوں سے اگر تہذیب الہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی، پیشانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلب گار ہوتے ہیں آخر رحمت الہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے، حاصل یہ ہے کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کیے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلب گار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہ۔

بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ معاذ بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے۔ حضرت معاذ ایک مخلص صحابی تھے حسب تقدیر ان سے زنا کا صدور ہو گیا اور خود حاضر ہو کر انہوں نے اقرار و اظہار کرنے کے بعد حد زنا جاری کرنے کی درخواست کی حضور ﷺ نے ہر چند اشارات کئے کہ وہ زنا کے اقرار سے پھر جائیں لیکن انہوں نے اصرار کے ساتھ چار مرتبہ اقرار کیا اور سزا کے امیدوار ہوئے آخر حضور ﷺ نے ان کو سنگسار کرادیا۔ مترجم)

(ایک عورت قبیلہ، غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ اس کو بھی حضور ﷺ نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور ﷺ نے سنگسار کرادیا) حضرت خالد بن ولید نے اس غامد یہ عورت کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ کس والا بھی کر لے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (کس وہ نیکیس جو عشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ نیکیس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار) رواہ مسلم فی قصہ معاذ والغامدیۃ عن بریدہ۔

یہی روح ہے اس قول کی جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت و توبہ ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

(۲) بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیار شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات ترک کل) سماع، وجد اور سطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا ان سے صدور خالص محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ نیکیوں سے تبدیل کر دے گا۔ عارف رومی نے فرمایا ہے۔

تکڑ گیر دکا طے ملت شود
گر چہ ماند در نوشن شیر و شیر
لطف گشت و نور شد ہر ناراد

ہر چہ گیر دعلتی علت شود
کار پاکان را قیاس از خود گیر
اوبدل گشت و بدل شد کاراد

شاید حضرت ابوذر کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض لوگوں کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ ہمارے مذکورہ بالا قول کی طرف ہے کیونکہ کاملوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبہ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے انکو چھوٹے گناہ کہا جاسکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جاسکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادہ معصیت نہیں بلکہ) غلبہ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا بے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝
اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخش دے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔
میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے۔ فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پر تو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الہی کا تقاضا ہے وجود۔

..... ایک شبہ

کیا عام اہل ایمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ ہی کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور دوسرے کا وجود ایسا نہیں ہے (بلکہ ظلی اور غیر حقیقی ہے) پھر فناء قلب کے درجہ تک پہنچنے والوں کی کیا خصوصیت ہے۔

..... ازالہ

میں کہتا ہوں عقیدہ توبہ مومنوں کا یہی ہے لیکن ان کا یہ عقیدہ استدلالی ہے شہودی نہیں، معاینہ پر مبنی نہیں۔ بد اہت وجدان اس پر شاہد ہے دیکھو عام مومنوں کو (بظاہر) طمع اور خوف اللہ کے سوا دوسروں سے ہوتا ہے اس سے آگے ولا یقتلون النفس الّتی حرم اللّٰہ الا بالحق ولا یزنون۔ سے شاید فناء نفس کی طرف اشارہ ہے نفس امارہ بالسوء (گناہ کا حکم دینے والا نفس) جب فناء ہو جاتا ہے اور اللہ کی مرضی پر اس کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے تو سارے جذبات معصیت اس سے الگ ہو جاتے ہیں ہماری اس توجیہ کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے اللہ نے ان کے صفات کمالیہ کا ذکر کیا اور فرمایا وعباد الرحمن الذین یمسنون اس کے بعد لوصاف مذکورہ بالا (عدم قتل و عدم زنا وغیرہ) کا ذکر کیا اگر اس سے مجازی عربی توحید اور ظاہری تقویٰ مراد ہو تو پھر آیت وعباد الرحمن سے پہلے اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔

وَمَنْ تَابَ
معافی کا طلب گار ہو۔
اور نیک عمل کئے یعنی گزشتہ عمل بد کی تلافی نیک اعمال سے کی یا یہ مطلب ہے کہ شرک و
وَعَمِلَ صَالِحًا

معصیت کو چھوڑ کر دائرہ طاعت میں داخل ہو گیا۔

قَاتِلُوا يُتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ④

تو (وہ بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ) حقیقت میں وہ اللہ کی

طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے۔

پس اللہ کا (عطا کیا ہوا) حق ہے کہ اللہ اس کو ثواب دے اور اس کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے۔

مستابا کی تینوں بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعظیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زنا کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل و زنا کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا۔ اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر من تاب میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر چکا ہو تو اس کی لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہئے فانہ یتوب اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے بعض نے کہا (توبہ میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور قتل ہونا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت یدل اللہ سیاتہم حسنت میں وہ تاب مراد ہوں جن سے غلبہٴ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہو گئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سر زد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبہٴ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہو گا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہٴ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔

اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّوْرًا

بغوی نے لکھا ہے ضحاک اور اکثر مفسرین کے نزدیک زور سے مراد ہے شرک۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر نفی شرک کی تکرار ہو جائے گی۔ کیونکہ لَا يَدْخُونَ مَعَ اللَّهِ الْآخِرِينَ میں شرک کی نفی ہے

علی بن طلحہ کے نزدیک شہادت زور سے مراد ہے لوگوں کے خلاف جھوٹی شہادت دینی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا، جھوٹے گواہ کے چالیس تیسے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار

میں گھمایا جائے۔

ابن ابی شیبہ نے بروایت ابو خالد بخوالہ، حجاج بوساطت مکحول ولید کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عاتلوں کو جو شام میں مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ جھوٹے گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کیا جائے اور سر منڈوا دیا جائے اور طویل مدت تک قید رکھا جائے عبدالرزاق نے مصنف میں مکحول کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے جھوٹے گواہ کے چالیس کوڑے لگوائے تھے۔ یہ بھی عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ مجھ سے یحییٰ بن عطاء نے اور یحییٰ سے احوص بن حکیم نے بیان کیا اور احوص نے اپنے باپ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے جھوٹے گواہ کے متعلق حکم دیا کہ اس کا منہ کالا کیا جائے اور اس کی پگڑی گردن میں ڈال کر قاتل میں گھمایا جائے۔

حضرت عمر کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو

(کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ بھی پہچان جائیں کہ وہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔ مذکورہ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسا کہ رسول اللہ کا فرمان حضرت انس کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمائیے، فرمایا! اللہ کا سا جھٹی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور ﷺ اس وقت تک لگائے ہوئے تھے فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور ﷺ نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور ﷺ خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

اللہ نے شرک اور جھوٹی شہادت سے پرہیز رکھنے کا یکجائی حکم ملا کر دیا ہے اور فرمایا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ جب شہادت زور کبیرہ گناہ قرار پائی اور اس کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیر کا مقصد ہے (مجرم کو) بازداشت اور یہ بازداشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے مارنے اور قید کرنے زبرد بازداشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہئے (تاکہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جرأت کر سکے کہ حضرت عمر کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)

امام ابو حنیفہ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں کو کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہو تا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ پیام کلا بھیجتے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریر کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔ بعض علماء نے لا ینسھدون الزور کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بے ہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بے ہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بے ہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہ نے فرمایا لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا گانادلوں میں نفاق کو اس طرح لگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔

بنغوی نے لکھا ہے زور کا اصل معنی ہے کسی چیز کو خوب صورت بنا دینا اور اصل حالت کے خلاف دوسری حالت پر دکھانا، پس (اس جگہ) زور کے معنی ہوئے باطل پر ایسا طبع کرنا کہ وہ حق معلوم ہونے لگے میں کہتا ہوں لغت میں زور کا معنی ہے موڑ دینا، پھیر دینا اللہ نے فرمایا ہے تزارر عن کھفہم سورج ان کے غار سے مڑ جاتا ہے اس کا استعمال کذب کے لئے بھی ہوتا ہے کیونکہ جھوٹ میں حق سے باطل کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے اسی طرح ہر لغو بات پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے زور۔ بالنعیم جھوٹ اور شرک اور یہود و نصاریٰ کے تموار (میلے) اور سرد اور گانے کی مجلس اور گانے کے سوا دوسرے (باطل) معبود اور قوت۔ میں کہتا ہوں صاحب قاموس نے جو معانی بیان کئے ہیں ان میں سے رئیس اور قوت کے علاوہ آیت میں ہر معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

اور اگر (اتفاقاً) بے ہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں
وَاِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ⑤
تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

اس کا عطف آیت لایسھدون الزور پر ہے زور سے مراد بھی معاصی ہیں اور لغو سے مراد بھی معاصی ہیں اور شہود سے مراد ہے حاضر ہونا حسن اور کلبی کا یہی قول ہے مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گذر جاتے ہیں عربی مجاورہ ہے کرم فلان عما یشبہہ فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہے اگر م نقرہ عنہ اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔

مقاتل نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ جب کافروں سے وہ برا بھلا اور دکھ پہنچانے والی باتیں سنتے ہیں تو درگزر کرتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں ابن جریج کی روایت میں مجاہد کا بھی یہی قول آیا ہے یہی مفہوم ہے آیت وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ کا۔

سدی نے کہا آیت مذکورہ بالا آیت جہاد سے منسوخ ہے۔
میں کہتا ہوں (اس آیت میں اور جہاد کی آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے مترجم) حکم جہاد و قتال اداء جزیہ (کی شرط ماننے) پر ختم ہو جاتا ہے برا بھلا کہنے اور دکھ پہنچانے پر تو قتال کا حکم نہیں ہے۔

اور وہ ایسے ہیں کہ جب اللہ کے احکام کے ذریعہ سے انکو
وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
نصیحت کی جاتی ہے۔

یعنی وعظ و نصیحت کی جاتی ہے اور آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں یا یہ مراد یہ ہے کہ (آیات سے مراد ہیں نفسی اور آفاقی لائل توحید) جب انکو لائل توحید و تنزیہ پیش کر کے نصیحت کی جاتی ہے۔

تو ان احکام پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے یعنی بغیر گوش
لَمْ يَخْشَوْا عَلَيْهِمْ صُدًّا وَعَمِيًّا ⑥
ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

آیت میں نفی حالت مراد ہے نفی فعل مراد نہیں ہے یعنی ان کی حالت اندھوں بہروں کی طرح نہیں ہوتی جیسے کہا جاتا ہے لا یلقانی زید را کبا زید سوار ہونے کی حالت میں مجھ سے نہیں ملتا۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَمْوَالِنَا إِجْنًا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ
اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما۔
اعین بصینہ جمع قلت ذکر کیا (عیون نہیں فرمایا) کیونکہ آنکھ سے مراد ہیں متقیوں کی آنکھیں اور دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں ان کی تعداد کم ہی ہے۔ من ازواجنا میں من ابتدا سے ہے یعنی ہمارے اہل و عیال کو صالح بنا کر ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرماں بردار دیکھے۔

حسن نے کما قرۃ مصدر ہے اسی لئے اس کو بصینہ مفرد ذکر کیا قرۃ کا اصل معنی ہے ٹھنڈک، خشکی، حرارت کی ضد۔ عرب

(گرم ملک کی سکونت کی وجہ سے) گرمی سے تکلیف اور ٹھنڈک سے چین محسوس کرتے ہیں خوشی کے وقت قرۃ العین (خنی چشم) اور غم کے وقت سحر العین (گرمی چشم) کہتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ازہری نے کہا قرۃ العین کا یہ معنی ہے کہ دل کو اپنا پسندیدہ محبوب مل جائے اور آنکھ دوسروں سے ہٹ کر اپنے محبوب ہی کو دیکھے۔

وَأَجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ اور ہم کو متقیوں کا پیشوا بنا۔

جب اہل دعویٰ متقی ہو جائیں گے تو لا محالہ وہ مومن متقیوں کے امام (پیشوا) قرار پائیں گے۔

لفظ امام مفرد ہے جس پر دلالت کر رہا ہے (اور اجعلنا میں ضمیر مفعول جمع ہے اور جماعت مومنوں کی ہی یہ دعا ہے) لیکن غیر مقصود کا اشتباہ نہیں ہے اسی لئے بصیغہ مفرد ذکر کیا جیسے دوسری آیت میں عدو اور طفل بصیغہ مفرد جماعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے ثم یختر حکم طفلاً نھم عدوی الا رب العالمین۔

بعض علماء نے کہا امام کا مصدر ہے جیسے صیام اور قیام۔ یا یوں کہا جائے کہ واجعلنا یعنی واجعل کل واحد منا ہم میں سے ہر ایک کو امام بنا دے جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ اِنَّا رَسُوْلٌ رَّبِّكَ (بجائے رسل کے رسول کا لفظ ذکر کیا) بعض اہل علم نے کہا امام آج بروزن عام خاص کی جمع ہے جیسے صائم کی جگہ صیام۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ ہم کو متقیوں کے راستہ پر چلنے والا اور ان کی پیروی کا قصد کرنے والا بنا دے۔

ان لوگوں کو (جن کے اوصاف اوپر ذکر کر دیئے گئے) ثواب میں جنت کے اعلیٰ مقامات دیئے جائیں گے۔

تیسرے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرقی یا مغربی افق سے ستارے کو دیکھتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

احمد، حاکم، اور بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اور ترمذی و بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابو مالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بالا خانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر کی روایت میں یہ حدیث اس طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں اسلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ اور لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابو مالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، ان لوگوں کے لئے جو کھانا کھلاتے ہیں نرم کلام کرتے ہیں متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ اور لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو جنت کے بالا خانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ (فرمائیے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر

یقیناً کچھ بالا خانے قسم قسم کے جوہرات کے ایسے (شکاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت حسیں دکھائی دے گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی۔ یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ بالا خانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اسلام کو پھیلایا، کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کرنے کی کس میں طاقت ہے، فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل و عیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلایا اور جس نے رمضان کے علاوہ ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھی تو بے شک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور مجوسی اس وقت خواب میں ہوتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالا خانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر رہنے والا اگر ان کے اندر ہوگا تو بالا خانہ سے پیچھے والی چیزیں اس سے پوشیدہ نہ ہوں گی اور اگر بالا خانوں پیچھے سے (باہر) ہوگا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! یہ بالا خانے کن کے لئے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا۔ مسلسل روزے رکھے، سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس نے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے، فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس کو سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سونے کی حالت میں نماز کا کیا مطلب، فرمایا عشاء کی نماز۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد کی مرفوع روایت سے اس آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالا خانہ سرخ یا قوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں نہ کوئی شکاف ہوگا نہ کوئی عیب۔

بِمَا صَبَرُوا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے۔

یعنی انہوں نے چونکہ دنیا میں نفسانی خواہشات کو ترک کیا مجاہدات کی تکلیفیں اٹھائی تھیں کافروں کی طرف سے پہنچنے والی آذیتیں برداشت کی تھیں اور طاعت و عبادت کی وجہ سے پہنچنے والے دکھ پر ثابت قدم رہے تھے اس لئے ان کو مذکورہ بالا مراتب ملیں گے۔

ابو نعیم نے ابو جعفر کا قول نقل کیا ہے کہ صبر کرنے سے مراد ہے دنیا میں ناداری پر صبر کرنا۔

اور ان کو اس بہشت میں فرشتوں کی طرف سے بقاء کی دعا اور

وَيَلْقَوْنَ فِيهَا زَوْجًا وَسَلَامًا ﴿۱۹﴾

سلام ملے گا۔

یعنی بالا خانوں کے اندر فرشتے تحیہ و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے، مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی و عافیت کی دعا کریں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ کلبی نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی

خود یہ حالت ہوتی ہے) کہ وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مر جاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (انکا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم انکے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں۔ اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا سا جی کسی کو نہیں بناتے تھے انہی کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں کے اندر ہوتی تھی اور وہ ضروریات کو پورا نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلَامٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو تحت یعنی بقائے دوائی اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیش کش کی جائے گی۔

خُلْدِیْنَ فِیْہَا

ان بالاخانوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

حَسُنَتْ مُسْتَقْرَآؤُكُمْ مَّآثًا ﴿۱۹﴾ وہ بالاخانے (ان کے لئے) اچھی قرار گاہ اور قیام کی جگہ ہوں گے۔

مسلم نے حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک منادی نداء کرے گا تمہارے لئے بلا شک دوائی تندرستی ہے، کبھی بیمار نہ ہو گے تمہارے لئے دوائی زندگی ہے کبھی نہیں مردے گے، تمہارے لئے ہمیشہ جوان رہنا ہے کبھی بوڑھے نہ ہو گے، تمہارے لئے ہمیشہ راحت میں رہنا ہے کبھی دکھی نہ ہو گے۔

آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا

قُلْ مَا یَعْبُوْا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دَعَاؤُكُمْ

رب تمہاری ذرا بھی پروا نہیں کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے

یعنی ماخوذ ہے عبادت الجیش عبوا سے میں نے فوج کو مرتب کر دیا، تیار کر دیا، کذافی النہایہ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ سے استفادہ نہ کرو تو کون چیز تم کو جنت میں داخل ہونے کے لئے تیار کر سکتی ہے بعض اہل تفسیر نے دعاء کا ترجمہ کیا ہے عبادت یا ایمان۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر اللہ تم کو اسلام کی دعوت نہ دیتا تو جنت میں کیسے داخل ہوتے۔ اب چونکہ تم ایمان لے آئے تو اللہ نے تم کو جنت میں داخل ہونے کے لئے تیار کر دیا۔ بعض علماء نے کہا عبوا، عباء سے مشتق ہے اور عباء کا معنی ہے بوجھ، وزن، مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری طرف سے طاعت و عبادت نہ ہو تو اللہ کی نظر میں تمہارا کیا وزن اور کیا قدر ہوگی۔ اللہ کو تمہاری پروا نہ ہوگی کیونکہ انسان کی بزرگی اور برتری صرف معرفت اور طاعت کی وجہ سے ہے ورنہ انسان چوپایوں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ تم کو دعوت اسلام نہ دیتا اور تم ایمان نہ لاتے تو اللہ کی نظر میں تمہاری قدر نہ ہوتی اب جبکہ اس نے تم کو اسلام کی دعوت دے دی ہے اور تم ایمان لے آئے تو اللہ کے نزدیک تمہاری قدر نمایاں ہوگی۔

بعض نے کہا، ما یعبوا بکم کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کو تم کو پیدا کرنے کی کیا پروا ہوتی اگر تمہاری عبادت اور طاعت (مقصود) نہ ہوتی۔ یعنی اس نے اپنی عبادت کے لئے تم کو پیدا کیا ہے اسی کے متعلق فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لَیَعْبُدُوْنَ بَعُوٰی نے لکھا ہے یہی قول حضرت ابن عباس اور مجاہد کا ہے۔

بعض نے ما یعبوا بکم کا ترجمہ کیا ہے ما یبالی بکم یعنی اللہ کو تمہاری مغفرت کی کیا پروا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو نہ پکارو اور اگر تم شرک نہ کرو تو وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اسی مفہوم کی تائید ہو رہی ہے آیت مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعِبَادِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاَنْتُمْ سَ۔ بعض نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تمہارے عذاب کی کیا پروا کرتا ہے اگر مصائب و شدائد میں تم اس کو نہ پکارو۔ اسی پر دلالت کر رہی ہے آیت قَاذِرْ کُنُوْا فِی الْعٰلَمِیْنَ دَعُوْا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَکُم مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِیْنَ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنی کسی غرض کے لئے تم کو نہیں پیدا کیا اور نہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی قدر ہے بغیر اس کے کہ تم اس سے سوال کرو اور اس سے مغفرت کے خواستگار ہو اگر تم اس سے سوال کر دو گے اور مغفرت

بسم اللہ

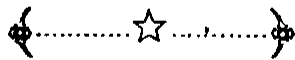
کے لئے دعا کر دے گا اور گناہ معاف کر دے گا اس مطلب پر مایعبو میں مانا فیہ ہوگا۔
 فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿۱۹﴾
 (جھوٹا سمجھنا) تمہارے لئے وبال جان ہو جائے گا یہ کفار مکہ کو خطاب ہے۔

یعنی اللہ نے رسول کے ذریعہ سے تم کو اپنی توحید و عبادت کی دعوت دی لیکن تم نے رسول ﷺ کی تکذیب کی اور دعوت کو قبول نہیں کیا تو اب جنت میں داخل کرنے کا سر و سامان اللہ تم کو کس طرح دے گا یہ مطلب ہے کہ اس کے نزدیک تمہارا وزن و مرتبہ کسے ہو گا یہ مطلب ہے کہ تم کو عذاب دینے کی اس کو کیا پروا ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ تمہاری یہ تکذیب تم سے جدا نہ ہوگی تم کو چھٹی رہے گی تم کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی اور تمہارے اعمال کی یاد اش تم کو ملے گی۔

یہ مطلب ہے کہ تمہاری اس تکذیب کی سزا تم کو چھٹی رہے گی تم کو گھیرے رہے گی یا اس تکذیب کا اثر تمہارے ساتھ چسپاں رہے گا یہاں تک کہ یہ تکذیب تم کو اوندھے منہ دوزخ میں گرا دے گا۔

حضرت ابن عباس نے لزاما کا ترجمہ کیا ہے موت اور ابو عبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاکت ابن زید نے قتال اور ابن جریر نے کہا ہمیشہ رہنے والا کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب اور ایسی تباہ کن فضا آگیں ہلاکت جو ایک کو دوسرے کے ہاتھوں پہنچے گی۔ بغوی نے لکھا ہے لزاما سے مراد کیا ہے۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں حضرت ابن مسعود حضرت ابی بن کعب اور مجاہد نے فرمایا، اس سے مراد یوم بدر ہے جس میں ستر کفار مارے گئے یعنی بدر کی لڑائی میں کافر مارے گئے اور قتل ہوتے ہی عذاب آخرت ان سے چھٹ گیا۔ بخاری نے صحیح میں حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا آپ نے فرمایا پانچ چیزیں تو ہو چکیں دخان (جو آسمان پر نظر آچکا) چاند (جو پھٹ چکا) روم جن کو ایرانیوں پر غلبہ مل چکا بطحہ (سخت پکڑ) اور لزام (بدر کی لڑائی میں کفار کا قتل) بعض نے کہا لزام سے مراد عذاب آخرت ہے واللہ اعلم۔

الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين۔
 اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر چھ صفر ۱۲۰۵ھ کو ختم ہوئی تفسیر سورۃ الفرقان کا ترجمہ
 ۲۱ شعبان ۱۳۹۰ھ کو پورا ہوا۔



..... سورة الشعراء ﴿﴾

سورة الشعراء کی ہے صرف آخر کی چار آیات وَالشَّعْرَاءَ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ سے آخر تک کئی نہیں ہے اس سورة کی کل ۲۲ آیات ہیں۔

حاکم نے مستدرک میں حضرت معقل بن بیدر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ط اور طس والی سورتیں اور تم والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طسّم ① بغوی نے بروایت بکرہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا طسّم کی تفسیر سے علماء عاجز ہیں۔ علی بن طلحہ والبی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قنادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طسّم ہے۔ مجاہد نے کہا ایک عورت کا نام ہے محمد بن کعب قرظی نے کہا اللہ نے قسم کھائی اپنے طول (یعنی قدرت کی) اور سنا (یعنی نور کی) اور مجد (یعنی بزرگی) کی (قرظی کا مراد یہ ہے کہ ط سے طول کی طرف اور اس سے سنا کی طرف اور میم سے مجد کی طرف اشارہ ہے) حق بات یہ ہے کہ یہ (دوسرے مقطعات کی طرح۔ مترجم) اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک راز ہے۔

تِلْكَ یٰۤاَقْرٰنُ۔

اٰیٰتِ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② کھلی یا کھول دینے والی کتاب کی آیات ہیں۔ یعنی اس کتاب کی آیات ہیں جس کا معجزہ ہونا ظاہر ہے یا جو اللہ کے احکام اور ہدایت کا راستہ کھول دینے والی ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسًا ③ شاید آپ اپنی جان کھودیں گے۔ بجمع نفسہ اس نے غم میں اپنی جان ہلاک کر دی۔

بخاع پشت میں ایک رگ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے یہ رگ حسب زعم زحشری بخاع (حرام مغز) کے علاوہ ہوتی ہے اور بخاع کا اصل معنی ہے ذبح کرتے وقت چہری کو بخاع تک پہنچادینا پھر اس کا استعمال ہر مبالغہ کے لئے ہونے لگا۔

اَلَا یَکُوْنُوْنَ مُؤْمِنِیْنَ ④ اس وجہ سے کہ وہ مومن نہیں ہوتے (ایمان نہیں لاتے) اس آیت کا نزول اس وقت ہو جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ کو یہ بات بہت شاق ہوئی کیونکہ حضور کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کی باز پرس نہ کرے اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسلی ہے۔ لعل کلمۃ امید ہے لیکن اس جگہ رحم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت ہم ہی ان کا مومن ہونا نہیں چاہتے۔

اِنْ نَّشَأْ اَکْرَهْمَ (ان کا مومن ہو جانا) چاہیں۔

تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی نازل کر دیں کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ یا (آیت سے مراد ہے مصیبت یعنی) کوئی ایسی مصیبت نازل کر دیں جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دے۔
فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ⑤
پھر ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں یعنی یہ فرماں بردار ہو جائیں۔

قائد نے کہا۔ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتا کہ پھر کوئی بھی نافرمانی سے گردن نہ موڑتا ابن جریج نے کہا آیت کا یہ معنی ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو کوئی ایسا امر نازل کر دیتا کہ پھر ان میں سے کوئی شخص بھی نافرمانی نہ کر سکتا۔

..... ایک شبہ ❁

اعناق، عنق کی جمع ہے اور عنق مؤنث ہے، اس لئے اعناق کے ساتھ خاضعتہ ہونا چاہئے۔ خاضعین یعنی جمع مذکر کیوں کہا گیا۔

ازالہ :- (۱) دوسری متصل آیات کے مقاطع کی لفظی رعایت سے ایسا کیا گیا۔

(۲) اصل کلام فَظَلُّوا لَهَا خَاضِعِينَ تھا اور یہ صحیح تھا لیکن عضو خضوع اور مقام خضوع کو بیان کرنے کے لئے لفظ

اعناق بڑھادیا گیا جو زائد ہے۔

(۳) مضاف محذوف ہے، اصل میں اصحاب الاعناق تھا مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا

گیا، کیونکہ گردنیں جب خاضع ہو جائیں گی تو گردنوں والے خود ہی فرماں بردار عاجز ہو جائیں گے (جواب نمبر دوم مجازنی الاستاد تھا اور نمبر سوئم میں مجاز بالخذف۔ مترجم)

(۴) احنف نے کہا، خاضعین کا تعلق اعناقہم کی ضمیر جمع مذکر (یعنی ہم) سے ہے اعناق سے نہیں ہے۔

(۵) خضوع اہل عقل کی صفت ہے اور اعناق کو عقلاء کے قائم مقام قرار دے کر خاضعین کو بصیغہ جمع مذکر کر دیا۔

(۶) عرب کا قاعدہ ہے کہ جب مؤنث کی اضافت مذکر کی طرف کرتے ہیں تو مؤنث کو بھی مذکر مان لیتے ہیں اور مذکر

کی اضافت مؤنث کی طرف کرتے ہیں تو اس مذکر کو بھی مؤنث قرار دے لیتے ہیں اس جگہ شق اول کی موافقت ہے۔

(۷) عنق سے پورا جسم مراد ہے (جز اعظم بول کر کل مراد لینا جائز ہے۔ مترجم) ذَلِکَ بِمَا قَدَّمْتَّ يَدَاکَ

(ہاتھوں سے مراد پوری شخصیت ہے) الزُّمَّانَ طَائِرَةٌ فِیْ عُنُقِهِ (عنق سے مراد وہ شخص ہے)

(۸) مجاہد نے کہا (اعناق کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ) اعناق سے مراد ہیں بڑے بڑے سردار، یعنی بڑے بڑے

سردار اس آیت کے سامنے تابع دار ہو جاتے ہیں۔

(۹) اعناق سے جماعتیں مراد ہیں عرب کہتے ہیں جاہ القوم عنقا عنقا وہ لوگ جو درجہ و کلاس بن کر آئے۔

وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُخَدَّاتٍ إِلَّا كَأَنَّهُمْ مَّعْرُضُونَ ⑥

اور کوئی جدید (تازہ وارد) نصیحت ان کے پاس رحمن کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اس سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔

ذکر یعنی نصیحت یعنی قرآن کا کوئی حصہ جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے من ذکر میں من زائد ہے اور من الرحمن میں من

ابتدائیہ ہے محدث سے مراد ہے جدید نازل شدہ خواہ وجود کے لحاظ سے وہ قدیمی ہو (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو پیام

بھی نازل ہوا ہے وہ کسی زمانے میں نازل ہوا ہو، اصول کے لحاظ سے ایک ہی تعلیم دیتا ہے اللہ کی ذاتی و صفاتی توحید، وجود

ملائکہ، نبوت و وحی کی صداقت، قانون خیر و شر اور قیامت کے دن اعمال کی جزا و سزا یہ بنیادی تعلیم ہر کتاب اور ہر صحیفے میں دی

گئی ہے اس میں زمانہ کافرق اثر انداز نہیں۔ البتہ قدیم و جدید کافرق نزول میں ہے کوئی کتاب پہلے نازل ہوئی جیسے صحف نور کوئی

سب سے آخر میں نازل ہوئی جیسے قرآن مجید۔

فَقَدْ كَلَبُوا

پھر یقیناً انہوں نے تکذیب کی۔ یعنی ذکر کی طرف سے روگرداں ہونے کے بعد انہوں نے ذکر کو جھوٹا قرار دیا۔ اور تکذیب میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ ذکر کا مذاق بنانے لگے۔ فقد کذبوا کے اندر استہزا کا مفہوم ضمنی طور پر آ گیا آئندہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے۔

فَسَيَأْتِيَهُمْ آئِبَاتٌ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۰﴾

ان کو اس (ذکر) کی اطلاعات مل جائیں گی جس ذکر کا وہ مذاق اڑا رہے تھے۔ یعنی یہ بات سامنے آجائے گی کہ وہ ذکر جس کا وہ مذاق بناتے تھے حق تھا یا باطل اور تصدیق و تعظیم کا مستحق تھا یا تکذیب و تحقیر و استہزا کے لائق۔

أُولَٰئِكَ يَرَوْنَ إِلَى الْأَرْضِ كَمَا أَنْبَأْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَرْحٍ كَرِيمٍ ﴿۱۱﴾

کیا انہوں نے زمین کی طرف (نظر اٹھا کر) نہیں دیکھا ہم نے کس قدر عمدہ اچھا سبزہ ہر طرح کا اس میں اگایا ہے۔ یعنی اللہ کے رسول سے اللہ کی توحید اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھانے جانے کی دلیلیں انہوں نے طلب کیں اور زمین کی طرف نہیں دیکھا۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں (اور توحید الہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں) تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہئے۔ آیت میں استہمام انکاری ہے اور انکار نفی اثبات ہوتا ہے۔ کم انبتنا میں کم خبر یہ ہے کہ جو کثرت کو ظاہر کر رہا ہے۔

زوج بمعنی صنف نبات۔ ہر طرح کا سبزہ، درخت۔

کریم عمدہ، اچھا، آدمیوں اور جانوروں کے لئے مفید ترین غذا اور کثیر المنفعت دوا۔ خواہ مفرد شکل میں ہو یا مرکب بنا کر۔ (دوا کبھی مفرد مفید ہوتی ہے کبھی مجعون جوارش اور دوسرے طرح طرح کے مرکبات کی شکل میں) زمین کے ہر سبزہ کی روئیدگی و بالیدگی کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی ہمہ گیر قدرت پر دلالت کر رہی ہے عدم کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو ثابت کر رہی ہے اور اللہ کی کامل صفات کا اظہار کر رہی ہے۔

لفظ کل لحاظ افراد کے لئے اور لفظ کم کثرت اصناف کو ظاہر کر رہا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ ۖ

اس میں بلاشبہ (بڑی) نشانی ہے۔ یعنی طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں یا (ان میں سے ہر ایک کے اندر ایسی عظیم الشان نشانی موجود ہے جو واجب بالذات کامل القدرت تام الحکمۃ وسیع السمۃ بسیط الرحمۃ اللہ کی ہستی پر دلالت کر رہی ہے۔

اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے، یعنی اللہ کے علم اور قضائے خداوندی میں (پہلے سے ہی) یہ بات موجود تھی کہ ان میں سے اکثر ایمان والے نہیں ہیں۔ اسی لئے عظیم الشان آیات قدرت نے بھی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ سیبویہ نے کہا اس جگہ کان زائد ہے یعنی آیات عظیمہ کو دیکھنے کے بعد بھی ان میں سے اکثر مومن نہیں ہیں۔

وَمَا كَانَ لِقَوْمِ الْأَشْجِقِينَ ﴿۱۲﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ بلاشک و شبہ آپ کا رب ہی غالب مہربان ہے۔ یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے لیکن مہربان بھی ہے۔

یعنی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے لیکن مہربان بھی ہے اپنی مہربانی سے اس نے مہلت دے رکھی ہے یا یہ مطلب ہے کہ کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور توبہ کرنے والے مومنوں پر مہربان ہے۔

وَلَا ذُنَادَىٰ رَبِّكَ مُوسَىٰ ۚ إِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ قَوْمٌ فَبِعَرْشُون ۖ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿۱۴﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالموں یعنی فرعون کی قوم والوں کے پاس جاؤ (اور دیکھو کہ) کیا وہ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے۔

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے کے پیام تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ الظالمین ظلم کرنے والے یعنی کفر کرنے والے یعنی اسرائیل کو غلام بنانے والے، اور ان کو طرح طرح کی توبتیں دینے والے، یہاں تک کہ ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دینے والے، قوم فرعون فرعون تو ان کا فرماں روا تھا۔ سب کام اسی کے حکم سے ہوتے تھے اس لئے فرعون کا ذکر نہیں کیا صرف قوم فرعون کا ذکر کیا۔ الا یقون استفہام انکاری تو بخبی ہے جس سے مراد ہے امر یعنی اللہ کی اطاعت و عبادت کر کے ان کو اللہ کے عذاب سے اپنی جانوں کو محفوظ کرنا چاہئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اصل کلام الا یاقوم اتقون ہو۔ قوم کو حذف کر دیا (منادی کبھی محذوف کر دیا جاتا ہے) جیسے الا یسجدوا کی اصل الا یا قوم اسجدوا تھی (پھر یا کو اتقون سے ملا دیا اور امر کی، ہمزہ کو حذف کر دیا) مطلب یہ ہو گا کہ قوم فرعون کے پاس جاؤ اور کہو اے میری قوم اللہ سے ڈرو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّكْذِبُوْنِ ﴿۱۶﴾

موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ

میری تکذیب کریں گے۔

اور میرا سینہ تنگ ہو جائے گا (یعنی دل بچھے گا) اور میری زبان

وَيَضْحَكُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ

نہیں چلے گی۔

مطلب یہ ہے کہ میری زبان میں گرہ ہے اس لئے زبان سے چونکہ تکذیب کو دور کرنے والی کوئی دلیل میں روائی سے نہ کہہ سکوں گا اور زبان و دل کی مدد نہ کرے گی۔ اس لئے میرا دل بچھے گا۔ بغوی نے لکھا ہے یضیق صدری کا یہ مطلب ہے کہ ان کی تکذیب سے میرا سینہ تنگ ہو گا۔

فَاَرْسِلْ اِلَيَّ هٰرُونَ ﴿۱۷﴾

پس ہارون کے پاس (وحی یا جبرئیل کو وحی دے کر) بھیج دے۔ ہیناوی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ حیلہ بہانہ اور تعمیل حکم میں ٹال مٹول نہ تھی بلکہ اپنے ساتھ ملانے اور تبلیغ رسالت میں شریک بنانے کی درخواست تین وجوہ کی بناء پر کی۔

(۱) تکذیب کا اندیشہ۔

(۲) تکذیب سے متاثر ہو کر دل کی تنگی۔

(۳) تنگی قلب کی وجہ سے روح کا دل کے اندر گھٹ جانا اور زبان کی بندش بڑھ جانا۔ جب یہ تینوں امور جمع ہو جائیں تو لامحالہ کسی مددگار کی ضرورت پڑنا ظاہر ہے تاکہ وہ دل کو قوی کرے اور زبان کے کنگڑاوانے کے وقت ترجمانی کر سکے۔ پس موسیٰ کی درخواست کا مقصد یہ تھا کہ تعمیل حکم کے لئے ہارون کو میرا مددگار بنا دے (تاکہ امتثال حکم پورے طور پر ہو سکے)

وَلَهُمْ عَلٰی ذُنُوْبِهِمْ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۸﴾

مجھے ڈر ہے وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

علیٰ ذنباں اس جگہ مضاف محذوف ہے یعنی اس کی طرف سے مجھ پر ارتکاب جرم کا دعویٰ بھی ہے ایک قبلی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا، حضرت موسیٰ نے قبلی کے قتل کو فرعونوں کے خیال کے بموجب جزا قرار دیا اور نہ واقع میں قبلی کو قتل کرنا جائز تھا۔ وہ کافر تھا معصوم الدم نہ تھا۔ یہ ایک طویل قصہ کا مختصر حصہ ہے دوسری جگہ اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ یعنی اداء رسالت سے وہ مجھے قتل کر دیں گے اس کا مجھے اندیشہ ہے، حضرت موسیٰ کا اظہار خوف قتل بھی عدم تعمیل حکم کا بہانہ نہ تھا بلکہ ایک طرح کی دعا تھی کہ اللہ اس مصیبت کو دفع کر دے جس کے واقع ہو جانے کا قوی

اندیشہ ہے کہ پیام پہنچانے سے پہلے ہی وہ قتل کر دیں اور تبلیغ رسالت نہ ہو سکے۔

قَالَ كَلَّا ۗ اَللّٰهُ فَرَمٰ يٰۤاٰهَرُ كَز نَمِيں (ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تم کو قتل نہیں کر سکتے۔

فَاذْهَبَا يٰۤاٰتِنَا اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

سوا ب تم دونوں ہمارے احکام لے کر جاؤ ہم (اپنی نصرت و امداد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہیں (اور تمہارے کلام کو) سنتے ہیں۔

حضرت ہارون موجود نہ تھے بطور تغلیب حاضر علی الغائب تشبیہ مخاطب کا صیغہ استعمال کیا گیا اور دونوں کو جانے کا حکم دیا۔ حضرت موسیٰ کی دونوں درخواستیں قبول کر لی گئیں۔

کلا کے لفظ سے تو قتل سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا گیا اور فاذهب (بصیغہ تشبیہ) سے حضرت ہارون کو بطور مددگار شریک بنا دیا گیا۔ گویا یوں فرمایا، موسیٰ تم کو اپنے قتل ہو جانے کا وہم نہ کرو اور جس کو اپنے ساتھ ملانے کی تم نے درخواست کی ہے اس کو ساتھ لے کر جاؤ۔ انا معکم ہم تم سب کے ساتھ ہیں۔ یعنی تمہارے اور ہارون کے اور جو تمہارے ساتھ جائے اس کے ساتھ ہماری مدد ہے یا تم دونوں کے اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہمارا علم ہے (کوئی بھی ہمارے علم سے باہر نہیں ہے مستمعون تم سب کی گفتگو کو ہم سننے والے ہیں ہم تم دونوں کو ان پر غالب کریں گے۔

فَاٰتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

سو تم دونوں فرعون کے پاس جا کر اس سے کہو کہ ہم رب العالمین کے قاصد ہیں۔

رسول کا لفظ مفرد ہے اس جگہ بمعنی رسالت ہے۔ لفظ رسول بمعنی مرسل (بھیجا ہوا) بھی ہے اور بمعنی رسالت (پیامبری) بھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے اسی وجہ سے لفظ رسول کو کبھی بصورت تشبیہ استعمال کیا جاتا ہے۔ کبھی بصیغہ مفرد۔ یعنی اگر رسول بمعنی مرسل ہو تشبیہ لایا جائیگا اور اگر بمعنی رسالت ہو تو مفرد مستعمل ہو گا۔ اگر بمعنی رسالت ہو تو یہ مطلب ہو گا کہ ہم رب العالمین کی طرف سے رسالت والے پیام رساں ہیں (یعنی رسول سے پہلے لفظ ذو مخذوف ہو گا) ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وزن فعل کا استعمال واحد جمع دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ انا رسل رب العالمین نہیں فرمایا چونکہ وزن فعل و فعلیل میں مذکر، مؤنث اور واحد، جمع سب برابر ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا رسول کا اطلاق دو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی، عرب بولتے ہیں ہذا رسولی و وکیلی ہذان (یہ دونوں) رسولی و وکیلی اللہ نے فعل کو جمع کے لئے بھی استعمال کیا ہے فرمایا وہم لکم عدو بعض نے کہا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اخوت (بھائی ہونے) میں متحد تھے اس لئے لفظ رسول بصیغہ مفرد استعمال کیا۔

بعض نے کہا پیام ایک تھا اس لئے دو پیامبروں کو ایک ہی قرار دیا یا انا رسول کا مطلب ہے ان کل واحد منا ہم میں سے ہر ایک اللہ کا رسول ہے۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرٰٓءِٔلَ ﴿۱۷﴾

(ہم کو یہ پیام دیکر بھیجا گیا ہے) ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو چھوڑ دے تاکہ وہ شام کو چلے جائیں تو ان کو غلام بنائے نہ رکھ۔

بغوی نے لکھا ہے فرعون نے بنی اسرائیل کو چار سو برس غلام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف چلے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی چونہ اپنے ہاتھ میں لاشھی لئے لاشھ کے سرے میں تو بڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آکر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون اور تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں۔ یہ سن کر موسیٰ ہارون کی ماں آگئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مردا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے

دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان کہے کہ ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازے پر کون ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک سے دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا کہہ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یونہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن سال بھر تک فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں، فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم اس سے کچھ دل لگی ہی کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیام پہنچا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔

کہنے لگا کیا ہم نے اس وقت اپنے گھروں میں نہیں پالا تھا۔ جبکہ تو
قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا
 (نوزائیدہ) بچہ تھا۔

ولید سے مراد ہے بچہ، قرب ولادت کی وجہ سے ولید کہا (ورنہ حضرت موسیٰ فرعون کے گھر کے اندر پیدا نہیں ہوئے

تھے)

اور تو ہمارے اندر برسوں رہا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ
وَلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ۱۸
 فرعون کے پاس تیس سال کی عمر تک رہے پھر مدین کو چلے گئے وہاں دس سال رہے پھر مصر کو لوٹے اور فرعونوں کو تیس سال تک اللہ کی طرف بلاتے رہے پھر فرعون کے ڈوبنے کے بعد پچاس برس زندہ رہے۔ (آپ کی کل عمر ۱۲۰ برس ہوئی)۔

اور تو نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو
وَفَعَلْتَ فَعَلَتِكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۱۹
 کی تھی اور تو بڑا ناشکر ہے۔

یعنی تو نے قبلی کو قتل کر دیا اور میرے احسان کی ایسی ناشکری کی کہ میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا۔ کذا روی
 العونی عن ابن عباس وهو قول اکثر المفسرین۔ (یعنی کفر سے مراد ہے کفران نعمت اور احسان فراموشی) کیونکہ فرعون کفر باللہ
 سے تو واقف ہی نہ تھا۔ حسن اور سدی نے کہا اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ یعنی اپنے جس معبود کی طرف تو ہم کو بلارہا ہے اس کا
 منکر تو پہلے تو خود تھا ہمارے ساتھ مذہب پر رہتا تھا یہ مراد ہے کہ تو میرا منکر یا احسان فراموش ہے کہ لوٹ کر آیا تو میری
 مخالفت کرتا آیا۔ یہ مطلب ہے کہ تو کافروں میں سے ہے یعنی ان لوگوں میں سے ہے جن کو فرعون والے اپنے مذہب میں کافر
 قرار دیتے تھے۔

حضرت موسیٰ نے کہا میں نے وہ حرکت اس وقت کی تھی
قَالَ فَعَلْتَهَا اِذَا وَاَنَا مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۲۰
 جبکہ میں گم کردہ راہ تھا یعنی ناواقفوں میں سے تھا اس وقت اللہ کے پاس سے میرے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ یا یہ مطلب
 ہے کہ میں اس وقت نہیں جانتا تھا کہ میرے اس فعل سے وہ مر جائے گا۔ مارنے سے میرا مقصد قتل کرنا نہ تھا یہ مطلب ہے کہ
 بغیر قصد و ارادہ کے میں اس وقت صحیح راستہ سے بھٹک گیا تھا یعنی نازیبا حرکت تو مجھ سے ضرور صادر ہوئی لیکن بلا ارادہ۔ یا یہ
 مطلب ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو جاہلانہ کام کر بیٹھتے ہیں۔

بعض نے کہا ضلالت سے مراد ہے بھول جانا یعنی بھولے سے مجھ سے یہ حرکت ہو گئی۔ اَنْ یَفْعَلَ اِحْدَاهُمَا فَتَذَكَّرَ
 اِحْدَاهُمَا الْاٰخَرِیْنَ ان تضلل کا ترجمہ ان تھی کیا گیا ہے کہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔

تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تم سے بھاگ گیا یعنی مدین کو بھاگ
فَقَدَرْتُ مِنْكُمْ لِمَا خِفْتُكُمْ

کیا۔
فَوَهَّبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۲۱
 پھر میرے رب نے مجھے حکم (یعنی حکمت و علم) عطا

فرمایا اور مجھے پیغمبروں سے بنا دیا۔

لوریہ کوئی نعمت ہے

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۳۱﴾

جس کا تو مجھ پر احسان رکھ رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔

تک سے اشارہ تربیت کی طرف ہے یا بری خصلت کی طرف اشارہ ہے۔

عبادت سے تو نے غلام بنا رکھا عبادت استعبادت اور تعبدت (یعنی تفصیل افعال استعمال اور تعطل سب ہم معنی

ہیں) مفسرین نے اس آیت کا مطلب مختلف طور پر لکھا ہے۔

(۱) حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے زندہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی

طرح قتل نہیں کر لیا۔ گویا حضرت موسیٰ نے فرمایا بے شک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو نے غلام

بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

(۲) بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے لول فرعون کی تردید توحیح کی اور پھر اس نعمت

تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا

بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں یا ظلم کے نتیجہ میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا

احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو قتل کرنا تھا اسی وجہ سے میں تیرے

ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور

ان کے لڑکوں کو قتل نہ کرتا تو میرے گھروالے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا

جاتا۔

(۳) یہ استفہام انکاری ہے ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی یہ احسان جس کا تو نے ذکر کیا ہے کیا کوئی احسان ہے جبکہ تو

نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھنے کی صورت میں یہ تربیت کوئی احسان نہیں۔ میری قوم کو تو

نے غلام بنائے رکھا اور میری تربیت کی یہ کوئی احسان ہوا۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کے طنز کو سن لیا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ موسیٰ اپنی دعوت پر اڑے ہوئے ہیں تو دعوت پر

اعتراض کرنے لگا اور سب سے پہلے بھیجے والے رب کی حقیقت دریافت کی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے بعض فرعون

نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے

اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جاسکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب

میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا اور۔

موسیٰ نے کہا وہ

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنَّكُمْ لَمُوقِنِينَ ﴿۳۳﴾

آسمانوں کا اور زمین اور ان کی درمیان کائنات کا رب ہے اگر (ان آثار قدرت و حکمت کے ذریعہ سے) تم اس کو ماننے والے ہو (تو

ایمان لے آؤ اور مان لو) یعنی اگر حقائق اشیاء کے وجود کو ماننے ہو تو پھر ان مصنوعات و مخلوقات سے ان کے خالق کے وجود

وحدانیت پر استدلال کرو۔ یہ تمام اجسام محسوسہ ممکن ہیں کیونکہ مرکب ہیں۔ ان میں تعدد ہے انکے احوال تغیر پذیر ہیں ان کا

ایک مبداء اور موثر ہونا لازم ہے جو واجب بالذات ہو۔ ممکن ممکن کی علت تامہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر ممکن اپنے وجود میں اپنی

علت کا محتاج ہے پس یا تو علت کی جانب تسلسل غیر متناہی ہو گا جو محال ہے یا واجب بالذات علت پر یہ تسلسل ختم ہو جائے گا یہی

صحیح ہے (اس سے معلوم ہوا کہ مبداء اول کا واجب بالذات اور ضروری الوجود ہونا لازم ہے۔ مترجم) اور یہی مبداء تمام محسوس

اور غیر محسوس ممکنات کا مبداء ہو گا اور نہ یا واجب کا تعدد لازم آئے گا یا بعض ممکنات کا علت سے استغناء اور محتاج ہونا لازم آئے گا۔

واجبوں کا تعدد تو ناممکن ہے ورنہ متعدد واجبوں کے اندر کچھ اجزاء مشترک ہوں گے اور کچھ ممتازہ اس طرح ہر واجب کی

حقیقت مشترکہ اور ممتازہ اجزاء سے مرکب ہو جائے گی اور مرکب ہونا حدوث کی دلیل ہے اس صورت میں واجب واجب نہ رہے گا حادث ہو جائے گا۔ رہی استغناء کی شق تو استغناء مکان کی ضد ہے ممکن ہو اور علت سے مستغنی ہو ایسا ہو نہیں سکتا۔
اب ظاہر ہے کہ واجب تعالیٰ کو اس کے بیرونی خصوصی احوال سے پہچانا ممکن ہو سکتا ہے۔ ذات کے اجزاء سے نہیں۔ نہ ذات کی تعریف خود ذات سے کی جاسکتی ہے نہ ذاتیات اور اجزاء سے (جب اجزاء ہی نہیں ہیں تو اجزاء کے ذریعہ سے ذات کی تعریف کیسے ہو سکتی ہے خلاصہ یہ کہ اللہ کے وجود وحدانیت کو اگر پہچانا جاسکتا ہے تو ان ہی موجودات و کائنات کے ذریعہ سے جو اللہ کی وحدت ذاتہ کے خصوصی نشانات و آثار ہیں۔ مترجم)

چونکہ فرعون احمق (یاد استہ نادان بننے والا) تھا حضرت موسیٰ کے جواب کی خوبی کو نہیں سمجھا اور
قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ اَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۳۵﴾ اور اپنے گرد پیش کے لوگوں سے فرعون (بطور تعجب) کہنے لگا کیا تم سن رہے ہو۔ یعنی موسیٰ کا جواب تم نے سنائیں نے اس سے اس کے رب العالمین کی حقیقت پوچھی اور اس کے افعال و آثار کا ذکر کرنے لگا یہ مطلب ہے کہ آسمان تو قدیم بالذات ہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ ان کا رب خالق ہے شاید فرعون دہریہ کا خیال تھا (جو عالم کو قدیم اور خود کو فنا جانتے ہیں مترجم)

یاد مطلب ہے کہ آسمان کسی مؤثر فاعل کے محتاج نہیں ہیں اور یہ ان کو رب مانتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ آسمان وزمین کی تخلیق و حدوث تو ان لوگوں کے سامنے نہیں اس لئے یہ آسمانوں کو قدیم خیال کرنے لگے ایسی دلیل پیش کرنا چاہئے اور ایسی مخلوق کا رب ہونا ظاہر کرنا چاہئے جس کے قدیم ہونے کا ان کو تو ہم بھی نہ ہو اور جس کی احتیاج کسی مصور حکیم کی جانب بالکل نمایاں ہو اس لئے موسیٰ نے کہا۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَائِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ کہاوہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے سابق باپ دادا کا بھی۔
قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمْ الَّذِيْ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۳۷﴾ فرعون کہنے لگا تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے بلا شک و شبہ پاگل ہے کہ میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھتا ہوں اور یہ دوسرے جواب دیتا ہے فرعون نے حضرت موسیٰ کو رسول بطور مذاق کہا تھا۔

قَالَ سَابِقُ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴿۳۸﴾ موسیٰ نے کہا وہی مشرق و مغرب کا اور ان دونوں کے درمیانی کائنات کا رب ہے۔ یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔
اِنَّ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گئے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اعلیٰ کے بارے میں) ممکن نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کر لی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا جب لا جواب ہو گیا تو۔ قَالَ لِمَنِ اتَّخَذَتِ الْاِلٰهَآ غَيْرِيْ لَاجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۴۰﴾ بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

المسجونین میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے، کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو تنہا اندھیری کو ٹھہری میں پھینک دیتا تھا قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا ہوا زمین کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صانع عالم کا انکار کرنے لگا اس نے بطور تعجب الا تسبمعون کہا تھا کہ میرے سوا کسی

دوسرے الہ کا ہونا عجیب بات ہے۔

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿۳۱﴾

ایسی حالت میں بھی قید کر سکے گا جبکہ میں نے تیرے سامنے (اپنی سچائی اور تیری غلطی کی) کوئی واضح چیز (یعنی نشانی) لے آؤں۔ اس جملہ میں استفہام انکار یہ نتیجہ ہے اور واو حالہ ہے۔

قَالَ فَاَتَبِئْتَنِي مِنَ الطَّاغُوتِ ﴿۳۲﴾

تو (اپنی رسالت کے دعویٰ میں) سچا ہے۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ ابْنَ اٰدَمَ الَّذِي ذُكِّرْنَا بِهٖ فَاٰتٰهُنَّ مِنْهَا فَاخْتَارَ لِحٰثَتِهٖ فَاَتٰهَا وَهُوَ كٰفِرٌ ﴿۳۳﴾

پس موسیٰ نے اپنی لامٹی (زمین پر) ڈال دی تو وہ یکدم کھلم کھلا اژدہا بن گیا یا ایسا اژدہا بن گیا جو موسیٰ کے دعویٰ کی سچائی کو ظاہر کرنے والا تھا۔ فرعون نے مزید معجزہ طلب کیا تو

وَنَزَعْنٰهَا فَاٰتٰهُنَّ اَنْهٰرٌ مِّنْ تَحْتِهَا يٰسٰرٌ ﴿۳۴﴾

اپنا ہاتھ نکالا تو یکدم وہ دیکھنے والوں (کی نظروں) کے لئے گورا (شعاع) پاش نظروں کو خیرہ کر دینے والا) ہو گیا۔ جس کی کرنیں اقی پر چھا گئیں فرعون ہکا بکا ہو گیا اور لاچار ہو کر۔

قَالَ لِلْمَلَآئِكَةِ اِنِّىْ هٰذَا السِّحْرُ عَلَيۡكُمْ ﴿۳۵﴾

اپنے گرد جمع شدہ سرداروں سے کہنے لگا یہ بڑا جاننے والا جادوگر ہے تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دینا چاہتا ہے اب تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو۔

کہاں تو ربوبیت کے دعویٰ کی وہ زور ازوری تھی اور اب جب موسیٰ کے معجزہ سامنے اپنی کمزوری محسوس کی تو نیچے اتر آیا اور لگا سا تھیوں سے مشورہ کرنے گویا ان کو اپنا حاکم مان لیا۔ اس کو خوف تھا کہ موسیٰ غالب آجائے گا اور اس کے ملک پر تسلط جما لے گا۔ اس لئے مصاحبین کو موسیٰ کی طرف سے نفرت دلانے کے لئے مذکورہ بالا الفاظ کہے۔

قَالُوۡا اَرْجِهٖۤ وَاخَاهُ وَاَبْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ خٰشِرِيۡنَ ﴿۳۶﴾

مصاحبین نے کہا (اس وقت تو) موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو ٹال دیجیے اور شہروں میں (جادوگروں کو) جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے۔ تاکہ وہ تمام بڑے بڑے جاننے والے جادوگروں کو لے آئیں۔

ارجہ ان دونوں کے معاملے کو مؤخر کرو دیجئے (اس وقت ملتوی کر دیجئے ان کو ٹال دیجئے)۔

فَجَمِعَ السَّحَرَةُ لَيْلِيۡنَ ﴿۳۷﴾

چنانچہ ایک مقررہ تاریخ کو معین وقت پر جادوگر اکٹھے کر دیئے گئے۔ اس جگہ کچھ جملے حذف کر دیئے گئے ہیں اور کلام کو مختصر کر دیا گیا ہے پورا کلام یوں تھا کہ فرعون نے کچھ لوگوں کو جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے شہروں میں بھیجا وہ گئے اور معین تاریخ پر جادوگروں کو جمع کر لائے وقت دن چڑھے کا تھا اور دن تھوڑا تھا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اتفاق سے وہ دن نوروز کا تھا اور شنبہ کا دن تھا۔

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کیا تم بھی جمع ہو جاؤ گے۔ یہ استفہام بمعنی امر ہے۔ فرعون نے لوگوں کو جمع ہو جانے کی ترغیب دی اور حکم دیا کہ تم سب بھی اکٹھے ہو جانا شاید فرعون کو یہ خیال ہو گیا کہ لوگ جمع ہونے میں سستی کریں گے۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنۡ كَانُوۡا هُمُ الْغٰلِبِيۡنَ ﴿۳۹﴾

تاکہ جادوگر اگر غالب ہو جائیں تو ہم ان کی راہ پر رہیں۔ جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ لعل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی تائید کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ پہرہ داران کی قوم والے اتباع سے مراد ہے اتباع

دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصلی معنی مراد نہ ہو گا بلکہ) مطلب یہ ہو گا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأَجُزُّاَنِ كَمَا تَنحَنُ الْعَلِيِّينَ ﴿۳۶﴾

اس کے بعد جب جادوگر (فرعون کے پاس) آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اس کا بدلہ بھی یعنی طور پر ملے گا۔ یہ استفہام تقریری ہے (یعنی ضرور ملنا چاہئے)

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا الْأَمِّنَ الْمُقَدَّرِينَ ﴿۳۷﴾

فرعون نے کہا ہاں تم اس وقت (جبکہ غالب آ جاؤ گے) شاہی) مقرب ہو جاؤ گے۔

جادوگروں نے بصورت غلبہ معاوضہ کی طلب ظاہر کی تھی فرعون نے ان کی طلب سے زیادہ اپنا مقرب بنانے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد جادوگروں نے حضرت موسیٰ سے کہا آپ جو کچھ پھینکنا چاہتے ہیں پہلے پھینکنے یا ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم پہلے (اپنا جادو) پھینکیں سورہ اعراف میں یہ ٹکڑا گزر چکا ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ سے کہا، اِنَّا اَنْ تَلْقَىٰ وَاِنَّا اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمَلِئِیْنَ۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ ﴿۳۷﴾

موسیٰ نے ان سے کہا (پہلے) تم ہی پھینکو جو کچھ پھینکنے والے ہو۔

اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جادو کرنا تو حرام ہے حضرت موسیٰ نے ان کو جادو کرنے کا کیوں حکم دیا۔ کیونکہ اس جگہ حکم دینا مراد ہی نہیں ہے بلکہ صرف اجازت مقصود ہے اور اجازت بھی پہلے کر چکنے کی۔ تاکہ موسیٰ کو اپنا معجزہ ظاہر کرنے کا موقع مل جائے یا یوں کہا جائے کہ امر اس جگہ بمعنی تحقیر ہے۔ حضرت موسیٰ نے معجزے کے مقابلے میں ان کے جادو کو تحقیر قرار دیا اور اس تحقیر کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔ جو کرنے والے ہو کر۔

فَالْقَوَّاجِبَا لَهُمْ وَعَصِيَّتُهُمْ وَقَالُوا بَعِثْ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَنحَنُ الْعَلِيِّیْنَ ﴿۳۸﴾

پس جادوگروں نے اپنی رسیاں اور گنڈے (زمین پر) پھینکے اور (بطور تبرک فرعون کا نام لیا اور) کہا فرعون کی عزت کے وسیلہ سے ہم ہی بلاشبہ غالب رہیں گے۔

چونکہ فرعون پر جادوگروں کو اعتقاد تھا اس لئے عزت فرعون کا ذکر انہوں نے بطور تبرک لیا۔ یا (ب) قسمیہ ہے یعنی عزت فرعون کی قسم ہم غالب رہیں گے۔

فَاَلْتَقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاَهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر موسیٰ نے اپنی لاشعی (زمین پر) پھینکی تو وہ یکدم جادوگروں کو شعبہ گری سے بنائی ہوئی چیزوں کو نکلنے لگی۔

سایا فکون میں ماموصلہ ہے یعنی جادوگروں نے اپنی شعبہ بازی سے جو کچھ بنایا تھا۔ ان کی رسیاں اور ڈنڈے ساپوں کی طرح ریختے دوڑتے لوگوں کے خیال میں نظر آنے لگے تھے اور لوگوں کی انہوں نے نظر بندی کر دی تھی۔ مترجم) ان سب کو موسیٰ کی لاشعی کا ساپ نکلنے لگا۔ یا مصدر یہ ہے یعنی ان کے جھوٹے شعبدے کو لاشعی نکلنے لگی۔

فَاَلْتَقَىٰ السَّحَرَةُ سُجُودًا ﴿۴۰﴾ قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَلَمِیْنَ ﴿۴۱﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۴۲﴾

اس کے بعد (بے اختیار) جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے کہ اٹھے ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

یعنی جب جادوگروں نے پیش نظر منظر دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ جادو سے ایسا ہونا ممکن نہیں تو اپنے پر قابو نہ رکھ سکے اور بے اختیار ہو کر سجدے میں گر پڑے، اللہ نے ان کو توبہ کی توفیق عنایت کر دی اور (ایک غیبی ہاتھ نے) ان کو سجدے میں گر لویا۔ آیت بتا رہی ہے کہ جادو نام ہے صرف شعبہ گری طمع کاری اور خیال کو متاثر کرنے کا اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے (کچھ علماء نے

کما جادو حق ہے یعنی واقعی ایک حقیقت موثرہ ہے)

حضرت مفسر نے اس قول کی تردید کے لئے فرمایا کہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جادو کی کوئی واقعی حقیقت نہیں اگر اس کی کچھ حقیقت ہے تو صرف اتنی کہ یہ ایک طرح شعبہ گری، فریب کو بصورت واقعیت دکھادینا اور لوگوں کے خیال پر اثر انداز ہونا ہے، دوسری آیت میں یُخَيَّلُ إِلَيْهِمْ كَافِظُ آيَةٍ یعنی لوگوں کے خیال میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سانپ دوڑ رہے ہیں۔ مترجم کرب العالمین کے بعد رب موسیٰ وہاں دن کئے سے وضاحت کرنا اور وہم کو دفع کرنا مقصود ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ہمارے ایمان کا سبب وہ معجزہ ہے جو موسیٰ کے ہاتھ سے ظاہر ہوا۔

قَالَ امْنُكُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ أَنْتُمْ لَكِبِيرُكُمْ الْإِنْفِي عِلْمُكُمْ السِّحْرَةَ

فرعون نے کہا میری اجازت کے بغیر ہی تم نے اس کی بات (یعنی معجزہ) کا یقین کر لیا (حقیقت میں یہ تمہاری سب کی سازش ہے) موسیٰ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔

یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادو گروں کے ایمان لانے سے ہٹ جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادو گروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔

أَسْتَنْتُمْ فِي هَمْزِهِ اسْتِفْهَامِ انْكَارِي مَحْذُوفٍ هـ

عَلَّمَكُمْ السِّحْرَ یعنی اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے، کچھ سکھایا ہے کچھ نہیں سکھایا اسی لئے تم پر غالب آ گیا یہ مطلب ہے کہ تم نے باہم سازش کر لی اور ایک دوسرے سے اندرونی طور پر مل گئے۔

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ اب کچھ دیر میں ہی تم کو معلوم ہو جائے گا یہ سزا دینے کی مہم دھمکی ہے جس کی توضیح اگلی آیت میں ہے۔

لَا قِطْعَنَ آيَةٍ يَكْفُرُكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصَلَتْكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

میں ضرور تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کو اداوں گا اور سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ جادو گروں نے کہا (اس میں ہمارا) کوئی ضرر نہیں۔ جادو گروں نے ایسا اس لئے کہا اس

قتل اور سخت عذاب سے تو ان کو مرتبہ شہادت اور اجر جزیل حاصل ہونے والا تھا جس کے مقابلہ میں دنیوی دکھ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

رَأَا إِلَى سَابِقَاتِنَا مِثْقَالَ عُقْبَةٍ ۝

ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہی ہیں۔

تیرے ہاتھوں سے یا کسی اور سبب سے ہم تو مرنے والے ہیں اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارے لئے سب سے زیادہ مفید ہوگا۔

رَأَا نَطْمَعُ أَنْ يُغْفَرَ لَنَا سَابِقَاتِنَا خَطِيئَاتِنَا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

یہ ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ (فرعون کے ساتھیوں میں یا اس میلہ میں) ہم سب سے اول ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

میں کہتا ہوں بظاہر آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم اول مومن ہیں اور اول مومن وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی تقلید دوسرے لوگ بعد کو کریں۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعَبَادِنَا إِنَّكَ مُتَّبِعُونَ ۝

اور ہم نے موسیٰ

کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو نکال لے جا کیونکہ (دن میں) تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔

یعنی رات کو نکال لے جانے کی علت یہ ہے کہ (دن کو) فرعون اور اس کی قوم والے تمہارا تعاقب کریں گے تاکہ تم کو مصر سے نکلنے سے روکیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے حضرت موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کے ہر چار گھر والوں کو ایک گھر میں جمع کرو پھر بھیڑ کے بچوں کو ذبح کر کے ان کا خون گھروں کے دروازوں پر لگا دو میں فرشتوں کو حکم دوں گا جس گھر پر خون کا نشان ہو گا اس میں داخل نہ ہوں گے پھر میں فرشتوں کو حکم دوں گا وہ فرعون کے بچوں کو مار ڈالیں گے اور ان کو مالی نقصان پہنچائیں پھر تم چپاتیاں پکانا (یعنی چپاتیاں پکا کر ساتھ لے لینا) پھر راتوں رات میرے بندوں کو لے کر سمندر پر پہنچ جانا وہاں تم کو میرا (جدید) حکم ملے گا۔ صبح ہونی تو لوگوں نے فرعون سے کہا یہ حرکت موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی ہے انہوں نے ہمارے بچے مار ڈالے اور مال بھی لے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے پیچھے پندرہ لاکھ سردار جن میں سے ہر ایک کی کمانڈ میں ایک ہزار آدمی تھے روانہ کر دیئے اور خود بھی اپنی عظیم کرسی پر بیٹھ کر نکل کھڑا ہوا میں کہتا ہوں (یہ سب داستان بکواس ہے) فرعون کے لشکر کی اتنی تعداد بچہ از عقل بھی ہے اور کوئی قابل اعتبار روایت بھی ایسی نہیں آئی۔

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ خَشِيرِينَ ﴿۵۶﴾
پھر فرعون نے شہروں میں (لشکر کو) جمع کرنے والے بھیج دیئے یعنی کچھ سپاہی بھیج دیئے تاکہ وہ فوج میں لوگوں کو بھرتی کریں میں کہتا ہوں شاید فرعون نے قریب کے شہروں میں کچھ لوگوں کو اس لئے بھیج دیا کہ وہ اسی رات کو صبح تک مصر کی (راجدھانی) میں اکٹھا کر لیں اور فرعون نے یہ بھی کسلو ادا کیا۔

إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ
اسی کی تائید اگلے فقرہ۔

قلیون ﴿۵۷﴾
سے کر دی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ وہ روایت جس میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ سترہ ہزار بتائی گئی ہے غلط ہے۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو قلیل التعداد اپنے لشکر کے مقابلے میں قرار دیا بعض روایات میں فرعون کے لشکر کے مقدمہ (اگلے حصہ) کی تعداد سات لاکھ بیان کی گئی ہے اسی پر ساقہ (پچھلا حصہ) اور دونوں بازوؤں (بیمین و یسار) اور قلب (وسط) کو قیاس کر لیا جائے لیکن یہ تعداد بھی خلاف عقل و روایت ہے مصر کا ملک ہی کتنا تھا بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کی فوج کی تعداد بھی اتنی نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں شاید شرمہ کہہ کر بنی اسرائیل کی تعداد کی قلت، فرعون نے اپنی فوج کے مقابلہ میں ظاہر کی ہو اور قلیون کہہ کر واقعی ان کی تعداد کی کمی بیان کی ہو۔

وَأَنَّهُمْ لَنَا لِعَائِطُونَ ﴿۵۸﴾
اور بلا شک و شبہ وہ ہم کو غصہ دلا رہے ہیں۔ یا یہ ترجمہ کیا جائے بلا شبہ وہ ہم سے بغض و عداوت رکھنے والے ہیں۔

غائطون یعنی غیظ و عداوت والے۔ دشمن ہم سے بغض رکھنے والے۔ یا ہمارے ساتھ ایسی حرکت کرنے والے ہیں جو ہم کو غضب آلود کر دے۔

وَأَنَّا لَجَمِيعٌ حٰذِرُونَ ﴿۵۹﴾
اور ہم سب ایک مسلم جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں فراء نے کہا حاذر وہ شخص جو تم کو اس وقت ڈرا رہا ہے اور حذروہ شخص جو خوفناک ہے (یعنی حاذر فعل کے تجدد و حدوث کے لئے آتا ہے اور حذر ثبات کے لئے)

بعض نے حاذرون کا ترجمہ کیا قوت والے یعنی تیار۔ اور حذرون کا معنی ہے محتاط، بیدار کذا اقل الزجاج۔
فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَدَّتِ وَعُيُونٍ ﴿۶۰﴾ وَكُنُوزِهَا وَمَقَامِ كَرِيمٍ ﴿۶۱﴾
پھر ہم ان کو نکال کر لے آئے یاغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ قیام گاہوں سے۔

یعنی فرعون کے ساتھی جمع ہو گئے اور سب کا اتفاق ہو گیا کہ بنی اسرائیل کا پیچھا کیا جائے چنانچہ سب ہماری مشیت کے مطابق نکل کھڑے ہوئے باغات بھی چھوڑے دریا اور نہروں کو بھی چھوڑا سونے چاندی کے خزانوں کو خیر باد کہا اور

خوبصورت عمدہ مکانات اور امیرانہ ٹھاٹ کی بیٹھلیں سب کچھ چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چڑھ دوڑے۔ اور اس طرح سب اپنے شہروں سے نکل آئے۔

وَآوَسَّانَهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝۱۰

اور بنی اسرائیل کو ہم نے ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ کیونکہ جب

فرعون اور اس کا سارا لشکر ڈوب گیا تو بنی اسرائیل مصر کو لوٹ گئے اور فرعونیوں کے چھوڑے ہوئے مال متاع اور جائیداد باغات پر قابض ہو گئے (یہ خیال حضرت مفسر کا ہے اہل تاریخ کا قوی قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل اس وقت لوٹ کر نہیں آئے بلکہ صحرائے سینا میں گھس پڑے۔ اور اسی بیابان میں پھنس گئے۔ من و سلویٰ کا نزول بھی یہیں ہوا اور حضرت موسیٰ کو تورات بھی ملی اور بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی بھی یہیں کی۔ آخر حضرت موسیٰ اور حضرت موسیٰ نے پہلے حضرت ہارون کی وفات بھی اسی صحرائے میں ہوئی پھر حضرت یوشع کو نبوت بھی یہیں عطا ہوئی اور چالیس برس سے زیادہ اس وادی میں سرگرداں رہنے کے بعد قصور معاف ہوا اور نجات ملی اور حدود فلسطین و شام میں داخل ہوئے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ شام میں حکومت قائم کرنے کے بعد پھر بنی اسرائیل مصر کی طرف لوٹے ہوں لیکن یہ بھی خیال ہے ورنہ حضرت یوسف سے پہلے بنی اسرائیل کی کوئی آبادی یا حکومت مصر میں نہیں ہوئی۔ تاریخ سے اسرائیل کا مصر پر اقتدار ثابت نہیں۔ مترجم)

فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ۝۱۱

غرض (ایک روز) سورج کے نکلنے کے وقت پیچھے سے ان کو جا لیا۔
فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّ الْمَدْرَكُونَ ۝۱۲
دکھائی دینے لگیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تک بلاشبہ پہنچ جائیں گے۔ (یعنی ہم کو یہ پکڑ لیں گے اور ہم میں مدافعت کی طاقت ہے نہیں۔)

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝۱۳
موسیٰ نے (اللہ کے وعدے پر بھروسہ رکھتے ہوئے) کہا ہرگز نہیں۔ میرے ساتھ میرا رب موجود ہے (یعنی اس کی مدد موجود ہے) وہی مجھ کو عنقریب (نجات کا) راستہ بتا دے گا۔

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ ۝۱۴
ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا میں (یعنی نیل میں) مارو۔ (موسیٰ نے لاٹھی پانی میں ماری) فوراً دریا پھٹ گیا (اور خشک راستہ نکل آیا)۔

فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالظُّورِ الْعَظِيمِ ۝۱۵
اور (پانی کا) ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا (یعنی اپنی جگہ پر رک گیا، پھر بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں سے ہر خاندان اپنے راستے میں داخل ہو کر پار ہو گیا)

وَأَنزَلْنَا ثَمَّ الْأَخْرُسَ ۝۱۶
اور ہم دوسروں کو (یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کو اس جگہ کے) قریب لے آئے۔

وَأَجْبَدْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۝۱۷ ثُمَّ أَعْرَفْنَا الْأَخْرُسَ ۝۱۸
اور ہم نے موسیٰ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے سب کو بجایا پھر ان دوسروں کو (یعنی فرعون اور اس کے ساتھیوں کو) غرق کر دیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ لِئِنَّهُمْ لَمُؤْمِنِينَ ۝۱۹
یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مومن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیر فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی حزقیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیہ۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔

وَأَنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۲۰
اور یقیناً آپ کا رب (دشمنوں سے انتقام لینے میں) غالب اور دوستوں کے لئے مہربان ہے۔

وَأَتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنِهِ جَعْفَرٍ ۖ
عطف وَاذْ نَادَى رَبَّكَ پر ہے کیونکہ اذنادی سے پہلے لفظ اذکر محذوف ہے (اس لئے فعل کا عطف فعل پر ہو گیا)۔

اور ان (اہل مکہ) کو ابراہیم کی خبر (یعنی واقعہ) پڑھ کر سناؤ اس جملہ کا
اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۖ
جب کہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور قوم والوں سے کہا تم لوگ کس چیز کی پوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے یہ سوال (طلب علم کے لئے نہیں کیا تھا آپ کو تو معلوم ہی تھا کہ یہ لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں بلکہ یہ سوال) اس لئے کیا تاکہ ان کو بتائیں کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو وہ مستحق عبادت نہیں ان کی پوجا نازیب ہے۔

قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا عَافِيْنَ ۖ
کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نازل (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے (اس صورت میں نازل اپنے لغوی معنی پر ہو گا۔ مترجم)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَ كَمَا تَدْعُونَ ۖ أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يُضُرُّونَ ۖ
تہماری سنتے ہیں جب تم انکو پکارتے ہو یا تم کو فائدہ پہنچاتے ہیں یا تم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔
هل يسمعون یعنی کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا کیا وہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری بات) سنتے ہیں۔

او ينفعونكم یعنی اگر تم ان کی پوجا کرو تو کیا وہ تم کو نفع دیتے ہیں۔

او يضرون یا اگر ان کی پوجا نہ کرو تو کیا وہ تم کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ۖ
تو وہ کچھ بھی نہیں کرتے ان وجوہ کی وجہ سے ہم ان کو نہیں پوجتے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے (اس لئے ہم بھی کرتے ہیں)۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۖ أَنْتُمْ وَأَبَاءُكُمْ الْأَقْدَامُونَ ۖ
ابراہیم نے کہا تم نے (غور کیا اور) دیکھا کہ تم خود اور تمہارے اگلے باپ دادا کس چیز کو پوجتے ہیں۔

ہمزہ استفہام تقریری ہے یعنی اقرار کرو کہ تم کتنی بیکار چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ ضرر نہ کچھ سنتے ہیں۔ اقدمون کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ پرانا اور اگلے زمانہ میں ہونا صحیح ہونے کی دلیل نہیں تقدم زمانی کا وجہ سے باطل حق نہیں بن جاتا۔

پس بے شک وہ میرے دشمن ہیں۔

فَاتَّخَذْتُمُ عَدُوِّي

اپنا دشمن کہنے سے درپردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَالِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي

یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے اللہ نے فرمایا ہے سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِيهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا۔

عدو بروزن فاعول اصل میں مصدر ہے جیسے قبول اسی لئے اس کو بضم مفرد ذکر کیا یا ہم سے مراد ہے کل معبود لكم تمہارا ہر معبود میرا دشمن ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عدو اور صدیق صفت کے صیغے بروزن فاعول و فاعیل ہیں ان کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی رجل عدو بھی کہا جاتا ہے اور قوم عدو بھی۔ اللہ نے فرمایا ہے **فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ دُوسِرٍ آيَاتٍ فِيهَا** ہے **وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ**۔

إِلَّا سَابَّ الْعَالَمِينَ ۷۰ مگر رب العالمین۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ (یعنی الا کا معنی ہے لیکن) گویا یوں فرمایا کہ وہ سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین کہ وہ میرا دوست ہے۔ بعض اہل علم نے کہا قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباؤ اجداد میں کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا)

الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۷۱ وہ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ہدایت کرے گا ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا **وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ أبتداء ایجاد سے انتہا، موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدبیر کی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کر تا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی ابتدا داخلہ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔**

وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۷۲ اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے (کھانے پینے کو دیتا ہے) اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔ بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا **فَارَدْتُ أَنْ أَعْيِبَهَا مِمَّنْ ارَادَهُ كَمَا كَانَتْ اس كَشْتِي كُو عَيْب دَار كَر دُونَ۔ فَارَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا** آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضا ادب کی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضا معرفت یہی تھا مترجم)

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اس لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کر توت کا نتیجہ ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض و اسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت و نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک بٹل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مواخذہ ہے۔ رواہ احمد البیہقی عن عائشہؓ مرفوعاً۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں انتہائی کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے یوں بھی افراط (سودا، صفراء، بلغم، خون) اور عناصر (آگ، مٹی، پانی، ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبر اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِي يُسَيِّئُ ثُمَّ يُحْسِنُ ۷۳ اور وہ جو مجھے موت دے گا پھر (آخرت میں) مجھے زندہ کرے گا۔
وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ۷۴ اور جس سے مجھے یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو وہ قیامت کے دن معاف کر دے گا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی خطا کا اقرار بطور انکسار نفس کیا (کیونکہ پیغمبر

معصوم ہوتے ہیں ان سے خطا کا یعنی گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہو تا مترجم) یا اس سے مقصود تھا اپنی امت کو تعلیم دینا کہ گناہوں سے بچتے رہیں اور جو گناہ ان سے صادر ہو جائے اس کی معافی کی درخواست کریں یا ان کو کہا جائے کہ حضرت ابراہیم نے رخصت پر عمل کیا (نا جائز کام تو نہیں کیا) لیکن عزیمت کو ترک کر دیا (یعنی بلندی مرتبہ جس کام کا تقاضا کرتی تھی وہ نہیں کیا) اور عزیمت کو ترک کرنے کی صرف یہ وجہ تھی کہ امت پر بار نہ پڑ جائے جس کا اٹھانا لوگوں کے لئے دشوار ہو اس لئے آپ نے رخصت پر عمل کیا تاکہ امت کو عمل میں سہولت ہو اور اسی ترک عزیمت کے لئے استغفار کیا (چونکہ ترک عزیمت آپ کے علوم مرتبہ کے خلاف تھا)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم کی خطا وہی تین الفاظ تھے جو انہوں نے کہے تھے قوم والوں سے کہا تھا اِنِّیْ سَقِیْمٌ (حالانکہ بیمار نہ تھے) اور کہا تھا بَلْ فَعَلَهُ کَبِیْرٌ هُمْ بِہِ حَرٰکَتٍ بَڑے بت نے کی ہے (حالانکہ یہ بات غلط تھی) اور حضرت

امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ (حضرت ابراہیم کا انکسار نفس کی بناء پر اپنی خطا کا اقرار، یا امت کو تعلیم یا اپنے قصور کا اعتراف اور پھر استغفار تھا) ضعیف ہے کیونکہ تواضع اور انکسار نفس کی بناء پر انہوں نے اپنی خطا کا جو اقرار کیا تو کیا واقعی وہ خطا کار تھے یا غلط طور پر انہوں نے اپنے خاطر ہونے کا اظہار کیا اور خلاف واقعہ بات کہی اول صورت میں وہ معصوم نہ ہوئے حالانکہ انبیاء کو معصوم ہونا چاہئے اور دوسری صورت میں ان کی دروغ گوئی ثابت ہوئی (اور یہ بھی منافی عصمت ہے) تعلیم امت کے لئے آپ سے جھوٹ کا صدور اور غلط اقرار نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں امام رازی کا یہ قول خود کمزور ہے جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہو تا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہ گار، خطا دار ہوں مگر وہ تو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر و فناء کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبداء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَا یَبْکُ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنْ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہ گار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو سوہو گیا (آپ ﷺ نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اس لئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور ﷺ بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور ﷺ) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور کی یہ بات ہر گز ہر گز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے ناگناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی دعا کی تھی رب اغفر لی خطیبتی اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما اے اس دعا کی بنیاد بھی انکسار نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء کی قسم ہے اس لئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے (حضرت مفسر کے سچے جواب سے تو جمہور اہل بلاغت کے خلاف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صدق کا معنی ہے اعتقاد کے موافق ہونا اور کذب کے معنی میں اعتقاد کے مخالف ہونا اور حضرت ابراہیم چونکہ اپنے آپ کو گناہ سے پاک نہیں جانتے تھے اگرچہ واقع میں معصوم تھے اس لئے ان کا قول سچا تھا اعتقاد کے موافق تھا ان کا گناہ کا ان کے سمجھنے کے مطابق تھا صدق و کذب کی یہ تعریف جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس فقیر کی نظر میں اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر اپنی حقیر لغزشوں کو بھی گناہ جانتے ہیں اور لغزشوں سے کوئی نبی معصوم نہیں حضرت ابراہیم کی درخواست مغفرت ہو یا رسول اللہ ﷺ کی طلب معافی دونوں میں یہی بات ملحوظ ہے کہ کون اللہ کا پورا حق ادا کر سکتا ہے اور کون جلیل القدر رسول لغزش سے محفوظ ہو سکتا ہے بات صرف یہ ہے کہ جن کے رتبے ہیں سو ان کو سوا مشکل ہے حسنات الابرار سیات للمقربین نیکیوں کی نیکیاں اہل قربت کے لئے گناہ ہیں مترجم) حضرت مفسر نے یہ بھی فرمایا کہ انضمام نفس اور انکسار نفس سے مراد تواضع نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے جلال رب کے سامنے نفس کا شکستہ ہو جانا حضرت ابراہیم کا نفس منکسر ہو چکا تھا اس شکستہ نفس کی بناء پر انہوں نے اپنے گناہ کی معافی کی امید کی۔ اگر تواضع مراد ہو تو امام رازی کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ باوجود گناہ گار نہ ہونے کے انہوں نے اپنے گناہ گار ہونے کا جھوٹا اظہار کیا اور دروغ گو ہوئے ہم اس بحث کا کچھ حصہ سورت محمد کی آیت استغفر لذنبک کی تفسیر کے ذیل میں انشاء اللہ لکھیں گے۔ از مفسر رحمہ اللہ

سارہ کے متعلق بادشاہ سے کہا تھا ہذا اختی یہ میری بہن ہے (حالانکہ سارہ آپ کی بہن نہ تھیں بلکہ بی بی تھیں) مجاہد نے اس کو تیسری خطا حضرت ابراہیم کی قرار دیا ہے لیکن جس نے حضرت ابراہیم کے قول ہذا بی بی کو خطا قرار دیا ہے اس طرح خطا میں تین سے زیادہ ہو جائیں گی۔ حضرت مفسر نے فرمایا ان الفاظ کو خطا کہنا کمزور بات ہے یہ الفاظ تو تو یہ کہ تھے (ذو معنی تھے حضرت ابراہیم کی مراد کچھ اور تھی اور مخاطب کچھ اور سمجھ گیا) اور تو یہ کو خطا نہیں کہا جاسکتا۔ بغوی نے بوساطت مسروق حضرت عائشہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میں نے عرض کیا ابن جدعان دور جاہلیت میں کنبہ پروری کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کا اس کو کچھ نفع ملے گا فرمایا اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا اگر اس نے کسی دن بھی رب اغفر لی خطیٹی یوما الذین نہیں کہا ہوگا۔

حضرت ابراہیم نے قوم کے سامنے جو کچھ تفصیل سے بیان کیا وہ سب بطور استدلال تھا اور یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ جس معبود میں ایسا کرنے (یعنی پیدا کرنے، کھلانے، پلانے، شفا دینے، اور مارنے جلانے) کی طاقت نہ ہو وہ معبود ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کی پوجا جائز ہے)

سَابَّ هَبَّ لِي حَكْمًا وَ الْحَقْنِي بِالصَّلِحِينَ ﴿١٧﴾
اے میرے رب مجھے حکم عطا فرمادے اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے۔ حکم سے مراد علم و عمل کا کمال ہے اور صالحین سے مراد ہیں انبیاء معصومین جن کے اندر کسی کدورت علمی و عملی کا شائبہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ مجھے علمی و عملی کمال عطا فرمائے تاکہ میں انبیاء کے مسلک میں منسلک ہو سکوں اور اللہ کی صحیح خلافت اور خلق خدا کی قیادت کی اور میرے اندر استعداد پیدا ہو جائے۔

اور میرا تذکرہ خیر آنے والے لوگوں میں
وَ اجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدِّيقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٨﴾
کردے۔ یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر قبول عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری شاکرین تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)

اور مجھے جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر۔
وَ اجْعَلْنِي مِنْ ذُرِّيَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿١٩﴾
وَ اغْفِرْ لِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٢٠﴾

شبہ (حق کے راستے سے) بھٹکا ہوا ہے حضرت ابراہیم نے باپ کے لئے یہ دعاء مغفرت اس وقت کی تھی جب کہ آپ کو معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ کا قطعی دشمن ہے اس کے مقدر میں ایمان کی ہدایت نہیں ہے لیکن جب آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو پھر اس سے اظہار بیزاری کیا۔ اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيمَ لِابْنِهِ الْاِسْحٰقَ مَوْعِدًا وَعَدَهَا اٰيٰةٌ فَلَمَّا تَمَيَّنَ لَهٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّآ مِنْهُ اِبْرَاهِيمُ فَاذْعَبَ وَرَأَيْهٖمْ يُصَلُّوْنَ ﴿١٩﴾
باپ سے کر لیا تھا لیکن جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ اس کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گیا۔ یا یوں کہا جائے کہ جب حضرت ابراہیم نے باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس وقت تک کافروں کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت نہیں ہوتی تھی۔

وَ لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾
اور جس روز لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے اس روز مجھے رسوا نہ کرنا یا
ذلیل نہ کرنا اور ترجمہ پر لا تخزنی کا مصدر خزایتہ ہو گا اور دوسرے ترجمہ پر خزی۔

تینہین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے کچھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہو گی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا کیا تھا بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی

جائے گی البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ کھول لاء الذین کذبو علی ربہم اولا لعنة اللہ علی الظالمین یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۱۹﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿۲۰﴾

اس دن جب کہ

(نجات کے لئے) نہ مال کام آئے گا اور نہ لولاد ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس کفر و شرک سے پاک دل سے کر آئے گا۔ سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (غرض یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست، صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشاپوری نے کہا سلیم (سالم خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی آیت میں اہل السنۃ والجماعت مراد ہیں۔

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال و اولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابت داروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا۔ نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی لولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلب گار ہو گا اللہ نے فرما دیا ہے۔ مَا كَانِ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أَوْلِيَاءِ قَوْمِنَا لَنْ نَّبِيَّ نَبِيٍّ كَيْفَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ مَعْرُوفٌ أُولَئِكَ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (دوسرے) مسلمانوں کے لئے کہ وہ مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کریں خواہ وہ مشرک ان کے قرابت دار ہی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ابراہیم اپنے باپ آذر کو اس حالت میں پائیں گے کہ اس کا چہرہ بدر وقت غبار آلود ہوگا۔ آپ اس سے فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میرے قول کے خلاف نہ چل۔ باپ کہے گا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کروں گا۔ ابراہیم (دعا کریں گے اور) عرض کریں گے اے میرے رب تو نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ میرے باپ کی انتہائی رسوائی سے بڑھ کر اور کون سی (میری) رسوائی ہوگی۔ اللہ فرمائے گا میں نے جنت کافروں کے لئے حرام کر دی ہے پھر حکم ہو گا ابراہیم اپنے دونوں قدموں کے نیچے دیکھو۔ حضرت ابراہیم (اپنے قدموں کی طرف) دیکھیں گے تو بڑے بڑے بالوں کا ایک بچو دکھائی دے گا جو (گندگی میں لتھڑا ہوا ہوگا) پھر اس کی ٹانگیں پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور ابراہیم اس روز اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے مومن نے جو مال اطاعت خداوندی میں خرچ کیا ہوگا اس سے قیامت کے دن اس کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی طرح اس کی اولاد بھی شفاعت و استغفار کر کے اس کو فائدہ پہنچائے گی۔

اور قریب کر دی جائے گی جنت متقیوں کے۔ یعنی موقف سے وہ جنت کو

وَأَسْرَفَتِ الْجِنَّةُ لِلْمُنْفِقِينَ ﴿۲۰﴾

دیکھ لیں گے اور اپنے حشر سے خوش ہوں گے۔

اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ کج راہوں کے لئے۔ وہ اپنے سامنے

وَبَسَّسَاتِ الْجَحِيمِ لِلْغَوْيْنَ ﴿۲۱﴾

دوزخ کو کھلا ہوا دیکھیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ ہم کو ہنکا کر اس کے اندر لے جایا جائے گا بیضاوی نے کہا ہے دونوں آیتوں میں الفاظ کا اختلاف ہے (اول آیت میں ازلفت اور دوسری آیت میں برزت ہے) اس میں وعدہ کے پہلو کو ترجیح ہے۔

اور ان سے کہا

وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۲۱﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

جائے گا کہ اللہ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے تھے (اور جن کی شفاعت کے امیدوار تھے آج کوہ کہاں ہیں۔

کیا (آج کوہ تمہاری مدد کریں گے اور اللہ کے عذاب سے تم کو بچالیں گے۔ استفسام

هَلْ يَنْصُرُونَكُم

انکاری اور توہنی ہے (یعنی عذاب سے بچا نہیں سکتے)۔

یا خود محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اپنے اوپر سے عذاب کو دفع کر سکتے ہیں (یعنی ایسا بھی نہیں کر سکتے) بلکہ وہ کافر اور اللہ کے سوا جن کی وہ پوجا کرتے تھے سب کے سب جہنم کا بندھن ہوں گے۔

أَوَيِّنْتُمْ مَوْتًا

پھر اوندھے منہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا جو اکتا ترجمہ کیا دوزخ میں ان کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ مجاہد نے ترجمہ کیا اوندھے منہ گر ادیا جائے گا۔ مقاتل نے کہا پھینک دیا جائے گا زجاج نے کہا ایک کو دوسرے پر ڈال دیا جائے گا قیس نے کہا سر کے بل ڈال دیئے جائیں گے قاموس میں ہے کبہ اس کو الٹ دیا جیسے اکب اور کیکبہ فاکب اس کو الٹ دیا پھر وہ الٹ گیا اس مثال میں اکب لازم ہے یعنی کب اور کیکب کا ایک معنی ہے بیضاوی نے کہا کیکب میں کاف کی تکرار تکرار معنی کے لئے ہے گویا مطلب یہ ہو گا کہ جس کو آگے میں ڈال دیا جائے گا وہ لڑھکتا ہوا تہ میں پہنچ جائے گا۔

هُمُّ وَالْعَاُونَ

ان (باطل معبودوں) کو بھی اور کبر اہوں (کافروں) کو بھی یعنی پجاریوں کو بھی۔ اور ابلیس کے سارے جتھوں کو یعنی جنات اور انسانوں میں سے اس کے تمام متبعین کو بعض کے نزدیک جنود ابلیس سے مراد ہے۔ ابلیس کی ذریت (نسل)

وَجُنُودٍ أَلْبِيسُ أَجْمَعُونَ

دوزخ کے اندر وہ جھگڑتے ہوئے کہیں گے ہم کو ضمیر

قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ

پجاریوں اور بتوں سب کی طرف لوٹ رہی ہے اللہ بتوں کو بھی اس وقت گویا بنادے گا اور وہ اپنے پجاریوں سے جھگڑیں گے (اور قالوا کا فاعل صرف پجاری ہیں یعنی جھگڑیں گے تو سب مگر اس قول کے قائل صرف پجاری ہوں گے۔ مترجم) خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ ان کا مخفف ہے۔ اور

تَاللَّهِ إِنَّ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

جملہ مقولہ ہے۔

جب کہ (اے باطل معبود) ہم تم کو (عبادت میں) رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم ضمیر قالوا کی ضمیر کی طرح صرف پجاریوں کی طرف راجع ہو کیونکہ بتوں میں جھگڑنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے (بت بے جان ہیں بولنے کی ان میں اہلیت نہیں ہے) لیکن جب بت بے جان ہوں گے تو ان کو خطاب کرنے کا فائدہ سوائے اپنے انوس و حسرت کے اظہار اور ندامت کے اور کچھ نہ ہو گا۔ خلاصہ یہ کہ ان کافروں کا جھگڑا ان بتوں سے ہو گا جو مدء ضلالت تھے اور وہ خود اپنی گمراہی کا قرار کریں گے اور اظہار حسرت کریں گے۔

وَمَا أَضَلُّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ

اور ہم کو تو بس مجرموں نے گمراہ کیا۔ مقاتل نے کہا الجرمون سے مراد ہیں شیاطین۔ کلبی نے کہا گمراہ اسلاف مراد ہیں جن کی تقلید ان کافروں نے کی تھی۔ اب ہمارا کوئی سفارشی نہیں ہے۔ یعنی مومنوں کے سفارشی تو انبیاء ملائکہ اور نیک مومن ہیں۔ ہمارا کوئی سفارشی نہیں۔

فَمَا لَنَا مِنْ سَافِعِينَ

نیک مومن ہیں۔ ہمارا کوئی سفارشی نہیں۔

وَلَا صِدِّيقٍ

اور نہ کوئی سچا دوست ہے۔

شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔ (۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کو تلاش کرتا ہے۔ (۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وزن فاعول و فاعیل کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور متعدد پر بھی (۴) صدیق اصل میں چینین اور صہیل کی طرح مصدر ہے (بطور صفت استعمال کر لیا گیا ہے اور مصدر میں واحد کا کوئی امتیاز نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ مصادر کی جمع نہیں آتی۔ مترجم)۔

حَمِيْدٌ

قریب قاموس میں ہے حمیم بروزن امیر بمعنی قریب۔ اس کی جمع احماء ہے کبھی حمیم کا استعمال جمع اور

مؤنث کے لئے بھی ہوتا ہے کافروں کے کلام کا مطلب یہ ہو گا کہ آج نہ ہمارا کوئی سچا دوست ہے نہ قرابتدار جو ہماری سفارش کر دے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ **أَلَا يَخْلَقُ يَوْمَئِذٍ بَعْضَهُم لِبَعْضٍ عَدُوًّا إِلَّا الْمُصِئِينَ** اس روز گمراہ دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا کہ۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کے گامیر اطفال دوست کیا ہوا (کہا گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہو گا اللہ حکم دے گا اس کے دوست کو دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جاوے اس کے بعد جو لوگ دوزخ میں رہ جائیں گے وہ کہیں گے **فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا صِدِّيقٍ حَمِيمٍ** حسن نے فرمایا اپنے مومن دوستوں کی تعداد زیادہ کر دو کیونکہ قیامت کے دن وہ شفاعت کریں گے۔

پس کاش ہم کو ایک بار (دنیا میں) لوٹا ملے

فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰

جاتا تو ہم (بھی) مومنوں (کے) رتہ میں سے ہو جاتے۔

اس آیت میں نو بمعنی لیت (کاش) کے ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۱۱ اس (یعنی ابراہیم کے قصہ) میں بلاشبہ عظیم الشان نشانی (کھلی ہوئی دلیل) ہے۔ جو شخص بصیرت اندوز نظر رکھتا ہے اور درس عبرت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے حضرت ابراہیم کے قصہ میں (توحید، الوہیت و ربوبیت کی) واضح دلیل موجود ہے قصہ کو بیان کرنے میں کیسی عمدہ ہے ترتیب کلام اور کتنا حسین ہے اسلوب تقریر۔ کلام اور اسلوب تقریر۔ اصول علوم دینیہ کی طرف کیسے لطیف اشارات ہیں اور ان اشارات کے اندر کتنا علمی خزانہ مخفی ہے حضرت ابراہیم نے قوم کو کیسی خوبصورتی کے ساتھ دعوت دی۔ مخالفت بھی کی تو کتنی خوبصورتی کے ساتھ۔ حضرت ابراہیم اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفس واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعدہ عید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تاکہ سننے والے گوش قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود اسی ہونے کے ہزاروں سال پرانہ واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے)۔

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۱۲ اور ان کی (قوم) میں سے اکثر آدمی (ان پر) ایمان لانے والے نہیں تھے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ آپ کا رب ہی غالب (اور مہربان کریم ہے

فَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۱۳

یعنی انتقام پر قادر ہے مگر اس نے اپنی رحمت سے کافروں کو ڈھیل دی تاکہ وہ ایمان کی لولہ میں سے کوئی ایمان لے آئے اور اسی نے اپنی رحمت سے اہل ایمان کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا۔

قوم نوح نے پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا۔ قوم مؤنث ہے اسی لئے

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۱۴

تفسیر کی صورت میں (۲۷ تائینٹ کا اظہار کر دیا جاتا ہے اور) قودیمہ کہا جاتا ہے الرسلین اگرچہ جمع کا صیغہ ہے مگر اس سے مراد جس مرسل ہے جیسے عربی محاورہ ہے فلان یرکب الخیل فلاں شخص گھوڑوں پر سوار ہوتا ہے خواہ وہ ایک ہی گھوڑے پر سوار ہوتا ہو تب بھی یرکب الخیل کہا جاتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم نوح سارے پیغمبروں کا (یعنی نفس رسالت کا) ہی انکار کرتی ہو بعض روایات میں آیا ہے کہ حسن بصری سے دریافت کیا گیا ابو سعید یہ تو بتائیے کہ اللہ نے کذبت قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ، کذبت عَادِنَ الْمُرْسَلِينَ۔ کذبت ثَمُودَ الْمُرْسَلِينَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد و اعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔

جب ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا۔ بھائی سے مراد ہے نبی بھائی۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ

دینی بھائی مراد نہیں ہے۔

آلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۶﴾ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے کہ دوسروں کی پوجا چھوڑ دو۔
 اِنِّیْ لَکُمْ سَاسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷﴾ میں بلاشبہ تمہاری ہدایت کے لئے امانت دار پیغمبر ہوں۔ یعنی اللہ کا
 قاصد ہوں اور جو وحی اللہ کی طرف سے میرے پاس آتی ہے اس کا امانت دار ہوں اور تم لوگوں میں بھی میری امانت داری اور سچائی
 مشہور ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴿۱۸﴾ پس اللہ سے ڈرو یعنی اس کے عذاب سے بچو۔
 وَاَطِیْعُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور میرا کہا مانو یعنی توحید خدا اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کا جو میں تم کو حکم دے رہا ہوں اس کو مانو۔
 وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ﴿۲۰﴾ اور میں اس (دعوت و نصیحت) کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ کہ تم مجھ
 پر طلب زر کی کوئی تمہمت رکھ سکو۔

اِن اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۱﴾ قَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴿۲۲﴾ وَاَطِیْعُوْنَ ﴿۲۳﴾
 میرا ثواب تو بس
 رب العالمین کے ذمہ ہے تم اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔

تکرار آیت تاکید کے لئے ہے اس تکرار سے یہ بات ظاہر کرنا بھی ہے کہ امانت دار ہونے کا تقاضا ہے کہ نوح کی بات مانی
 جائے اور ان کی دعوت قبول کی جائے نیز طلب گار اجرت نہ ہونا اور روپیہ کا لالچ نہ ہونا بھی موجب اطاعت ہے۔ ان دونوں
 اوصاف میں سے ہر وصف مستقل طور پر موجب اطاعت ہے اور حضرت نوح کے اندر تو دونوں اوصاف موجود تھے اس لئے آپ
 کی اطاعت کا جو بے درجہ اولیٰ ہو رہا ہے۔

قَالُوْا اَنْتُمْ اَنْتُمْ لَکُمْ وَاَتَّبَعْنَا الْاَسْرَادَ لَوْ لَوْنٌ ﴿۲۴﴾
 کہنے لگے کیا ایسی صورت میں ہم تم
 پر ایمان لاسکتے ہیں جب کہ کہنے لوگ تمہارے متبع ہیں۔

ارذل (بروزن اعور) کی جمع سالم ارذلون ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ارذل کمینہ۔ کم عزت بیضاوی نے لکھا ہے
 جس کی عزت کم ہو اور مال بھی کم ہو وہ ارذل ہے۔ بغوی نے ترجمہ کیا ہے نچلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سارہ
 عکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوم نوح کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بہت سخیب العقل احمق تھے ان کے پیش نظر
 صرف حقیر متاع دنیا تھا وہ نادار مومنوں کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے کہ صرف مال لالچ اور کچھ لو نچھا اٹھنے۔ بے لئے وہ ایمان
 لائے ہیں۔ غور و خوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل
 ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لاسکتے ہیں۔

قَالَ وَمَا عَلَیْہِ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
 (میری نصیحت کے مطابق) عمل کرتے ہیں یعنی میں نہیں جانتا کہ ان کی طرف سے میری اتباع کرنا کس وجہ سے ہے نہ لہذا اللہ
 کے لئے ہے یا دنیاوی لالچ کے لئے۔ میرا ذمہ تو صرف ظاہر کا اعتبار کرنا ہے۔

اِن جَسَابُہُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ ﴿۲۶﴾ (رہی ان کے باطن کی حالت تو ان کی حساب منہی کا اللہ
 ذمہ دار ہے وہی باطن احوال سے واقف ہے۔

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۲۷﴾ اگر تم کو شعور ہوتا (تو اس بات کو سمجھ جاتے) مگر اللہ نے تو تمہارے حواس اور اک حق سے
 معطل کر دیئے ہیں تمہارا نور بصیرت نابینا ہو گیا۔

فراء نے یہ مطلب بیان کیا اگر تم ذی علم ہوتے تو پیشوں کی وجہ سے ان کو ذلیل نہ سمجھتے۔ زجاج نے: کہا پیشوں سے
 دینداری کو ضرر نہیں پہنچتا۔

وَمَا اَنْتَ بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۸﴾ اور میں تو مومنوں کو (اپنے پاس سے) ڈالنے والا نہیں

کافروں کے قول سے یہ امر مترشح ہوتا تھا کہ وہ غریب مسلمانوں کو نوح کے پاس سے نکلوانے کے خواستگار ہیں اس کے جواب میں حضرت نوح نے یہ جملہ فرمایا:

إِن أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱﴾

میں تو صرف واضح طور پر (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ یہ کلام گویا غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے نہ نکلنے کی علت کی طرح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے تو سب لوگوں کو خواہ عزت والے ہوں یا ذلیل نچلے طبقہ والے۔ کفر و معصیت سے منع کرنے عذاب خدا سے ڈرانے اور اللہ کی طرف بلائے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ دولت مندوں کو ساتھ لینے کے لئے غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دینا میرے لئے کس طرح جائز ہو سکتا ہے میرا فریضہ تو سب کو کھول کر ڈرانا ہے۔ ضحاک نے مبین کی تشریح میں کہا واضح دلیل کے ساتھ میں عذاب خدا سے ڈرانے والا ہوں تم لوگوں کو راضی کرنے کے لئے غریبوں کو نکال دینا میرے لئے جائز نہیں۔

قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ وَتُؤْمِنُ بِمَا نُنَادِيهِمْ وَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾
نوح اگر تو (اپنے قول سے) باز نہ آیا تو ہم تجھے سنگسار کر دیں گے (مقاتل و کلبی) ضحاک نے مرجومین کا ترجمہ کیا ہے مشنرمین یعنی ہم تجھے گالیاں دیں گے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي قَوْمٌ كَاذِبُونَ ﴿۱۳﴾ فَأَفْتَحَ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجَّيْتَنِي مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾

نوح نے کہا اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اب میرا اور ان کا قطعی (پور آخری) فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے ساتھی مومنوں کو (ان کے ارادوں سے یا ان کی بد اعمالی کی نحوست سے) بچالے۔ حضرت نوح نے یہ دعا کافروں کے خلاف اس لئے کی کہ انہوں نے تکذیب حق کی تھی اس وجہ سے نہیں کی تھی کہ کافروں نے آپ کو ڈر لیا دھمکایا تھا آپ کی بے عزتی کی تھی۔ یعنی آپ نے بددعا کا سبب ظاہر کر دیا کہ تکذیب حق کی وجہ سے میں کافروں کے خلاف دعا کر رہا ہوں۔

فَأَجْمَعُهُمْ بِمِصْرَ وَأَشْرَقَتِ الشَّمْسُ عَلَى مِصْرَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿۱۶﴾
اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے بچالیا اس کے بعد جتنے باقی رہ گئے ان کو ڈبو دیا۔ کشتی سے باہر رہ جانے والے سب کافر تھے اس لئے الباقین سے مراد ہیں سب کافر۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِّمَنْ كَانَ لَهُ بَالٍ عَلَىٰ آلِهِ ۚ وَالْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾
بے شک اس قصہ میں عظیم الشان نشانی ہے (جو دنیا میں بطور تواتر مشہور ہے) اور قوم نوح میں اکثر مومن نہیں تھے۔

وَمَا كَانَ لِقَوْمِكَ لَهٗوَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۱۸﴾
اور آپ کا رب یقیناً غالب اور بڑا مہربان ہے۔
(قوم) عاد نے پیغمبروں کو جھوٹا مانا۔ عاد، قوم عاد کے مورث اعلیٰ کا نام تھا لیکن اس جگہ قبیلہ مراد ہے اس لئے کذبت مؤنث کا صیغہ ذکر کیا۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ ﴿۱۹﴾
جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا بھائی سے مراد ہے نسبی (اور قومی) بھائی دینی بھائی مراد نہیں ہے۔

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۰﴾
کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے۔ کہ اس کی توحید کا اقرار کرو اور شرک کو چھوڑ دو۔
میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں یعنی اس رسالت میں خائن نہیں ہوں (اپنی طرف سے کچھ نہیں کتا) کلبی نے کہا میں رسالت کے دعویٰ سے پہلے بھی تم لوگوں میں امانت دار سپا مانا جاتا تھا مجھے تم جھوٹا نہیں جانتے تھے پھر اب کیوں تم دروغ گوئی کی تمہت مجھ پر رکھتے ہو۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۲۱﴾
میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں یعنی اس رسالت میں خائن نہیں ہوں (اپنی طرف سے کچھ نہیں کتا) کلبی نے کہا میں رسالت کے دعویٰ سے پہلے بھی تم لوگوں میں امانت دار سپا مانا جاتا تھا مجھے تم جھوٹا نہیں جانتے تھے پھر اب کیوں تم دروغ گوئی کی تمہت مجھ پر رکھتے ہو۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿۲۲﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنِّي بِمَا كُنْتُ عَلَيْهِ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۳﴾
پس اللہ سے ڈرو اور میرے کہے پر چلو میں تم سے اس (تلخ و ہدایت) کا کوئی

معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا ثواب تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اداء رسالت اللہ کی طاعت ہے اس لئے اس کا ثواب بھی اللہ ہی کے ذمہ ہے مسئلہ طاعت کی اجرت لینا جائز نہیں اور نہ وہ طاعت اللہ کی طاعت نہ ہوگی اور اللہ کے نزدیک مستحق اجر نہ ہوگی۔

آتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيحٍ آيَةٌ تَعْبَتُونَ ﴿٦٦﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ

پر یادگار کے طور پر ایک عمارت بناتے ہو جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو۔

استفہام، زجری یا تقریری ہے۔ کل ریح میں استغراق حقیقی نہیں (کیونکہ ہر لوہی جگہ میں قوم عادنہ قصر بناتی تھی نہ ایسا ممکن تھا) اور کثرت اضافی بھی مراد نہیں ہے (کیونکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے) بلکہ فی نفسہ کثرت مراد ہے یعنی بہت سے مقامات

میں تم یادگاریں تعمیر کرتے ہو۔ والہی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے ریح کا ترجمہ کیا اونچا مقام، بلند جگہ، ضحاک اور مقاتل نے

ترجمہ کیا ہر راستہ میں۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔ مجاہد نے کہا دو پہاڑوں کے درمیان کا

راستہ۔ مجاہد کا دوسرا قول مروی ہے کہ ریح کا معنی ہے منظر۔ قاموس میں ہے ریح کسرہ اور فتح کے ساتھ زمین کا اونچا حصہ۔ یا پہاڑ

کے اندر شکافی راستہ یا اونچا پہاڑ یا ہر اونچے مقام کی دادی کی سیلان گاہ۔ ریح یا لکسر یہودیوں کا گرجا، خانقاہ اور کبوتروں کا برج۔

آیت یعنی یادگار۔ بانی کو یاد دلانے والی عمارت۔

تعبثون یعنی فضول کام کرتے ہو آخرت میں ان کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ دنیا میں بھی بیکار ہوں۔

یا آیت سے مراد ہے مسافروں کے لئے بنائے جانے والے نشان چونکہ قوم عاد والے ستاروں کو دیکھ کر اپنی سفری راہیں

پہچان لیتے تھے اس لئے فرمایا کہ تم یہ بیکار کام کرتے ہو۔

بعض اہل تفسیر نے کہا عاد کی قوم والے اونچے مقامات پر عمارتیں بناتے تھے تاکہ اوپر چڑھ کر آنے والے راہ گیروں

کو دیکھیں اور ان سے ہنسی مذاق کریں۔

سعد بن جبیر نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے انہوں نے برج بنا رکھے تھے حضرت ہود نے

ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لغو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ

ان سے کھیلتے ہو۔

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات، اونچی عمارتیں اور قلعے انیر کرتے تھے دنیا

پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ ای کے متعلق اللہ

نے فرمایا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرْمَ ذَاتِ الْجُمُودِ كَيْفَ مَعْلُومٌ نَحْنُ نَسِيْنَا كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاُولٰٓئِیْنَ

والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہود نے اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول

اللہ ﷺ کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اس لئے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو سچی اینٹوں

اور گارے میں اس کی بہت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے رواہ الطبرانی بسند جید من حدیث جابر طبرانی نے الاوسط

میں حضرت ابوالبشر انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی بندہ کی ذلت چاہتا ہے تو وہ بندہ

اپنا مال عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔ حضرت وائلہ بن اسحق کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر

عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور ﷺ نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔

حضرت انس رلوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچے گنبد نما مکان کو دیکھ کر

فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گیا مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے

منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہولوہ شخص سمجھ گیا کہ حضور ﷺ مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی

وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کا رخ مجھے غیر غیر دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہ دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہو صحابہ نے عرض کیا اسکے مالک نے حضور ﷺ کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتادی اس نے جا کر گنبد کو ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے مسجد اور (سکونت) کے گھر کے۔

مصانع حوض، تالاب، مضبوط اونچے محل، قلعے

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۶﴾ اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ :- لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پر دیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں کی فرست میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسانی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبد اللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آجائے کرواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تمیم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ ﷺ پانی قریب ہی ہے حضور ﷺ فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ ابی بنیوفی فی شرح السنہ و ابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔

وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۷﴾ اور جب کسی پر داروگیر کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر داروگیر کرتے ہو۔ یعنی جب سختی کے ساتھ عذاب دینے کے لئے پکڑتے ہو۔ جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار، متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ پس اللہ سے ڈرو (یعنی ان حرکت کو چھوڑ دو)

وَاطِيعُونَ ﴿۱۸﴾ اور میرا کہا مانو یعنی جس چیز کی طرف آنے کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں اس کو مان لو تمہارے لئے بہت زیادہ فائدہ رساں ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَمَّا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ اور ڈرو اس سے جس نے تم کو وہ نعمتیں بطور امداد عطا فرمائیں جن سے تم واقف ہو۔

اس آیت میں دوبارہ تقویٰ کا حکم دیا اور جو خدا داد نعمتیں ان کو معلوم تھیں ان کی عطاء کو حکم تقویٰ کی علت قرار دیا اور اس بات پر تنبیہ بھی کی کہ اگر تقویٰ رکھو گے تو امداد ہمیشہ جاری رہے گی اور تقویٰ چھوڑ دو گے تو امداد بھی منقطع کر دی جائے گی۔

الا تتقون میں کافروں کے جرم پر اجمالی دلالت تھی اور بما تعلمون میں خدا داد نعمتوں کا مجمل اظہار تھا اس کے بعد انعامات کی تفصیل بیان کر دی تاکہ نصیحت اندوزی اور ترغیب تقویٰ مبالغہ کے ساتھ ہو جائے چنانچہ فرمایا۔

أَمْ كُمْ بِأَنْعَامِهِمْ كَذِبِينَ ﴿۲۰﴾ وَجَدْتُمْ وَعِيُونَ ﴿۲۱﴾ اس نے چوپائے اور اولاد اور باغات اور

جسٹے تم کو عطا فرمائے یہ مذکورہ بالا اہم سے بدل ہے (یعنی سابق الذکر اہم سے یہی مؤخر الذکر اہم مقصود ہے) اس کے بعد عذاب کی وعید سنائی اور فرمایا۔

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۶﴾
یہ اندیشہ ہے کہ یوم عظیم کا عذاب تم پر آجائے گا (کذا نسرہ ابن عباس) یوم عظیم کا عذاب دنیا میں ہو یا آخرت میں کیونکہ جو خدا عطاء نعمت پر قادر ہے وہ انتقام پر بھی قادر ہے۔ یہ جملہ حکم سابق کی علت کو ظاہر کر رہا ہے۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَعَّظِينَ ﴿۳۷﴾
تو ہم نے (جواب میں) کہا ہمارے لئے (دونوں) برابر ہیں تم نصیحت کر دینا نہ کرو۔ یعنی تمہارے وعظ کی وجہ سے اپنے طریقہ کو جس پر ہم چل رہے ہیں ترک نہیں کریں گے۔ وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو عدد و وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے۔ (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)۔

إِنَّ هَذَا إِلَّا خَلْقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۸﴾
یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بتلایا کرتے تھے) کیا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔ کسائی۔ ابو جعفر اور ابو عمرو کی قرأت میں لفظ خلق کی بجائے خلق بسکون لام آیا ہے اس صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ تم ہم کو جو وعظ نصیحت کر رہے ہو یہ تو پہلے لوگوں کی من گھڑت اور دروغ بانی ہے۔ اور خلق کا معنی ہے خود کسی بات کو گھڑنا۔ آیت میں آیا ہے وَتَخْلُقُونَ أَفْئِدَتَهُمْ خُودٌ جَهْوُثٌ گھڑتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ پہلے لوگوں سے یہ طریقہ چلا آیا ہے وہ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ نہ وہ مر کر اٹھے نہ ان کا حساب ہو انہم مر کر دوبارہ انھیں گے۔ نہ ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔

وَمَا هُمْ فِي عَذَابٍ ﴿۳۹﴾
فَكَذَّبُوا فَاهُكَنَّهُمْ ﴿۴۰﴾
اور (جس طریقہ پر ہم چل رہے ہیں اس پر) ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔
غرض قوم ہود نے ہود کو جھٹلایا ان کی بات صحیح نہ مانا آخر ہم نے ان کو (تیز آندھی بھیج کر ہلاک کر دیا۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً ۚ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۴۱﴾
اس قدرت اور نبی کی صداقت کی (بڑی دلیل ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہ تھے۔

اس آخری جملہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قوم عاد کا بیشتر یا نصف حصہ مومن ہو جاتا تو ان پر عذاب نہ آتا اور قریش جو ایسے عذاب سے محفوظ ہیں وہ مومنوں کی برکت سے ہے۔ اللہ نے فرمایا وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۲﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۳﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۴﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۵﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۶﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۷﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۸﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۴۹﴾ وَكَلَّمَا آلَ قُلُوبِشَٰدٍ قَوْمًا يَّحْكُمُونَ ﴿۵۰﴾

وَمَا آتَاكُم مِّنْ فَضْلٍ فَاذْكُرُوا لَهُ ۖ إِنِّي أَنتِظُوا عَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّمَا أُعْطُوا عَذَابًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۱﴾
اور بلاشبہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔
كَلَّمَآتُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵۲﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَتِلُّوهُمُ الْآيَاتِ الْكُرْآنِ ﴿۵۳﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنِ اجْتَبَاءٌ عَلَىٰ سَابِقِ الْعَلَمِينَ ﴿۵۶﴾

(قوم) ثمود نے پیغمبروں کو جھوٹا بتلایا جب ان کے نبی بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب اور گرفت سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لئے لائت دار رسول ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو میں تم سے (اس تبلیغ و ہدایت کا) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا میرا سارا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَنْتَرَكُونَ فِي مَا هُمْنَا اَمِينٌ ﴿۱۸﴾ فِي جَلَّتْ وَاَعْيُونٌ ﴿۱۹﴾ وَرَوَدَعٌ وَتَحَلَّ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۲۰﴾

کیا تم کو انہی چیزوں میں جو یہاں موجود ہیں یعنی باغات اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے سچے خوب گوندھے ہوئے ہیں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔

استفہام انکاری ہے یعنی دنیا کی ان نعمتوں میں تم کو یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا یا استفہام انکاری نہیں بلکہ یاد دہانی ہے ان نعمتوں کی جو اللہ نے خالص طور پر ان کو عطا فرمائی تھیں۔

طلعہا طلع سے مراد ہیں پھل۔ ہضیم ایک روایت کے اعتبار سے حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ کیا لطیف۔ اس معنی میں ہضیم اسخ یعنی لطیف اسخ آتا ہے۔ دوسری روایت ابو العالیہ کی ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ مفید، پختہ کیا۔ عکرمہ نے کہا نرم حسن نے کہا لکتا ہوا۔ مجاہد نے کہا خوشہ کھجور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو ہضم کہتے ہیں اور جب تر و تازہ ہوتا ہے تو وہ ہضم ہے ضحاک اور مقاتل نے کہا تہ برتہ قطار پر چڑھی ہوئی مراد ہے کثیر اہل لغت کہتے ہیں کہ ہضم وہ کچھ ہے جو برآمد ہونے سے پہلے اندر ہی اندر باہم چسپاں ہوتا ہے ازہری نے کہا بعض بعض کے اندر گھسا ہوا بعض نے کہا ہضم بمعنی ہضم ہے کھانے کو ہضم کرنے والا ہے بہر حال ان تمام معانی کا مجموعہ لفظ لطافت کے اندر ہے (اسی لئے حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ لطیف کیا)

اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (فخر

وَتَنْجُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بِيُوتًا فَرِهِيْنَ ﴿۲۱﴾

کرتے) ہوئے مکان بناتے ہو۔

فرہین یعنی پتھر تراشنے میں ماہر فرہ الرجل فراہۃ وہ آدمی ماہر ہو گیا۔ عکرمہ نے اس کا ترجمہ کیا خوش عیش، آرام میں۔ قنادہ نے کہا اپنی صنعت کاری پر مغرور سدی نے کہا متحیرانہ نفس نے ترجمہ کیا خوش۔ عرب حاء کو ہاء سے بدل دیتے ہیں جیسے مدحتہ کی جگہ مدہتہ کہنے لگتے ہیں یہ بھی کہا گیا کہ فارہین سے مراد ہے حریض ابو عبیدہ نے کہا (اپنی صنعت پر) اترانے والے مگر مراد یہ ہے کہ اس نعمت پر اترانے والے ہو۔ مگر ہو اور غرور کی وجہ سے قبول حق سے سرتابی کرنے والے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ﴿۲۲﴾ پس اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔

وَلَا تُطِيعُوا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ان حدود (بندگی) سے نکل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سر زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور اصلاح (کی بات) نہیں کرتے حضرت ابن عباس نے مسرفین کی تفسیر کی مشرکین۔ مقاتل نے کہا وہ تو آدمی تھے جنہوں نے اونٹنی کو قتل کیا تھا۔ زمین میں فساد کرتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانیوں سے ملک میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے سنوار نہیں پیدا کرتے۔ (قوم نمود نے) کہا تم خالص جادو زدہ لوگوں میں سے ہو۔

قَالَوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمَسْحُوْرِيْنَ ﴿۲۵﴾ (یعنی تم پر جادو کر دیا گیا ہے کہ ایسی ہنسی ہنسی باتیں کر رہے ہو) یہ ترجمہ مجاہد اور قنادہ کا ہے۔ لیکن کلبی نے بروایت ابو صالح بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ معللین بسلانے ہوئے عرب کہتے ہیں مسحورہ اسکو کھانا پانی دے کر بہلا دیا اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ تم کھانا کھاتے ہو پانی پیتے ہو فرشتے نہیں ہو بلکہ،

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴿۲۶﴾ (بالکل) ہماری طرح آدمی ہو اس کے سوا کچھ نہیں ہو۔ اس لئے نبی نہیں

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ اگر (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو (اپنے قول کے سچا

ہونے کی) کوئی دلیل پیش کر دو جب قوم نے دلیل نبوت طلب کی تو حضرت ہود کی دعا سے اللہ نے پتھر کی چٹان کے اندر سے ایک اونٹنی برآمد کر دی۔

صالح نے (پھر قوم سے) کہا یہ ایک اونٹنی ہے (جو پتھر سے برآمد ہوئی ہے یہ میری

قَالَ هٰذِهِ نَاقَةٌ

سچائی کی نشانی ہے)

ایک روز اس کے لئے پانی کا حصہ

لَهَا شَرْبٌ وَلَكُمْ شَرْبٌ يَوْمَ مَعْلُومٍ ﴿۱۹﴾

(مقرر) ہے اور ایک معین دن تمہارے لئے پانی کا حصہ ہے۔

پس تم لوگ اپنے حصہ پر اکتفا کرنا اور اس کے حصہ میں مداخلت نہ کرنا۔

اور برائی (لویت رسانی) کے ساتھ اس کو ہاتھ نہ لگانا۔

ورنہ تم کو یوم عظیم کا عذاب آپکڑے گا یعنی ایک دن عذاب

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ يُومِرُ عَظِيمٌ ﴿۲۰﴾

عظیم میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

پھر انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ چونکہ سب اونٹنی کو قتل کرنے پر راضی تھے اس لئے قتل کو نسبت

صَحَقٌ مِّمَّهَا

سب کی طرف کر دی گئی اور اسی وجہ سے سب عذاب میں پکڑے گئے۔

قتل کے بعد پشیمان ہوئے یہ پشیمانی توبہ نہ تھی بلکہ نزول عذاب کے ڈر سے تھی یا اس

فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿۲۱﴾

وقت ہوئی تھی جب عذاب آتا دیکھ لیا تھا لیکن اس وقت پشیمانی کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

آخر عذاب نے ان کو آپکڑا یعنی اس عذاب نے جس کی ان کو دھمکی دی گئی تھی۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۲۳﴾

بے شک اس میں بڑی نشانی (واضح دلیل) ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے (اس لئے

ان پر عذاب آیا) اور بلا شک و شبہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمٌ لُوطًا بِالْمُرْسَلِينَ ﴿۲۴﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۵﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۲۶﴾ فَاتَّقُوا

اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۲۷﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾

قوم لوط نے پیغمبروں کو جھوٹا جانا جب ان سے ان کے بھائی نے

کہا کیا تم (اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ میں بلاشبہ تمہاری ہدایت کے لئے (اللہ کی طرف سے) بھیجا گیا ہوں اور فرض رسالت ادا کرنے میں) لمانت دار ہوں پس تم اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور میں اس کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

(اس آیت میں بھائی سے مراد وطنی بھائی یا ساسا تھی ہے حضرت لوط نے نسب میں ان لوگوں کے ساتھ شریک تھے نہ مذہب

میں اس لئے نہ اخوت نسبی مراد ہے نہ دینی برادری۔ مترجم)

أَتَأْتُونَ الذَّكَرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو

کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہو گا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) کیا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔

اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا

وَتَتَّارُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواج جم میں من بیانیہ ہو گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صحتی مجامعت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے جیسے رافضی کرتے ہیں اس وقت من تبعیضیہ ہو گا یعنی تمہاری بیبیوں کا جو حصہ جسم اللہ نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے اس کو چھوڑے رکھتے ہو۔ اس مطلب پر آیت سے عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے

کی حرکت پر استدلال کیا جاسکتا ہے بیویاں ہوں یا باندیاں۔

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿۱۶﴾
بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔

قَالُوا لَيْنَ كَمْ تَلْتَهُ يَلُوطُ لَكَ كُونٌ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۷﴾
دعویٰ سے اور ہم کو بازداشت کرنے سے) باز نہ آیا تو خارج کردہ لوگوں میں سے ہو جائے گا یعنی اپنی بستی سے ہم تجھے نکال دیں گے۔

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۸﴾
لوٹنے کا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے من القالین کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنے والی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔

حضرت لوط کو جب معلوم ہو گیا کہ میری نصیحت و دعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔

رَبِّ بَنِيَّ وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾
اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل (کے برے نتیجے اور عذاب) سے بچالے۔

سواہم نے لوط کو اور اس کے گھر والوں کو یعنی دین میں جو ان کے ساتھی تھے۔ سب کو بچالیا پہلے سے ہی ان کو بستی سے باہر نکال دیا اور عذاب سے محفوظ رکھا۔

إِلَّا عَجُوزَنَا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۲۰﴾
سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو (عذاب اور ہلاکت میں) باقی رہ جانے والوں کے اندر شامل رہی یعنی مقرر ہو چکا تھا کہ وہ کافروں میں رہے گی یہ عورت یعنی حضرت لوط کی بیوی حضرت کے پیچھے پیچھے چلی تو تھی لیکن اپنی قوم کی طرف راغب اور ان کے عمل کو پسند کرتی تھی اس لئے ایک پتہ راستہ میں اس کے بھی لگ گیا اور وہ مر گئی بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ حضرت لوط کے ساتھ بستی سے باہر نکلی ہی نہ تھی جو لوگ بستی میں باقی تھے انہیں میں وہ بھی شامل تھی۔

ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿۲۱﴾
پھر (جب لوط اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکل گئے تو) ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا
ان پر گندھک اور آگ کی بارش کی گئی۔

فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۲۲﴾
یا بر ایمنہ تھا ان لوگوں کا جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا۔

إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لِّمَن كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۲۴﴾
اس میں بلاشبہ (اللہ کی قدرت اور پیغمبروں کی صداقت کی) دلیل ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور آپ کا رب بلاشبہ غالب (اور) بڑا مہربان ہے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ لَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۵﴾
بن والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا (جھوٹا قرار

ایک درختوں کی گھنی جھاڑی۔ بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۹﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۲۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا ﴿۲۱﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجِدْتُ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۲﴾

جب کہ شعیب نے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے میں تمہارے لئے (اللہ کا) امانت دار فرستادہ ہوں اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو اور میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء کی تبلیغ اور طرز تبلیغ کو ایک ہی عبارت میں نقل کیا کیونکہ سب نے ہی اللہ سے ڈرنے اس کی اطاعت کرنے اور اس کی عبادت میں شریک نہ کرنے کا حکم دیا سب ہی نے تبلیغ رسالت کا معاوضہ طلب نہ کرنے کا اظہار کیا اور سب نے ہی اپنی دعوت کا ثواب اللہ کے ذمہ قرار دیا۔ اسی لئے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ (یعنی وحی کے ذریعہ سے ہم نے جس طرح اور جو احکام نوح کو اور نوح کے بعد دوسرے انبیاء کو بھیجے تھے وہی آپ کو بھی وحی کے ذریعہ سے بھیجے مطلب یہ کہ طریق وحی سب کا ایک جیسا ہے اور جو امر و نواہی اجزاء وحی تھے وہ سب کے برابر تھے۔ مترجم)

دوسری آیت میں حکم دیا ہے اَقِمْوْا الدِّيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا فِئْتِهٖ دِيْنَ كُوْقَامٍ كُرُوْا اور اس میں تفریق نہ کرو۔

أَوْفُوا الْكَيْلَ (پورا ناپ دیا کرو) یہ تقویٰ کی تفصیل ہے)

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۲۳﴾ اور (پیمانہ بھر دینے میں) کمی نہ کرو یعنی لوگوں کا حق دینے میں کمی نہ کرو۔

وَمِنْ نُورٍ بِالْقِسْطِ اِسْتَقِيمُوا ﴿۲۴﴾

اور (تول کر دینے کی چیزوں کو) صحیح ترازو سے تول کر دیا کرو۔ قسطاس کو اگر عربی لفظ قرار دیا جائے تو اس کا اشتقاق قسط سے ہوگا اور قسط کا معنی ہے عدل۔ المستقیم ٹھیک صحیح جس میں کوئی کمی نہ ہو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ

اور لوگوں کو ان کی چیزیں (ناپ تول میں) کم نہ کیا کرو۔

وَلَا تَعْتَدُوا فِي الْأَرْضِ

اور زمین پر فساد نہ مچاؤ یعنی لوٹ مار قتل و غارت اور ہزنی وغیرہ نہ کرو۔

مُفْسِدِينَ ﴿۲۵﴾

دانستہ جاہلی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصد ابکاڑ نہ پیدا کرو تبناہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کیا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی، نہ قصاص، نہ کوئی تاوان۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْحَبِيبَةَ الْأُولَىٰ ﴿۲۶﴾

اور ڈرو اس (خدا) سے جس نے تم

کو پیدا کیا اور پہلی مخلوق کو بھی یعنی تم سے پہلے دوسرے لوگوں کو بھی۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۲۷﴾

کہنے لگے تم تو بالکل سحر زدہ ہو۔

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو یعنی آدمی ہو اور ہم جیسے آدمی اول تو رسول کو

آدمی نہ ہونا چاہئے اور تم آدمی ہو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت حاصل نہیں (نہ بادشاہ ہو نہ شوکت و سطوت والے دولت مند

سردار) اس لئے تم رسول نہیں ہو سکتے۔

وَإِنْ تَقُتُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۱۹

نبوت کے دعوے میں جھوٹے ہو۔

فَاسْقُطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۰

آسمان کا کوئی ٹکڑا ہم پر گر ا دو۔

قَالَ رَبِّيْ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۱

شعیب نے کہا جو کچھ تم کرتے ہو میرا رب اس سے بخوبی واقف ہے

یعنی تم کو جو حکم تو لیتے نا پتے، لوٹے، قتل کرتے اور راہزنی کرتے ہو اس سے میرا رب خوف واقف ہے وہی اگر چاہے گا تو اس کی سزا تم کو جب چاہے گا دے گا عذاب لانے کا اختیار مجھے نہیں ہے میری ذمہ داری تو صرف تبلیغ و دعوت کی ہے۔

غرض ایک والوں نے شعیب کی

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَ مِنْهُم مَّا ظَلَمُوْا

تکذیب کی اس لئے یوم الظلمہ (ساتبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آپڑا اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک والوں کے جنگل میں

سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر یہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آگئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اسی بدلی کو ظلمہ (ساتبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابٍ يُّوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۲۲

بیشک یہ یوم عظیم کا عذاب تھا (یعنی عذاب عظیم)

تھا جو اس روز واقعہ ہوا)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ هُمْ مُؤْمِنِيْنَ ۝۲۳ وَان رَّبُّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۲۴

اس قصہ میں درحقیقت (عبرت اندوزی) کی بڑی نشانی تھی اور ان میں

سے اکثر لوگ مومن تھے (اس لئے ان پر عذاب نازل کیا گیا) اور یہ قطعی بات ہے کہ آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے۔

مذکورہ ساتوں قصے مختصر طور پر رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے بیان کئے گئے تاکہ آپ صبر کریں اور سمجھ لیں کہ ہر

پینمبر کی قوم والوں کی طرف سے تکذیب ہوئی ہے اور سب پینمبروں نے استقامت قائم رکھی آخر پینمبروں کے منکر ہلاک کر

دئے گئے اور پینمبر اپنے ساتھیوں سمیت غالب رہے۔ مترجم) اس میں رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے لئے عذاب

کی دھمکی بھی ہے۔

وَلَا تَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵

اور بے شک قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔

تنزیل (مصدر) بمعنی منزل (اسم مفعول) کے ہے۔

روح الامین (یعنی جبرئیل) اس کو لے کر اترا ہے

نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاٰمِيْنَ ۝۲۶ عَلٰى قَلْبِكَ

اور تمہارے دل پر اس نے نازل کیا ہے پھر آپ نے اس کو یاد کر لیا ہے قلب سے مراد ہے یہی صنوبری قلب جو سینہ کے اندر ہے

وہ لامکانی لطیفہ زبانی مراد نہیں ہے جس کا مقام عرش کے اوپر ہے اور اس کا ظہور اسی صنوبری دل پر بطیفہ ربانی تو عالم امر سے ہے

یہ نہ وحی کا بار اٹھا سکتا ہے نہ نبوت کا یہ بوجھ اٹھانے والا تو قلب صنوبری ہی ہے جو عناصر کا مجموعہ کا نقوش کا محل اور عالم امر کے

ظہور کا مقام ہے اسی لئے ہمیشہ وحی کا صدور جسمانی ساخت کی تکمیل یعنی چالیس سال کی عمر کے بعد ہوا جبرئیل امین وحی الہی

ہیں اس لئے ان کو امین کہا جاتا ہے۔

لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُنذِرِيْنَ ۝۲۷

تاکہ آپ (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) ڈرانے والوں میں سے

ہوں۔ یعنی فرست انبیاء میں آپ شامل ہو جائیں۔ مترجم)

وَأصح عربی زبان میں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے قریش کی زبان

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۲۸

مراد ہے تاکہ قریش کو یہ عذر نہ ہو کہ ہم وحی کی زبان کو نہیں سمجھتے۔

اس آیت کا بعض اہل تفسیر نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہو تا دل پر نازل نہ ہو سکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھ نہ پاتے۔ آدمی کبھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اگر کوئی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا مطلب ذہن کی طرف متوجہ ہوتا ہے الفاظ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری سیکھی ہوئی زبان میں اس سے کلام کرتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال ذہنی ہوتا ہے۔

وَرَأٰى لَفِيْ ذُرِّيْهِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹﴾ اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی امتوں کی آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔

اکثر اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نزول قرآن کا ذکر کتب سابقہ میں کر دیا گیا ہے مقاتل نے کہا محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر گزشتہ کتابوں میں کر دیا گیا ہے بعض کے نزدیک قرآن کی طرف ضمیر راجع ہے۔ زبر کتابیں۔

مؤخر الذکر تفسیری قول ہی کی بناء پر بعض احناف کے نزدیک قرآن صرف معانی کا نام ہے کیونکہ معانی ہی کا اندراج کتب سابقہ میں تھا عربی الفاظ ان کتابوں میں نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فارسی میں نماز کی قرأت کو جائز قرار دیا ہے (لیکن امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد اس بات کو قرار دینا کہ قرآن صرف معنی کا نام ہے غلط ہے امام اسلم نے تو ان علماء بلاغت و اعجاز کے لئے فارسی میں صرف نماز کے اندر قرأت کو جائز قرار دیا تھا جو تلاوت قرآن کے وقت قرآن کی بلاغت میں ڈوب جاتے ہیں اور ان کا ادبی ذوق حلاوت و طلاوت عبارت کی کیفیت میں اتنا سرشار و بد مست ہو جاتا ہے کہ پھر ان کی کامل توجہ معبود کے سامنے حاضر ہونے کی طرف نہیں رہتی عوام کے لئے تو امام صاحب نے فارسی میں قرأت کو جائز نہیں قرار دیا اگر امام صاحب کے نزدیک قرآن صرف معنی کا نام ہوتا تو وہ ترجمہ قرآن کو ہر مقام پر قرآن کا حکم دیتے یہاں تک کہ جنب اور حائضہ اور نساء کے لئے بھی ترجمہ کو پڑھنا اور چھونا ممنوع قرار دیتے حالانکہ ایسا نہیں ہے مترجم۔

حضرت مفسر نے فرمایا احناف کا یہ قول غلط ہے قرآن عبارت اور معانی دونوں کا نام ہے اللہ نے اس کو قرآن عربی فرمایا ہے اور عربی عبارت کی صفت ہوتی ہے (معنی تو عربی عبارتوں کے بھی ہوتے ہیں اور دوسری زبانوں کی عبارتوں کے بھی) مزید یہ کہ قرآن معجز ہے اور اعجاز عبارت کی خصوصیت ہے اسی لئے جنہی کے لئے فارسی میں قرآن پڑھنا جائز ہے امام ابو حنیفہ نے صرف نماز میں اجازت دی تھی کہ عربی کی جگہ دوسری زبان کی عبارت (جو معانی پر دلالت کر رہی ہو) پڑھنی جائز ہے اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ امام صاحب کے نزدیک قرآن کی عبارت کا پڑھنا نماز کا رکن نہیں ہے اور قرآن کی عبارت خضوع سے (بعض لوگوں کے لئے) مانع ہو جاتی ہے پھر اپنے اس قول سے امام صاحب نے رجوع بھی کر لیا تھا اور صاحبین کی طرح نماز کی قرأت فارسی میں ناجائز قرار دے دی تھی احناف کا اسی پر فتویٰ بھی ہے اور اکثر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔

(کیا یہ لوگ رسول

اَوْ لَوْ يَكُوْنُ لَهُمْ اٰيَةٌ اَنْ يَعْلَمُوْا عَلٰمْآؤُا بَنِيْٓ اِسْرٰٓءِيْلَ ﴿۲۰﴾

کو نہیں پہچانے) اور کیا ان کے لئے (رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی یہ) کوئی دلیل کافی نہیں ہے کہ علماء بنی اسرائیل رسول اللہ ﷺ کو (ان کی صفات و احوال خصوصاً کو تورات سے پڑھ کر) جانتے ہیں۔

یعلمہ کی ضمیر مفعول رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور قرآن کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے یعنی قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا علماء بنی اسرائیل کے علم میں ہے وہ اس سے ناواقف ہیں۔

علماء بنی اسرائیل سے مراد بر قول عطیہ پانچ علماء تھے عبد اللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اسید حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کر لیا یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور ہم تورات میں ان کے اوصاف و خصوصیات احوال پاتے ہیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور اگر ہم کسی گنجی پر اس قرآن کو اتار دیتے اور وہ ان کو پڑھ کر سنا تا تو یہ اس پر ایمان لانے والے نہ ہوتے۔ انجمن اعجم کی جمع ہے اعجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسباً عربی ہی ہو اور گنجی کی نسبت عجم کی طرف ہے گنجی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسباً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بناء پر آیت کا یہ معنی ہو گا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔

بنیادی نے لکھا ہے انجمن اعجمی کی جمع ہے اسی لئے اس کو بصیغہ جمع سالم ذکر کیا ہے یعنی اگر اعجم کی جمع ہوتی تو پھر اس کی جمع سالم نہ آتی کیونکہ اس کا مؤنث عجماء آتا ہے اور جس وزن افضل مؤنث بردوزن فعلاء آتا ہے اس کی جمع سالم نہیں آتی اس کی نظیر اشعرون ہے جو اشعری کی جمع ہے۔ اصل میں اشعریوں تھا تخفیفاً اشعرون کر لیا گیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ اگر ہم قرآن کو عربی میں ہی یا عربی زبان میں کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جو فصیح عربی سے واقف نہ ہوتا تب بھی یہ اہل مکہ ایمان نہ لاتے ان کا ذاتی عناد اور غرور اعجمی کے اتباع سے نفرت ان کو ایمان سے روکتی یا نہ سمجھنے کی وجہ سے ایمان نہ لاتے اور صاف کہہ دیتے کہ ہم سمجھتے ہی نہیں تم کہتے کیا ہو اسی مضمون کو دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَةٌ-

كذالك سلكنہ فی قلوب المجرمین ﴿۳۰﴾ اسی طرح ہم نے اس (شرک و تکذیب) کو مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے کذا قال والحسن و مجاہد۔ آیت کے اس تشریحی ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ شرک کا شرک کا خالق بھی اللہ ہی ہے بعض اہل تفسیر نے کہا سکنناہ میں ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی ہم نے اس قرآن کو ان مجرموں کے دلوں میں داخل کر دیا انہوں نے قرآن کے اعجاز کو خوب پہچان لیا ہے اس کے باوجود محض عناد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔

لا یؤمنون بہ یہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس آیت میں اللہ نے اس شخص کی حالت بیان فرمائی ہے جس کا شرک پر مرنا اللہ کے علم میں ہے۔

حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۱﴾ یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں جس کی وجہ سے ایمان پر مجبور ہو جائیں اور یہ عذاب مرنے کے بعد قبروں میں ہو گا (اور اس وقت ایمان مفید نہ ہو گا)۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿۳۲﴾ پھر ان پر عذاب اچانک آ جائے گا اور ان کو احساس بھی نہ ہو پائے گا۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿۳۲﴾ (اس وقت حسرت و افسوس کے ساتھ) کہیں گے کاش ہم کو مہلت دے دی جاتی۔ یہ استفہام اظہار تمنا کے لئے ہو گا وہ دنیا میں لوٹ کر جانے کی تمنا کریں گے مقاتل نے بیان کیا جب اللہ نے اپنے رسول کی زبانی کافروں کو عذاب سے ڈر لیا تو کہنے لگے۔ کب تک عذاب سے ڈراتے رہو گے آخر عذاب کب آئے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَفَعَدَّآبِنَا لِمَن تَعَجَّلُونَ ﴿۳۳﴾ کیا وہ ہمارے عذاب کے جلد آ پہنچنے کے خواستگار ہیں یعنی نزول عذاب کے وقت تو یہ مہلت ملنے کے طلب گار ہوں گے اور اب فوری عذاب کے خواستگار ہیں۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ یہ آیت کافروں کے ان اقوال کی طرف اشارہ ہے جن میں بعض کافروں نے کہا تھَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ آتِنَا بِعَذَابِ النَّارِ أَوْ آتِنَا بِعَذَابِ النَّارِ أَوْ آتِنَا بِعَذَابِ النَّارِ۔ حقیقت میں کافروں کا عقیدہ تھا کہ عذاب ہرگز نہیں آئے گا اور ہم امن چین اور سلامتی کے ساتھ طویل مدتوں تک چلیں گے اور مزے اڑاتے رہیں گے اسی لئے وہ عذاب آنے کی جلدی چاہتے تھے اور فوری عذاب کے خواستگار بنتے تھے اللہ نے ان کے عجلت پسندی کی تردید کر دی۔ پھر بالعرض تسلیم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم ان کو برسوں زندگی کے مزے اڑانے دیں

اور ان پر عذاب موعود آجائے تو کیا اور ازی عمر اور تمتع اندوزی عذاب کو دفع کرنے میں کوئی کام آسکے گی۔ چنانچہ فرمایا:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَسَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۱۶﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَمِعُونَ ﴿۱۷﴾

بھلا دیکھو تو اگر ہم برس برس ان کو

مڑے اڑانے دیں پھر مدت کے بعد ان پر وہ عذاب آجائے جس سے ان کو ڈر لیا جاتا رہا تھا تو ان کا یہ تمتع اندوز ہونا ان کو کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا (عذاب کو ان سے دفع نہیں کر سکے گا)

آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب عذاب الیم ان پر ناگہاں آپڑے گا اور یہ عذاب کو اپنے سامنے دیکھ لیں گے تو کہیں گے کاش ہم کو کچھ سہلت دے دی جاتی لیکن ان کو سہلت نہیں دی جائے گی اور بالفرض اگر سہلت دے بھی دی جائے تو آپ غور کیجئے کہ اس سہلت دینے سے ان کو کیا فائدہ پہنچے گا اگر ہم ان کو برسوں مڑے اڑانے دیں پھر ان پر وہی موعود عذاب آجائے تو اس سہلت سے وہ عذاب دفع نہ ہو گا اور درازی سہلت نہ ان کو دفع عذاب کا فائدہ دے سکے گی نہ تخفیف عذاب کا بلکہ یہ ساری تمتع اندوزی اور عیش سب کچھ بھول جائیں گے ایسا معلوم ہو گا کہ کبھی آسائش میں تھے ہی نہیں۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيبٍ إِلَّا لَهَا مُتَبِّرُونَ ﴿۱۸﴾

اور (منکرین کی) جتنی بستیاں ہم نے

(عذاب سے) ہلاک کیں سب میں ڈرانے والے پیغمبر آئے منذرون سے مراد ہیں پیغمبر جنہوں نے اللہ کے عذاب سے ڈر لیا مگر وہ باز نہ آئے۔

ذُكْرَىٰ فَتَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۱۹﴾

نصیحت کے لئے۔ اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

ذکر یادداشت یہ منبروں کی علت (مفعول ل) ہے کیونکہ ذکر ہی بمعنی انداز ہے یا ذکر کی کا تعلق پہلے کلام سے نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہم ان پیغمبروں کو مجسم نصیحت بنا دیتے ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۰﴾

اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے۔ یعنی مشرکوں کا یہ قول غلط

ہے کہ شیاطین محمد پر قرآن کا القاء کرتے ہیں۔

وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ

اور شیاطین کے لئے ایسا کرنا جائز بھی نہیں ہے (کیونکہ قرآن ہدایت ہے اور شیاطین

گمراہی کی طرف بلانے والے ہیں)

وَمَا يَسْتَضِيْعُونَ ﴿۲۱﴾ اور وہ ایسا کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے کیونکہ قرآن میں غیب کی خبریں دی گئی ہیں شیطان غیبی خبریں (کیا جانیں اور) کیسے القاء کر سکتے ہیں۔

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُونَ ﴿۲۲﴾

شیاطین کو تو قطعاً (وحی اور کلام ملائکہ کو) سننے سے دور رکھا جاتا ہے (یعنی

آسمان تک جا کر ملائکہ کا کلام نہیں سن سکتے)

معزولوں رو کے گئے، انکارے سے مارے گئے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُكذِبِينَ ﴿۲۳﴾

سو اللہ کی موجودگی

میں تم کسی اور معبود کو نہ پکارو کہیں تم بھی ان ہی لوگوں میں سے ہو جاؤ جن کو عذاب دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں لیکن اگر آپ بھی میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بتائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔

وَأَنْتَ رَعِيشٌ تَرَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۴﴾

اور (سب سے پہلے) آپ اپنے قریب ترین کنبہ والوں کو ڈرائیے۔ یعنی

سب سے پہلے اس کو جو آپ کا زیادہ قرابت دار ہو پھر اس سے کم قرابت رکھنے والے کو پھر اس سے کم قرابت دار کو کیونکہ جس کی قرابت زیادہ ہے وہ پہلے ہدایت کا مستحق ہے مزید یہ کہ اس طریقہ ہدایت سے دوسروں کو بدگمانی کا بھی موقع مل سکتا کیونکہ عام

طور پر لوگ اپنے قریب ترین عزیزوں سے چشم پوشی کیا کرتے ہیں (اور جب آپ قریب ترین عزیزوں کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈرائیں گے تو کسی کو یہ گمان کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا کہ آپ اپنے عزیزوں کی طرف سے چشم پوشی کر رہے ہیں) یا اس لئے عزیز ترین قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا کہ دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں (پیغمبر بھی اپنے قرابت داروں کو عذاب سے بچانہ سکیں گے) نجات کا راستہ یہی ہے کہ ان کی بات مانی جائے اور ان کی ہدایت پر عمل کیا جائے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن الحنفی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر اتری تو آپ ﷺ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہو گا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بناؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر لولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی ہے پھر سب کی دعوت کر دی ہے وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ ﷺ کے تائے (بچے) ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب کم و بیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگولیا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لا کر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کالے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھائے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوتی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پیلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آنا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ ﷺ نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور ﷺ کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور ﷺ نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو (جیسا کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگولیا میں نے سامنے لا کر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گزشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھلایا پکا کھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہلانی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار ہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کمانا لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اسکی اطاعت کریں۔

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو حضور نے کوہ صفا پر چڑھ کر مختلف بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے لولاد فہر، اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آسکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہوا ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کو وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور ﷺ نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا

ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ
آخر تک نازل ہوئی۔

صحابیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اتری تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے گروہ قریش (رہلوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابلہ میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ بستی سے نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباط (اے لوگو ہشید ہو جاؤ دشمن آخرت میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے ڈرا رہا ہوں) عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اسی لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (اعمش کی قرأت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبد اللہ بن حمار مجاشعی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا ہے کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پانچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دی تھی میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس کو میرا سا جھمی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا جھمی ہوں۔ اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو چل کر روٹی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کر دوں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کو بھی۔ میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر۔ تو ان سے جماد کر کامیاب ہو گیا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا۔ اہل جنت میں ہیں۔ (۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابت دار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاک دامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے اور روزِ نحی پانچ ہے وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے روکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے چھپے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے اور وہ شخص جو بد اخلاق اور فحاش ہے۔ حضور نے نَجْل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر نے بحوالہ ابن جریر بیان کیا ہے کہ جب آیت وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو حضور نے تبلیغ کی ابتدا اپنے گھر والوں سے کی مسلمانوں پر یہ امر شاق گزرا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَ اَخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾
 اور ان لوگوں کے ساتھ (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔
 اخفض یعنی نرم رویہ اختیار کرو۔ پرندہ جب نیچے اترنا چاہتا ہے تو اپنے بازوؤں کو نیچے جھکالیتا ہے یہاں بطور استعارہ سلوک کی نرمی اور خوش اخلاقی مراد ہے۔

من المؤمنین میں من بیانہ ہے یا تبعیضیہ اگر اتباع سے عام اتباع مراد ہو خواہ اتباع کامل ہو یا ناقص تو من بیانہ ہو جائے گا اور اگر کامل اتباع مراد ہو تو من تبعیضیہ ہو جائے گا کیونکہ مؤمنین کا لفظ عام ہے کامل اتباع کرنے والے مؤمن ہوں یا ناقص اتباع کرنے والے گناہ گار مؤمن۔ مؤخر الذکر کی تائید آئندہ جملہ سے ہوئی ہے کیونکہ اس میں گناہ گار مؤمن مراد ہیں۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾
 تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں اس آیت میں گناہوں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم دیا گیا ہے گناہ گاروں سے الگ ہونے کے اظہار کا حکم نہیں دیا گیا۔
 اور اللہ غالب مہربان پر بھروسہ کرو۔

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا نہ عقلاً جائز ہے نہ نقلاً صحیح۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہوں بھروسہ کرنے کے اقوال کو سنت اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگرانی ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جاسکتے ہیں اسی لئے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرحیم جو رحیم ہے تمہارے لو پر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔

الَّذِي يَرِيكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۱۹﴾
 جو تم کو دیکھتا ہے جس وقت تم کھڑے ہوتے ہو یعنی لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کے لئے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو یا جس وقت تم نماز کے لئے اٹھتے ہو۔ کذا قال المفسرون۔

وَتَقَلَّبَكَ فِي الشَّجِدِينَ ﴿۲۰﴾
 اور (نماز شروع ہونے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست برخواست کو بھی دیکھتا ہے۔

تقلبک، یعنی نماز کے اندر قیام اور رکوع اور سجود کی طرف تمہارے منتقل ہونے کو۔ فی الشجدین یعنی فی المصلین۔ حسب روایت عطیہ و عکرمہ حضرت ابن عباس کا یہی تفسیری قول ہے مقاتل نے کہانی المصلین یعنی مع المصلین مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھراتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر نظر نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کر لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ ابوغوی۔ حسن نے کہا قلب سے مراد ہے تصرف یعنی مومنوں میں تمہاری آمد و رفت کو اللہ دیکھتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا ساجدین سے مراد ہیں انبیاء یعنی جیسے انبیاء کے حالات تھے وہ چلتے پھرتے اور مختلف احوال رکھتے تھے اسی طرح مختلف احوال میں تمہارے تصرف کو بھی خدا دیکھتا ہے۔ بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تہجد گزاروں کے احوال کو تلاش کرنے کے لئے جو تم آتے جاتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ بیضادی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جب شب کی نماز کی فریضت

منسوخ کر دی گئی تو اسی رات کو رسول اللہ ﷺ اپنے مکان سے برآمد ہو کر صحابہ کے مکانوں کی طرف تشریف لے گئے تاکہ یہ معلوم کر سکیں کہ صحابہ رات کو گھروں کے اندر کیا کرتے ہیں کیونکہ آپ کو صحابہ کا عبادت میں مشغول ہونا بہت زیادہ مرغوب تھا۔ صحابہ کو ذرا خد اور تلاوت میں مشغول پایا ان کی آوازوں کی بھن بھناہٹ بھڑوں (یا شہد کی مکھیوں) کی بھن بھناہٹ کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے احوال خاص بہت تھے یہاں صرف آپ کے قلب فی الصحابہ کا ذکر اس لئے کیا کہ آپ کا یہ عمل رحمت کا سبب تھا۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ قلب سے مراد ہے آباؤ و اجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ ﷺ کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباؤ و اجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ﷺ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ قلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا۔ یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقام۔ اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جاسکے گا اس امر پر کہ حضور ﷺ کے سارے آباؤ و اجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

تلا لانی وجوه الساجدین

ویقتل احد نورا عظیما

الی ان جاء خیر المرسلین

تقلب فیہم قرنا فقرنا

ہر ایک نور عظیم منتقل کرنا ہر باجو موحدوں کے چروں پر جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلین پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) نبی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی۔ جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت وائلہ بن اسحق کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت انس کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں پس میں ذالی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور سبھی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے آباء و اجداد کے مومن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت و منفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

بلاشبہ وہی سنتے والا اور جاننے والا ہے اقوال کو سنتا اور افعال کو نیتوں کو اور تمام امور کے انجام کو جانتا ہے لہذا اس پر توکل کرنا مناسب ہے۔

ہَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنْزَلُ الشَّيْطَانُ ﴿۸۱﴾
یہ جواب ہے کافروں کے اسی قول کے کہ اس شخص پر شیاطین کا نزول ہوتا ہے۔

تَنْزِيلَ عَلٰى كُلِّ اُمَّةٍ اٰیٰتِهِمْ ﴿۳۷﴾
 اور محمد ﷺ نے شر پر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہ گار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی و قولی) مناسبت و موافقت ضروری ہے۔

ثَلٰثُونَ السَّمْعَ وَاَكْثَرَهُمْ كَذِبُوْنَ ﴿۳۸﴾
 (دروغ گو گناہ گار لوگ شیطانوں کی طرف) کانوں کو لگاتے ہیں اور ان سے کچھ سیکھ پاتے ہیں مگر اس میں اپنے خیالات کا کثیر حصہ شامل کر دیتے ہیں جو غلط۔ اور واقع کے خلاف ہوتا ہے ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں اور محمد ﷺ ایسے نہیں ہیں آپ نہ شیطانوں کی بات سنتے ہیں نہ دروغ بانی کرتے ہیں بلکہ بکثرت غیب کی اطلاعات دیتے ہیں جن میں سے کوئی بھی واقع کے خلاف نہیں ہوتی)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کانہوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) سچ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر بھاگتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کنگھانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس ایک صحیح بات میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے کہ جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کانہوں کے دلوں میں لا کر ڈال دیتے ہیں کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے جواب میں کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی بزرگ، بزرتر عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان روای نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے دکھلایا۔ یعنی چاروں انگلیوں کو اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر کر کے دکھائی۔ مترجم) نیچے والا سن کر اپنے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو۔ یہاں تک کہ سب سے نچلا شیطان ساحریا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ ٹوٹنے والا ستارہ اس پر آگرتا ہے (اور اس کو جلا دیتا ہے) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے (اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے) اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا عرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خود جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ یہاں بزرگ و بزرگ و بزرگ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح کی (آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا پھر (ترتیب وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن کر لے بھاگتا ہے اس

طرح شیاطین اپنے دوستوں کی طرف لا کر دے مارتے ہیں (کاہن لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم بھوکا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا۔ ہم ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غادی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۷۰﴾
اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء امراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ ﷺ کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبد اللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبد اللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔ یہ شعراء جھوٹی غلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیے اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاویوں فرمایا یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجائیے اشعار نقل کرتے تھے۔

قائدہ اور مجاہد نے کہا الغاویوں سے مراد ہیں شیاطین۔ یہ جملہ الگ ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے شاعر ہونے کے خیال کو باطل کیا گیا ہے۔ اسی ابطال کی تائید آئندہ آیت کر رہی ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۷۱﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۷۲﴾
(اے مخاطب) کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے

نہیں۔

وادئ سے کلام کی ایک نوع جیسے مدح، ہزم، فخر، یا محبت، اظہار بغض وغیرہ کہا جاتا ہے۔ انانی فی واد و انت فے واد اخر میں ایک وادی میں ہوں (ایک قسم کی بات کر رہا ہوں) اور تو دوسری وادی میں ہے (دوسری قسم کی بات کر رہا ہے) حاتم سرگرداں۔ اپنے رخ پر بغیر کسی حد پرر کے چلا جانے والا۔ یعنی شعراء کلام میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں جھوٹ کی پروا بھی نہیں کرتے ان کے بیشتر کلامی مقدمات محض خیالی بے حقیقت ہوتے ہیں۔

قائدہ نے کہا شعراء تعریف بھی جھوٹی کرتے ہیں اور ہجاء بھی غیر واقعی۔ بعض نے فی کل واد یہیمون کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے ہر حرف پر اشعار کے قافیے بناتے ہیں۔ عمل کے خلاف کہنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اشعار میں بہت دروغ گوئی کرتے ہیں۔

قرآن کے اعجاز کے دورخ ہیں لول ترتیبی یعنی اسلوب اول اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کافروں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ ﷺ کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رلوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری و مسلم و احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ۔ حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب (کوہ) عرج پر چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا

سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تمام لو فرمایا فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہیں۔

حضرت ابن مسعود روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور ﷺ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے برے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بتایا کہ خلاف حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثنادر (بکواسی۔ کثیر گو) اور قشد قون (باچھیں پھاڑ کر بنا کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں مستفہقوں کے کیا معنی فرمایا۔ تکبر کرنے والے۔

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے معراج میں لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریریں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

ابن ابی حاتم نے عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ مَا لَا يُفْعَلُونَ تک نازل ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا اللہ کو علم ہے کہ میں ان ہی شعراء میں ہوں اس پر آیت وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ آخِر سورت تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ آخِر نازل ہوئی تو عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہو گئے اس پر اللہ نے آیت الا الذین امنوا نازل فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیات پڑھ کر سنائیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا
مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے

اور مظلوم ہونے کے بعد انہوں نے انتقام لیا۔

ذکروا اللہ کثیرا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو اور اپنے بھتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر، توحید، اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہیں۔

ابو یزید نے کہا کہ کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وانتصروا یعنی مسلمانوں کی ہجرت لوگوں نے کی ہو ان مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجرت کی ہو اور اس

طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنہ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تکوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے بھی جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے

ہو وہ گویا کماتوں سے تیر ماننے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کماتوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جو بربکیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ ﷺ حضرت حسان سے فرما رہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کرو۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر ہے گا جب تو اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے حسان نے ان کی ہجاک کی پس شفا دی اور شفا دینے والی چیز بیان کر دی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حسان کے لئے مسجد کے اندر منہر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی طرف فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور انکو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو۔ (لیکن خود) حضور ﷺ کی خوشی کے مطابق ہجو نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آگیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابو بکر قریش کے نبیوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابو بکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابو بکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آنے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجووت محمد افاجبت عنه وعند الله في ذاك الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجووت محمد ابر اتقيا رسول الله شيمه الوفاء

تو نے مقدس پر ہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت و فاء عمد ہے۔

فان ابى ووالدتى و عرضى لعرض محمد منكم وفاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو۔ محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان۔

اس صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 تم میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کہتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور اہل لو کہتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔
 وحررتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اللہ کے رسول پر مثل اللہ روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔
 ابن سیرین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لا حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ)
 نبیاً حضرت نے فرمایا یہ ان قریش کے لئے تیار کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ

یہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جموں اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں۔
 انہی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کے جو لڑھکے جو لڑکا کر کیا گیا فرمایا
 یہ تمہیں ایک کام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔
 حضرت ابو ہریرہ روایت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو وہ لبید کا یہ کلام ہے الا
 لیس لیس ما خلا اللہ ما طل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے متفق علیہ۔

عمر بن شہید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے حضور کے
 ساتھ سارے قافلے گیا کیا امیر بن سلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور
 میں نے ایک شعر لہرایا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رولہ مسلم۔
 حضرت جندب رلوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہو گئی آپ نے فرمایا اہل انت الا
 سے دست رومی سبیل اللہ ما تقیت تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہو گئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی رلو میں پایا۔
 متفق علیہ۔

شعری کا بیان ہے کہ ابو بکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے
 روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمر دین ریح کو طلب
 کیا اور اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

اس ان عمری انت غادر مسکو
 بن ریح نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا
 یہ تھا آپ پورا قصیدہ ایک بار سن لیا اور لیا کرتے تھے۔

فائدہ

اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علم دین ہو یا مسلمانوں کو عقائد نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔
 حضرت ابی بن کعب رلوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رداوا البخاری۔
 عمر بن عبد اللہ بن برید رلوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے تھے بعض بیان جاوہ ہوتے ہیں اور بعض علم جمالت اور
 بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رداوا ابو داؤد۔
 حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جاوہ ہوتے ہیں اور بعض علم جمالت اور بعض شعر جمالت اور بعض شعر

حکمت اور بعض قول و عیال۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جاؤ ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں رواہ ابوداؤد۔ واحد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد نسائی داری نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو عید سنائی

اور فرمایا:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۱۵﴾ اور عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی بری جگہ لوٹ کر جانا ہے۔

الذین ظلموا یعنی جن لوگوں نے شرک کیا یا رسول اللہ ﷺ کی بجوکی۔

ای منقلب منقلب مصدر ہے بمعنی رجوع یا ظرف ہے بمعنی جائے رجوع استفہام سوالیہ نہیں تمہیدی ہے۔

یمنقلبون لوٹیں گے یعنی مرنے کے بعد لوٹیں گے حضرت ابن عباس نے کہا جہنم اور آتش سوزاں کی طرف لوٹیں گے۔

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تمہیدی ہے۔ سبعلم کے اندر عید بلیغ ہے اور الذین ظلموا میں عموم و اطلاق ہے اور ای

منقلب میں ایہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل

جائے اور وہ لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس

طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وصیت وہ ہے جو ابو بکر بن ابوقحافہ نے دنیا سے نکلنے وقت لکھا تھا (یہ وقت ایسا ہوتا

ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو

اپنا جانشین بنایا اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو

میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين۔

تفسیر سورت شعراء سے فراغت ۱۲۰۵ھ میں ۱۳ رجب کو پنجشنبہ کے دن ہوئی

اس کے بعد سورہ نمل کی تفسیر انشاء اللہ آئے گی۔

اللہ کی توفیق و مدد سے سورت شعراء کی تفسیر کے ترجمہ سے

فراغت ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کو جمعہ کے روز ہوئی۔ فالحمد للہ۔



تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی ﷺ
دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی بعد تفسیر معونات جہانگاہ اہل حدیث	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تفسیر شہنشاہ اردو	قاضی محمد عثمان آبادی	۱۲ جلدیں
قصص القرآن	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تاریخ القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی	۱ جلد
قرآن اور ماحولیات	انجلیسٹر سید سعید بخش	۱ جلد
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن	ڈاکٹر محقق فیضیہ قادری	۱ جلد
لغات القرآن	مولانا عبدالرشید نعمانی	۱ جلد
قاموس القرآن	قاضی نذیر الحسن پوری	۱ جلد
قاموس الفاظ القرآن الکریم	امام محمد رفیع عثمانی	۱ جلد
مکاتیب الیقین فی مناقب القرآن	امام محمد رفیع عثمانی	۱ جلد
اعمال قرآنی	مولانا شرف علی تھانوی	۱ جلد
قرآن کی آیات	مولانا محمد سعید صاحب	۱ جلد

حدیث

تفسیر البخاری مع ترجمہ و شرح از	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تفسیر مسلم	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
جامع ترمذی	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
سنن ابوداؤد شریف	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
سنن نسائی	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
ریاض الصالحین مترجم	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
الادب المفرد کان ترجمہ و شرح	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
مظاہر حق بیدار شریف مشکوٰۃ شریف	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تقریر بخاری شریف	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تجوید بخاری شریف	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
تکلیف الاستقامت	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
شرح الزمینی نووی	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں
قصص الحدیث	مولانا محمد رفیع عثمانی	۱۲ جلدیں

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۴۱۸۶۱-۲۶۴۱۸۶۲-۲۶۴۱۸۶۳-۲۶۴۱۸۶۴